سیفِ چشتیائی

تصنیفِ لطیف

زبدۃ المحققین رئیس العارفین حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی

عیسویست ایں دم نہ ہر باد و دمے — کہ برآید از فرح یا از غمے

ایں الگو وخوٓ اے پسر — آمدت از حضرتِ مولیٰ البشر

(رومیؒ)

سَیفِ چشتیائی

تصنیفِ لطیف

حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑا شریف

عیسویست ایں دم نہ ہر بادو دمے   کہ برآید از فرح یا از غمے

ایں آلہ و ہو اے پسر   آمدت از حضرتِ مولیٰ البشر

(رومیؒ)

سَیفِ چشتیائی

تصنیفِ لطیف

حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑا شریف

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○ (قرآن حکیم)

یقیناً اُنھوں نے (مسیح علیہ السلام کو) قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے

سَیفِ چشتیائی

تصنیفِ لطیف

زُبدۃُ المحققین رئیس العارفین حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی

○

بایماء

حضرت سیّد پیر غلام محیّ الدّین شاہ صاحب قدس سرّہٗ

باہتمام

حضرت سیّد پیر غلام معین الدّین شاہ صاحب قدس سرّہٗ

و

حضرت سیّد پیر شاہ عبدالحق صاحب مدّظلّہُ العالی

○

بار پنجم

مقامِ اشاعت ____________ گولڑا شریف، ضلع اسلام آباد

تاریخِ اشاعت ____________ ۲۹ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ، جون ۱۹۹۸ء

○

خطاطی ____________ خوشی محمد ناصر قادری خوشنویس خوش رقم جالندھری

پیش لفظ

قادیانیّت پر ایک مختصر تبصرہ

مذہبِ اِسلام کے دو بُنیادی اصُول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اَور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت پر اعتقاد رکھنا ہیں۔ اِسلام نے آکر بنی آدم کو بتایا کہ اصل مستحق عبادت، کون ومکان کا پروردگار اَور مالک و حاکم صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اُس کے رسُول ہیں۔ اَور جو ضابطۂ حیات آپؐ نے دُنیا کے سامنے کتاب و وحیِ الٰہی کے ذریعہ پیش کیا وُہی صحیح اَور دُرست ہے اَور اِنسانوں پر لازم ہے کہ اپنی فلاح کے لِیے اُس پر عمل کریں۔ تارِیخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مُسلمانوں کے عرُوج ظاہری و باطنی کا راز اِن دو بُنیادی اصُولوں پر عمل کرنے ہی میں مُضمر تھا۔ مُخالفینِ اِسلام اِس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ چُنانچہ مُسلمانوں کو نیچا دِکھانے کے لِیے اُنھوں نے جو قدم اُٹھائے اُن میں سب سے پہلا اِنہی دو اصُولوں کو ہدف بنانا تھا۔ پہلے اصُول کی مُخالفت میں تو اُنھیں چنداں کامیابی حاصل نہ ہوسکی کیونکہ اِس اصُول کے متعلق تبلیغِ اِسلام کا اثر ہمہ گیر ہوچکا تھا اَور اِنسانی ذہن اِس حد تک نشو و نما پاچکا تھا کہ معبُودانِ باطلہ اَور معبُودِ حقیقی میں تمیز کرسکے۔ اُسے معبُودِ حقیقی پر ایمان رکھنے سے ہٹا کر معبُودانِ باطلہ کی طرف لانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اِندریں حالات مُخالفین نے اپنی تمام تر کوششیں اِس بات پر مرکُوز کردیں کہ اسلامی ایمان کے دُوسرے ستُون یعنی رسالتِ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو متزلزل کیا جائے۔ اَور جو والہانہ عقیدت اَور محبّت مُسلمانوں کو آپؐ کی ذاتِ مُبارک سے تھی اُس میں جس طرح بھی ہوسکے کمی کی جائے۔ اُن کا یہ خیال بھی تھا کہ اِس محاذ پر کامیابی سے اُنھیں اوّل الذّکر اصُول پر خُود بخود کامرانی حاصل ہوجائے گی۔ کیونکہ دُنیا کو اُس اصُول سے متعارف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی نے ہی کروایا تھا اَور آپؐ کی رسالت کے اصُول سے متزلزل ہونا اَور توحید کے اصُول سے ہٹ جانا گویا لازم و ملزُوم تھے۔ اِس لِیے آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے فوراً بعد کاذب نبیوں کی ایک کثیر جماعت نے جزیرۂ عرب میں سر اُٹھایا مگر خلیفۂ اوّل کے بروقت اَور سخت اقدامات کی وجہ سے اُن سب کی سرکوبی ہُوئی اَور کوئی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کے بعد اگرچہ اِنفرادی طور پر مُدّعیانِ نبوت پیدا ہوتے رہے مگر زمانہ پر کوئی معتدبہ اثر ڈالے بغیر دُنیا سے اُٹھ جاتے رہے منظّم طریقہ سے اِس اصُول پر محاذ آرائی قریباً مفقوُد رہی تا آنکہ تیرھویں صدی ہجری میں مُسلمانوں کا ظاہری و باطنی تنزّل تیزی سے شرُوع ہوُا۔ اَور اُس کے برعکس دُوسرے عقائد والی قومیں مادی لحاظ سے اُبھرنا شرُوع ہُوئیں اَور رفتہ رفتہ تمام دُنیا پر چھا گئیں۔ اپنے اِس اِرتقا کی وجہ سے اُنھیں اِسلام کے اصُولوں پر کاری ضرب لگانے کے مواقع میسّر آگئے کیونکہ مادی اِنحطاط کے ساتھ ساتھ مُسلمان ذِہنی اِنحطاط کا بھی شکار ہوچکے تھے اَور مُخالفین کو اپنے عزائم میں کامیاب ہونے کا اِس سے بہتر موقعہ نہیں مِل سکتا تھا۔

مُسلمانوں کے اِس دورِ ابتلا میں سرزمینِ ہند میں حکومت برطانیہ کے زیرِ اثر اُس فتنہ نے سر اُٹھایا جو بعد میں "قادیانیّت" اَور "مرزائیت" کے نام سے مشہُور ہوُا۔ یہاں پر ضرُوری معلوُم ہوتا ہے کہ اُس فتنہ کے متعلق مختصر سا تبصرہ ہدیۂ ناظرین کیا جائے تاکہ اِس بات

کا صحیح اندازہ ہو سکے کہ اس فتنہ سے دُنیائے اسلام کس درجہ کے ذہنی انتشار اور دینی تفرقہ کے خطرۂ عظیم سے دوچار ہوئی عُلمائے وقت نے اس فتنہ کو فرو کرنے میں کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا، اور اس میں حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف کا کردار کتنا اہم اور عظیم الشان تھا۔

یہ تحریک قادیانیت حکومت برطانیہ کی سرپرستی میں شروع ہوئی اور اس کا اصل مقصد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو نشانہ بنا کر مسلمانوں کے دلوں سے آپ کی قدر و منزلت کو نکالنا اور دینِ اسلام کے ارشادات اور اُن کے مطالب میں اس طرح کا ردّ و بدل کرنا تھا کہ مخالفین کو اپنے عزائم کی تکمیل میں امداد مل سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے بعد رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تھا۔ آپ مسلمہ طور پر اللہ تعالےٰ کے آخری نبی تھے اور آپ کی شریعت اس دُنیا کے لیے خُدا کی آخری شریعت تھی۔ اس شریعت میں اتنی وسعت رکھی گئی تھی کہ قیامت تک کے لیے پیش آنے والے انسانی مسائل کا حل اُس میں موجود تھا۔ آپ کے آخری نبی ہونے کی خبر قرآن کریم میں نہایت وضاحت اور غیر مبہم الفاظ میں دی گئی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ (احزاب۔ ۴۰)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسُول اور سب نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

اور متعدد احادیثِ مُبارکہ سے اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً صحیح مُسلم میں بروایت سعدؓ حدیثِ طویل کے ضمن میں مذکور ہے:۔

فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة هارون الا انه لا نبوة بعدی۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت علیؓ سے) فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میرے ساتھ ایسے ہو جیسے موسےٰؑ کے ساتھ ہارون لیکن (نبوت کا لقب تمھیں نہیں مل سکتا) میرے بعد نبوت نہیں۔

مُسلمانوں کے سارے مکاتیبِ فکر ختمِ نبوت کے مسئلہ پر اُس وقت تک کاملاً متفق تھے جب تک بانئ قادیانیت نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس کی ابتدا بھی اُنھوں نے عجیب انداز میں کی۔ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کے سلسلہ میں یہ ذکر ہے کہ اُن کو یہودیوں نے سُولی پر چڑھا دیا اور یہ سمجھ لیا کہ وُہ وفات پا گئے مگر وُہ غلطی پر تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ آسمان پر اُٹھا لیا۔ یہ تذکرہ سُورۃ النساء میں ان الفاظ میں ہے:۔

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ (النسآء: ۱۵۷۔ ۱۵۸)

اور وُہ کہتے ہیں ہم نے مسیح ابن مریم رسُول اللہ کو قتل کر دیا حالانکہ اُنھوں نے نہیں قتل کیا اور نہ ہی صلیب چڑھایا مگر اُس کی شبیہ کو۔ اور جو اس میں اختلاف کرتے ہیں، وُہ بھی بے خبر ہیں۔ اُن کے پاس سوائے ظن کے اور کوئی دلیل نہیں اُنھوں نے ہرگز اُسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُسے اپنے پاس اُٹھا لیا اور خُدا غالب ہے حکمت والا۔

صحیح مُسلم کی احادیثِ مقدسہ میں آثارِ قیامت کے بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ارشادات موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت سے کچھ عرصہ پہلے دُنیا میں شرور و فسادات بے انتہا ہوں گے اور دجّال نامی ایک شخص کا ظہور ہو گا

جو اپنے جادُو اور شیطانی قوتوں کی اِمداد سے ایک وسیع قطعۂ زمین پر قبضہ کر لے گا۔ اور ایمان رکھنے والوں پر دائرۂ حیات تنگ کر دے گا۔ اُس وقت حضرت عیسٰی علیہ السّلام دمشق کے مشرق میں سفید مینارہ کے قریب آسمان سے اُتریں گے اِس حال میں کہ آپ کے دونو ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہوں گے۔ آپ آکر دجّال کو قتل کریں گے۔ اور دُنیا میں اِسلام، ایمان اور امن کا بول بالا کریں گے۔ اور پھر سات سال یہاں زندہ رہنے کے بعد وفات پا کر مدینہ شریف میں حرمِ پاک میں دفن ہوں گے۔ آپ کے ظہور سے پہلے بنی فاطمہؓ میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام محمّد ہوگا اور لقب مہدی۔ وُہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے ظہور کے وقت اُن کا اِستقبال کرے گا اور پہلی نماز یہ حضرات مِل کر پڑھیں گے۔ اُس میں وُہ عیسٰی علیہ السّلام کی قیادت میں دُنیا کو کُفر والحاد کے اثرات سے پاک کرنے میں اِمداد دے گا۔

چُونکہ اِن احادیثِ مُبارکہ میں صحیح سال کا تعیّن نہیں ہے اِس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد کئی ایسے لوگ پیدا ہُوئے جنھوں نے اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر قبل اِس کے کہ وُہ کسی عیسٰی کا اِستقبال کرتے وُہ خود اِس دُنیا سے اُٹھ جاتے رہے۔ بانیٔ قادیانیّت نے ان مدّعیان سے ذرا مختلف طریقہ اِختیار کیا۔ سب سے پہلے اُنھوں نے عُلمائے سلف کے اِس عقیدہ کو غلط بتایا کہ عیسٰی علیہ السّلام زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے تھے اور وُہی پھر زمین پر واپس آئیں گے۔ اُن کے نظریہ کے مُطابق عیسٰی علیہ السّلام اپنے زمانہ میں ہی اِنتقال فرماگئے تھے اور قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والا شخص محض مثیلِ مسیح ہوگا۔ اِس نظریہ کی اشاعت کے ساتھ ہی اُسی مثیلِ مسیح ہونے کا دعویٰ کر کے خود کو مسیح موعُود قرار دے دیا۔ اِس اِبتدا سے وُہ ظلّی نبوّت کی طرف بڑھے اور بالآخر اپنے اصلی نبی ہونے کا اعلان کر کے اُمّتِ مُسلمہ کے اِس اِعتقاد پر ضرب لگائی جس سے وُہ تیرہ سو سال سے مکلّف تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم خُدا کے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اَب مِرزا صاحِب کے اِس اِرتقائے رُوحانی اور اُن کی تعلیمات کی تفصیل اجمالاً دی جاتی ہے :۔

بانیٔ قادیانیّت اور اُن کی اِبتدائی زِندگی

تحریکِ قادیانیّت کے بانی کا نام مرزا غُلام احمد تھا۔ وُہ برٹش انڈیا میں صُوبہ پنجاب کے ضلع گُورداسپُور کے موضع قادیان میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہُوئے۔ اُن کے والد کا نام غُلام مُرتضٰی تھا جو سمرقندی مغل گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا پیشہ طبابت اور زمینداره تھا۔ مرزا غُلام احمد علُومِ مروجہ عربی۔ فارسی اور طِب کی تحصیل سے فارغ ہو کر ۱۸۶۴ء میں ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر میں طوعِ اہلِ مد قریباً چار سال ملازمت کرتے رہے۔ بعدۂ ملازمت چھوڑ کر اپنے والدِ محترم کا ہاتھ بٹانا شرُوع کر دیا۔ ساتھ ساتھ مذہبی کتب کا مطالعہ بھی جاری رکھا اور مذہبی مناظرات وغیرہ میں حصّہ لیتے رہے۔ جہاں تک معلُوم ہو سکا ہے اُن کے آبا و اجداد حنفی المذہب مُسلمان تھے۔ اور خُود مرزا صاحِب بھی اپنی اوائل زندگی میں اُنہی کے قدم بہ قدم چلتے رہے۔ اِس وقت تک مرزا صاحِب کے عقائد وُہی تھے جو ایک صحیح العقیدہ سُنّی مُسلمان کے ہونے چاہئیں۔ وُہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاتم النّبیّین ہونے کے بھی اُسی قدر قائل تھے جیسے دیگر مُسلمان۔ اُن ایّام میں مرزا صاحِب حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے رفعِ آسمانی اور نزُول کے عقیدہ پر بھی ایمان رکھتے تھے۔

مثیلِ مسیح ہونے کا دعوےٰ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اپنی سیاسی بالادستی کھو دینے کی وجہ سے مُسلمان سخت ذہنی پریشانی اور مایُوسی کا شکار ہو چکے

تھے اور اپنے اس اضمحلال سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ہر طرف منتظر آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کب کوئی مردِ خدا آن کر اُنھیں اس ابتلا سے نجات دلائے۔ اس تذبذب اور اضطراب کے زمانہ میں مسلمانوں کے ذہن پر جو نفسیاتی کیفیت طاری تھی مرزا صاحب کو اُن کے رفیق حکیم نور دین نے اُس سے فائدہ اُٹھانے کا مشورہ دیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر وُہ خود کو مثیلِ مسیح کا لبادہ اوڑھ کر قوم کے سامنے پیش کریں تو ساری قوم دل و جان سے اُن کا خیر مقدم کرے گی۔ اور وُہ احیائے ملّت کے لیے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے سکیں گے مرزا صاحب نے اپنے پیروکار حکیم نور دین کے مشورہ پر عمل کرتے ہُوئے سب سے پہلے مثیلِ مسیح ہونے کا دعوٰے کیا اور کہا:-

"مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعوٰی نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہُوں بلکہ مجھے تو فقط مثیلِ مسیح ہونے کا دعوٰے ہے جس طرح محدثیت نبوّت سے مشابہ ہے ایسا ہی میری رُوحانی حالت مسیح ابن مریم کی رُوحانی حالت سے مشابہت رکھتی ہے۔" (اشتہار مندرجہ تبلیغِ رسالت جلد دوم مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی)

مثیلِ مسیح سے مسیح موعود

مرزا صاحب اپنے اس دعوٰے مثیلِ مسیح پر زیادہ عرصہ قائم نہ رہے بلکہ اُس سے ایک قدم آگے بڑھے اور سب سے پہلے "حیاتِ مسیح" کے عقیدہ کو غلط بتا کر "وفاتِ مسیح" کا اعلان کیا۔ اور پھر اپنے مسیح موعُود اور مہدیٔ معہود ہونے کا اعلان ان الفاظ میں کیا:-

"میرا دعوٰے یہ ہے کہ میں وُہ مسیح موعُود ہُوں جس کے بارے میں خُدائے تعالٰے کی تمام پاک کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں کہ وُہ آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔" (تحفۂ گولڑویہ)

ان اعلانات کے بعد احادیثِ نزُولِ مسیح کے مختلف پہلوؤں کو اپنی ذات پر درُست ثابت کرنے کے لیے مرزا صاحب نے استعارہ اور تاویل سے کام لیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے "مُسلم" کی احادیث کے مُطابق مسیح موعُود کی تشریف آوری ان حالات میں ہُونی تھی۔

۱۔ نُزُوْلُهٗ وَمَكَانُهٗ بِالشَّامِ بَلْ بِـدَمِشْقَ عِنْدَ الْمُنَارَةِ الشَّرْقِيَّةِ۔ — حضرت عیسٰیؑ کا نزُول مُلکِ شام یعنی دمشق میں شرقی منارہ پر ہوگا۔

۲۔ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَصَّرَانِ۔ — نزُول کے وقت دو زرد رنگ کی چادریں پہن رکھی ہوں گی۔

۳۔ مُسلمانوں کا امام اُن سے نماز پڑھانے کی درخواست کرے گا تو فرمائیں گے اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ (تمھارا امام تم میں سے ہے) اور صحیح اور متواتر احادیث سے واضح ہے کہ یہ امام حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے جو بنی فاطمہؓ میں سے ہوں گے۔

مرزا صاحب نے ان شرائط کی تکمیل اپنی ذات کے متعلّق کی۔ اور اپنی مسجد کو مسجدِ اقصٰی کا اور اپنی ذات کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا مثیل ظاہر کیا۔

مسیح موعُود سے نبوّت تک

مرزا صاحب اپنے مسیح موعُود ہونے کے دعوٰے پر قریباً دس سال قائم رہے اور پھر ختمِ نبوّت کے معرُوف اسلامی نظریہ کو (جس کے وُہ خود بھی مُعتقد رہے تھے) غلط قرار دے کر نومبر ۱۹۰۱ء میں اپنی نبوّت کا اعلان کر دیا۔

اپنے اِس دعوے کے بعد مرزا صاحب کچھ عرصہ تک اپنے آپ کو ظلّی نبی ظاہر کرتے رہے۔ اُن کے کہنے کے مطابق اگرچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد نبوّت کا دروازہ کھُلا تھا مگر نبوّت صرف آپؐ کے فیضان سے ہی مِل سکتی تھی نہ کہ براہِ راست جیسا کہ پہلے زمانہ میں ہُوا کرتا تھا۔ اور خاتم النّبیّین کے معنی یہ تھے کہ آپؐ نبیوں کی مُہر ہیں اور آپؐ کی مُہر کے بغیر کِسی کی نبوّت کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی۔ یعنی آپؐ کے بعد ایسے انبیاء پیدا ہوں گے جن کی نبوّت کی تصدیق آپؐ اپنی مُہر سے فرمائیں گے۔ ان انبیاء کی نبوّت کا معیار آپؐ کے نقشِ قدم پر چلنا اور آپؐ کی شریعت کو قائم کرنا ہوگا۔

کچھ عرصہ اسی طرح ظلّ رہنے کے بعد مرزا صاحب آخر اُس منزل پر پہنچ گئے جس کے تصوّر سے کاملین بھی کانپتے تھے یعنی اُنھوں نے مُستقل صاحبِ شریعت نبی اور خاتم النّبیّین ہونے کا دعوےٰ کر دیا اور اُن کے شبدیز قلم نے اُس اَدب گاہ کو بھی پھلانگ جانے کی جسارت کی جس کے نزدیک پھٹکنے سے نہ صرف جبرئیل علیہ السّلام کے پَر جلتے تھے بلکہ مشائخ عظام کو آزادی سے سانس تک لینے کی جُرأت نہ تھی ؎

اَدب گاہیست زیرِ آسماں اَز عرش نازک تر
نَفَس گُم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ آں جا

اپنی تصنیف "حقیقت الوحی" میں قرآن کریم کی وُہ آیات جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں نازل ہُوئی تھیں اُنھیں اپنی طرف منسُوب کر کے اپنی ذات کو اُن کا مصداق ظاہر کیا۔

مُستقِل نبوّت کا لبادہ اوڑھنے کے بعد یہ ضرُوری تھا کہ اُس کے دیگر لوازمات بھی سامنے لائے جاتے۔ چُنانچہ مرزا صاحب نے یہ بھی دعوےٰ کیا کہ اُن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اَور وحی سے کہیں زیادہ اِلہامات تھے جو مرزا صاحب نے اپنے دعاوی کے ثبُوت میں پیش کیے۔ مرزا صاحب کے بہت سے اِلہامات پیش گوئیوں کی شکل میں ہیں جنھیں وُہ اپنی صداقت کا معیار اور نشان قرار دیتے رہے۔

مِرزا صاحب اَور قرآن وحدیث

قطعی نبی بننے اور صاحبِ وحی و اِلہام ہونے کے دعوے کے بعد مرزا صاحب نے اپنی توجّہ قرآن وحدیث کی طرف بڑھائی تاکہ اُن میں اپنے مقصد کے حصُول کے لیے ضرُوری ردّ و بدل کیا جا سکے۔ بقول اُن کے "خُدا نے مجُھے مسیح موعُود بنا کر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے بتلایا ہے کہ فلاں حدیث سچّی ہے اور فلاں جھُوٹی اور قرآن کے صحیح معنوں سے مجھے اطلاع بخشی ہے۔" (اربعین نمبر ۴) اور

"جو شخص حَکَم ہو کر آیا ہے اُس کو اِختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خُدا سے عِلم پا کر قبُول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خُدا سے علم پا کر ردّ کر دے۔" (تحفۂ گولڑویہ)

قرآن وحدیث کے مطالب کو بدل ڈالنے کے اس خوُد ساختہ اِختیار کو مِرزا صاحب نے مُسلمانوں سے ہر مسئلہ پر اختلاف کھڑا کرنے کے لیے اِستعمال کیا۔ وُہ نہ صرف اُمّتِ محمّدیہ کے مذہبی عقائد اور دینی نظریات ہی سے الگ ہُوئے بلکہ اُس کی اکثر و بیشتر قومی اقدار اور مِلّی تقاضوں سے بھی علیحدگی اِختیار کر لی۔

اگر وُہ تمام مسائل یہاں بیان کیے جائیں جن میں مرزا صاحب نے اُمّتِ مُسلمہ سے اِختلاف کیا تو اُس کے لیے کئی جلدیں

درکار ہوں گی۔ اُن میں سے مختصراً صرف چند ایک بطورِ نمونہ درج کیے جاتے ہیں:۔

۱۔ نزولِ ملائکہ

مرزا صاحب نے فرشتوں کو اَرواح کواکب قرار دیا ہے۔ "ایام الصلح" میں تحقیق فرمایا کہ فرشتے اگر زمین پر نازل ہوں تو آسمان سے ستارے گر جائیں۔

۲۔ رُوحِ انسانی

بروئے قرآن "رُوح" عالمِ امر سے ہے۔ اور عالمِ امر اُن موجودات کا نام ہے جو حس اور خیال اور جہت اور مکان سے ماورٰی ہیں لیکن مرزا صاحب نے اپنی تقریر جلسہ مذاہب لاہور مؤرخہ ۲۷۔ دسمبر ۱۸۹۶ء میں انسانی رُوح کے متعلق تحریر کیا ہے:۔

"ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے زخموں میں ہزارہا کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ سو یہی بات صحیح ہے کہ رُوح ایک لطیف نور ہے جو اِس جرم کے اندر ہی پیدا ہو جاتا ہے جو رحم میں پرورش پاتا ہے اور جس کا خمیر ابتداء سے نطفہ میں موجود ہوتا ہے۔"

۳۔ "یوم الدِّین" کے متعلق کہا:۔

وَسَمّٰی زَمَانَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ یَوْمَ الدِّیْنِ لِاَنَّہٗ یُحْیٰی فِیْہِ الدِّیْنُ۔

اللہ تعالٰی نے مسیح موعود کے زمانہ کا نام یوم الدین رکھا کیونکہ اس زمانہ میں دین کو زندہ کیا جائے گا۔

حالانکہ قرآنِ حکیم میں جابجا یوم الدین کے معنی روزِ قیامت کے لیے گئے ہیں۔

۴۔ جہاد بالسّیف

مرزا صاحب نے اُس زمانہ میں جب کہ عیسائی حکومتیں، خصوصاً انگلستان، فرانس اور رُوس اسلامی سلطنتوں کو تہ و بالا کر رہی تھیں، جہاد بالسّیف کو تمام مسلمانوں پر حرام قرار دیا۔ اور اہلِ اسلام، احادیث کے حوالہ سے جس مہدیؑ اور مسیحؑ کے منتظر تھے اُنھیں خونی مہدی اور خونی مسیح کہا۔ (تبلیغِ رسالت جلد نہم)

۵۔ معراجِ جسمانی

مرزا غلام احمد "ازالۂ اوہام" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراجِ جسمانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ معراج (معاذ اللہ) اِس جسم کثیف سے نہ تھی بلکہ وُہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ اور اِس قسم کے کشفوں میں مؤلف (یعنی مرزا صاحب) خود، صاحبِ تجربہ ہے۔

۶۔ احترامِ انبیاء

عیسٰی علیہ السّلام کی شان میں کئی طرح کے نازیبا کلمات استعمال کیے اور مسلمانوں سے کہا کہ میں عیسائی مناظرین کے مقابلے

میں اُن کے یسُوع مسیح کے متعلق بات کر رہا ہُوں جو ایک معبُودِ باطل اَور فرضی شخصیّت ہے لیکن جب حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السّلام نبی کے متعلق بات کرتے تو بھی اندازِ گفتگو کچھ زیادہ مختلف نہ ہوتا۔ (دافع البلاء مؤلفہ مرزا صاحب)

۷۔ آلِ نبیؐ کا احترام

مرزا صاحب نے اپنی تصنیفات اَور اشتہارات میں جا بجا اپنے آپ کو آلِ نبیؐ، وارثِ رسُول اللہؐ اَور جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا رُوحانی بیٹا ثابت کرنے کی کوشش کی اَور اِس سعی میں آلِ محمدؐ کے صُلبی اَور خُونی رشتہ کو مقابلۃً کم مرتبہ و کم پایہ دِکھانا چاہا۔

۸۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اَور خُلفائے راشدینؓ کے متعلق قادیانیوں کی زبان درازی

مرزا صاحب کے اپنے اِرشادات دربارہ ائمّۂ اہلِ بیت اَور صحابۂ کرام اِس قدر ثقیل ہیں کہ اُنھیں مصلحتاً یہاں درج نہیں کیا جاتا۔

تمام اُمّتِ محمدیّہ پر کُفر کا فتوے

مرزا صاحب کے بتدریج اِرتقائے نبوّت کی داستان مختصراً اُوپر بیان کی جا چکی ہے۔ احادیثِ مقدّسہ کے مُطابق مسیح موعُود کے ظہُور کے بعد تمام دُنیا کے اِنسانوں نے اِسلام کی حقّانیّت کو تسلیم کرنا تھا جن میں عیسائی، یہُودی اَور تمام دیگر عقائد رکھنے والے اِنسان بھی شامل ہوں گے۔ مگر مرزا صاحب نے جب دیکھا کہ اُن کی دعوت پر لبّیک کہنے والوں کی تعداد بہت کم ہے تو اُنھوں نے اپنے تمام نہ ماننے والوں کو کافر قرار دے دیا۔ فرمایا :-

> "خُدائے تعالےٰ نے میرے اُوپر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وُہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اَور اُس نے مجھے قبُول نہیں کیا وُہ مُسلمان نہیں ہے۔"

(اِرشاد مرزا صاحب مندرجہ رسالہ الذکر الحکیم نمبر ۴)

قادیانیّت کے پسِ پردہ کارفرما قوّتیں

یہ اندازہ لگانا کہ مرزا صاحب کی تحریک کے پسِ پردہ وُہ کون سی اِسلام دُشمن قوّتیں کارفرما تھیں مشکل نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریز حکُومت ہندوستانی مُسلمانوں سے بدظن ہو چکی تھی۔ مگر مرزا صاحب اَور اُن کی جماعت پر اُن کی خاص نظرِ عنایت تھی۔ مرزا صاحب نے دیگر مُسلمانوں زُعماء اَور عُلماء کے خلاف قسم قسم کی درخواستیں اَور محضر نامے حکُومت کو ارسال کیے جن سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ وُہ حکُومتِ برطانیہ کے خاص حاشیہ بردار تھے۔

اَور جب دیکھا کہ آزادیٔ مُلک اَور حصُولِ اِقتدار کی دَوڑ میں ہندو مُسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں، تو اپنی جماعت کے حق میں ہندوؤں کو ہموار کرنے کے لیے اُن کی پُستکوں اَور رِشی مُنیوں کی تعریف میں لکھنا اَور لکچر دینا شرُوع کر دیا۔ اَور اپنی کتاب "شہادت القرآن" میں حکُومتِ برطانیہ کی اطاعت کو نصفُ الاسلام قرار دیا۔

مرزا صاحب کے دعاوی کا اُمّتِ مُسلمہ پر ردِّ عمل

مُسلمان کا یہ ایمان ہے کہ وُہ ایک ازلی ابدی عالم گیر ملّتِ بیضا کا رُکن ہے، جس میں بے شمار انبیائے کرام مبعوث ہُوئے اور جناب محمّد عربی صلی اللہ علیہ وسلّم خُدا کے آخری نبی اور رسُول ہیں۔ اُن کے دین میں چار چیزیں حُجّت ہیں۔ کتابُ اللہ، حدیثِ نبوی، اجتہادِ سلف اور اجماعِ اُمّت۔ جو بات ان چاروں کے میزان پر حق ثابت ہو اُن کے لیے وُہی حق ہے اور جو باطل ہو وُہ باطل۔ مرزا صاحب کی نبوّت اس میزان پر حق ثابت نہیں ہوتی تھی اس لیے اسے ماننا مُسلمان کے لیے ممکن نہ تھا۔

مُسلمان کو یہ بھی معلُوم تھا کہ نبوّت ایک بہت ہی اَرفع و اعلیٰ چیز ہے۔ اور محض چند پیش گوئیوں کی صداقت میزانِ ایمان نہیں ہو سکتی۔ نبوّت کا دعوےٰ کر دینا آسان ہے مگر اُس کے معیار پر پُورا اُترنا آسان نہیں خصُوصاً جب دعوےٰ اُس فخرِ انبیاءؐ کے بُروز ہونے کا ہو جس کی تعریف میں خُدا خُود رطبُ اللّسان ہے اور جس کے زُہد و اتقاء، ایثار و سخا، عبادات و مجاہدات، اہلِ خانہ اور عوام النّاس کے ساتھ حُسنِ سلُوک اور زندگی کے دیگر حسین پہلُوؤں کا بیان ۱۴ سو سال سے بھی مکمل نہیں ہو سکا اُس ذاتِ عالی کے ساتھ مرزا صاحب کی زندگی کا موازنہ کرنا ہی گُستاخی ہے۔

اس کے برعکس مرزا صاحب کا فرمان تھا کہ وحیِ اِلٰہی کا دروازہ ہمیشہ کھُلا ہے اور وُہ خُود خُدا کے رسُول اور نبی ہیں۔ کتابُ اللہ کے وُہی معنی دُرست ہیں جنھیں وُہ دُرست کہیں۔ حدیثِ نبویؐ کے جس حصّہ کو وُہ چاہیں لے لیں اور جسے چاہیں ردّ کر دیں۔ اجتہادِ سلف و خلف ختم ہے کیونکہ نبی (یعنی وُہ خُود) آ گئے ہیں۔ اور اجماعِ اُمّتؐ کے نام کی بھی کوئی چیز نہیں رہی کیونکہ خُدا تعالیٰ اُن سے کلام فرماتا ہے۔ اور اُنھیں اپنی کتاب کے صحیح مفہوم اور حدیث کے صحیح یا بناوٹی ہونے پر مطلع کرتا ہے۔ اس حقیقت کے وُہ خود شاہد ہیں۔ اور جو شخص اُن کی شہادت پر ایمان نہیں رکھتا اور اُن سے بیعت نہیں کرتا وُہ خارج از اسلام ہے۔

مرزا صاحب کے ان فرمانوں کو مان لینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اُمّتِ خیرُ الرُّسُلؐ کا اپنا ایمان، اپنی ہستی اور اپنا وجُود بالکل ختم ہو جاتا۔ اُس کے علُوم و قوانین، مقدّس اقدار، تاریخی شخصیتیں، ثقافت اور اُس کا نظام و معاشرہ سب مِٹ جاتے۔ اُس کی عقیدت اور فکر کا مرکز یکسر بدل جاتا۔ جنابِ ختمی مرتبت تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت و قیادت کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ جاتی۔ قُرآن کی تفسیر اور حدیث کی تاویل، فقہ اور اجماع کا استدلال اور استنباط اُس نہج پر چل نکلتے جو اسلامی روایت اور درایت اور اُمّت کے احساسِ عمُومی کے خلاف ہی نہیں بلکہ انسانیت کے احساسِ عمُومی کے بھی برعکس ہوتا۔ نہ صرف یہ بلکہ اُمّتِ اِسلامیہ اس تحریکِ قادیانیت کی محسن برطانوی حکومت کے سمندِ ناز کی نخچیر بن کے رہ جاتی۔

مرزا صاحب کا دعوےٰ اِس نوعیت کا تھا کہ اُس کا ساری اُمّتِ مُسلمہ پر ایک شدید ردِّ عمل ہونا لازمی تھا۔ تمام عُلمائے اِسلام اور اہلِ دانش اُس کی مخالفت میں متفق ہو گئے اور قادیانیت کے مقابلہ میں یکجان ہو کر اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ اُنھوں نے اپنی تصانیف اور مواعظ کے ذریعے عامّۃُ المُسلمین کو اس قدر باخبر کر دیا کہ قادیانیت کی تبلیغ اِس مُلک میں بالکل بے اثر ہو کر رہ گئی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کو سرکارِ برطانیہ کی حفاظت اور سرپرستی حاصل نہ ہوتی تو اُن کا حشر بھی وُہی ہوتا جو اُن سے قبل آنے والے ایسے ہی مدّعیان کا ہُوا تھا۔ اس سلسلہ میں سیّد عطاء اللہ شاہ بُخاری اور اُن کی جماعتِ احرار، مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری،

مولوی ظفر علی خان مدیر اخبار "زمیندار"، جناب علّامہ اقبال اور حضرت قبلۂ عالمؒ کے مخلصین مولوی محرّم علی چشتی مدیر اخبار "رفیقِ ہند" لاہور اور قاضی سراج الدّین مدیر اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی نے خاص طور پر قابلِ ذکر کام کیا۔ خود قبلۂ عالمؒ گولڑوی کی ذات پاک سے قدرت نے بہت عظیم کام لیا۔

شمس الہدایت کا طلوع

جب مرزا صاحب اور اُن کے نئے مذہب کا زیادہ چرچا ہوا اور ظاہر بین لوگ متاثر ہونے لگے تو علماء کی درخواست پر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ اس طرف متوجہ ہوئے اور باطنی اِرشادات کی تعمیل میں ۱۳۱۷ھ یعنی ۱۸۹۹-۱۹۰۰ء ماہِ شعبان و رمضان المبارک میں اوراد و اشغالِ روزمرّہ سے کچھ وقت بچا کر ایک رسالہ بعنوان "شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیحؑ" منشی عبدالجبار کاتب اخبار "چودھویں صدی" راولپنڈی کو قلمبند کرایا جو رمضان شریف ہی میں طبع ہو کر سارے ہندوستان کے علماء و مشائخ میں تقسیم کرا دیا گیا۔ اور ایک کاپی بذریعہ رجسٹری مرزا صاحب کو بھی قادیان میں ارسال کر دی گئی۔

اِس کتاب میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے آسمان پر زندہ اُٹھائے جانے اور قیامت کے قریب بجسدِ عنصری زمین پر نازل ہو کر اسلام کی نصرت کا باعث ہونے کو قرآن کریم اور صحیح احادیث سے ثابت فرماتے ہوئے اُمّتِ اسلامیہ کے اجماعی اور متفق علیہ عقائد میں سے قرار دیا۔ نیز ثابت کیا کہ اُن کی موت اور اُن کے مثیل کے دُنیا میں بطور مسیح موعود آنے کے قادیانی عقائد غلط اور باطل ہیں۔ "شمس الہدایۃ" کے آغاز میں آپ نے مرزا صاحب کی "ایام الصّلح" والی تعلّی کے مقابلہ میں اُن سے کلمۂ طیّبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی دریافت کیے۔

"شمس الہدایۃ" کے مندرجات منقولات اور معقولات اور اس کے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی خُداداد علمی و عارفانہ شہرت اور عوامی عقیدت ایسی چیزیں نہ تھیں جس سے قادیان میں تہلکہ نہ مچ جاتا۔ مرزا صاحب کے حواریوں نے خود لکھا ہے کہ کتاب کا شائع ہونا تھا کہ مُلک کے طول و عرض میں ایک شور برپا ہو گیا خصوصاً کلمۂ طیّبہ کے معانی کے سوال پر علمائے اسلام بھی دنگ رہ گئے۔

حکیم نور الدّین کے بارہ سوالات

۲۰ فروری ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب کے مشیر حکیم نور الدّین نے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کو ایک خط لکھا جس میں بارہ سوالات درج تھے۔

حکیم صاحب کے کچھ سوالات تو تفسیر ابن جریرؒ اور تاریخ کبیر بخاری کے حوالہ جات کی نسبت تھے کہ آیا اُس زمانہ میں یہ ناپید کتابیں آپ کے کتب خانہ میں ہیں؟ اور تفسیر ابن جریر کی مثل پانچ چھ تفسیروں کے نام دریافت کیے تھے۔ باقی سوالات کا خلاصہ یہ ہے:-

سوال ۳۔ کلّی طبعی جناب کے نزدیک موجود فی الخارج ہے یا نہیں۔ تشخّص متشخّص کا عین ہے یا غیر؟

سوال ۴۔ تجدّدِ امثال کا مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

سوال ۵۔ زید، عمرو یا نور دین جُزئیاتِ انسانیہ اس محسوس مُبصر جسمِ عنصری کا محدُود نام ہے یا وُہ کوئی اور چیز ہے جس کے لیے یہ جسم بطور لباس ہے؟

سوال ۶۔ انبیاء و اولیاء، انواعِ ذنوب و خطایا سے محفوظ نہیں یا ہیں۔ کتاب یا سُنّت سے کوئی قوی دلیل چاہیئے۔

سوال ۷۔ الہام و کشف و رُویائے صالحہ کیا چیز ہیں۔ ان سے ہم فائدہ اُٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال ۱۰۔ عقل، قانونِ قدرت، فطرت کہاں تک مُفید ہیں یا شریعت کے سامنے اس قابل نہیں کہ ان کا نام لیا جائے تعارض عقل و نقل کے وقت کونسی راہ اختیار کی جائے ؟

سوال ۱۱۔ تصحیح احادیث رُوات کو دیکھ کر آج کل ہم اَور آپ بھی کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

سوال ۱۲۔ تفسیر بالرائے اور متشابہات کے کیا معنی ہیں ؟

اور ایک سوال بعض احادیث مندرجہ شمس الہدائیت کے استخراج کے متعلق تھا۔

حضرتؒ کے جوابات

خط کے پہنچتے ہی حضرتؒ نے جواب تو لکھوا دیا مگر عُلماء کے اس مشورہ کے تحت روانہ نہ کیا کہ مبادا ان کی اشاعت سے "شمس الہدائیت" میں مندرجہ سوالات کے جواب سے ہی جواب مل جائے مگر جب ۲۴۔اپریل کے اخبار الحکم قادیان میں علم ہوا۔ کا شکوہ شائع ہوا تو آپ نے وُہ جواب بھجوا دیا۔ جوابات کی شانِ دلالت اور فریقِ مُخالف کے متحیرانہ سکوت کا لُطف تو کچھ اُن کے مطالعہ ہی سے آسکتا ہے۔

خاتمۂ جواب پر حضرتؒ نے تحریر فرمایا:۔

"مجھے بخیال شان آپ کے بہت افسوس ہے کہ جناب سے ایسے سوالات سرزد ہوں عصمت انبیاءؑ اور عدم وقُوعِ خطائی الامر التبلیغی میں تو تردد ہو مگر مرزا صاحب کی عصمت اور عدم امکان خطائی التعبیر تک بھی متیقن بہ۔ سبحان اللہ، مولانا، آپ کے اخلاق کریمانہ سے اُمید کرتا ہُوں کہ تشریح حقیقت معجزہ سے ذرا آپ بھی ممنون فرماویں گے۔ والسلام خیر ختام۔"

جب حضرتؒ کے جوابات نے مُلک کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر عُلماء و فضلاء سے تحریری و تقریری خراجِ تحسین حاصل کیا اور عوام کی طرف سے "شمس الہدائیت" کے جواب کا مطالبہ زور پکڑ گیا تو مرزا صاحب نے جوش میں آکر حضرت کو مناظرہ کی دعوت دی مگر اُس میں یہ نہیں کہا کہ آیئے، میرے جن عقائد اور دعاوی سے آپ کو اور تمام عالمِ اسلام کو اختلاف ہے یعنی وفاتِ مسیحؑ، میرا مثیل مسیح اور مسیح موعُود ہونا، المہدی الآعیسٰی، میری ظلی بُروزی بلکہ مُستقل نبوت، میرے متعلق انکار پر مُسلمانوں کا خارج از اسلام ہونا اور دجال شخصی اور جہادِ سیفی کی تردید وغیرہ کے متعلق میرے ساتھ مباحثہ کر لیں تاکہ حق واضح ہو جائے اور میرے مشن کی راہ میں جو رُکاوٹیں ہیں دُور ہو جائیں بلکہ اس بات کی دعوت دی کہ آؤ میرے ساتھ عربی زبان میں تفسیر نویسی کا مقابلہ کرلو۔ مقامِ مناظرہ لاہور مقرر کیا اور تین عُلماء بطور حکم نامزد کیے۔ دعوت نامہ ایک لمبے اشتہار کی شکل میں شائع کیا۔

گولڑہ شریف میں مرزا صاحب کا یہ اشتہارِ دعوت ۲۵۔جولائی ۱۹۰۰ء کو موصُول ہُوا۔ اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ نے اُسی روز اشتہار جواب دعوت مع ضمیمہ مطبع اخبار چودھویں صدی راولپنڈی میں بھجوا کر اگلے ہی روز مُلک میں شائع کروا دیا۔ مرزا صاحب کی خواہش کے مُطابق پانچ ہزار کاپیاں چھپوائی گئیں۔ اُن میں سے ایک مرزا صاحب کو بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ اور عُلمائے کرام مندرجہ اشتہار دعوت کو اور پنجاب و ہندوستان، صُوبہ سرحد اور افغانستان کے بہت سے دیگر عُلماء و فضلاء کو بھی دستی اور بذریعہ ڈاک روانہ کر دی گئیں۔ تمام مُلک کے اخبارات میں بھی اس دعوت مناظرہ اور جواب دعوت کی اطلاعات نشر کر دی گئیں جس سے ہر جگہ خاصی دلچسپی پیدا ہو گئی حضرتؒ صاحب نے نہ صرف دعوت قبول فرمائی بلکہ تحریری مناظرہ کے ساتھ ساتھ تقریری مناظرہ کی بھی دعوت دی۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی طرف سے تقریری بحث کی دعوت نے اس ہونے والے مباحثہ کی قومی افادیت اور عوامی دلچسپی میں بے حد اضافہ کر دیا۔ مرزا صاحب کے چیلنج میں تو اس مقابلہ کی حیثیت کم و بیش انفرادی تھی جس میں دو فاضل مضمون نگار تفسیر نویسی اور عربی علم و ادب میں اپنی قابلیت کا مظاہرہ کر کے، بڑے چھوٹے ہونے کا فتویٰ حاصل کرتے۔ مگر حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ کی دعوت نے قادیانیت اور اسلام اور کفر و ایمان کی دس سالہ کشمکش کو براہِ راست بالمقابل کر کے تصفیہ اور قولِ فیصل کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

مباحثہ کے ضمن میں مسلمانوں کا عظیم اجتماع

چنانچہ جب وعدہ کا دن قریب آیا تو ملک کے طول و عرض سے ہزارہا مسلمان لاہور پہنچ گئے۔ علماء، درویش، مشائخ اور ہر طبقہ و فرقہ کے مذہبی اُفتادِ طبع رکھنے والے مسلمان، شیعہ سُنّی، اہل حدیث حتّٰی کہ قادیانی جماعت کے مُرید، مُتفق، ہمدرد اور مائل بھی دُور و نزدیک سے جمع ہو گئے۔ دہلی، سہارنپور، دیوبند، لدھیانہ، سیالکوٹ، گورداسپور، امرتسر، مظفر گڑھ، ملتان اور پشاور کے ہر عقیدہ کے اسلامی مدارس اور مراکز نے بھی جو پہلے سے ہی قادیانی مباحث میں دلچسپی لے رہے تھے، اپنے اپنے نمائندے بھیجے۔ بعض سرکاری ملازم بھی دُور و دراز شہروں سے رُخصت لے کر پہنچ گئے۔ مسلمانانِ لاہور نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ استقبالیہ کمیٹیاں بن گئیں۔ اور سرائیں، مسجدیں، مدرسے اور لوگوں کے گھر مہمانوں سے بھر گئے۔ قریبی اضلاع، قصبوں اور مضافات سے آنے والی ریل گاڑیاں وغیرہ سواریوں سے بھری ہُوئی پہنچنے لگیں۔ اور لاہور کے بازاروں میں لوگوں کے ٹھٹھ سے میلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اُن دنوں ویسے بھی لوگ مذہبی جلسوں اور مباحثوں میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن اس خاص موقعہ پر تو ہجومِ خلائق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ جیسی مشہورِ زمانہ رُوحانی تقدس اور علمی جلالت شہرت رکھنے والی شخصیت پہلی بار، اسلام پر قادیانیت کے خطرناک حملوں کے دفاع میں عُلمائے دین کی اس قدر بڑی اور فقید المثال تعداد کے ساتھ میدانِ مناظرہ و مباحثہ میں تشریف فرما ہو رہی تھی۔ اور تمام مُوافق، متردّد یا مُخالف حضرات اپنی آنکھوں سے بیسویں صدی کی اس سب سے بڑی اشتہاری تحریک کا حشر دیکھنا چاہتے تھے۔

مباحثہ کا انعقاد شاہی مسجد میں قرار پایا تھا اس لیے مورخہ ۲۵۔ اگست کو پولیس نے وہیں حفظِ امن کے انتظامات کر رکھے تھے۔ ۲۵ اور ۲۶ کو دونوں اطراف کے نمائندے اور عوام مسجد میں جمع ہو ہو کر منتشر ہوتے رہے اور قادیانیوں کی طرف سے کہا جاتا رہا کہ شرائط کے طے ہونے میں توقف ہو رہا ہے۔ مگر مرزا صاحب ضرور آئیں گے۔ لیکن مرزا صاحب کو نہ آنا تھا اور نہ آئے۔ مرزا صاحب نے صاف کہہ دیا کہ میں کسی قیمت پر بھی لاہور آنے کو تیار نہیں ہُوں۔ کیونکہ مولوی لوگ مجھے دعوائے نبوت میں کاذب ثابت کرنے کے بہانے قتل کرانا چاہتے ہیں۔

جب مرزا صاحب کی آمد سے قطعاً مایوسی ہو گئی تو ۲۷۔ اگست کو شاہی مسجد میں مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہُوا۔ جس میں عُلمائے کرام نے اس دعوتِ مناظرہ کی مکمل داستان بیان کر کے قادیانیت کی واضح تصویر لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ تمام اسلامی فرقوں کے سرکردہ عُلماء نے منبر پر کھڑے ہو کر ختمِ نبوت کی یہ تفسیر بیان کی کہ حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس دُنیا میں آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ اور جو شخص بھی اس عقیدہ کا مُنکر ہے دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

"سیفِ چشتیائی"

مرزا صاحب نے مناظرہ سے فرار کے بعد "اعجاز المسیح" کے نام سے سُورۂ فاتحہ کی تفسیر شائع کی جب یہ تفسیر عربی دان طبقہ کے ہاتھوں میں پہنچی تو مرزا صاحب کے تفسیری کمالات سب کے سامنے آگئے۔ اور عربی دانی و عربی نویسی کے بلند بانگ دعاوی کی اصلیت سب پر روشن ہوگئی۔ اس تفسیر کی زبان محاورہ سے محروم، لغوی اور معنوی اغلاط سے مملو اور مسروقہ عبارات سے پُر تھی۔

جب "اعجاز المسیح" کی تفسیر پر بھی خاطر خواہ نتائج مترتب نہ ہوئے اور مسلمانوں کے خطوط اور اشتہارات میں یہ تقاضا مزید زور پکڑ گیا کہ مرزا صاحب ان لطائف الحیل کو چھوڑ کر حضرت پیر صاحبؒ کی کتاب "شمس الہدایت" کا جواب لکھنے کی طرف متوجہ ہوں تو انھوں نے اپنے معتقد مولوی محمد احسن امروہی کو جو تنخواہ میں تخفیف کے باعث ناراض ہو کر امروہہ چلے گئے تھے، واپس بلوایا اور کوئی ایک سال کے عرصہ میں اُن سے "شمس بازغہ" لکھوا کر شائع کرائی۔

"اعجاز المسیح" اور "شمس بازغہ" کے جواب میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "سیفِ چشتیائی" تصنیف فرمائی جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہو کر برِصغیر کے عُلماء و مشائخ، دینی مدارس اور مذہبی اداروں میں مُفت تقسیم کی گئی۔ اور اس وقت آپ کے سامنے ہے۔ اس میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے مرزا صاحب کی اعجازی تفسیر سُورۂ فاتحہ موسومہ "اعجاز المسیح" پر صرف و نحو، لغت، بلاغت، معانی، منطق اور محاورہ کی غلطیاں، نیز سرقہ، تحریف اور التباس کے قریباً یکصد اعتراضات فرمائے ہیں۔

آپؒ نے مرزا صاحب کے اس "مُعجزانہ کلام" میں صرف "مقاماتِ حریری" سے ہی بیس مسروقہ عبارات کی نشاندہی فرمائی ہے جہاں مرزا صاحب نے حریری کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اور "شمس بازغہ" کے صفحہ بصفحہ اندراجات کے علی الترتیب ایسے خاموش کُن اور مسکت جوابات دیے کہ عُلمائے وقت میں امروہی صاحب کے علمی افلاس کا ڈھنڈورا پٹ گیا۔

حضرتؒ کی تصنیف یعنی "سیفِ چشتیائی" اپنے نادر استدلال، بلند پایہ علمی مضامین اور مسئلہ زیرِ بحث پر سوال و جواب کے پیرایہ میں واضح اور دل نشین انداز اور تجزیہ کے باعث نہایت مقبول ہوئی ہے اور آج نصف صدی گزرنے پر بھی بار بار طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ لی جا رہی ہے۔ بلند پایہ عُلماء کے طبقہ میں تو بالخصوص اس کی بہت مانگ ہے اور وہی در حقیقت اس کی صحیح قدر و منزلت بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں آیت وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللهِ (سورۂ نساء۔ آیت ۱۵۷) کے ذیل لکھتے ہیں: "اور حیات و موتِ عیسوی کی بحث میں کتاب "سیفِ چشتیائی" قابلِ مطالعہ ہے۔" اسی طرح دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی اپنی کتاب "عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسٰی علیہ السلام" کے دیباچہ میں "سیفِ چشتیائی" کو مسئلہ حیاتِ مسیح پر ایک بہترین اور کافی و وافی تحریر قرار دیا ہے۔

"سیفِ چشتیائی" میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ نے ابن عساکر کی حدیث نزولِ ابن مریم، روایت کردہ حضرت ابُوہریرہؓ درج فرما کر لکھا تھا کہ۔

"اسی حدیث کے آخر میں حاجًا او معتمرًا ولیقفن علی قبری ویسلمن علی ولاردن علیہ موجود ہے اور ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفًا میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے اور جواب سلام سے مشرف ہونے کی نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہوگی۔"

چنانچہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور مرزا صاحب کو نہ تو حج نصیب ہوا اور نہ مدینہ منورہ کی حاضری ہی، جو اس حدیث کی رُو سے حضرت مسیح ابنِ مریم علیہ السلام یعنی مسیح موعود کے لیے ایک نہایت ہی ضروری نشان ہے یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد حج بھی ادا کریں گے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ پاک پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام بھی عرض کریں گے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم انھیں قبرِ مبارک سے سلام کا جواب بھی دیں گے۔ (اختتام اقتباسات از مہرِ منیر)

چونکہ سیفِ چشتیائی سے متعلقہ واقعات آج سے قریباً ایک صدی قبل ظہور میں آئے تھے اس لیے موجودہ قارئین کی سہولت کے لیے حضرت سیدنا مہر علی شاہ صاحبؒ کی سوانح حیات "مہرِ منیر" سے مندرجہ بالا اقتباسات یہاں اس زیرِ نظر ایڈیشن میں شامل کر دیئے گئے ہیں تاکہ اُن واقعات کا پس منظر سامنے آجائے۔ قارئین کی مزید سہولت کے لیے عربی عبارتوں کا ترجمہ اور فہرستِ مطالب کا بھی اس ایڈیشن میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔

حضرت سیدنا مہر علی شاہ صاحبؒ اور مرزائے قادیانی کے مجوزہ مباحثۂ لاہور جس کا ذکر اسی پیش لفظ کے صفحہ "ذ" پر آچکا ہے، سے متعلقہ بعض خطوط اور اشتہارات بھی "سیفِ چشتیائی" کے دوسرے ایڈیشن کے آخر میں افادۂ عام کے لیے درج کر دیئے گئے تھے۔ چونکہ ان سب کا ذکر اب حضرتؒ کی سوانح حیات "مہرِ منیر" کے باب پنجم کی پانچویں فصل میں تفصیلاً کیا جا چکا ہے اس لیے اُن کا یہاں اعادہ ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اسی طرح مولانا محمد غازی صاحبؒ مقیم دربار گولڑا شریف نے اپنی طرف سے ایک اشتہار بعنوان "وہابی کا معنی کیا ہے؟" غیر مقلدین وہابیہ کی تردید میں اپنی تالیف "عجالہ بردو سالہ" کے ساتھ ایک ملحقہ مفلٹ میں بطورِ ضمیمہ شائع کیا تھا۔ جسے بعد ازاں "سیفِ چشتیائی" کے دوسرے ایڈیشن میں بھی کسی خاص وجہ سے درج کر دیا گیا تھا۔ اس اشتہار کو آئندہ "عجالہ بردو سالہ" کے آخر میں ہی درج کرنے پر اکتفا مناسب سمجھی گئی ہے کیونکہ نہ تو اس کا "سیفِ چشتیائی" کے نفسِ مضمون سے کوئی تعلق تھا اور نہ ہی کتاب کے قلمی مسودہ میں اُس کا کوئی ذکر ہے۔ کتاب ہذا کے صفحہ ۱۸۱ سطر ۲۵ میں مرزائے قادیانی کے علاوہ اُنہی مشہور مدعیانِ نبوت کے ناموں پر اکتفا کی گئی ہے جن کا تذکرہ "سیفِ چشتیائی" کے اصل قلمی مسودہ میں اور دیگر اکابر علماء اہلِ سُنّت کی کتابوں "بہارِ شریعت" وغیرہ میں ہے۔

جیسا کہ قارئین دیکھیں گے کتاب ہذا مناظرانہ طرز میں تحریر کی گئی ہے۔ چونکہ فریقِ مخالف نے اپنے اعتراضات علم و فن کے رنگ میں پیش کیے تھے۔ لہٰذا اُن کا جواب بھی اُسی رنگ میں پیش کرنا ضروری تھا۔ ہندوستان کے مشہور مفتی اور عالم اور ریاست رام پور کے مدرسہ عالیہ کے پرنسپل مولٰینا فضل حق رام پوری نے ایک سال اجمیر شریف میں عُرس کے موقعہ پر حضرت بابُوجی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کی اس تصنیف کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

"یُوں تو حضرتؒ کے کمالات بہت بیان ہوتے ہیں لیکن مَیں تو اُس دماغ کا شیدائی ہُوں جس سے "سیفِ چشتیائی" ظہور میں آئی ہے۔"

کتاب ہذا میں اصطلاحی الفاظ اور فنی مباحث کا مکمل فہم فقط ماہرین علمائے کرام ہی کر سکتے ہیں۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ کے مکتوبات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپؒ کی اس نادر تصنیف نے عُلمائے عصر سے بے حد خراجِ تحسین وصول کیا۔ دُعا ہے کہ قارئین کے لیے حضرتؒ کی اس تصنیف لطیف کا مطالعہ باعثِ تقویتِ ایمان ہو۔ اور اللہ تعالٰے اس کتاب کی طباعت کے کارِ خیر میں حصّہ لینے والے سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جمادی الآخر ۱۴۰۲ھ
مارچ ۱۹۸۲ء

محمد حیات خان

فہرست مطالب

صفحہ	فہرست مطالب	نمبر شمار
۲۲۰	کہ آں حضرتؐ اور عیسیٰؑ پر موت کا آنا رسالت کے منافی نہیں	
۲۲۱	قادیانی کا دعویٰ کہ شمس الہدایت میں آنحضرتؐ کی برأت عن الوفات کو مخاطب کا مزعوم ٹھہرائے جانے سے یہ شخصیہ ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی سالبہ کلیہ بھی جس سے طرزِ استدلال باطل ہو گیا حضرتِ مؤلفؒ کی طرف سے اس کا بدلائل جواب کہ مزعوم مخاطب کو باختلاف اعتبار شخصیہ اور سالبہ کلیہ بھی کہنا صحیح ہے اور اس سے طرزِ استدلال بھی باطل نہیں ہوتا	۹۰
۲۲۲	قادیانی کا تفسیرِ رحمانی کے اقتباس کے حوالہ سے یہ کہنا کہ منافات بین الموت والرسالت کو اصحابہؓ کا مزعوم ٹھہرانا غلط ہے حضرتِ مؤلفؒ کا جواب کہ جاں نثاروں کا محبوب کی جدائی کے صدمہ سے بدیہات کا بھول جانا قدرتی امر ہے جس کا اقرار خطبۂ صدیقیہؓ کے بعد صحابہؓ نے فرمایا	۹۱
۲۲۳	قادیانی کے آیت "فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ" میں جعل تکوینی، حضرتِ عیسیٰؑ کے استثنا کی دلیل نقلی قطعی، ابلیس کا صعودِ آسمان بعد ہبوط اور حضرت آدمؑ کے آسمان پر پیدا ہونے کے دلائل کے متعلق استفسار اور حضرت مؤلفؒ کا بحوالہ آیاتِ قرآنی و بدلائل مفصل جواب	۹۲
۲۲۳	قادیانی کا استفسار کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کو کس وجہ سے بعد النزول رسالت سے معزول فرما رہے ہیں حضرت مؤلفؒ کا جواب کہ عیسیٰؑ کا منصب و مقامِ قرب رسالت بدستور قائم ہے۔ صرف بعد از نزول وہ اپنی شریعت کے شرائع و احکام کی تبلیغ سے فارغ ہوں گے	۹۳
۲۲۴	فتوحات کی عبارت کے متعلق حضرتِ مؤلفؒ کی مفصل تشریح کہ حضرت شیخ اکبرؒ کا مطلب عبارت مذکورہ سے صرف بقاء مرتبہ و مقامِ نبوت سے ہے الی یوم القیمۃ۔ مگر وہ تو آنحضرتؐ کے بعد کسی کا نبی یا رسول ہونا جائز نہیں رکھتے	۹۴
۲۲۵	قادیانی کا قول کہ وہ حضرت مؤلفؒ کی تفسیر (سورۂ زلزال) کو جو اُنھوں نے تفاسیر سے بذریعہ احادیث لکھی ہے، سراسر غلط نہیں کہتے کیونکہ وہ تو مخصوص بیوم الحشر ہے۔ وہ تو صرف اُس تفسیر کو غلط کہتے ہیں جو علماء نے قبل قیامِ قیامت اخیر زمانہ سے متعلق رکھی ہے حضرت مؤلفؒ کی نشان دہی کہ قادیانی نے خود سورۂ زلزال کو قبل قیامِ قیامت آخر زمانہ سے متعلق لکھا ہے	۹۵
۲۲۵	قادیانی کے حضرت مؤلفؒ کے اقرارات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کہ ابنِ مریمؑ اور دجال والی پیش گوئی مکاشفہ اجمالی ہے حضرتِ مؤلفؒ کا جواب کہ اُن کا کلام قدرِ مشترک اور مکشوف آخری میں ہے یعنی مسیح بعینہٖ مکشوف ہوا اور ابن صیاد مکشوف آخر نہ تھا	۹۶
۲۲۶	قادیانی کا قول کہ اُس نے یہ کہیں نہیں کہا کہ تمام آیاتِ قرآنیہ دلالت باعداد جمل کرتی ہیں حضرتؒ مؤلف کا جواب کہ اشاراتِ قرآنیہ اور صوفیا کی پیشین گوئیاں اعدادِ جمل کے طور پر حجت علی الغیر نہیں ہو سکتیں۔ نہ اعدادِ جمل کو پکڑ کر کسی کو مجبور علی الایمان کیا جا سکتا ہے	۹۷

نمبر شمار	فہرست مطالب	
۹۸	قادیانی کا الزام کہ حضرت مؤلفؒ نے سُنّت ہائے عُمریّہ کو خیرباد کہہ دیا ہے اور حضرت مؤلفؒ کا بدلائل ردّ	۲۲۶
۹۹	قادیانی کا قول کہ تمیزِ اعداد بقرائن لفظیہ و حالیہ اکثر محذوف ہوا کرتی ہے اور حضرت مؤلفؒ کا یہ کہنا غلط ہے، کہ "لقادرون" سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بالفعل متحقق کرنے والے ہیں حضرت مؤلفؒ کا جواب کہ قرآن کے الفاظ "اربعة اشہر و عشرا" میں بحسب محاورۂ عرب قرینہ موجود ہے مانحن فیہ۔ اور قدرت اور مشیّت کا یہ مقتضیٰ نہیں کہ مقدور و مشی ضرور متحقق ہو گیا کہ بالفعل بھی	۲۲۶
۱۰۰	قادیانی کا قول کہ کسی صحابی یا تابعی کا قول در بارۂ حیاتِ مریمؑ بمقابلہ نصوص قطعیہ قبول نہیں ہوسکتا حضرت مؤلفؒ کا فرمان کہ مانحن فیہ میں اجماع ہے	۲۲۷
۱۰۱	آنحضرتؐ کا بوقت حصول کشفِ تفصیلی کے دجّال کا مفصّل حُلیہ بیان فرمانا	۲۲۷
۱۰۲	نعمت اللہ ولی کے بیت، "مہدیٔ وقت عیسٰی دوراں ہر دو را شہسوار می بینم" کی تشریح	۲۲۷
۱۰۳	قادیانی کا قول کہ محدّث اور مجدّد بھی مُرسل ہوتا ہے حضرتؒ مؤلف کا فرمان کہ اصطلاحی معنیٰ کی رُو سے اُنھیں "رسول" نہیں کہا جاسکتا	۲۲۸
۱۰۴	قیامت کے وقوع کے متعلق قادیانی کے سوالات اور اُن کا جواب	۲۲۹
۱۰۵	قادیانی کی شمسِ بازغہ کے آخری فقروں میں حضرت مؤلفؒ کی طرف سے اغلاط کی نشان دہی	۲۳۰

قابلِ توجہ اہلِ اسلام

اس ہیچمدان خوشہ چین عُلمائے کرام کو مُطابق قول اَلسَّلَامَۃُ فِی الْوُحْدَۃِ گوشہ نشینی پسند رہی ہے۔ تصنیف و تالیف کا شوق نہیں کیونکہ یہ اُمور یا تو بغرض شہرت و نام آوری یا بغرض حصُولِ دولت کیے جاتے ہیں۔ سو اس خاکسار کو ان دونوں اُمور سے نفرت ہے۔ آج کل کے ابنائے زمان اُن کمالات کو پسند کرتے ہیں جو منجملہ تعلیمات یورپ کے ہیں، اُور جن سے یہ عاجز ناواقف ہے۔ اُور اُس طرزِ قدیم سے جس پر زمانۂ سلف کے بزرگانِ دین تصنیف و تالیف کرتے آئے ہیں، اُور جس سے اِس ہیچمدان کو قدرے موانست ہے، کوئی لگاؤ نہیں رکھتے۔ باوجُود ان موانعات کے چند احباب کے اصرار پر رسالہ "شمسُ الہدایت" لکھا گیا تھا جس سے مُراد نہ تو طلبِ شہرت تھی اور نہ حصُولِ دولت بلکہ اصل غرض یہ تھی کہ اعلاءِ کلمۃ الحق میں کوتاہی نہ ہو اور قیامت میں بازپُرس سے بچ جاؤں۔ اور اگر ان اَوراق کی تصنیف سے گُم کردہ راہ، رُوبراہ آجائیں یا متزلزل الاعتقاد وگمراہ ہونے سے بچ جاویں، تو عند اللہ مستحق ثواب ٹھہروں۔ اس رسالہ کے شائع ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد مرزا صاحب قادیانی اَور اُس کے مُریدوں کی طرف سے، بجائے کسی جواب کے مباحثہ کے لیے اشتہار شائع ہونا شروع ہُوئے۔ ہرچند مباحثہ کے لیے کُل شرائط مرزا قادیانی نے خود ہی تجویز کی تھیں۔ اس طرف سے نہ تو کوئی شرط پیش ہُوئی اَور نہ کسی شرط کی ترمیم کی درخواست کی گئی۔ اَور یہ خادم الفقراء مع عُلمائے کرام و مشائخ عظام تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچ کر کئی روز تک محمڈن ہال انجمن اسلامیہ پنجاب لاہور میں بغرض انتظار مرزا صاحب قادیانی کے ٹھہرا رہا۔ مگر مرزائے قادیانی قادیان سے باہر نہ نکلا۔ اس تمام واقعہ کی عوام نے بلا میری اطلاع کے تشہیر بھی کر دی تھی اس لیے اب اس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بہت دیر بعد جب شمسُ الہدایت کے جواب میں مرزا قادیانی کے اِمر وہی مُرید نے شمس بازغہ لکھا۔ اور مرزا صاحب نے تفسیر فاتحہ چھپوائی تو دوبارہ اہلِ اسلام اَور میرے احباب نے مجھے مجبُور کیا کہ ان کے جواب میں قلم اُٹھاؤں۔ گو میں نے بہت انکار کیا اور کہا کہ ؎

آں کس کہ بعشرِ آں وخبر زو نرہی　　　آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی

لیکن پھر خیال کیا کہ مرزا قادیانی اور اُس کے مُریدوں سے ہمیں کیا غرض۔ عوام مُسلمانانِ ہند و پنجاب کے فائدے کے لیے ہی لکھنا چاہیئے۔ لہٰذا مجبُوراً یہ اَوراق لکھ کر مولوی محمد غازی صاحب کے حوالہ بغرض اشاعت کر دیئے کہ وُہ اسے کتاب کی صُورت میں چھپوا کر میرے پاس لائیں۔ تاکہ یہ علماء کرام و معززین اسلام میں بدستور سابق مُفت تقسیم کی جائے۔ کیونکہ مجھے اس کی اشاعت سے مقصُود نفع اہلِ اسلام ہے نہ کہ تجارت۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔ (یٰس - ۱۷)

مُحبُّ الفُقَرَاء
مہر علی شاہ عفی عنہ

لے یہاں بادشاہی مسجد لاہور کے جلسے کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں مُجلہ عُلمائے کرام و صُوفیائے عظام نے مرزا کو مُخاطب کرنے سے منع فرمایا تھا۔ ۱۲ منہ

خطبہ بزبانِ عربی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ارسل رسلہ مبشرین و منذرین وختمھم بمن انزل فیہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین نزل علیہ قرآنا عربیا غیر ذی عوج بابھر آیات واظھر حجج واجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن عجزوا عن الاتیان بمثل اقصر سورۃ منہ مع الخذلان واشھد ان لا الہ الا ھو الہ العلمین واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ وحبیبہ وخلیلہ خاتم النبیین علیہ وعلی آلہ من الصلوۃ اسناھا عدد علمہ ومن التسلیمات ازکاھا ملأ اجسمہ وعلی صحبہ الذین اووہ ونصروہ والذین اتبعوھم باحسان الی یوم الدین سیما مجددی دینہ متین الھازمین لمتنبی القادیانی والقاطعین عن متنہ الوتین اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعل منا مثل الذین قلت فیھم۔

ترجمہ:

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

سب حمد و ثنا اس خدائے پاک کے لیے ہے جس نے اپنے رُسل کرام علیہم السلام کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور اُن کے آخر میں اس ذاتِ گرامی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا "مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں" اور آپ پر کجی سے پاک وہ عربی قرآن نازل فرمایا جس میں روشن ترین آیات اور قوی ترین دلائل ہیں۔ اگر سب جن و انس اس قرآن کی مثل لانے پر اکٹھے ہو جائیں تو اس کی چھوٹی سی سورت کی بھی مثل لانے سے ذلت کے ساتھ عاجز ہو جائیں گے اور گواہی دیتا ہوں کہ عبادت و پرستش کے لائق فقط خدا ہی ہے جو سب جہانوں کا معبود برحق ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عبد و رسول حبیب و خلیل اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ اور آپ کی آل کرام اور اصحاب عظام پر جنہوں نے آپ کی نصرت و حمایت کی اور ان کے تا قیامت مخلص تابعداروں پر بعدد علم الٰہی اعلیٰ ترین صلوات و بقدر علم الٰہی پاکیزہ ترین تسلیمات ہوں خصوصاً ان لوگوں پر جو آپ کے دین کے مجدد[1] ہیں۔ اور جو مدعی نبوت قادیانی کو شکست دے کر اس کی [illegible] کی شہ رگ کاٹنے والے ہیں۔ اے خداوند ان کی نصرت و مدد فرما جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کریں اور ہمیں انہی

---

[1] یہ اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ایسی ہستیاں پیدا فرماتا رہے گا جو آپ کے دین کے مجدد ہوں گے یعنی تحریف و تبدیل کرنے والے لوگوں سے دین کی حفاظت کریں گے۔ جیسا کہ قادیانی کے مقابلے میں حضرات علمائے اُمت نے اپنا فرض ادا کیا۔ مؤلف

سے بنا۔ اور اُن لوگوں کو مخذول و مغلوب کر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو نیچا دکھانے کی سعی کریں۔ اور ہمیں ایسے لوگوں میں شامل نہ فرما۔ اور ہمارا حال اُن لوگوں کے حال کے مشابہ نہ کر جن کے متعلق تیرا ارشاد ہے

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ○

(آل عمران - ۱۸۷)

اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے عہد لیا جو کتاب دیئے گئے کہ ضرور اس کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور اُسے نہ چھپائیں گے پس اُنھوں نے اس کتاب کو پس پُشت ڈال دیا اور اس کو معمولی عوض کے بدلے بیچ ڈالا۔ پس اُنھوں نے بہت بُرا سودا کیا۔

وَأَيْضًا

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ (آل عمران - ۷۷)

نیز فرمایا۔ بے شک جو لوگ خُدا کے عہد اور اپنی قسموں کو معمولی عوض کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں وُہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور نہ خُدا اُن سے قیامت کے دِن ہمکلام ہوگا اور نہ اُن کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ اُنھیں پاک کرے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

أَمَّا بعد۔ فيقول الفقير الملتجي الى اللّٰهِ الغني به عمّن سواه عبده وابن عبده مِهرعلی شاه[1] الحسني نسبًا الحنفي مذهبًا الچشتي النظامي والقادري مشربًا إنّ أسنى ما يرغب فيه ويشرف عليه وابهى ما تمتد اعناق الهمم اليه هو علم الكتاب والسنة۔

حمد و ثنا کے بعد بندۂ فقیر خُدا کی طرف ملتجی اور اسی کے ساتھ اُس کے ماسوا سے مستغنی اُسی کا بندہ اور اُسی کے بندے کا فرزند مہر علی شاہ[1] نسباً حسنی مذہباً حنفی مشرباً چشتی نظامی قادری ذہبی گویا ہے کہ اِن مقاصد میں جن کی طرف رغبت و توجّہ کے ساتھ گردنِ ہمت بلند کی جاتی ہے۔ سب سے اعلیٰ و ارفع کتاب و سُنت کا علم ہے۔

---

[1] سلسلہ طریقت میں جب آباواجداد بھی شامل ہوں تو اُسے سلسلۃ الذہب یعنی سُنہری سلسلہ کہتے ہیں جیساکہ حضرت قدس سرہٗ کے مندرجہ ذیل سلسلہ قادریہ جدیہ سے ظاہر ہے فهو رضي الله عنه وعن اسلافه الكرام ابن السيد پیر نذر دین بن السید پیر غلام شاہ بن السید پیر روشن دین بن السید عبدالرحمٰن نوری بن السید عنایت اللہ بن السید غیاث علی بن السید فتح اللہ بن السید اسد اللہ بن السید فخر الدین بن السید احسان بن السید درگاہی بن السید جمال علی بن السید محمد جلال بن السید محمد بن میراں سید محمد کلاں بن میراں شاہ قادر قمیص السندوروی فی نواحی السهارنفور ومشائخ کلیر بن السید ابی الحیات بن السید تاج الدین بن السید بہاؤ الدین بن السید جلال الدین بن السید داؤد بن السید علی بن السید ابی صالح نصر بن السید عبدالرزاق بن السید عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی رضی اللہ عنہ وعن اولادہ واحفادہ الی یوم القیامۃ ۱۲۔

حررہ الراجی عفو ربہ محمد غازی مُقیم آستانۂ عالیہ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔
اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ○ (النساء - ۸۲)

ارشادِ الٰہی ہے۔
کیا وُہ قرآن میں تدبّر نہیں کرتے۔ اگر وُہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ "كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ" ○
(ص - ۲۹)

نیز فرمایا۔ یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تاکہ اس کے آیات میں غور و فکر کریں۔ اور عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

وقال تعالٰی۔ "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔" (محمّد - ۲۴)

وقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم الّا وانی اوتیت القراٰن ومثله معه۔

فعلمهما من اهم ما تشدّ رحال القصد الیه و اعظم ما تناخ مطایا الطلب لدیه ومن اوکد ما لاجله ترکب الخوادی والعوادی الی العمرانات والبوادی ومن اشد ما یجتدی لدفع معرّة العوادی من الاهاضیب النوادی "کما قال عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه والّذی لا اله غیره ما نزلت اٰیة من کتاب اللہ الا وانا اعلم فیمن نزلت واین نزلت ولو اعلم احدًا اعلم بکتاب اللہ منی تناله المطایا لاتیته"۔

فالواجب علینا معشر المسلمین تعلمهما ممن هو اهل لذلك ویقدم تفسیر القرآن بالقرآن علی حسب اللغة العربیة وعلی طبق ما فسّره رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلّم۔

نیز فرمایا۔ کیا پس وُہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ لوگو! آگاہ رہو۔ میں قُرآن اور اُس کے ساتھ اُسی کے مانند (سُنّت) دیا گیا ہُوں۔
پس کتاب و سُنّت کا علم اُن اہم ترین مقاصد سے ہے جن کی طرف مقصد کے سامان باندھے جاتے ہیں۔ اور ان عظیم ترین مطالب سے ہے جہاں طلب کی سواریاں بٹھائی جاتی ہیں اور اُن موکّد ترین اُمور سے ہے جن کے لیے اُونٹوں اور گھوڑوں پر آبادیوں اور جنگلوں میں سفر طے کیا جاتا ہے۔ اور ان مضبوط ترین بلند پہاڑی چوٹیوں سے ہے جہاں پر ڈاکوؤں کا فتنہ و فساد دفع کرنے کے لیے قیام کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ "اُس خُدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبُود نہیں کتاب اللہ کی کوئی آیت نہیں اُتری مگر میں اس کے متعلق سب سے زیادہ جانتا ہُوں کہ کس کے بارے نازل ہُوئی اور کہاں نازل ہُوئی اور اگر میں یہ جانتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جانتا ہے جسے سفر اور سواری کے ذریعہ پایا جا سکتا ہے تو ضرور اس کے پاس حاضر ہوتا۔"
لہٰذا ہم جماعت اہلِ اسلام پر واجب ہے کہ کتاب و سُنّت کا علم اُن اشخاص سے حاصل کریں جو اس کی اہلیّت رکھتے ہیں۔ پس سب سے مقدّم قرآن کی وُہ تفسیر ہو گی جو خود قرآن سے حسبِ لُغتِ عربیہ حضور نبی کریم علیہ السّلام کی تفسیر کے مُطابق ہو۔

قال اللّٰہ تعالیٰ ”اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ “

(القیمۃ ۱۷-۱۸-۱۹)

اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے۔ بے شک ہم پر ہے قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس کے پڑھنے کا اتباع کریں پھر ہم پر ہے اس کا بیان کرنا۔

وقال اللّٰہ تعالیٰ ”اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ “

(النساء - ۱۰۵)

نیز اِرشادِ باری ہے۔ بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ جس طرح خُدا نے آپ کو دکھایا اُس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور خیانت کرنے والوں کے لیے جھگڑنے والا نہ ہونا۔

وایضاً۔ ”وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ “

(النحل - ۶۴)

نیز فرمایا ہم نے آپ پر کتاب نہیں اُتاری مگر اس لیے کہ لوگوں کو بیان فرمائیں وُہ چیز جس میں اُنھوں نے اختلاف کیا اور ہدایت اور رحمت ہے اُس قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے۔

وایضاً قال تعالیٰ۔ ”وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ “ (النحل - ۴۴)

نیز فرمایا ہم نے آپ پر ذکر نازل کیا تاکہ لوگوں کی طرف منزل کتاب کو ان کے لیے بیان کریں اور شاید وُہ غور و فکر کریں۔

وقال صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم۔ ”الا وانی اوتیت القرآن ومثلہ معہ“

حضور نبی کریم علیہ السّلام فرماتے ہیں۔ لوگو آگاہ رہو میں قرآن اور اس کے ساتھ اسی کے مانند (سُنّت) دیا گیا ہُوں۔

فتفسیرہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بدر القوادی و نجو الداذی واقدم من کل شیئٍ لا تسوغ مخالفتہ لمسلم قط علی رغم ما زعم المتنبّی القادیانی وحزبہ فانھم اتوا فی التفسیر کل مضادی والضوادی فجعلوہ مرجعاً واصلاً لتفسیر الرّسول ولو بتاویل تمجّہ العقول کما فی احادیث النزول۔

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تفسیر رہبروں کے لیے چودھویں کا چاند اور تاریکی میں روشن ستارہ ہے۔ اور ہر اُس چیز پر مقدم ہے جس کی مخالفت کی گنجائش مُسلمان کے لیے ہرگز نہیں بخلاف مدعیٔ نبوت قادیانی اور اس کی جماعت کے۔ کیونکہ ان لوگوں نے خلافِ منقول و معقول اور غلط حیلوں کو قرآن کی تفسیر بنا کر حضُور نبی کریم علیہ السّلام کی تفسیر کے لیے بطور اصل قرار دیا، اگرچہ بعید از عقل تاویلات کیوں نہ کرنی پڑیں۔ جیسا کہ نزولِ مسیح علیہ السّلام کے احادیث میں قادیانی تاویلات سے واضح ہو جائے گا۔

---

[1] حضرت مؤلف قدس سرّہ نے کتاب وسُنّت اور ان کے متعلقہ لازمی علوم کی اہمیت پر اس خُطبہ میں جس قدر مدلل طریقہ سے روشنی ڈالی ہے اس میں اُن لوگوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو بعض نام نہاد صُوفیوں اور جعلی پیروں کے غیر شرعی اقوال و اعمال کے پیشِ نظر کاملین مشائخ طریقت اور اکابر صُوفیائے کرام علیہم الرحمۃ پر یہ الزام تراشا شرُوع کر دیتے ہیں کہ ان اہلِ تصوّف کے نزدیک کتاب وسُنّت کی کچھ اہمیت نہیں۔ بھلا یہ کیسے مُمکن ہو سکتا ہے کہ جس سرچشمۂ ہدایت سے حضرات صُوفیائے کرام نے سیراب ہو کر دُنیا میں اسلام کی حقانیت کی عملی تصویر پیش کی وُہ اُس سرچشمۂ ہدایت یعنی کتاب وسُنّت کے بجائے کسی اور طریقہ کو اہم قرار دیں جب کہ خُود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے متعدد بار اپنی اُمّت پر واضح فرما دیا کہ میرے بعد تمھارے لیے ہدایت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب اور میری سُنّت ہے۔ اور جب تک ان پر عمل پیرا رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ فیض عفی عنہ

ثم تفسير علماء الصحابة اذهم ادری بذلك لما شاهدوا من القرآن والاحوال المعينة على فهم المراد مع نيل سعادة السماع والتعلم عن رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ عن ابن مسعودؓ قال كان الرجل منا اذا تعلم عشر ایات لم یجاوزهن حتی یعرف معانيهن والعمل بهن۔

حضور علیہ السلام کی تفسیر کے بعد علمائے صحابہؓ کی تفسیر کا مقام ہے کیونکہ حضور علیہ السلام سے سننے اور سیکھنے کی سعادت کے ساتھ ساتھ ان حضرات نے نزولِ قرآن اور ان احوال کا بالمشافہ معاینہ کیا جو قرآن کے سمجھنے میں مددگار ہو سکتے ہیں لہٰذا وہ اس معاملہ کو سب سے بہتر جانتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی شخص دس آیات قرآنی سیکھ لیتا تو اُس وقت تک مزید کی طرف توجہ نہ کرتا جب تک ان کے مطالب اور ان پر عمل پیرا ہونے کو اچھی طرح معلوم نہ کر لیتا۔

وقال ابو عبد الرحمن السلمی حدثنا الذين كانوا يقرؤننا انهم كانوا يستقرؤن من النبی صلی الله علیه وسلم وكانوا اذا تعلموا عشر ايات لم يخلفوها حتی يعمل بما فيها من العمل فتعلمنا القرآن والعمل جميعًا۔

حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں کہ جن حضرات سے ہم نے پڑھا وہ فرماتے تھے کہ جب ہم حضور نبی علیہ السلام سے پڑھتے تو دس آیاتِ قرآنی پڑھنے کے بعد جب تک اُن پر عمل پیرا ہونا معلوم نہ کر لیتے آگے نہ بڑھتے۔ لہٰذا ہم نے علم اور عمل دونو حاصل کیے۔

"بالجملة تفسير الصحابی مقدم علی رأی غیرہ لا كما زعمت المرزائية فانها طائفة اشربت فی قلوبها نبوة القادياني ورسالته وتفسير القرآن برایها تفسيرًا يعترم لنبوته بان يجعل هذ المطلوب متبوعًا والتفسير تابعًا له فترد اليه بای طريق امكن وان كان ضعيفًا او تحريفًا او خرقًا للاجماع فسودوا الكراريس العديدة لاثبات ان غلام احمد القادياني نبی ورسول فمن لم يؤمن بنبوته فهو احد الكفرة الذين انكروا رسالة الرسل خارج عن الاسلام والعياذ بالله فصرفوا جهدهم وما زال المقصود ينصرف وبذلوا انفسهم والمطلوب يعرض وينحرف فالحمد لله على ما انصرمت عری امالهم عن الفوز بما فی خيالهم واين الحضيض من السمآء والثريا من الثریٰ ولنعم ما قيل فی الهندية۔ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا۔"

بہرحال صحابی کی تفسیر دُوسروں کی رائے پر بلاشُبہ مقدم ہے بخلاف مرزائیوں کے۔ کیونکہ ان کی جماعت کے دلوں میں قادیانی کی نبوت پلا دی گئی ہے۔ وُہ لوگ اپنی رائے سے ایسی تفسیر کرتے ہیں جو قادیانی نبوت کی تائید کرے۔ گویا اُن کے ہاں اصل چیز یہی ہے۔ اور تفسیر اس کے تابع ہے جسے ہر ممکن طور پر اپنی اس رائے کی طرف لوٹاتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی نبی و رسُول ہیں۔ اور جو اُس کی نبوت کا منکر ہو وُہ اسلام سے خارج اور اُن کفار سے ہے جنھوں نے رسُولوں کی رسالت سے انکار کیا۔ (خُدا کی پناہ) اُنھوں نے اپنی ساری کوشش صرف کی مگر ان کا یہ غلط مقصد دُور ہوتا گیا اور اپنی جانیں کھپا دیں۔ مگر یہ مطلب بنتا ہی گیا۔ اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر ہے کہ جو مقصد ان کے خیال میں تھا اُس تک رسائی سے اُن کی اُمیدوں کے سلسلے ٹوٹ گئے۔ بھلا کہاں زمین کہاں آسمان۔ کُجا ثریا (تارے) کُجا ثریٰ (زمین کا نچلا حصہ) ہندی میں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ کیا پدّی کیا پدّی کا شوربا۔

الظروف بأن الفتن في الأرض كيف أدى نسيمه وعيون من نطق قد حصروا في أعين عدة من الجهلة بحيث نهضوا لتحيت الله فباؤا بالذلة مع الاهوان في الآخرة والأولى وأنه وإن علماء الإسلام حيث صنفوا كتبا ورسائل لإطفاء فتنة القادياني وأنه قد هدى الله به كثيراً من المرزائية في أكثر البلدان وتابوا توبة نصوحاً والحمد لله على ذلك وخطر ببالي في دهري أن أكتب كتاباً يوضح سبيل المؤمنين الذين أنعم الله عليهم من السلف الصالحين ويجتنب طريق المبتدعين الذين نبذوا الكتاب والسنة وراء ظهورهم مفتخرين بآثار أصحاب الفلاسفة معرضين عما عليه أرباب الشريعة فحال بيني وبين ما كنت أروم تراكم الأشغال وتزاحم الهموم حتى بلغ مني وأظهر الغفلة من لا يسعني الإسعاف ما أمله وانجاح ما سئله فها أنا أشرع في المقصود مجيباً عما قال المولوي محمد أحسن الامروهي وأخوته من المعترضين على رسالتي المسماة شمس الهداية ومصححاً لما تفوه به القادياني في تحريف سورة الفاتحة ومبطلاً دعوى إعجازه في تفسير سورة الشافية معتمداً على فضل الله متشبثاً بذيل رسول الله صلى الله عليه وسلم فنعم المنيع منيعي ونعم الشفيع شفيعي بأبي و أمي هو وما بين أضلعي۔

ذرا گزشتہ زمانے کے مدعیان نبوت مسیلمہ وغیرہ کے حالات دیکھو جنہوں نے اپنے جھوٹے دعووں سے کئی ایک جاہلوں پر اپنا جادو چلایا مگر انہیں خدا کی طرف سے جواب ملتے تھے آخر کار وہ ذلیل اور ان کے مددگار سب دنیا و آخرت میں ذلیل ہوئے۔ علمائے اسلام کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے قادیانی اور اس کی امت کے فتنہ کی آگ کو بجھانے کے لئے کئی کتابیں اور رسائل تصنیف کیے جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے بہت سے علاقوں میں کافی مرزائیوں کو ہدایت فرما کر خالص توبہ کی توفیق بخشی الحمد للہ۔ بسا اوقات میرے دل میں خیال آتا تھا کہ کوئی ایسی کتاب تحریر کروں جو انعام الٰہی کے مستحقین اہل ایمان کی راہ کو واضح کرے اور ان اہل بدعت لوگوں کے راستے جدا جنہوں نے ارسطو وغیرہ فلاسفہ کے نقش پر چلتے ہوئے ارباب کتب منزلہ کے مسلک سے روگردانی کی اور کتاب و سنت کو پس پشت ڈال دیا لیکن میرے اور اس مقصد کے مابین مختلف تفکرات و مشاغل کی کثرت حائل تھی یہاں تک کہ ایسے لوگوں نے اصرار کرتے ہوئے اس امر کی ضرورت ظاہر کی جن کی امیدوں کو پورا کرنے اور مطالبہ تسلیم کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ لہٰذا مولوی محمد احسن امروہوی اور اس کے ہم مسلک لوگوں کو جنہوں نے میری کتاب شمس الہدایہ پر اعتراض کیے تھے جواب دینے اور مرزا قادیانی نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جو غلطیاں کیں ان کی اصلاح اور اس کے دعویٰ اعجاز کے ابطال کے لیے اپنے مقصد کی ابتدا کرتا ہوں اور اس کام میں اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کرتے ہوئے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑتا ہوں۔ خدا تعالیٰ میرا بہتر قوی حامی ہے۔ اور حضور علیہ السلام بہتر شفیع ہیں۔ میرے ماں باپ اور جسم و جان سب آپ پر فدا ہوں۔

مرزا قادیانی نبوّتِ اصلی کا مُدّعی تھا

قال فی خطبۃ رسالتہٖ المسمّاۃ بالشمس البازغہ ـــ یعنی امروہی نے اپنے رسالہ شمس بازغہ کے خطبہ میں کہا :-

شعر

وَ اُولُوالعلم کلھم[1] شھدوا	انّہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ
ثم[2] قال الرسول قولوا[3] معی	انّہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ
خیرُ ما قلتُہ وَ قَال بہ	قبلنا لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ
ما عدا الانس[4] کلھم[5] شھدوا	انّہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ

صفحہ (۱) **قولہ** ۔ وَاشھد انّ محمّدًا خاتم النبیین لانبی بعدہٗ ۔

اقول ۔ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِي قُلُوْبِهِمْ[6] اور نیز قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ (منافقون۔۱) میں ایسی ہی شہادات کا بیان ہے ۔ آپ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو خاتم النّبیین مانتے ہیں تو پھر غلام احمد قادیانی دعوٰئے نبوت میں کاذب کیوں نہیں سمجھا جاتا ۔ کیا اُس نے دعویٔ نبوّت کا نہیں کیا ۔ اور بذریعہ اشتہار مؤرخہ ۵۔ نومبر ۱۹۰۱ء کے جس کا عنوان (ایک غلطی کا ازالہ) جلی قلم سے لکھا ہوا ہے ۔ للکار کر نہیں پکارا کہ میں نبی اور رسول ہوں ۔

سوال ۔ خاتم النبیین اور ایسا ہی لا نبی بعدہٗ میں مُراد نبی سے وُہ انبیاء ہیں جن کی نبوت اصالتاً ہو ۔ نہ یہ کہ بسبب کامل اتّباع کے ظلّی طور پر اُن کو رسُول اور نبی کا لقب دیا جاوے ۔ اور غلام احمد قادیانی ظلّی طور پر نبوت و رسالت کا مدّعی ہے ۔ نہ اصالتاً ۔

جواب ۔ قادیانی نے گو کہ بظاہر ظلّیت اور بروز اور فنافی الرّسُول کے الفاظ کو سپر بنا رکھا ہے ۔ مگر فی الحقیقت نبوّتِ اصلیّہ کا مدّعی ہے ۔ اور بر تقدیر تسلیم فنا فی الرّسُول ہونے اس کے ، پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد نبی و رسُول کہلوانے کا مجاز نہیں ہو سکتا ۔ کما سنبینہٗ ۔

نبوّتِ اصلیہ ہونے کا ثبوت اور اُس کی تردید :- دیکھو اشتہار مذکور صفحہ (۱) سطر (۱۳) "چنانچہ وُہ مکالماتِ الٰہیہ جو براہینِ احمدیہ میں شائع ہو چکی ہیں ۔ ان میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے ۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ[7] دیکھو صفحہ ۴۹۸ براہینِ احمدیہ ۔ اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسُول کر کے پُکارا گیا ہے ۔"

---

[1] کلھم ۔ کلمہ کل بوجہ مضاف ہونے کے معرفہ کی طرف مجموع اجزاء کا افادہ دیتا ہے جو یہاں پر مقصود نہیں ۔ ۱۲ منہ

[2] لا یصح ایراد ثم فی ھٰذا المقام بلا احتمالیہ لان الکلام السابق علی العموم ۔

[3] وزن میں اختلال ہے ۔ ۱۲ منہ

[4] والجن مثل الانس وانکار الجن انکار النصوص القاطعۃ فتخصیص الانس بالاستثناء لیس بصحیح ۔ ۱۲ ۔ منہ

[5] یہاں پر بھی ماسبق کی طرح اضافۃ کل میں افادہ غیر مقصود کا ہے ۔ ۱۲ منہ

[6] سُورۃ آل عمران ۔ ۱۶۷

[7] سُورۃ الصف ۔ آیت ۹

اقول : یہ آیت سورۃ فتح کے رکوع آخیر میں موجود ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور آپ کے دین پاک کے غالب کر دینے کا ذکر ہے۔ کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ اگر کسی شخص کو خواب میں یا بیداری میں آیت مذکورہ سنائی دے جیسا کہ اکثر حفاظ اور شاغلین کو کثرت استعمال و خیال کے سبب سے ایسا ہوا کرتا ہے، فرض کیا بذریعہ الہام ہی سہی۔ تو کیا وہ شخص بہ شہادت اس آیت کے رسول کہلانے کا مجاز ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ورنہ آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (فتح-۲۹) کے سننے سے ہر ایک سننے والا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اور اصحاب کبار بھی ہر ایک سننے والا کیوں نہ ہو۔؟ جب کہ "رسولہ" کے سننے سے رسول بن گیا تو وہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے سننے سے معاذ اللہ محمد رسول اللہ، "وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ" کے سننے سے اصحاب کبار اور "الکفار" کے سننے سے کفار کیوں نہیں بن سکتے۔ ایسا ہی اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ-۸۳) کے سننے سے کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نبی و رسول ہوں اور نئی نماز و زکوٰۃ کا حکم میرے پر نازل ہوا ہے ہرگز نہیں اگر یہ نہیں کر سکتا تو پھر آیت اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى کے الہام ہونے سے بروزی رسالت کو (رسولہ) کے لفظ سے کس طرح مراد لے سکتا ہے۔ بینوا وانصفوا۔

الغرض بر تقدیر تسلیم الہام بآیۃ مذکور قادیانی کو استحقاق "رسول" کہلانے کا ہرگز نہیں پہنچتا۔ بفرض محال اگر آیت مذکورہ کے سننے سے وہ رسول کہلانے کے مستحق ہیں تو اسی معنے سے رسول ہوں گے جو معنے آیت مذکورہ میں مراد ہے یعنی رسول اصلی۔ ورنہ دلیل دعویٰ پر منطبق نہ ہوگی۔ کیونکہ دعویٰ میں رسول ظلی ہیں اور دلیل یعنی (اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ) میں رسول اصلی ہے۔

ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

نیز رسولہ سے رسول ظلی مراد لینے کی تقدیر پر تحریف معنوی کلام الٰہی میں لازم آوے گی۔ لہٰذا استدلال بآیت مسطورہ بلند آواز سے پکار رہا ہے کہ قادیانی رسول اصلی ہونے کا مدعی ہے۔ چنانچہ اُس کا للکار کر کہلوانا بھی اسی پر شاہد ہے کیونکہ صرف فنافی الرسول ہونا اس کا مقتضی نہیں۔

قولہ - اسی اشتہار میں متصل عبارت منقولہ بالا کے لکھتے ہیں: "پھر اس کے بعد اسی کتاب میں میری نسبت یہ وحی اللہ ہے۔ (جری اللہ فی حلل الانبیاء) یعنی خدا کا رسول نبیوں کے حلوں میں۔ دیکھو براہین صفحہ ۵۰۴۔"

اقول - یہ نئی لغت ہے جری اللہ کا ترجمہ خدا کا رسول۔

قولہ - پھر اسی اشتہار میں لکھتے ہیں کہ: "اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہے۔ یہ وحی اللہ ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔ اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔"

اقول : - اس وحی الٰہی میں "الکفار" کا لفظ بھی موجود ہے۔ اس کو آپ نے نہیں لیا تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى هل هذا بهتان او الماليخوليا فتوبة نصوحاً والد واء لعل الله يهدى او يهب الشفاء وينجى من ذى الداهية الدهيا لكنه من دون التصديق بما جاء به النبى صلى الله عليه وسلم الهاشمى المصطفٰى ليس مما يرجى وان دكت الارض دكاً وتنفطر السمٰوٰت العلىٰ۔

قولہ : - پھر اسی اشتہار کے صفحہ (۲) سطر (۷) پر لکھتے ہیں: "اور ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا کہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ[1] اور اس آیت میں ایک پیشین گوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ

---

[1] احزاب - ۴۰

اللہ تعالیٰ اِس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد پیشین گوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے۔ اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہندو یا یہودی یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر سکے۔ نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرتِ صدیقی کی کھلی ہے یعنی فنافی الرسول کی پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلّی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے۔ جو نبوتِ محمدی کی چادر ہے۔ اس لیے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں " الخ

اقول:۔ بر تقدیر تسلیم اِس امر کے کہ مضمون مذکور (وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ[1]) کا مدلول ہے۔ صرف وہی سوال جواب طلب معروض کیے جاتے ہیں۔

پہلا سوال جواب طلب:۔ فنافی الرسول ہونے کا معیار اتباعِ کامل ہوتا ہے۔ دیکھو سیرتِ صدیقی، فاروقی، عثمانی، مرتضوی وغیرہ اصحابِ کرام وسائر اہل اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ آپ سب کمالاتِ نبوتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو تو رہنے دیجئے۔ صرف زُہد اور فقر و فاقہ اور تفسیر دانی کے بارہ میں اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر اپنے ہی قلب سے لِلّٰہ شہادت لیجئے۔ اَنَا مُحَمَّدٌ وَّمُفَسِّرٌ کی صدا آتی ہے۔ یا انا مُتَزَیِّدٌ و محرّفٌ کا لقب مِلتا ہے۔ چنانچہ ہر جگہ تحریف ثابت ہو رہی ہے۔ کیا ایسے ہی استنباط من القرآن کا مالک وارث النبی کہلا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کے لیے صدیقی و فاروقی و عثمانی و مرتضوی ملکہ و مہارت قرآن میں چاہیئے۔ جس سے صرف وارث النبی کہلانے کا مستحق ہو گا۔ نہ یہ کہ نبی و رسول کما قال صلی اللہ علیہ وسلم لعلیؓ الا انہ لا نبوۃ بعدی (مسلم) وقال علیؓ لست بنبیٍ (حاکم) حیرت انگیز مقام ہے کہ جس شخص کو شب و روز بذریعہ اشتہارات کے بلکہ کئی حیلوں سے حتّٰی کہ تحلیل محرمات سے بھی زر و سیم کے مطالبہ کے بغیر اور کچھ نہ سوجھے معہٰذا پھر اس پاک نبی افضل الانبیاء میں فانی ہونے کا دعوٰے کرے۔ جس کی یہ شان ہے ؎

وراودتہ[2] الجبال الشم من ذھب	عن نفسہ فاراھا ایما شمم
واکدت زھدہ فیھا ضرورتہ	ان الضرورۃ لا تعدو علی العصم
وکیف تدعوا الی الدنیا ضرورۃ من	لولاہ لم تخرج الدنیا من العدم

یہاں تو پلاؤ، قورمہ، زردہ، مشک، عنبر، یاقوتیین، مفرحات کے بغیر گذرتی ہی نہیں۔ اور وہاں بیتِ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کیفیت تھی جو احادیث مفصلہ ذیل سے پائی جاتی ہے۔ عن عائشۃؓ قالت ما شبع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ ایام من خبز بر تتابعاً حتی مضی لسبیلہ وعنھا قالت کنا ال محمد صلی اللہ علیہ وسلم یمر بنا الھلال والھلال والھلالُ ما نوقد ناراً الطعام الا انہ التمر والماء الا انہ حولنا اھل دور من الانصار فیبعث اھل کل دار بغریزۃ بقریرۃ شاتھم الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ذالک اللبن اخرجاہ فی الصحیحین۔

قال انسؓ ما رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رغیفا مرققا حتی لحق باللہ ولا رای شاۃ سمیطا بعینہ قط (صحیح البخاری)

وعن انسؓ ما اکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی خوان ولا فی سکرجۃ ولا خبز لہ مرقق فقیل لہ علی ما کانوا یاکلون قال علی السُّفر۔ صحیح البخاری۔

---

[1] احزاب ۴۰

[2] یعنی آپؐ کو پہاڑ سونا بنا دینے کی پیش کش ہوئی مگر آپؐ کے زُہد نے سب کو ٹھکرا دیا کیونکہ آپؐ کو دُنیا کی ضرورت کب مائل کر سکتی تھی جب کہ خود دُنیا کا وجود ہی آپؐ کے طفیل ہوا۔ ۱۲

وعن عُمَرؓ بن الخطاب انه خطب وذکر مافتح علی الناس فقال لقد رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم تیلوی یومه من الجوع مایجد من الدقل مایملاء به بطنه۔ صحیح مسلم

وعن انسؓ انه مشی الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بخبز شعیر واھالة سنخة ولقد رھن درعه عند یھودی فاخذ لاھله شعیرا ولقد سمعته یقول ما امسٰی عند آل محمد صاع تمر ولا صاع حب و انھم یومئذ تسعة ابیات ۔ صحیح البخاری

وعن عائشةؓ قالت کان فراش رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من اُدم حشوہ لیف ۔ صحیح البخاری

وفی الصحیحین فی حدیث عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالٰی عنه لما ذکر اعتزال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نساءہ قال فدخلت علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی خزانته فاذا ھو مضطجع علی حصیر فادنٰی الیه ازارہ وجلس واذا الحصیر قد اثر فیه بجنبه وقلبت عینی فی بیته فلم اجد شیئا یرد البصر غیر قبضة شعیر وقبضة من قرظ نحو الصاعین واذا افیق معلّق فابتدرت عیناي فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مایبکیك یا ابن الخطاب فقلت یارسولؐ اللّٰه ومالی لا ابکی وانت صفوة اللّٰه وخیرته من خلقه وھٰذہ فراشك وھٰذہ الاعاجم کسری وقیصر فی الثمار والانھار فقال اوفی شك یا ابن الخطاب اولئك قد عجلت طیباتھم فی الحیٰوة الدنیا وفی روایةٍ اوما ترضٰی ان تکون لھم الدنیا ولنا الاٰخرة قال بلٰی قال فاحمد اللّٰه عزّ وجلّ قال قلت استغفر اللّٰه۔

وفی صحیح مسلم عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتا۔ وروی الطیالسی باسناد صحیح عن ابن مسعود قال اضطجع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم علی حصیر فاثر الحصیر فی جلدہ فجعلت امسحه واقول بابی وامی انت یارسول اللّٰه الا اذنتنا فنبسط لك شیئا تنام علیه قال مالی وللدنیا انما انا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح وترکھا ۔ رواہ الحاکم فی صحیحه عن ابن عباس عن عمرؓ (شیخ الاسلام الحرانی)

وفی الترمذی عن انس بن مالکؓ قال حج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم علی رحل رث وقطیفة ولویکن شحیحا وحدث انه حج علی رحل وکانت زاملة۔

وعن انس بن مالك ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لبس خشنا واکل خشنا لبس الصوف واحتذی المخصوف قیل للحسن ما الخشن قال غلیظ الشعیر ماکان یسیغه الا بجرعة ماء (شیخ الاسلام الحرانی)

خُلاصہ احَادیثِ مذکُورہ کا یہ ہے

رسُول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عُمر میں کبھی تین دن متواتر گیہُوں کی روٹی نہیں کھائی ۔ اور نہ کئی ماہ تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بوجہ نہ ہونے طعام کے آگ ہی نہیں جلی ۔ اکثر پانی اور کھجُور پر گذر ہوتی تھی ۔ فقر و فاقہ کی یہ حالت تھی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے انصار کھانے پینے کے لیے آپؐ کو دُودھ یا ہریسہ دیا کرتے تھے ۔ آں حضرتؐ نہ توپتلی روٹی تناول فرماتے تھے اور نہ بکرے کا بُھنا ہوا گوشت اور نہ کبھی میز پر کھانا کھاتے تھے ۔ اکثر چمڑے کے دسترخوانوں پر تناول فرمایا کرتے تھے ۔ آپؐ کبھی چھوٹے

پیالوں میں بھی کھانا نہیں کھاتے تھے۔ گاہے گاہے ایسا بھی اِتفاق ہوتا رہا ہے کہ شکم مُبارک میں بھُوک کی وجہ سے بَل پڑ جاتے تھے۔ کبھی جناب کو ردّی کھجُور بھی میسّر نہ ہوتی تھی۔ فرش آپؐ کا چمڑے کا ہوتا تھا۔ اَور اس میں کھجُور کے پتّے بھرے ہُوئے ہوتے تھے۔ کبھی نیند کے وقت چٹائی پر اِستراحت فرمایا کرتے تھے۔ چُنانچہ ایک دفعہ کا مذکُور ہے کہ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ جسمِ اطہر پر بوریہ کے نقش دیکھ کر رو پڑے۔ اِس پر جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ رونے کا کیا باعث ہے۔ حضرت عُمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عرض کیا۔ کہ یا رسُول اللہ کفّار جو دُشمنِ خُدا ہیں وُہ تو عیش کریں اَور آپؐ محبُوبِ اِلٰہ ہو کر اَیسے حال میں رہیں پس کیوں نہ روؤں۔ اِس پر جنابؐ نے فرمایا کہ کفّار کے لِیے دُنیا ہے اَور ہمارے لِیے آخرت ہے۔ کیا اَے ابنِ خطاب تُو اِس تقسیم پر راضی نہیں۔ اِس پر حضرت عُمرؓ خُوش ہُوئے۔ اَور خُدا کی حمد و ثنا کہہ کر استغفار کیا۔

اِسی طرح ایک دفعہ کا ذِکر ہے کہ عبدُاللہ بن مسعُودؓ بدن مُبارک سے بوریا کے نقش مٹاتے اَور کہتے تھے کہ اگر اجازت ہو تو آپؐ کے لِیے فرش بچھا یا کریں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں ایک مُسافر سوار کی طرح ہُوں جو کہ درخت کے سایہ کے نیچے تھوڑے عرصہ کے لِیے آرام لیتا ہے۔ پھر اس کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

مخزِ موجُودات حالانکہ بُخل کی عادت سے مُبرّا تھے۔ تاہم آپؐ نے بُوڑھی اَور دُبلی سواری پر پُرانی چادر پہن کر حج ادا کیا۔ موٹا کپڑا پہنتے تھے۔ جَو کی موٹی روٹی کھاتے تھے جو کہ بغیر پانی کے حلق سے نہ اُترتی تھی۔ دُعا یہ مانگتے تھے کہ یا اللہ آلِ محمّدؐ کو رزقِ گُذارہ عطا فرما یعنی اِتنا رِزق جس سے زندگی بسر ہو سکے۔

وَلنعمَ مَا قِیل۔ رُبَاعِی

ابناں زِ کجُا وَ عِشق بازی زِکجُا — ہندو زِ کجُا وَ زبانِ تازی زِکجُا
چوُں اہلِ حقیقت سخن عِشق کُنند — بیہُودہَ ایں قومِ مجازی زِکجُا

رباعی

اَے خواجہ سرائے فنا رسُولی زِکجُا — وِیں نفس پرستی وفضُولی زِکجُا
جانبازی و سردہی بعِشقش — ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء

دِیگرے فرمُودہ

منزلِ عِشق از مکانِ دیگر است — مردِ ایں راہ را نشانِ دِیگر است

چہ گویم وچہ نویسم نشانِ ایں بے نشاناں کہ والہانِ جمالِ محُمّدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ووالیانِ کمالِ احمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اند۔ چند رباعیات مسطوُرۂِ ذیل شمۂ ازحالِ ایں عزیزان حکایت مے نمائند۔ وللہ درّالقائل۔

رباعی

مہ را بینم رُوئے تو ام یاد دہد — گل را بوئیم بوئے تو ام یاد دہد
چوُں زُلف بنفشہ را زند برھم باد — آشفتگیِ مُوئے تو ام یاد دہد
حق حق

رباعی

عِشقِ تو کہ شاہ بود در ملک درُوں — چوُں دید بہ شاہی اوگشت فزوُں
شدھمہ آب دیدہ وھمہ آہ — وز پردہ سرائے سِینہ زد خیمہ برُوں

رباعی

فصاد بقصد آنکه بردارد خوں | شد تیز کہ نشترے زند بر مجنوں
مجنوں بگریست گفت ازاں می ترسم | کاید بدل خوں غم لیلے بیروں

رباعی

مست مَی اگر دستِ کرم جنباند | جز بخشش دینار و درم نتواند
چوں مستِ عمت مرکب ہمت راند | بر فرقِ دو کون آستین افشاند

رباعی

ما مست و معربدیم و رندِ چالاک | در عشق نہادہ پا بمیدان ہلاک
صد بار بہ تیغ غم اگر کشتہ شویم | آں مایۂ عمرِ جاودانی است چہ باک

رباعی

بس تخت نشیں کہ شد ز سودائے تو مست | در خیل گدایانِ تو بر خاک نشست
سر بر درِ تو نہادہ بوسد پیوست | سگ را بہ نیاز پاؤ سگباں را دست

رباعی

دے شانہ زد آں ماہ خم گیسو را | بر چہرہ نہاد زلفِ عنبر بو را
پوشیدہ بدیں حیلہ رخِ نیکو را | تا ہر کہ نہ محرم نشناسد او را

رباعی

ساقی مے ازاں مہینہ جامم در دہ | از ہمہ مگسل علی الدوام در دہ
چوں در لغت عرب مدام آمد مے | اے ماہ عجم تو ہم مدامم در دہ

رباعی

روزی کہ مدارِ چرخ و افلاک نبود — آمیزشِ آب و آتش و خاک نبود
بریادِ تو مست بُودم و بادہ پرست — ہرچند نشانِ بادہ و تاک نبود

مؤلف می گوید (عفی عنہ ربہ) سرشار بادۂ عشقِ محمدیؐ نہ تنہا بلالؓ است بلکہ ہزارہا بدراز بارِ غمش چوں بلال کماقیل

رباعی

تنہا نہ منم زِ عشق تو بادہ پرست — آں کیست توخود بگو کزیں بادہ پرست
آں روز کہ من گرفتم ایں بادہ بدست — بُودند حریف مے پرستانِ الست

برادر! کسے کہ کوچہ و بازار مدینہ طیبہ را علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام گردیدہ و از شارخ ہر گیاہے روایاتِ حُسنِ آں دُلدل سوار شنیدہ باشد باید پُرسید کہ چگونہ از در و بامِ آں احسن الانام صلی اللہ علیہ وسلم صدائے ایں رُباعی بگوشِ مقیمانِ کوئے پاکش می رسد۔

آنی تو کہ از نامِ تو مے بارد عشق — وز نامہ و پیغام تو مے بارد عشق
عاشق شود آنکس کہ بکوئیت گذرد — کوئے ز در و بامِ تو مے بارد عشق

فسبحان من خلقہ واحسنہ واجملہ واکملہ سبحانہ سبحانہ

ع چو عبد ایں است معبودش چہ باشد

دُوسرا سوال جواب طلب

اگر صرف مقامِ فنافی الرّسُول ہی کا قادیانی کو رسُول اور نبی کہلانے کی اجازت دیتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ صدّیق اکبرؓ نے جس کی شان میں لوکنت متخذ أخلیلاً لاتخذت ابابکر خلیلاً[1] فرمایا گیا۔ اور ایسا ہی عمر فارُوق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود لقبِ محدّثیت" کے اور عثمانؓ نے باوجود کمالِ اتباعِ صُوری ومعنوی کے اور علی مُرتضٰیؓ نے باوجود بشارت انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی کے اور سیدا شباب اہل الجنۃ حسنینؓ نے جن کا مجمُوعہ بعینہٖ جمالِ باکمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا آئینہ تھا رسُول اور نبی کہلوانے پر جرأت نہ کی۔ اور ہزارہا اہل اللہ جن کے فانی فی الرّسُول ہونے پر اُن کے سایہ کا گُم ہوجانا بھی شہادت دیتا تھا کسی نے نبی اور رسُول نہیں کہلوایا۔ قطبُ الاقطاب سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ عنہ مکالماتِ الٰہیہ میں سے کسی مکالمہ میں باوجود شان (خضنا بحراً الم یقف علی ساحلہ الانبیآء) کے[2] یعنی فیناف النبی الامی الذی ھو کالبحر فی السخاء (نبی) اور (رسُول) کے لفظ سے نہ پکارے گئے۔ یہ سب تو اِسی قاعدہ مسلّمہ میں محدُود رہے کہ الولی لایبلغ درجۃ النبی اور قادیانی صاحب باوجود اوصاف منافرہ عن مقام الفنا کے نبوت تک پہنچ گئے۔ بلکہ اُلوہیت مستقلہ متقابلہ لالوہیۃ الباری عزّ اسمہ بھی العیاذ باللہ حاصل کرلی۔ چنانچہ اپنی تالیف کتاب البریہ کے صفحہ ۹۔ سطر ۴ پر لکھتے ہیں کہ "اور اس حالت میں مَیں یُوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صُورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر مَیں نے منشاءِ حق کے موافق اس کی ترتیب و تفریق کی۔ اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہُوں۔ پھر مَیں نے آسمانِ دُنیا کو پیدا کیا اور کہا اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ۔ پھر میں نے کہا اَب ہم اِنسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں گے۔ پھر میری حالت کشف سے الہام کی طرف منتقل ہوگئی۔ الخ۔ اس عبارت مسطُورہ میں ہم ناظرین کی صرف اسی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وُہ آسمانِ دُنیا جس کو قادیانی صاحب نے پیدا کیا ہے۔ وُہ کہاں ہے اگر کہیں رکھا ہے تو پتہ بتلا دیں۔ ورنہ یہ کشف اپنی غیر واقعی اور محض از قبیلِ اضغاث احلام ہونے پر صاف شہادت دے رہا ہے۔ کیا ایسے ہی مکاشفات والہامات غیر واقعیہ قادیانی صاحب کی نبوت و رسالت کی چھت کے لیے شہتیر بن سکتے ہیں؟ ہاں بدیں وجہ ہو سکتے ہیں کہ خیالی چھت کی شہتیریں بھی خیالی ہونی چاہئیں۔

---

[1] حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایھا الناس من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا الحسن بن علی وانا ابن النبی وانا ابن الوصی وانا ابن البشیر وانا ابن النذیر وانا ابن الداعی الی اللہ باذنہ وانا ابن السراج المنیر وانا من اھل البیت الذی کان جبرائیل ینزل الینا ویصعد من عندنا وانا من اھل البیت الذین اذھب اللہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا وانا من اھل البیت الذی افترض اللہ مودتھم علی کل مسلم فقال تبارک وتعالٰی وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَۃً نَّزِدْ لَہٗ فِیْھَا حُسْنًا فاقتراف الحسنۃ مودتنا اھل البیت۔ (ازالۃ الخفاء)

[2] "یعنی ہم ایسے سمندر میں غوطہ زن ہُوئے جس کے کنارے پر انبیاء علیہم السلام نہ ٹھیرے"۔ سمندر سے مُراد حضُور علیہ السّلام کی ذات ہے جو سخاوت میں سمندر کی طرح ہے اور غوطہ زنی سے مُراد فناء کامل ہے جو بوجہ کمال اتباع نصیب ہوتی ہے۔ ۱۲۔ فیض

جاننا چاہیئے کہ ولی کے منکر کو کافر نہیں کہا جاتا جیسا کہ تصدیق بولایت کو ایمان نہیں کہتے۔ ورنہ آمنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ واولیائہ الخ ایمانی طور پر ہر مومن کو ماننا لازم ہوتا۔ قادیانی کا یہ کہنا کہ میں ظلی طور پر نبی و رسول ہوں اور میرا ماننا ہر مسلمان پر ضروری ہے" اس کو ایک تمثیل عام فہم کے پیرایہ میں سمجھنا چاہیئے۔ مثلاً زید کہتا ہے کہ میں فقیر مسکین ہوں اور میرا نافرمان مستوجب سزا ہے اور قید کیا جاوے گا۔ کیا زید کو بسبب دوسرے فقرہ دعویٰ کے مدعی سلطنت وحکومت کا خیال نہ کیا جاوے گا۔ اہل عقل پر ظاہر ہے کہ زید فی الحقیقت قول مذکورسے بادشاہی کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اور (میں فقیر مسکین ہوں) کے فقرہ کو سپر بنا رکھا ہے۔ ایسا ہی قادیانی بھی فنا فی الرسول اور بروز اور ظلیت کی آڑ میں مطاعن سے بچنا چاہتا ہے۔ اور فی الواقع مطلب اس کا دوسرے فقرہ سے متعلق ہے۔ جو خاصہ لازمہ انبیاء کے لیے سمجھا گیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ قادیانی نے اپنے چیلوں کو اپنے غیر معتقدین کے پیچھے نماز پڑھنے سے روک دیا ہے اور ایسا ہی ناطہ وغیرہ سے بھی۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ اس نے اپنے منکرین کو کافر سمجھا ہوا ہے۔ حالانکہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ فتوحات میں لکھتے ہیں کہ میں فلاں شخص کو (جس کا نام اب میں بھول گیا ہوں اور جو فتوحات میں مندرج ہے) مبغوض اور برا سمجھتا تھا بسبب اس کے کہ وہ میرے شیخ ابومدین مغربی قدس سرہٗ کو نہیں مانتا تھا۔ پس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار فیض آثار سے خواب میں مشرف ہوا۔ اور آپ نے فرمایا کہ فلاں شخص کو کس لیے تو برا جانتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ وہ ابومدین مغربی کا منکر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا وہ توحید اور میری رسالت کے ساتھ ایمان نہیں رکھتا؟ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے سویرے جا کر اس شخص کو کچھ دے کر بڑی عجز ومنت سے خوش کیا۔ (اس وقت فتوحات کا اتنا ہی مضمون خیال میں ہے۔ شاید کم و بیش ہو۔ واللہ اعلم)

بڑی افسوس کی حالت ہے کہ ابومدین جیسے ولی کامل سے منکر ہونا تو بعد الایمان باللہ و رسولہ کے موجب بغض وکراہت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ محی الدین ابن عربی جیسے شخص کو اس پر ناخوش ہونے کے باعث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنبیہ فرماتے ہیں! اور قادیانی صاحب کے منکرین باوجود ایمان باللہ و رسولہ کے کافر سمجھے جا رہے ہیں۔

ناظرین خدا را انصاف! اگر یہ نبوت مستقلہ کا دعویٰ نہیں تو اور کیا ہے مسلمانو! بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب نبی اور رسول کا کسی مسلمان کے لیے شرعی نظر سے جائز نہیں نہ اصلی اور نہ ظلی۔ اگر ظلی طور پر یہ لقب متبع نبی کو عطا ہو سکتا اور فنا فی الرسول کا مقام مجوز اس کا ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ مستحق مہاجرین و انصار تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا ذکر خیر کتاب وسنت میں موجود ہے۔ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید کے سورہ فتح میں اصحاب کرام علیہم الرضوان کو صرف وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ط (سورت فتح ۔ ۲۹) سے یاد فرمایا۔ اور رسالت کا لقب خاص سرور عالم وسید ولد آدم ہی کے لیے رکھا۔ کما قال عزمن قائل محمد رسول اللہ۔ باوجودیکہ صحابہ عظام علیہم الرضوان کو اس سفر میں حدیبیہ سے واپس ہونے کے باعث اور دخول مکہ سے مشرکین کی رکاوٹ کے سبب سے اپنی ناکامی کا سخت رنج و ملال تھا جس کے رفع کرنے کے لیے انہیں اس آیت میں ان القاب سے اطمینان دیا گیا۔ یعنی مَعَهٗٓ اور اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ اور رُكَّعًا سُجَّدًا پس نظر بمقتضائے مقام ان کی اطمینان دہی اور دفع ملالت اعلیٰ لقب سے ضروری تھی جن کے اوپر اور کوئی معزز و لقب متصور نہ ہو یعنی نبوت و رسالت جس کے اوپر صرف الوہیت ہی رہ جاتی ہے تو بجائے اوصاف مذکورہ فی الآیتہ کے والذین معہ انبیآء ورسل" ہونا چاہیئے تھا۔ اس سے اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "نبی" اور "رسول" کا لقب ظلی طور پر بھی کسی کا استحقاق نہیں۔ بڑی تعجب کی بات ہے کہ صحابہ کرام میں سے خلفاء اربعہ

رضی اللہ عنہم جن میں اقویٰ اور اعلیٰ موجباتِ تشبّہ بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قوتِ عاقلہ و عاملہ دونوں کی جہت سے موجود تھی وہ "نبی" اور "رسول" کے لقب سے محروم کیے جاویں۔ اور تیرہ سو برس کے بعد ایک شخص جس کے قوتِ عاقلہ کے کمال پر اس کے استدلالات بآیاتِ قرآنی، اور قوتِ عاملہ کے جلال پر ان کا راز تقریر لسانی و انحصار در قلمرانی شاہد ہیں بلا تحاشہ "نبی" اور "رسول" کا لقب حاصل کرے بلکہ حقیقی نبی بھی بن بیٹھے یعنی یہ کہے کہ میری ازواج کو اُمہات المؤمنین کے لقب سے پکارا کرو۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ نہایت ہی حیرت انگیز مقام ہے کہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو تو باوجود بیان کمال اتحاد کے جو قریب بعینیت ہے اِس لقب کی اجازت نہ دی جاوے۔ بلکہ صریح لفظوں میں روک دیا جاوے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں بروایتِ سعد حدیثِ طویل کے ضمن میں مذکور ہے کہ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لانبوۃ بعدی۔ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "بعض غزوات میں خلیفہ بناکر مدینہ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں چھوڑ کر جانے لگے۔ تو علیؓ نے عرض کیا کہ آپؐ نے مجھ کو عورتوں اور لڑکوں کے ساتھ پیچھے چھوڑ دیا ہے بجواب اس کے آپؐ نے فرمایا۔ کیا تو خوش نہیں میرے قائم مقام ہونے پر جیسا کہ موسیٰ کا قائم مقام ہارون علیٰ نبینا وعلیہما السلام تھا۔ اور میرے قائم مقام ہونے کی نعمت تو تم کو ملی ہے۔ مگر نبی کا لقب خاص میرے ہی لیے ہے۔ تم کو نہیں ملتا۔ کیونکہ میرے پیچھے نبوت نہیں۔ اور قادیانی کو جو نبوت و رسالت کے اوصاف صوری و معنوی سے بمراحل بعیدہ ہے۔ اور ہر جگہ اس کی قرآن دانی اور تفسیر بیانی شہادت دے رہی ہے اسے "نبی" اور "رسول" کہلوانے کی اجازت مل جاوے۔ ہاں وجہ اس کی شاید یہ ہو کہ قادیانی نے سوچا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب علی کرم اللہ وجہہٗ جیسے قریبی کو نبی کہلوانے سے روک دیا ہے تو آپؐ سے اِس لقب کا حاصل کرنا ناممکن ہے۔ چاہیئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہی نہ ہو اور پیش قدمی کرکے جھٹ اللہ جل شانہٗ سے یہ تمغہ حاصل کرلوں۔ لہٰذا مکالماتِ الٰہیہ سے بزعم خود کامیاب ہوتے ہی لگاتار اِشتہار دینے شروع کیے۔ مگر دقت یہ ہے کہ ان مکالمات میں بھی بعض آیات وہی ہیں جو افضل الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھی اتری تھیں۔ جن کے ساتھ استدلال پکڑنے سے لازم آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے العیاذ باللہ ان آیات سے اجازت عامہ ہر ایک فانی فی الرسول کے لیے نبی و رسول کہلوانے کی نہیں سمجھی تھی۔ لہٰذا علی کرم اللہ وجہہٗ کو باوجود کمال فنا کے (الا انہ لانبوۃ بعدی) فرما کر محروم رکھا۔ اور اس آیۃ فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ۔ (جن۔ ۲۶) کو جس طرح قادیانی صاحب نے سمجھا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سمجھا۔ نعوذ باللہ من ھذیان الجاھلین۔

دوسری دقت یہ ہے کہ بقول قادیانی فنافی الرسول کے حاصل ہونے سے یہ لقب ملتا ہے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیرات اور آپ کے ہی طفیل یہ عنایت ہوتی ہے مگر خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے بے خبر ہیں۔ العیاذ باللہ۔ لہٰذا علی کرم اللہ وجہہٗ کو صرف تین ہی لقب عطا ہوئے۔ چنانچہ حاکم نے مستدرک میں بروایت سعد بن زرارہ اخراج کیا ہے کہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوحی الیّ فی علیّ ثلٰث انہ سیّد المؤمنین و امام المتقین و قائد الغر المحجلین اور نبی و رسول کے لقب سے مشرف نہ فرمایا باوجود اس کے کہ خیبر کے دن (یحب اللہ و رسولہٗ ویحبّہٗ اللہ ورسولہٗ) سے ان کی محبیت اور محبوبیت کل اصحاب کے سامنے ظاہر ہوئی۔

قولہٗ :- پھر قادیانی صاحب اسی اشتہار کے صفحہ ۲ سطر ۲۲ پر لکھتے ہیں: "اور یہ بھی یاد رہے کہ نبی کے معنی لغت کی رُو سے یہ ہیں کہ خُدا کی طرف سے اطلاع پاکر غیب کی خبر دینے والا پس جہاں یہ معنی صادق آئیں گے، نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا۔ اور نبی کا رسول ہونا شرط ہے کیونکہ اگر وُہ رسول نہ ہو تو پھر غیب مصفّٰی کی خبر اس کو مل نہیں سکتی۔ اور یہ آیت روکتی ہے۔ لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ اب اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ان معنوں کے رُو سے نبی سے انکار کیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ اُمّت مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے بے نصیب ہے۔ کیونکہ جس کے ہاتھ پر اخبار غیبیہ منجانب اللہ ظاہر ہوں گے۔ بالضرورت اُس پر مُطابق آیۃ لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا۔ اسی طرح جو خُدائے تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جائے گا اُسی کو ہم رسول کہیں گے۔"

اقول :- سُبحان اللہ اُدھر تو عربیت اور بلاغت فصاحت میں یکتائی اور اعجاز کا دعوٰی ہے اور اِدھر یہ کہ نبی کا معنی لغت کی رُو سے خُدا کی طرف سے اطلاع پاکر غیب کی خبر دینے والا" نہیں صاحب نبی کا معنے لغت کی رُو سے تو مُطلق خبر دینے والا ہے۔ دید سے ہو یا شنید سے۔ اور نیز بذریعہ نجوم، جفر، رمل، کہانت کے ہو یا بوساطت وحی کے۔ اور اصطلاح شرعی میں خُدا کی طرف سے اطلاع پاکر غیب کی خبر دینے والا جس کو خود بھی قطعی علم ہو اور دُوسروں پر بھی ایمان اس کے ساتھ لازم و فرض ہو۔ ایسے شخص کو از رُوئے شرع کے نبیؐ رسول کہا جاتا ہے اور ایسی نبوت و رسالت بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو نہیں مل سکتی۔ جن کو پہلے مل چکی ہے اُنہی کے لیے ہے۔ اور اُن کی نبوت گو کہ دائمی ہے مگر خاتم النبیّین کو منافی نہیں۔ کیونکہ آپؐ سے پہلے اُن کو مل چکی تھی۔ بخلاف نبوتِ قادیانی کے جو بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے حاصل کرنے کا مدعی ہے۔ لہٰذا خاتم النبیّین کے منافی ہے۔ دُوسرا مکالمات و مخاطبات اُمّتِ مرحُومہ میں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بند نہیں کیے گئے۔ مگر وُہ اس درجہ کو نہیں پہنچتے کہ ان کی ظنّیت یا قطعیت حُجّت علی الغیر ہو۔ بعد خبر دینے اُن کے اگر کوئی انکار کرے تو اس کو شرعاً کافر نہیں کہا جاتا۔ گو کہ فی الواقع ظہور میں بھی اس کی خبر دینے کے مُطابق ہو جاوے۔ بناء بر آں انبیاء علیہمُ السّلام کی اخبار بالمغیبات کے ساتھ ضروری طور پر قبل از وقوع تصدیق کرنی ہوگی جس کو ایمان شرعی کہا جاتا ہے اور ان کے انکار کو کفر شرعی۔ بخلاف اخبارات اولیاء اللہ کے کہ ان کی تصدیق کو ایمان نہیں کہا جاتا۔ اور نہ اُن کے انکار کو کفر۔ آیۃ مذکورہ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا میں مُراد اظہار علی الغیب سے اطلاع وہی علی سبیل القطعیت ہے۔ اور یہی اطلاع مخصُوص بالانبیاء والرُسل ہے یعنی انہی کی وحی و الہام کو قطعیت اور الزام علی الغیر کا استحقاق ہے۔ غیر انبیاء و رُسل علیہمُ الصّلوٰۃ والسّلام کی اطلاع ظنّی طور پر ہوگی یا قطعی غیر متعدی یعنی ولی کو اگرچہ بسبب تکرار الہام و کثرت تجربہ کے فی نفسہٖ علم قطعی بھی حاصل ہو مگر الزام علی الغیر کا مُستحق نہ ہوگا۔ تاکہ اس کے ساتھ تصدیق کرنے کو ایمان کہا جائے اور اس سے انکار کرنے کو کفر۔ اور معلوم ہو کہ آیت میں چُونکہ اظہار الشخص علی الغیب کی نفی ماسوائے رسُول سے کی گئی جس کا مفاد علم قطعی ہے۔ اور رسُول کے لیے اثبات، لہٰذا غیر انبیاء سے مطلق علم بالغیب کی نفی نہ ہُوئی بلکہ صرف علم قطعی کی۔ ہاں اگر اظہار الغیب علی الشخص کی نفی ہوتی جس کا مفاد علم ظنّی ہے تو معتزلہ کا استدلال بآیت مذکُورہ نفی اطلاع الاولیاء علی الغیب پر صحیح ہو سکتا تھا۔ اور ایسا ہی نقض باخبار رمّال و جفّار و کاہن و رؤیا وارد ہوتا کیونکہ تجربہ سے ثابت ہے کہ بارہا رملی، جفری، کاہن کی خبر اور خواب دیکھنے والے کی خواب سچی نکلتی ہے۔

آیۃ مذکُورہ کا مطلب یہ ہوا کہ علم قطعی بحدّے کہ حُجّت علی الغیر ہو بغیر رسُول کے کسی کو نہیں دیا جاتا۔ رہا علم ظنّی یا قطعی جس کی قطعیت حجت علی الغیر نہیں ہو سکتی۔ سو وُہ ولی کو فنا فی الرسُول ہونے کے رُو سے اور رمّال و جفّار وغیرہ کو اپنے اپنے فنُون کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے اور قبل از وقوع ان کے ساتھ تصدیق کرنے کے ہم مکلّف بھی نہیں۔ اور آیۃ مذکُورہ ایسے علُوم کو غیر انبیاء کرام سے نفی نہیں کرتی تاکہ نقض

بمواد مذکورہ آیۃ پر وارد ہو۔

ناظرین کو بشرطِ تدبّر اِس مقام سے کئی امُور دریافت ہو سکتے ہیں۔

۱۔ رسُول اَور غیر رسُول میں فرق بحسب العلم والظّن والزام علی الغیر وعدم الزام۔

۲۔ دفع اِس اعتراض کا جو اہلِ اعتزال بآیۃ مذکُورہ متمسّک ہو کر کرامتِ ولی پر وارد کرتے ہیں۔

۳۔ دفع نقض باخبارِ رمّال ومجوس وغیرہ۔

۴۔ قادیانی صاحب کے اِستدلال بالآیۃ کا فساد

قادیانی کا مدعیٰ میں نبی اَور رسُول ہُوں خاص طور پر مجھے نبی ورسُول کہلوانے کا استحقاق ہے۔

صغریٰ:۔ مجھ کو غیبِ مصفی پر اِطلاع دی جاتی ہے۔ کبریٰ:۔ اَور جس کو غیبِ مصفی پر اِطلاع دی جائے وُہ بہ شہادتِ آیۃ مذکورہ رسُول ہوتا ہے۔ نتیجہ:۔ پس میں بھی رسُول ہُوں۔

یہاں وجہ فساد یہ ہے کہ دلیل مذکُورہ کے پہلے مقدمہ میں مُراد اطلاع سے اگر اِطلاع قطعی حجۃ علی الغیر ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اِس طرح کی اِطلاع خاصہ نبی اَور رسُول کا ہے بحکم آیۃ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ کیونکہ اس میں اِطلاع قطعی بحدِ مذکُور کی نفی بغیر رسُول شرعی کے، سب سے کی گئی ہے۔ اَور اگر مُراد اِطلاع سے اِطلاع غیر قطعی الی الحد المذکُور ہے، عام اس سے کہ ظنّی ہو یا قطعی، غیر بالغ الی الحد المذکُور تو حدِّ اَوسط مکرّر نہیں یعنی پہلا مقدمہ یہ ہُوا کہ مجھ کو اِطلاع غیر قطعی حاصل ہے۔ اَور دُوسرا مقدمہ یہ کہ جس کو اِطلاع قطعی بحدِ مذکُور حاصل ہو وُہ رسُول ہوتا ہے۔ تو اِس استدلال سے قادیانی صاحب کو کیا فائدہ ملا۔ کیونکہ قطعی علم والا رسُول بنا۔ اَور اس کا علم چُونکہ غیر قطعی ہے لہٰذا وُہ رسُول اَور نبی کے لفظ کا مستحق نہ ہُوا۔

۵۔ یہی آیت جس کا حاصل یہ ہے کہ رسُول کا علم بالغیب قطعی واجب التسلیم ہوتا ہے۔ قادیانی کے اِس دعویٰ کو کہ میں مسیح موعُود ہُوں اڑا رہی ہے کیونکہ بمُوجب اِس آیت کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر پیشین گوئیاں دربارہ نزُولِ مسیح ابن مریم سچی اَور واجب التسلیم ٹھہریں۔ جن کی تصدیق کو ایمان اَور انکار کو کفر کہا جائے گا۔

سوال

قادیانی صاحب مع امروہی صاحب وغیرہ کے احادیث متواترہ فی نزول المسیح کا انکار نہیں کرتے بلکہ بعد التسلیم ان کو ماؤل ٹھہراتے ہیں یعنی مسیح بن مریم یا عیسٰی بن مریم سے مُراد قادیانی ہے۔ بعلاقہ مماثلہ۔

جواب

تاویل بغیر قرینہ صارفہ عن المعنیٰ الحقیقی کے تحریف ہوتی ہے خصوصاً جب کہ قرائن مانعہ عن التاویل بھی موجود ہوں کیونکہ ایسے تصریحات دربارہ نزول اسی مسیح بن مریم بعینہٖ نہ بمثیلہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موجود ہیں جن میں کسی طرح تاویل ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للیھود ان عیسٰی لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیٰمۃ دیکھو علّامہ سیوطی کی تفسیر دُرِّ منثور۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہُود کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ محقق ہے یہ بات کہ عیسٰی نہیں مرا۔ اور یہ بھی محقق ہے کہ وُہ لَوٹنے والا ہے تمھاری طرف قیامت کے دن سے پہلے اب یہ پیشین گوئی کیسے صریح طور پر صاف صاف لفظوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے۔ جس میں مومن کو کسی طرح کا وسوسہ اور شک نہیں۔ مگر افسوس کہ بحکم ع

اے تیزیٔ طبع تُو بر من بلا شُدی

امروہی صاحب یہاں بھی وار کیے بغیر نہیں تھمے۔ فرماتے ہیں کہ (لم یمت) کا مطلب ہے کہ حضرت عیسٰےؑ سُولی پر نہیں مرے دیکھو شمس بازغہ صفحہ ۷، سطر ۲۰ معلُوم نہیں اس تحریف نے آپ کو کیا فائدہ بخشا اور یہ خیال نہیں کیا کہ مابعد کا فقرہ وانہ راجعٌ الیکم کیا کہہ رہا ہے۔ یہ تو اُسی عیسٰی کو جس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہُود سے کیا تھا دوبارہ دُنیا میں لاتا ہے۔ آپ کے قادیانی صاحب کا تو ذکر ہی نہیں۔

سوال

ممکن ہے کہ "راجع" سے مُراد عیسٰی کا رجُوع بُروزی طور پر بصُورتِ قادیانی ہو۔

جواب

مرزا جی چُونکہ بُروزِ عیسوی اور بُروزِ محمدیؐ دونوں کے مُدّعی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسوی رجُوع بصُورت قادیانی سے تو احادیثِ متواترہ میں خبر دیتے ہیں اور اپنے رجُوع بُروزی یعنی دوبارہ دُنیا میں بصُورتِ قادیانی ہو کر آنے سے ایک حدیث میں بھی اعلام نہیں فرماتے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ رجُوع بُروزی مُراد نہیں بلکہ رجُوع بعینہٖ۔ اور نیز بُروز سے مُراد اگر یہ ہے کہ رُوحِ قادیانی رُوحِ عیسوی سے مُستفیض ہوتا ہے تو یہ استفاضہ قادیانی کے بغیر بہتیرے لوگوں کو حاصل ہوا ہے۔ چُنانچہ حضرت شیخ فتُوحات میں فرماتے ہیں کہ عیسٰی ابن مریم ہمارا پہلا شیخ ہے۔ اُس کے ہاتھ پر ہم نے توبہ کی اور ہمارے حال پر اُن کی بڑی عنایت ہے

کماقال وھو شیخنا الاوّل رجعنا علی یدیہ ولہ بنا عنایۃ عظیمۃ لایغفل عنا ساعۃ اور ان کے ماسوا اور بھی عیسوی المشرب صُوفیہ بہتیرے گذر گئے اور موجُود ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ کسی نے مسیح موعُود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور نیز اس طرح کا افاضہ عیسٰی ابن مریمؑ کا۔ اس کے زندہ ہونے پر موقوف نہیں ، بلکہ بر تقدیر مرجانے عیسے ابن مریم کے بھی قادیانی کو فیض پہنچ سکتا ہے۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا (وانہٗ راجعٌ الیکم) اگر بطریق برُوز ہوتا تو (ان عیسٰی لم یمت) بے ربط ٹھہرتا۔ کیونکہ وُہ تو موت کی تقدیر پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور نیز (راجعٌ الیکم) سے بُروز فی القادیانی جب لیا جا سکتا ہے جب قادیانی صاحب یہُودیں سے ہوں۔ کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہُود سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں کہ (وانہ راجع الیکم ای بارز فیکم) امروہی صاحب کو شاید محقق ہو گیا ہو کہ قادیانی صاحب یہُودیں سے ہیں۔ لہٰذا یہ تاویل فرما رہے ہیں۔

الغرض راجعٌ الیکم بمعنی بارز فیکم جب ہی صادق آئے گا کہ یہُودیں سے کسی شخص کو عیسوی بُروز کا مالک قرار دیا جاوے۔ لینزلن فیکم ابن مریم کا معنیٰ قادیانی کے نزدیک یہی ہے کہ تم مُسلمانوں میں سے کسی ایک مُسلمان میں عیسٰی کا بُروز ہوگا۔ اور آج تک چُونکہ کوئی شخص رجُوع و نزُول بُروزی کا مدعی نہیں بنا تا کہ اس پر یہُودی ہونے کا الزام عائد ہو۔ لہٰذا یہ امروہی تاویل کا میوہ خاص مرزا صاحب ہی کے لیے پیش کش ہو سکتا ہے۔ اور اگر مُراد بروز سے یہ ہے کہ رُوحِ عیسوی قادیانی کے بدن میں آگیا تو یہ تناسخ ہوا وَھُوَ بَاطِلٌ۔ نیز بُروزی احتمال کو پہلا فقرہ حدیث مذکور کا کہ (ان عیسٰی لم یمت) مردُود کرتا ہے۔ کیونکہ جب عیسٰی بن مریم بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرا نہیں زندہ ہے تو (انہٗ راجعٌ) سے یہی ثابت ہوا کہ وُہی عیسٰی ابن مریم خود ہی دوبارہ دُنیا میں آئے گا اور امروہی صاحب کی تاویل مذکور پر اس حدیث میں پہلا فقرہ دُوسرے سے بالکل بے ربط ہوا جاتا ہے۔

سوال

اس قسم کی صریح احادیث میں تاویل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم شہادت دیتا ہے کہ عیسٰی ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور جو مرجاتے ہیں دوبارہ دُنیا میں لوٹ کر نہیں آتے۔ بناءً علیہ دفعاً للتعارض تاویل کرنا ضروری ٹھہرا۔

جواب

قرآن کریم کی آیات اسی رسالہ میں اپنی جگہ پر شرح لکھی جائیں گی۔ اس جگہ اتنا ہی کہا جاتا ہے کہ اصول ثلثہ یعنی قرآن۔ حدیث۔ اجماع میں حقیقی تعارض و اختلاف ہرگز ممکن نہیں پس جب کہ احادیث متواترہ اور اجماع اسی عیسٰی ابن مریم کے رجوع پر صراحۃً ناطق ہیں کماسیظھر تو ضرُور آیات قرآنیہ کا معنی بھی وُہی صحیح ہوگا جو سُنّت اور اجماع کے مخالف نہ ہو جیسا کہ یہی ہے مسلک سلف صالحین کا نیز معلوم ہو کہ ماوّل یعنی تاویل کرنے والا اگر حدیث کو صحیح الثبوت و مُسلم المراد جان کر تاویل کرتا ہے تو بے شک وُہ تحریف کے الزام سے کسی طرح بری نہیں ہو سکتا۔ صحیح الثبوت و مسلم المراد کا معنی یہ ہے کہ یہ حدیث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان پاک ہے۔ اور آپ کی مُراد بھی ان الفاظ سے وُہی معنی ہے جس کو چھوڑ کر تاویل کے رُو سے اور معنی لیا جاتا ہے۔ قادیانی صاحب اور امروہی صاحب ان احادیث کو صحیح الثبوت و مسلم المراد سمجھ کر ماوّل ہیں اس کا ثبوت دونوں صاحبوں کا آج تک کسی تالیف میں حدیث مذکور و نظائرہ کی صحت پر معقول کلام نہ کرنا اوّل دلیل ہے تسلیم صحت حدیث پر۔ اور اسے بلا وجہ مردُود کہنا قابل اعتبار نہیں۔ بلکہ علامہ سیُوطی جیسے محدّث کی تصحیح (جن کے پاس صحتِ حدیث کے لیے معیار، علاوہ اصول حدیث کے، کشف صحیح بھی تھا جس کو قادیانی صاحب بھی ازالہ اوہام میں تسلیم کرتے ہیں) کافی ہے

حدیث مذکور کی صحت کے لیے دیکھو مقدمہ فتح البیان۔ امروہی صاحب کی عبارت منقولہ ذیل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ احادیث نزول و رجوع اور اقوالِ مفسرین میں (جن سے حیات و رجوع عیسٰی بن مریم پر استدلال کیا گیا ہے) قائل کی مراد وہی معنے ہے جس کو ہم چھوڑ کر تاویلی معنے لیتے ہیں اور اس تاویل کرنے میں ہم مجبور ہیں۔ کیونکہ یہ اقوال دلائل قطعیہ کے معارض ہیں۔ دیکھو صفحہ ۸ سطر ۳ شمس بازغہ پر لکھتے ہیں:" اگر کہا جاوے کہ تمہاری تاویل ان اقوال میں توجیہ القول بمالا یرضٰی بہ قائلہ کی مصداق ہے پس ایسی تاویل کیوں کر قبول کی جاسکتی ہے۔" تو گذارش یہ ہے کہ اگر آپ اِن اقوال مردودہ کی یہ تاویل تسلیم نہیں کرتے تو چونکہ یہ اقوال دلائل قطعیہ مذکورہ کے معارض ہیں لہٰذا محض باطل ہیں پس ہم اُن کے نہ تسلیم کرنے میں مجبور ہیں انتہٰی۔

پھر صفحہ ۰۷ سطر ۱۹ کتاب مذکور پر لکھتے ہیں" پس اگر آپ کو ان عیسٰی لعلم للساعۃ الخ کی تاویل ذیل منظور اور پسند ہے کہ حضرت عیسٰی سُولی سے نہیں مرے جو ملعون ٹھہرتے بلکہ مرفوع الدرجات ہوئے اور بروزی طور پر قبل قیامت کے مبعوث ہونے والے ہیں۔ آخر تک تو فبہا ہم کو یہ تاویل کب مُضر ہے ہم بھی اس تاویل کو تسلیم کرتے ہیں ورنہ خلافِ قواعد مسلمہ نحویہ کے آیت کے معنے مزعوم آپ کیوں کر کر سکتے ہیں۔ انتہٰی"۔

اور قادیانی صاحب کی تالیف میں مکرر لکھا ہوا ہے کہ کشفِ نبوی علی صاحبہ السلام نے دجال وغیرہ مکشوفات کو علٰی وجہ الکمال کما ہو فی الواقع احاطہ نہیں کیا جس سے پایا جاتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِن پیشین گوئیوں میں واقعی امر کو نہیں سمجھ سکے دیکھو صفحہ ۴۳ سطر ۱۰۔ ایّام صُلح" وہمچنیں لازم نیست کل استعارات انبیاء را علم نبی از قبل احاطہ کند الخ"

پس امروہی صاحب نے تو تاویل القول بمالا یرضٰی بہ قائلہ کے علاوہ قائل کو آیات قرآنیہ سے جاہل قرار دیا۔ العیاذ باللہ۔ اور قادیانی صاحب نے بھی نہ صرف بڑی مہتم بالشان کشفِ نبوی پر دھبہ لگایا بلکہ واقعی تقدیر پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کل اُمتِ مرحومہ کو قرآن کریم سے بے بہرہ خیال کیا۔ نعوذ باللہ من ھفوات الجاھلین۔ رہا بیان ان آیات کا جن کو اُنھوں نے دلائل قطعیہ باعثۃ علی التاویل ٹھہرایا ہے۔ سو بیان ان کا اسی عجالہ میں اپنے اپنے مقام پر لکھا جائے گا۔ اس جگہ صرف اتنا ہی بیان کرنا منظور تھا جو ہو چکا یعنی یہ لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معنے مراد کو عمداً چھوڑ کر تاویل کرتے ہیں۔ اللہ ان کو راہِ راست پر لائے۔ یاھادی اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ط

قادیانی صاحب اس اشتہار میں اور کل تصانیف میں عیسٰی بن مریم علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کو آیۃ (خاتم النبیین) کے منافی لکھتے ہیں۔ اس کا جواب الزامی طور پر اس جگہ وہی فقرہ کافی سمجھا جاتا ہے۔ جس کو اسی اشتہار کے صفحہ ۳ سطر ۲ پر قادیانی نے اپنے رسول اور نبی ہونے کے لیے لکھا ہے (کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک ایسا نبی کوئی نہیں جس پر جدید شریعت نازل ہو) میں کہتا ہوں کہ عیسٰی بن مریم کے بارہ میں بھی سب اہلِ اسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ جدید شرع اپنے ساتھ نہ لائیں گے۔ بلکہ شرع محمدی علٰی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق حکم کریں گے۔ کما ہو مصرح فی الفتوحات وغیرہا۔ جب کہ قادیانی کا نبی و رسول ہونا خاتم النبیین کے مفہوم میں بباعث نہ لانے شریعت جدیدہ کے فرق نہیں لاتا تو عیسٰی بن مریم کا نزول ہمارے عقیدہ کے مطابق خاتم النبیین کی مُہر کو کس طرح توڑ سکتا ہے۔

سوال

عیسٰی بن مریم چونکہ مستقل انبیاء اولوالعزم میں سے ہیں۔ تو بر تقدیر نزول کے بشرع محمدی حاکم ہونا اُن کو نبوت سے معزول کرنا

ہے۔ جو سراسر خلاف ہے عقل ونقل کے اور در صورتِ نزول مع النبوۃ کے خاتم النبیّین کی مُہر ٹوٹتی ہے بخلاف قادیانی کے نبی و رسُول بننے کے۔ کیونکہ یہ فنا فی الرّسُول ہونے کے باعث نبی و رسُول ہونے کا مدّعی ہے۔

جواب

فنا فی الرّسُول ہونے کی وجہ سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نبی و رسُول ہونے کا کوئی مُستحق نہیں۔ چُنانچہ اُوپر لکھا گیا ہے۔ اور عیسٰی بن مریم کے نزُول کی نسبت کہا جاتا ہے کہ نبوّت و رسالت کے لیے دو رُخ ہیں۔ یا یُوں کہو بطُون و ظہُور ہے بطُون عبارت ہے اخذ کرنے فیضان سے منجانب اللہ، جس کو خُدا کے ہاں مقرّبین میں سے ہونا لازم غیر منفک ہے۔ اور ظہُور عبارت ہے توجہ الی الخلق سے یعنی تبلیغ شرائع و احکام کی۔ اِس ظہُور میں تو بسبب تغیّر و تبدّل شرائع کے اِنقلاب آسکتا ہے۔ نبی لاحق کی شریعت چُونکہ ناسخ ٹھہری نبی سابق کی شریعت کے لیے، تو نبی سابق کو بھی بر تقدیر موجُود ہونے اس کے نبی لاحق کی شریعت کے زمانہ میں، اپنا شرع چھوڑ کر شرع لاحق کے ساتھ عمل درآمد کرنا ہوگا۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ اگر مُوسٰی زندہ ہوتا تو اس کو بھی بغیر میری شریعت کے عمل درآمد کرنا جائز نہ ہوتا۔ اور اِس عمل درآمد کے تغیّر و تبدّل سے وُہ نبوّت کا بطُون جس کو قُربِ الٰہی اور عند اللہ معزز ہونا لازم ہے ہرگز متغیر نہیں ہوتا۔ کیا یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سیّدنا مُحمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی اجازت دی اور بعد اس کے جب بیتُ اللہ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تو آپ کی نبوّت و رسالت میں فرق آگیا یا آپ اس قدر و منزلت سے جو آپ کو پہلے بارگاہِ خُداوندی میں حاصل تھی معزُول کیے گئے۔ ہرگز نہیں۔

الحاصل بطُونِ نبوّت مع لازم اپنے کے جو قرب ہے، کبھی انبیاء و رُسل سے زائل نہیں ہوتا بخلاف ظہُورِ نبوّت و تبلیغ شرائع اپنے کے کہ یہ محدُود ہے تا ظہُورِ نبوّت نبی لاحق کے۔ اور نبوّت و رسالت انبیاءِ سابقہ کا بطُون گو کہ دائمی ہے۔ مگر چُونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دُنیا میں تشریف لانے سے پہلے ان کو ملا ہے لہٰذا خاتم النبیّین کی مُہر کو اگر سارے انبیاء دُنیا میں آپ کے بعد آجائیں تو بھی نہیں توڑ سکتے۔ اور یہی مطلب ہے قاضی بیضاوی کا اِس قول سے کہ (مع انہ اٰخر من نبیّٔ) اس تشریح سے ناظرین خیال فرما سکتے ہیں کہ نزُولِ مسیح کو آیۃ خاتم النبیّین کے منافی سمجھنا اور کُل اُمّتِ مرحُومہ کو بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بھی اِس منافاۃ سے بے خبر خیال کرکے اپنی قرآن دانی پر نازاں ہونا کس حد تک جہالتِ مرکّبہ ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تنازعہ اِس مسئلہ میں (کہ نزُولِ مسیح مع وصف النبوّۃ ہوگا یا بدُوں اس کے) تنازعہ لفظی ہے یعنی جنھوں نے مع وصف النبوّۃ لکھا ہے مُراد اُن کی بطُونِ نبوّت کا ہے۔ اور جنھوں نے بدُون النبوّۃ کہا ہے اُنھوں نے ظہُورِ نبوّت کا لیا ہے۔ مضمُون ہذا میں اگر جناب مولوی صاحبؒ[1] ذرا غور فرماویں تو شمسُ الہدایت کی عبارت مسطُورہ ذیل پر معترض نہ ہوں گے۔

(مسیح بن مریم بلکہ کُل انبیاء کی نبوّت اور رسالت چُونکہ محدُود بحدِّ ظہُور نبی پچھلے کے ہوتی ہے۔ شمسُ الہدایت صفحہ ۸۷ سطر ۲۲)

شمسُ الہدایت کے اِسی صفحہ ۸۷ کی سطر ۷ میں عبارت ہٰذہٖ "بعد نزُول در رنگ آحادِ اُمّت ہی اُتریں گے" پر جناب موصُوف اِعتراض فرماتے ہیں کہ "(بعد النزُول) اور پھر (اُتریں گے) یہ تکرار کیسا؟" جواباً گذارش ہے کہ عبارت مسطُورہ میں (در رنگ آحادِ اُمّت ظرف لغو ہے متعلق بہ (اُتریں گے) پس (اُتریں گے) مقید ٹھہرا بہ نسبت (نزُول) کے۔ اور ظاہر ہے کہ مقیّد بعد المطلق ہی ہوا کرتا ہے۔ اور بوجہ فرق

---

[1] اِس سے حضرت مؤلف کے بعض معاصرین عُلماء مُراد ہیں جنھیں شمسُ الہدایہ کی عبارت سمجھنے میں مغالطہ ہوا۔ ۱۲

اطلاق و تقیید تکرار بھی نہیں۔ ثانیاً معروض ہے کہ بالفرض اگر تقیید مذکور نہ بھی ہوتی اور صرف (بعد النزول اُتریں گے) ہوتا تو بھی چونکہ اخبار بالمشتق فرع ہے قیام مبدا کے لیے، لہٰذا صدق (اُتریں گے) کا بعد تحقق النزول ہی ہوگا۔

شمس الہدایت کے صفحہ ۸۴ سطر ۷ عبارت ہذہ (اور انبیاء سابقہ بھی الخ) پر جناب کا اعتراض یہ ہے کہ قولہ تعالیٰ (انھم میتون) میں مرجع "ھُمْ" کا انبیاء نہیں بلکہ مشرکین ہیں۔ جواب اس کے گذارش ہے کہ یہاں پر قصر المسافۃ سوق الکلام علی طرز استدلال الخصم ہے۔ استدلال خصم کی تقدیر (انك میت) میں مرجع ضمیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں صراحۃً اور باقی انبیاء دلالۃً، اور (انھم میتون) میں مشرکین صراحۃً اور باقی کفار دلالۃً۔ پس نبی و غیر نبی مرجع ٹھہرا بوجہ تقابل کے دلالۃً اذ لا فارق بین نبی و غیرہٖ فی الموت پس اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (زمر۔ ۳۰) سے باقی انبیاء کی موت منجملہ جن کے مسیح بھی ہے ثابت ہوئی۔

تشریح سوال و جواب بطرز دیگر اور اظہار اس امر کا کہ استدلال اس آیت سے کس نے کیا اور کیا کیا۔

ایہا الناظرون یہ تو ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے کسی تالیف میں وفات مسیح پر آیۃ مذکورہ سے استدلال نہیں پکڑا۔ اور نہ بظاہر ہو ہی سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں (اِنَّھُمْ) کا مرجع انبیاء و رسل نہیں۔ مرزا صاحب کے ایک حواری نے ہمارے سامنے آیت مذکورہ سے وفات مسیح پر استدلال کیا تھا۔ جس کا طرز استدلال یہ تھا کہ آیت مذکورہ سے دلالت النص کے طور پر مفہوم ہوتا ہے کہ نبی و غیر نبی موت میں مساوی ہیں۔ اذ لا فارق بین المذکور وغیرہ۔ یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور کل انبیاء جن کا یہاں پر ذکر صراحۃً نہیں اور ایسا ہی مشرکین مکہ اور غیر ان کے بشریت کی وجہ سے مساوی فی الموت ہیں۔

جواب کا حاصل۔ (اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ) کا اطلاق بدلالۃ النص گو کہ انبیاء سابقہ پر مفہوم ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ سب انبیاء مر چکے ہوں۔ چنانچہ (میت) کے اطلاق سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عالم سے تشریف لے جانا نزول آیت کے وقت ثابت نہیں پس قضیہ مطلقہ عامہ ٹھہرا نہ دائمہ مطلقہ۔ اور اس جواب میں ضمیر (انھم) کا ارجاع انبیاء کی طرف نہیں بلکہ طرز استدلال کے مطابق بطریق حاصل واقع ہے۔

قادیانی کے اپنے نبی ہونے کے حق میں دلائل اَور اُن کا رَدّ

قولہٗ :- پھر اسی اِشتہار کے صفحہ ۳ سطر ۱۱ پر لکھتے ہیں (اَور اگر بُروزی معنوں کے رُو سے بھی کوئی شخص نبی اَور رسُول نہیں ہو سکتا تو پھر اِس کے کیا معنی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

اقول :- اِس کا معنی یہ ہے کہ اَے اللہ بتا ہم کو اُن لوگوں کا سیدھا راستہ جن پر تُو نے اِنعام کیا ہے۔ یعنی ہم بھی ان کی مانند کتابِ آسمانی کی ہدایت کے مطابق تیری عبادت والے سیدھے راستہ پر چلنے سے تیری حُبّ واُنس و رضا و لقا کو پالیویں۔

اِس کا یہ معنی نہیں کہ ہم بھی انبیاء و رُسل گذشتہ کا مقامِ نبوّت و رسالت حاصل کر لیویں۔ یا بسبب کمال اِتباع کے ان لقبِ مخصُوص کے مستحق بن جاویں۔ کیونکہ نبوّت و رسالت مع لوازم اپنے کے القاب ہوں یا احکامِ خاصہ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (مائدہ ۵۔ آیت ۵۴) سے تعلق رکھتے ہیں یعنی موہُوبی ہیں نہ کسبی۔ اَور بہ سبب اِتباع کے اگر القابِ خاصہ اَور احکامِ خاصہ مِل سکتے تو خُلفاء اَربعہ اَور حسنین اَور اَولیاء سلف رضوان اللہ علیہم اجمعین بڑا اِستحقاق رکھتے تھے۔ علی کرم اللہ وجہہٗ باوجُود شان (انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی) کے فرماتے ہیں۔ الا وانّی لست بنبیّ ولا یوحٰی الیّ الخ ازالۃ الخفاء صفحہ ۳۳۔

قولہٗ :- پھر اِسی صفحہ ۳ کی سطر ۵ پر فرماتے ہیں (اگر خُدائے تعالٰی سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاوَ کِس نام سے اس کو پُکارا جائے۔ اگر کہو کہ اس کا نام محدّث رکھنا چاہیئے تو میں کہتا ہُوں کہ تحدیث کے معنی کِسی لُغت کی کتاب میں اِظہارِ غیب نہیں ہے۔ مگر نبوّت کے معنے اِظہارِ غیب ہے۔

اقول :- مجھ کو اپنے اَوقاتِ عزیزہ کے تضیع پر جو ایسے جاہلانہ اِشتہارات کی تردید میں ہو رہی ہے نہایت رنج و افسوس آتا ہے۔ مگر کیا کرُوں بعض احباب نے مجبُور کر رکھا ہے۔ اللّٰھم لك الحمد والیك المشتکی وانت المستعان ولا حول ولا قوۃ الا بك عن عائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول قد کان یکون فی الامم قبلکم محدثون فان یکن فی امتی منھم احد فان عمر بن الخطاب منھم (مسلم) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عُمرؓ کو (جن کی ملہمیّت پر ایک عالم کا اِتفاق ہے) اِس حدیث میں محدّث کا لقب عطا فرمایا۔ شاید بزعمِ قادیانی صاحب آں حضرتؐ کو محدّث کے لفظ کا ٹھیک لغوی معنے معلوم نہیں ہُوا۔ ورنہ محدّث نہ فرماتے۔ العیاذ باللہ۔

اَور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مقصد دوم ازالہ میں لکھتے ہیں کہ "آما تشبُّہ در زیادت قوتِ علمیہ بآں وجہ تواند بُود کہ کسے را از امت محدّث وملہم فرمایند تا بعض بروق غیب شعاع خود را در دل وی اندازد۔ تحدیث کا معنے لُغت کی رُو سے چُونکہ کسی کے ساتھ بات کرنے کا ہے لہٰذا الہام پانے والے کو بھی محدّث کہا گیا۔ جیسا کہ وُہ شخص جس کو کوئی بات بتا دی گئی ہو واقعی خبر دیتا ہے ایسا ہی یہ ملہم بھی ٹھیک ٹھیک پتہ دیتا ہے۔

اَب دیکھو عُمرؓ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحدّث نام فرمایا اَور (نبی) کا لقب نہیں دیا۔ اس حدیث کی رُو سے بھی (نبی) اَور (رسُول) کے لقب کی اِجازت بعد آپؐ کے کسی کو نہیں ملتی۔ جیسا کہ حدیث (انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہٗ لا نبوۃ بعدی) اَور ایسا ہی حدیثؐ یعنی قول علیؓ کا۔ الا وانی لست بنبی ولا یوحٰی الیّ۔ اجازت نہیں دیتے۔ یعنی میں نبی نہیں ہُوں اَور نہ میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ علی کرم اللہ وجہہٗ، اَور ایسا ہی عُمرؓ کے مکاشفات و اخبارِ حقّہ کو جن پر تاریخ اَور کُتبِ سِیَر شاہد ہیں وحی

نہیں کہا گیا اَور نہ ان کے سبب سے ان کو (نبی) کہلوانے پر جُراَت ہُوئی۔ بلکہ جب دیکھا کہ ہمارے مکاشفات و اخبارات اَور بیان حقائق و معارف قرآنیہ کے باعث سے لوگ ہم کو نبی اَور موحی الیہ سمجھیں گے۔ تو جھٹ ان کے غیرواقعی خیال کا ازالہ فرمایا اَور تنبیہاً کلمہ (الا) کے ساتھ کہا کہ الا وانی لست نبی ولا یوحی الیّ۔

قولہٗ:۔ آج قادیانی صاحب اِسی اشتہار کے اسی صفحہ ۱۳ کی سطر ۲۶ پر لکھتے ہیں:۔ اَور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہُوں اَیسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خُدا کے اس کُھلے کُھلے وحی پر ایمان لاتا ہُوں جو مجھے ہُوئی۔ جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کُھل گئی ہے۔ اَور میں بیتُ اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہُوں کہ وُہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے وُہ اُسی خُدا کا کلام ہے جس نے حضرت مُوسٰیؑ اَور حضرت عیسٰیؑ اَور حضرت محمد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر اپنا کلام نازل کیا تھا۔ میرے لیے زمین نے بھی گواہی دی اَور آسمان نے بھی۔"

اقول:۔ آپ کی صداقت اَور حلفی بیان کو آپ کا کشف و اِلہام و وحی ظاہر کر رہا ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۷۰ سطر ۱۳ پر آپ لکھتے ہیں:۔ اِس جگہ مجھے یاد آیا ہے کہ جس روز وُہ اِلہام مذکورہ بالا جس میں قادیان میں نازل ہونے کا ذکر ہی ہُوا تھا۔ اس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحُوم مرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔ اَور پڑھتے پڑھتے اُنہوں نے اِن فقرات کو پڑھا کہ انا انزلناہ قریباً من القادیان۔ تو میں نے سُن کر بہت تعجب کیا کہ قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہُوا ہے۔ تب اُنہوں نے کہا یہ دیکھو لکھا ہُوا ہے۔ تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہُوا فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقعہ پر یہی اِلہامی عبارت لکھی ہُوئی موجُود ہے۔ تب میں نے دِل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے الخ"

بہ نسبت اِس اِلہام کے گذارش ہے کہ یا تو انا انزلناہ قریباً من القادیان کو قرآن شریف میں دِکھلائیں اَور یا اس کشف کے غیر واقعی ہونے کا اقرار کریں اَور آئندہ جھُوٹی قسم نہ کھائیں۔

دُوسرا کشف جس کو قادیانی صاحب کتاب البریّہ کے صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں۔ ہم ایک نیا نظام اَور نیا آسمان اَور نئی زمین چاہتے ہیں سو میں نے پہلے تو آسمان اَور زمین کو اجمالی صُورت میں پیدا کیا۔ جس میں کوئی ترتیب اَور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب و تفریق کی۔ اَور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہُوں۔ پھر میں نے آسمان دُنیا کو پیدا کیا اَور کہا انا زینا السماء الدنیا بمصابیح۔ پھر میں نے کہا۔ اب ہم اِنسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کریں۔ الخ۔

اِس جگہ بھی وُہی گذارش ہے کہ یا تو نئے آسمان اَور زمین کو جو آپ نے بناتے ہیں دِکھلائیں یا اَیسے کشفوں کو مالیخولیا جان کر نبی اَور رسُول نہ بنیں۔

تیسرا کشف:۔ آپ نے اپنے صحیح الاخلاص مُرید پشاوری سے کہا کہ مجھ کو بارہا اِلہام ہو چکا ہے کہ فلاں شخص یعنی محرر سطُور میرے قتل کرانے کا اِرادہ رکھتا ہے۔ سو معلُوم ہو کہ میں اپنے خُدائے لایزال ولم یزل علّام الغیوب کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہُوں کہ میں نے قادیانی کے قتل کرانے کا اِرادہ نہیں کیا۔

ناظرین کو معلوم ہو کہ اِس پشاوری میرزائی نے واقعی کیفیت معلُوم کرنے کے لیے ہمارے مخلص جناب مولوی ہندی صاحب سے تنہائی میں دریافت کیا تھا۔ اُنھوں نے اس اِلہام کے غیر واقعی اَور محض افترا پر اطمینان بخش ثبوت دیا۔ یہاں تک کہ وُہ میرزائی بھی قادیانی صاحب کے اِلہام میں مذبذب ہو گیا۔ قادیانی صاحب کے بعض اِلہامات کو اگر واقعی اَور سچا مانا جائے تو وُہ ان کے محرّفِ سُنّت ہونے

اور احادیثِ صحیحہ کے قطع و بُرید کرنے پر صاف گواہی دیتے ہیں۔

قولہٗ:۔ دیکھو ازالہ اَوہام صفحہ ۷۶ سطر ۶ پر۔ پھر اس کے بعد الہام کیا گیا کہ ان علماء نے میرے گھر کو بدل ڈالا میری عبادت گاہ میں اُن کے چُولھے ہیں۔ میری پرستش کی جگہ اُن کے پیالے اَور ٹھوٹھیاں رکھی ہُوئی ہیں۔ اَور چُوہوں کی طرح میرے نبی کی حدیثوں کو کُتر رہے ہیں۔

اقول:۔ ناظرینِ خُدارا انصاف۔ احادیثِ نبویہ کو کترنے والے بھلا وُہ عُلماء اَور مولوی جو مخالف قادیانی کے ہیں ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ انھوں نے تو احادیثِ نزولِ مسیح و خروجِ دجّال و ظہورِ مہدی کو سلف صالحین کے مُطابق تسلیم کیا ہوا ہے۔ اگر اِس تسلیم کا نام قطع و بُرید اَور کترنا ہو تو چاہیئے تھا کہ قرونِ ماضیہ میں ہر صدی کے سرے پر جو مجدّد گزرے ہیں اُن کو بذریعۂ کشف و اِلہام سمجھایا جاتا کہ تم خود بھی اَور دُوسروں کو بھی اِس عقیدہ سے کہ عیسٰی بن مریم بعینہٖ آسمان سے اُترے گا۔ یا کہ دجّال ایک شخص معیّن ہوگا۔ اَور ایسا ہی اِمام مہدی فاطمیؓ ہوگا یعنی اَولادِ فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ عنہا سے) باز آؤ اَور روکو۔ اَور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث کو مت کترو۔ بلکہ غلام احمد قادیانی مسیح موعُود اَور مہدی موعُود ظاہر ہوگا۔ ناظرین کو معلوم ہے آج تک سب اہلِ اِسلام اَور مجدّدین ان کے اُسی عیسٰی بن مریم کو بعینہٖ بغیر مثیل اُس کے آسمان سے اُترنے والا مانتے آئے ہیں۔ اَور ایسا ہی دجّال شخصی اَور مہدی فاطمیؓ کو احادیث کا مدلُول ٹھہراتے رہے ہیں۔ اَور کسی کو اِس عقیدہ کے بارہ میں اِمتناعی اِلہام نہیں ہؤا۔ لہٰذا اِس اِلہامی عبارت منقُولہ بالا میں چُوہوں سے مُراد علماء مُخالفین للقادیانی نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اِس سے مُراد وُہی مولوی صاحبان ہیں جنھوں نے قادیان میں جا کر چُولھے ڈالے۔ اَور ٹھوٹھیوں پیالیوں میں قادیانی صاحب کے ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو کر احادیث کو کُترنا شرُوع کیا تاکہ نیا عقیدہ درست کیا جاوے۔ اِلہامی عبارت کا معنے یہ ہؤا کہ قادیانی صاحب کو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ فرماتا ہے کہ میری عبادت گاہ یعنی یہ مسجد یا یہ بیت الذّکر یا یُوں کہو یہ قلب تمھارا جو اِن مولویوں تمھارے کے جمع ہونے سے پہلے میری عبادت کی جگہ تھی۔ اَب بحکم فبئس القرین یا بحکم مقُولہ سعدیؒ۔ بیت:۔

خیالات نادان خلوت نشیں

بہم برکند عاقبت کُفر و دیں

عبادت کی جگہ نہیں رہی۔ بلکہ تمھارے مولویوں نے اپنا اپنا اصلی وطن چھوڑ کر اسی مسجدِ قادیان میں ڈیرے لگا دیئے (یعنی مُتّصل اس کے) اَور چُوہوں کی طرح میرے نبی کی احادیث کو کُترنا شرُوع کیا۔ یا تیرے قلب میں ایسے اصُول اَور استنباطاتِ شیطانیہ گھُس گئے کہ میری عبادت کا نشان بھی نہ رہا۔ اِس اِلہام کا یہ معنی کیسے صاف طور پر اِس سے سمجھا جاتا ہے۔ بخلاف اس معنی کے جو قادیانی صاحب نے لکھا ہے۔

قولہٗ:۔ اِسی صفحہ پر بعد نقل اِلہام مذکُور لکھتے ہیں (عبادت گاہ سے مُراد اس اِلہام میں زمانۂ حال کے اکثر مولویوں کے دِل ہیں)

اقول:۔ یہ قادیانی صاحب کا تعصّب یا جہالت ہے۔ الہام مذکُورہ کے معنی کو نہیں سمجھے۔ کیونکہ زمانۂ حال کے وُہ عُلماء جو آپ کے مخالف ہیں وُہ تو ہرگز اِس اِلہام کا مصداق نہیں بن سکتے۔ اِس کا مصداق وُہی ہیں جنھوں نے اپنے اَوطانِ اصلیہ کو چھوڑ کر قادیانی کی مسجد کے پاس فروکش ہو کر چُولھے بنا لیے۔ اَور قادیانی صاحب کے ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو گئے۔ انہی کی ٹھوٹھیاں قادیانی کی مسجد میں ہیں۔ بخلاف اُن عُلماء کے جو قادیان نہیں پہنچے۔ کیونکہ اُن کی ٹھوٹھیاں پیالے تو اپنے اپنے گھروں میں رکھی ہوئی ہیں۔ قادیانی صاحب اگر بہ نظرِ انصاف دیکھیں تو یہ اِلزام نہایت وضاحت سے اُن کو اَور ان کے مولویوں کو احادیثِ نبویہ

علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کُترنے سے روک رہا ہے۔ مگر مَنۡ یَّھۡدِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ حاکم فی جمیع الازمنہ ہے۔

سوال

کیا گذشتہ زمانہ میں بھی ایسے لوگ گذرے ہیں۔ جن کو ایسے الہامات ومکاشفات درپیش آئے ہوں۔ اور اُنھوں نے بنا بر اُن الہامات کے اپنے تئیں عیسٰی بن مریم وغیرہ یقینی طور پر سمجھ رکھا ہو۔

الجواب

ہاں ایسے لوگ گُذرے ہیں۔ مگر اُن کو بسابقہ عنایاتِ الٰہیہ نے اپنے شیخ کے برزخ میں غالباً اور بغیر اس کے گاہے ان جاہلانہ دعاوی سے جو برخلاف ہوں کتاب وسُنّت کے ہٹاتی رہی۔ الّا ماشاء اللّٰہ۔ حضرت شیخِ اکبر قدس سرّہٗ فتوحات کے باب ۱۸ میں فرماتے ہیں۔ والجامع لمقامھو ان الشیخ عبارۃ عمن جمع جمیع مایحتاج الیہ المرید السالك فی حال تربیتہ وکشفہ الیٰ ان ینتھی الی الاھلیۃ للشیوخۃ وجمیع مایحتاج الیہ المرید اذا مرض خاطرہ وقلبہ بشبھۃ وقعت لہ لا یعرف صحتھا من سقمھا کما وقع لسھل فی سجود القلب وکما وقع لشیخنا حین قیل لہ انت عیسٰی بن مریم فیداویہ الشیخ بماینبغی الخ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ کو بھی یہ شبہ واقع ہوا تھا اور اس کو اس الہام نے کہ (تو عیسٰی بن مریم ہے) دھوکا دیا تھا۔

سوال

کیا قادیانی صاحب کو بھی اہل اللہ کی طرح شُبہ واقع ہوا ہے یا مُفتری علی اللہ ہیں؟

جواب

جہاں تک ان کے دعاوی ومضامین کی اصلاح ہوسکتی ہے دریغ نہیں کیا جاتا۔ تاہم بعض الہامات ان کے مُفتری کہنے پر مجبور کرتے ہیں جیسا کہ الہام ارادۂ قتل محرر سطور کے بارہ میں (یعنی میں اُن کے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں) اور اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا اپنا اجتہاد اور استنباط (جو الہامی کلام سے کرلیتے ہیں) وہ بالکل تلبیس ابلیس اور شیطانی دھوکا ہے۔ چنانچہ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ الخ (صف۔ آیت ۹) کے الہام سے اپنے کو رسول قرار دے لیا ہے۔ اور چند مکاشفات والہامات مخترعات کے ذریعہ سے جو خود بھی اپنے کاذب ہونے پر صریح شہادت دے رہے ہیں مثلاً انا انزلناہ قریباً من القادیان کا قرآن میں لکھا ہوا دیکھنا) ان کو دھوکا لگ رہا ہے۔ اور اس اشتہار میں آیت فَلَا یُظۡھِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ۙ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ سے متمسک ہوکر یہ نتیجہ نکال لیا کہ میں نبی اور رسول ہوں۔ حالانکہ ازالہ اوہام میں خضر مصاحب موسٰیؑ کے شان میں لکھا ہے کہ

---

[1] یعنی شیخ کہلانے کے لائق ایسی جامع شخصیت ہوتی ہے جو مُرید سالک کے تمام باطنی امراض وشُبہات کا ازالہ کرسکے۔ ۱۲۔ فیض عفی عنہ

صِرف مُلہم ہی تھا نبی نہیں تھا۔ اس کے بارہ میں اس اِستدلال نے کام نہ دِیا۔ شاید ان کا اِلہام خِضر کے اِلہام سے سچّا ہوگا۔

الغرض اکثر اِلہامات اُن کے تو کاذب ہونے کی وجہ سے ان کو مُفتری علی اللہ قرار دیتے ہیں۔ اَور بعض اِلہامات گو کہ فی نفسہا صِحت رکھتے ہیں مثل آیاتِ قرآنیہ ملہمہ کی مگران سے اُلٹا نتیجہ نکالنے کے باعث سے ان پر پُوری جہالت کا دھبہ لگاتے ہیں اَور مع ہذا تلبیسِ ابلیس ہونے میں بھی کوئی شک نہیں رہتا۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم علی کرم اللہ وجہہٗ جیسے شخص کو تو (جس کے مکاشفات واِلہامات کے صادق ہونے پر تارِیخ شہادت دیتی ہے) الا انہ لا نبوۃ بعدی فرما کر (نبی غیر مشرع) کے لقب سے بھی مایُوس فرما دیں اَور آپ کو (فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ) کا مطلب العیاذ باللہ سمجھ میں نہ آوے تاکہ اِس آیت سے متمسّک ہو کر علی کرم اللہ وجہہ کو نبی کا لقب عطا فرما دیں۔ اب اگر ایسے اِستدلالات واِجتہادات کو تلبیسِ شیطانی نہ کہا جائے تو اَور کیا نام رکھیں۔ اَور بہت ہی تعجّب ہے کہ قادیانی صاحب مُلہم ہونے کی وجہ سے نبی ہو جاویں اَور خِضر علیہ السّلام اِس لقب سے محرُوم رہیں۔

قادیانی کے الہامات کی تقسیم

۱۔ الہامات کاذبہ جن کے کاذب ہونے پر وُہ خود ہی گواہ ہیں۔

۲۔ الہامات کاذبہ جن کو بوجہ نہ پُورا نکلنے اُن کے کاذب سمجھا گیا ہے۔ اس قسم کے الہامات کو واقف کاروں اور قادیانی صاحب سے تعارف رکھنے والوں نے لکھا ہے۔ چنانچہ عنقریب نقل کیے جاویں گے۔

۳۔ الہاماتِ صیادیہ جن کا ابن صیاد کے الہام کی طرح اگر سر ہے تو پاؤں نہیں، اگر پاؤں ہیں تو سر نہیں۔ سُورۂ دُخان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ فرما کر ابن صیاد سے (جو اُس وقت مدینہ طیبہ میں بوجہ ظاہر کر دینے اُمورِ غیبیہ کے مشہور تھا امتحاناً) فرمایا کہ خَبَأْتُ لَكَ یعنی میں نے تیرے سے کوئی چیز چُھپا رکھی ہے تو بتا دے کہ وُہ کیا چیز ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ دُخ۔ دُخان سے دُخ کا پتہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اِخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُ وَقَدْرَكَ یعنی خوار ہو پس تو اپنے قدر سے ہرگز تجاوز نہ کرے گا۔ حضرت شیخ قدس سرّہٗ اس کا نام مکرِ الٰہی اور استدراج رکھتے ہیں۔ اور اس منزل میں لغزش سے بچنے کا طریق بیان فرماتے ہیں کہ اگر صاحب اِس منزل کا سارے تصرّفات میں خُدا کی جانب سے اِطلاع نہ پا سکے تو اتنا اہتمام اس کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اس میزان کو جو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے (یعنی اپنے پیغمبر کی شرع) ہرگز نہ چھوڑے تاکہ وُہ میزان اس کو مکرِ الٰہی سے محفُوظ رکھے۔ قال الشیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الباب الاربعین وثلث مائۃ وھو منزل عظیم فیہ من المکر الالٰھی والاستدراج مالا تأمن مع العلم بہ الملائکۃ من مکر اللہ فالعاقل اذا لم یکن من اھل الاطلاع فی تصرفاتہ فلا اقل من انہ لا یزیل المیزان المشروع لہ الوزن بہ فی تصرفاتہ من یدہ بل من یمینہ فیحفظہ فی نفس الامر من ھذہ المکر الخ۔ قادیانی صاحب بھی اگر میزانِ شرعی کو اپنے دائیں ہاتھ سے نہ چھوڑتے اور آپ کے فرمان پاک (الا انہ لا نبوۃ بعدی) کو زیرِ توجہ رکھتے تو اِس مکرِ الٰہی اور اِستدراج سے محفوظ رہتے۔ اَب میزان شرعی کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ابن صیاد کے شریک بنے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ہم کو بھی میزانِ شرعی کے محکم پکڑنے کی توفیق عطا فرما دے۔ ابن صیاد کا مادہ صرف اخبارِ غیبی کا تھا۔ قادیانی صاحب اِستنباط و اجتہاد کی رُو سے اس سے سبقت لے گئے ہیں۔

۴۔ الہاماتِ شیطانیہ انسیہ جن کو کسی آدمی پڑھے ہُوئے نے اس کے قلب میں ڈال دیا ہے۔

۵۔ الہاماتِ شیطانیہ جنیہ

۶۔ الہاماتِ شیطانیہ معنویہ جن کا ذکر فتوحات کی عبارت مسطُورہ ذیل میں مندرج ہے۔ قال الشیخ الاکبر قدس سرّہٗ فی الباب

---

[1] یعنی بالفرض اگر قادیانی صاحب کو الہامات ہوتے ہیں تو اقسامِ مذکورہ میں سے ہوں گے خلافِ شرع کی وجہ سے۔ محمد غازی عفی عنہ

الخامس والخمسين اعلوان الشيطان قسمان قسم معنوي وقسم حسي ثم القسم الحسي من ذلك على قسمين شيطان انسي وشيطان جني يقول الله تعالى شياطين الانس والجن يوحي بعضهم الى بعض زخرف القول غرورا ولو شاء ربك ما فعلوه فذرهم وما يفترون ـ فجعلهم اهل الافتراء على الله وحدث فيما بينهما شيطان معنوي ـ یعنی شیطان جنی اور انسی کے مابین تیسرا شیطان معنوی پیدا ہو جاتا ہے۔

وذالك ان شياطين الجن والانس اذا القى من القى منهم في قلب الانسان امرا ما يبعده عن الله به فقد يلقى امرا خاصا وهو خصوص مسئلة بعينها ـ یعنی کبھی شیطان انسان کے دل میں ایک خاص شخصی مضمون ڈال دیتا ہے مثلاً تو مسیح موعود ہے۔

وقد يلقى امرا عاما ويتركه فان كان امرا عاما فتح له في ذلك طريقا الى امور لا يتفطن لها الجني ولا الانسي يتفقه فيها ويستنبط من تلك الشبه امورا اذا تكلم بها تعلم ابليس غوائله فتلك الوجوه التي تنفتح له في ذلك الاسلوب العام الذي القاه اولا شيطان الانس او شيطان الجن تسمى الشياطين المعنوية لان كلا من شياطين الانس والجن يجهلون ذلك ـ

یعنی کبھی ایک امر قاعدہ کے طور پر شیطان انس کے دل میں ڈالتا ہے۔ اور پھر کھول دیتا ہے وجوہ فاسدہ اور استدلالات کاسدہ کا دروازہ جن کو شیطان معنوی کہا جاتا ہے۔ مثلاً جس شخص پر امور غیبیہ منکشف ہوں تو وہ شخص نبی اور رسول ہے گو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد میں ہو۔

وما قصدوه على التعيين وانما ارادوا بالقصد الاول فتح هذا الباب عليه لانهم علموا ان من قوته وفطنته ان يدقق النظر فيه فينفتح له من المعاني المهلكة ما لا يقدر على رده بعد ذلك وسبب ذلك القصد الاول فانه تخذه اصلا صحيحا وعول عليه فلا يزال التفقه فيه يسوقه حتى يخرج به عن ذلك الاصل وعلى هذا اجرى اهل البدع والاهواء فان الشياطين القت اليهم اصلا صحيحا لا يشكون فيه ثم طرأت عليهم التلبيسات من عدم فهمهم حتى ضلوا فينسب ذلك الى الشيطان بحكم الاصل وما علموا ان الشيطان في تلك المسائل تلميذهم يتعلم منهم.

حاصل عبارت ہذا کا یہ ہے کہ جس شخص کو شیطان جنی بہکانا چاہے تو کبھی ایک مضمون خاص شخصی اس کے دل میں ڈال دیتا ہے اور کبھی مضمون عام۔ اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ کرتا ہے جس کا مادہ مالیخولیا کا ہو۔ پھر وہ شخص طرح طرح کے استنباط و تفقہ و استدلالات و براہین زعمیہ نکالتا ہے جن میں مشاقی کی وجہ سے شیطان بھی اس کی شاگردی پر نازاں ہوتا ہے۔

مضمون خاص مثلاً (تو مسیح موعود ہے) قادیانی سے پہلے بھی یہی مضمون کئی ایک لوگوں کو القاء ہو چکا ہے۔ چنانچہ ابھی اوپر بحوالہ فتوحات لکھا گیا ہے۔ مگر ان لوگوں کو اپنے مشائخ کی ہدایات سے اور میزان شرعی کے التزام سے اللہ جل شانہ نے محفوظ کر لیا۔ کما قال سبحانہ وتعالی فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ـ

مضمون عام مثلاً (جسم ثقیل کا بالطبع میلان مرکز خاک ہی کی طرف ہوتا ہے) یا مثلاً (جس شخص کو غیب کی خبریں معلوم ہو جائیں وہ نبی اور رسول ہے گو کہ بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی ہو) یا مثلاً (میں نے آسمان اور زمین نئے پیدا کیے۔ اور جو کوئی زمین و آسمان کو پیدا کرے وہ اللہ ہوتا ہے لقولہ تعالی هل من خالق غير الله) یا مثلاً (میں سمیع و بصیر ہوں۔ اور سمیع و بصیر سوا خدا کے دوسرا نہیں لقولہ تعالی اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ پس میں بھی خدا ہوں) وغیرہ وغیرہ جو قادیانی صاحب اور امروہی صاحب کی تالیفات

سے بہت اور ارزاں مل سکتے ہیں۔

نتائج مُہلکہ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمانی معراج سے انکار۔ اور یہ کہ میں بھی بہ شہادت "فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ" کے نبی اور رسول ہوں وغیرہ۔ آج کل یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا کی ایک یہ صورت بھی موجود ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا ضروری ہے کہ قادیان میں اربعہ غیر متناسبہ کی سرگوشی اور ان کے مشن کی تعلیم اور باہر والوں کے لیے الحکم جو فی الواقع الشر ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمّت مرحومہ کو اس ایجاد کے سب اقسام سے سلامت رکھے۔ اربعہ غیر متناسبہ اس لیے لکھتا ہوں کہ ایک صاحب کچھ لکھ رہے ہیں دُوسرے کچھ اور تیسرے دونوں سے برخلاف۔ چوتھے تینوں سے الگ سب صاحبان کی خدمت میں بڑے ادب سے گذارش ہے کہ بحسب وصیت حضرت شیخ اکبرؒ مسطورہ بالا آپ لوگ میزان شرعی کو محکم کریں صورت اس کی یہ ہے کہ سمجھ دار عالم سے علوم آلیہ پڑھ کر حاصل کرنے کے بعد قادیان میں بیٹھ کر تدریس اور ارشاد میں مشغول ہو ویں۔ تاکہ آیت مسطورہ ذیل کا مصداق نہ آپ نہیں اور نہ سادہ لوح اُردوخوانوں کو بناویں۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا ۝ (کہف۔ آیت ۱۰۳ تا ۱۰۶)

خُدا کی آیات کا تمسخر اس سے اُوپر کیا ہوگا جو ایک عبدالبطن هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی کو سُن کر فرض کر و الہامی طور پر ہی سہی خُود رسُول[1] اور نبی بن بیٹھے۔ خُدا کے رسُولوں کا بالخصوص افضل الرُّسل کا (صلی اللہ علیہ وسلم) تمسخر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ اُن کی احادیث متواترہ قطع بُرید کرکے اپنے شیطانی الہام کے مطابق کی جاویں۔ مُطابقت بھی ایسی کہ دمشق سے خطِ منحنی (ٹیڑھا) نکلا ہوا قادیان میں آ پہنچے۔ مدار خط خاص دمشق کو ٹھہرانا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اور دُوسری کروٹ بدلنے پر ان کا انکار ہی کیا جاوے۔ اور اجماع اُمّت مرحُومہ کو کبھی کورانہ اور کبھی ان سے انکار کرکے اُلٹا اجماعی مسئلہ کی نقیض پر انعقاد اجماع کا کُل اُمّت مرحُومہ کو اتہام دیا جاوے۔ کما فی ازالۃ الاوہام وایام الصلح وغیرہ وغیرہ۔ اور عیسیٰ بن مریم کو مکار و فریبی اور ان کی تین دادیوں اور نانیوں کو زناکار کسبی عورتیں لکھا جاوے۔ کما فی ضمیمہ انجام آتھم اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کشفِ غیبی شبِ معراج والے کو غیر واقعی اور آپؐ کو مدت عُمر شریف تک باقی علی النظار قرار دیا جاوے۔ العیاذ باللہ۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (بنی اسرائیل آیت ۶۰) قال ابن عباس رؤیا عین۔ معراج کا قصہ سُن کر جو لوگ اہلِ مکہ سے مُرتد ہوئے تھے ان کے بارہ میں فِتْنَةً لِّلنَّاسِ فرمایا گیا۔ قادیانی مشن کے لوگ بھی بوجہ انکار معراج جسمی اور رویۃ عینی کے فِتْنَةً لِّلنَّاسِ کا مصداق ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے قول کا ذکر عنقریب اسی کتاب میں آئے گا۔

سوال

امام عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب میزان کبریٰ کے صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں کہ صاحب کشف مقام یقین میں مجتہدین کے مساوی ہوتا

---

[1] قادیانی کو بحکم آنکہ دروغ گوئی راحافظہ نباشد۔ یہ خیال نہیں رہا کہ ازالہ اوہام کے صفحہ ۱۵۳ سطر ۱۰ پر لکھ چکا ہوں کہ خضر علیہ السلام باوجود مُلہم ہونے کے نبی نہیں تھا۔ صرف مُلہم تھا۔ دیکھو ازالہ اوہام۔ ۱۲

ہے۔ اور کبھی بعض مجتہدین سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ وُہ اُسی چشمہ سے چُلّو بھرتا ہے جس سے شریعت نکلتی ہے۔ اور پھر امام صاحب اسی جگہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ صاحبِ کشف اُن علوم کا محتاج نہیں ہوتا جو مجتہدین کے حق میں ان کی صحتِ اجتہاد کے لیے شرط ٹھہرائے گئے ہیں۔ اور صاحبِ کشف کا قول بعض علماء کے نزدیک آیت اور حدیث کی مانند ہے۔ پھر صفحہ ۳۳ میں فرماتے ہیں کہ بعض حدیثیں محدّثین کے نزدیک محلِ کلام ہوتی ہیں۔ مگر اہلِ کشف کو ان کی صحت پر مطلع کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اصحابی کالنجوم کی حدیث۔ پھر صفحہ ۳۴ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی دلیل عقلی یا نقلی نہیں جو کلامِ اہلِ کشف کو ردّ کرے۔ کیونکہ شریعت خُود کشف کی مؤیّد ہے۔ پھر صفحہ ۴۸ میں فرماتے ہیں کہ بہتیرے اولیاء اللہ سے مشتہر ہو چکا ہے کہ وُہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے عالمِ اَرواح میں یا بطور کشف ہم مجلس ہُوئے اور اُن کے ہم عصروں نے اُن کے دعویٰ کو تسلیم کیا۔ پھر امام شعرانی صاحب نے اُن لوگوں کے نام لیے ہیں جن میں سے ایک امام محدّث جلال الدین سیُوطی بھی ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ورق جلال الدین سیُوطی کا دستخطی اُن کے صُحبتی شیخ عبد القادر شاذلی کے پاس پایا جو کسی شخص کے نام خط تھا جس نے اُن سے بادشاہِ وقت کے پاس سفارش کی درخواست کی تھی۔ سو امام صاحب نے اُس کے جواب میں لکھا تھا کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں تصحیح احادیث کے لیے جن کو محدّثین ضعیف کہتے ہیں حاضر ہُوا کرتا ہُوں چنانچہ اِس وقت تک پچھتّر دفعہ حالتِ بیداری میں حاضرِ خدمت ہو چکا ہُوں۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میں بادشاہِ وقت کے پاس جانے کے سبب اِس حضُوری سے رُک جاؤں گا تو قلعہ میں جاتا اور تیری سفارش کرتا۔

شیخ محی الدّین عربیؒ نے جو فتوحات میں اِس بارہ میں لکھا ہے اس میں سے بطور خلاصہ یہ مضمُون ہے کہ اہلِ ولایت بذریعہ کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے احکام پُوچھتے ہیں۔ اور اُن میں سے جب کسی کو کسی واقعہ میں حدیث کی حاجت پڑتی ہے تو وُہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے مشرّف ہو جاتا ہے۔ پھر جبرائیل علیہ السّلام نازل ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جبرائیلؑ سے وُہ مسئلہ جس کی ولی کو حاجت ہوتی ہے پُوچھ کر اُس ولی کو دیتے ہیں یعنی ظلّی طور پر وُہ مسئلہ بہ نزُولِ جبرائیلؑ منکشف ہو جاتا ہے۔ پھر شیخ ابن عربیؒ نے فرمایا ہے کہ ہم اِس طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے احادیث کی تصدیق کرا لیتے ہیں۔ بہتیری حدیثیں ایسی ہیں جو محدّثین کے نزدیک صحیح ہیں اور ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ اور بہتیری حدیثیں موضُوع ہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے قول سے بذریعہ کشف صحیح ہو جاتی ہیں۔

اور فتوحاتِ مکیّہ میں ابنِ عربی صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اہلِ ذکر و خلوت پر وُہ علومِ لدُنّیہ کُھلتے ہیں جو اہلِ نظر و استدلال کو حاصل نہیں ہوتے اور یہ علومِ لدُنّیہ اور اسرار و معارف انبیاء اولیاء کے ساتھ مخصُوص ہیں۔ اور جنیدؒ بغدادی سے نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے تیس سال اس درجہ میں رہ کر یہ رُتبہ حاصل کیا ہے۔ اور ابُو یزید بسطامی سے نقل کیا ہے کہ عُلماء ظاہر نے علم مُردوں سے لیا ہے اور ہم نے زندہ سے جو خُدائے تعالیٰ ہے۔ تمّ کلامہ۔ تو بمُوجب شہادت نقول بالا ممکن ہے کہ قادیانی صاحب نے بھی بذریعہ کشف کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے پُوچھ کر مسیح موعُود ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور احادیث نزُول کے معانی مآوّلہ حسب اجازت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بیان کیے ہوں اور اپنے دعوٰی کے اثبات میں وُہ احادیث جن کو علماء ظاہر ضعاف میں سے شمار کرتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے صحیح کر لی ہوں اور احادیثِ صحیحہ عند العلماء کو تعلیم نبوی سے غیر صحیح سمجھ لیا ہو۔[1]

جواب

چونکہ عبارت منقولہ بالا تمّ کلامہ تک ازالہ کے صفحہ ۱۴۹ سے ۱۵۳ تک کی ہے۔ لہٰذا قادیانی صاحب کو جلال الدین سیُوطی اور شیخ

[1] سوال سے لے کر یہاں تک ازالہ اوہام کی عبارت ہے۔ بالاختصار۔

محی الدینؒ بن عربی قدس سرہٗ کے کشفی فیصلہ کے تسلیم کرنے میں کوئی عُذر نہیں ہوسکتا۔ سو گذارش ہے کہ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ اور علامہ سیوطی بھی اور ایسا ہی شیخ محمد اکرم صابری صاحب کتاب اقتباس الانوار (جس کو عالمِ کشف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خُلفاء اربعہ وسیّدنا ابی محمد عبد القادر جیلانی وسیّدنا خواجہ خواجگان مُعین الدین حسن سنجری ثم اجمیری رضی اللہ عنہم نے مقبول فرمایا) نزُول عیسٰی بن مریم بعینہٖ کے قائل ہیں۔ بلکہ کُل اہلِ کشف وشہُود کا اُسی عیسٰی بن مریم بعینہٖ نہ بمثیلہٖ کے نزُول پر اتفاق ہے۔ اور ایسا ہی معراج جسمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ فتوحات کے باب ۳۶۷ پر حدیثِ معراج میں فرماتے ہیں۔ فلما دخل اذا بعیسٰی علیہ السّلام بجسدہٖ عینہٖ فانہ لم یمت الی الاٰن بل رفعہ اللّٰہ الٰی ھٰذہ السمآء واسکنہ بھا وحکمہ بھا وھو شیخنا الاول الذی رجعنا علی یدیہ ولہ بنا عنایۃ عظیمۃ لایغفل عنا ساعۃ واحدۃ الخ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں عیسٰی علیہ السلام کو زندہ بجسدہ العنصری پایا۔ کیونکہ وُہ اَب تک مرا نہیں۔ الخ

اور نیز فتوحات کے باب ۳ میں لکھتے ہیں۔ ابقی اللّٰہ بعد رسول اللّٰہ من الرّسل الاحیاء باجسادھم فی ھٰذہ الدار الدنیا ثلٰثۃ وھو ادریس علیہ السلام بقی حیا بجسدہٖ واسکنہ اللّٰہ فی السمآء الرابعۃ والسمٰوات السبع ھن من عالم الدنیا الی ان قال وابقی فی الارض ۔ ایضاً الیاس وعیسٰی وکلاھما من المرسلین الخ

اور علّامہ سیوطی کی تفسیر دُرِّ منثور ملاحظہ ہو جو احادیث سے عیسٰی بن مریم کا نزول اخیری زمانہ میں اور بعد اس کے مدفن ان کا روضۂ نبویہ میں علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام ثابت فرماتے ہیں۔ دُرِّ منثور کی اکثر احادیث شمس الہدایۃ میں لکھی گئی ہیں۔ اور حدیث برتلا وصی عیسٰی بن مریم کی فتوحات کی جلد اوّل میں ملاحظہ ہو جو شمس الہدائیت میں لکھ چکا ہُوں۔ اور اس رسالہ میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کسی جگہ نقل کی جاوے گی جس سے چار ہزار صحابی کا اجماع اسی عیسٰی بن مریم بعینہٖ لا بمثیلہٖ کے نزُول پر پایا جاتا ہے۔

اور شیخ محمد اکرم صابریؒ اقتباس الانوار کے صفحہ ۵۲ پر بروزی نزُول کی تضعیف فرماتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ (وبعضی بر آنند کہ رُوحِ عیسٰی در مہدی بروز کند و نزُول وعبارت ازیں بروز است مطابق ایں حدیث لامھدی الا عیسٰی بن مریم وایں مقدمہ بغایت ضعیف است) پھر اسی کتاب کے صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں (یک فرقہ برآں رفتہ اند کہ مہدی آخر الزمان عیسٰی بن مریم است وایں روایت بغایت ضعیف است زیرا کہ اکثر احادیث صحیح ومتواتر از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم وُرُود یافتہ کہ مہدی از بنی فاطمہ خواہد بُود وعیسٰی بن مریم باو اقتدا کردہ نماز خواہد گذارد وجمیع عارفان صاحب تمکین برایں متفق اند چنانچہ شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہٗ در فتوحاتِ مکّی مفصّل نوشتہ است کہ مہدی آخر الزمان از آلِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم من اولادِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ظاہر شود۔ انتہی۔

قادیانی صاحب نے اس مقام پر بڑی چالاکی اور دجل سے کام لیا ہے۔ آپ اپنی تالیف ایام الصلح فارسی کے صفحہ ۱۸۰ پر اپنے دعوے کی تائید کے لیے شیخ محمد اکرم صابری صاحب کو بایں صفت موصُوف کر کے شیخ محمد اکرم صابری کہ از اکابر صوفیاء متاخرین بُودہ اند۔ صرف اسی قدر نقل کرتے ہیں کہ (وبعضے بر آنند کہ رُوحِ عیسٰی در مہدی بروز کند و نزول عبارت از ہمیں بروز است مطابق ایں حدیث لامھدی الا عیسٰی بن مریم) بعد اس کے شیخ محمد اکرم قدس سرہٗ کا قول ہذا (وایں مقدمہ بغایت ضعیف است) حذف کر دیتے ہیں تاکہ ہمارے دعوے کی تردید محمد اکرم صاحب کے ہی قول سے نہ ہو جاوے۔

الغرض کُل اہلِ کشف وشہُود مُطابق احادیثِ صحیحہ عیسٰی بن مریمؑ نہ بمثیلہٖ کے نزُول اور نیز اس کے مغایر ہونے پر مہدی سے مُتفق ہیں۔ ایسا ہی معراجِ جسمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان سب سے قادیانی صاحب کا علیحدہ ہونا بڑی روشن دلیل ہے اس کے کاذب ہونے پر۔ کیونکہ ازالہ اوہام میں ان لوگوں کا کشف برابر آیت وحدیث کے مانا گیا ہے۔ اور نیز معلوم ہو کہ جو لوگ مقام علٰی بینۃ من ربّہٖ

اور کشفِ صحیح کے مالک ہوتے ہیں اُن کا کشفی مقولہ ایک امر کے بارے میں ایک ہی ہوتا ہے مختلف نہیں ہوتا۔ کما قال الشیخ الاکبر فھو علیٰ نور من ربہ ھو نور علی نور و لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ہ

اَب قادیانی صاحب سے دریافت کرنا چاہیئے کہ آپ مسیح موعود و مہدی موعود و دجال شخصی و معراجِ جسمی و آیاتِ بیّنات قرآنیہ یعنی معجزات کے بارہ میں کس لیے علامہ سیوطیؒ و محی الدین ابن عربیؒ و کُل اہل اللہ سے علیحدہ ہو گئے اور آپ کے مُنہ سے اقوال متناقضہ کیوں نکلتے ہیں۔ آپ اس اشتہار میں غیبِ مصفّٰی پر اطلاع پانے اور مُلہم ہونے کی وجہ سے آیۃ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا o اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ سے متمسک ہو کر نبی و رسول بن گئے۔ اور خضر مصاحب موسیٰؑ جیسے مُلہم جس کی پیشین گویوں کی صداقت پر قرآن کریم شاہد ہے۔ آپ ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۳ اسطر ۹ پر نبی نہیں مانتے۔ چُنانچہ لکھتے ہیں۔ (وُہ شخص جس نے کشتی کو توڑا اور ایک معصوم بچہ کو قتل کیا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے وُہ صرف ایک مُلہم ہی تھا نبی نہیں تھا) کیا آپ کی پیشین گویوں کی صداقت خضر علیہ السلام کی صداقت پر بڑھی ہُوئی ہے۔ لہٰذا آپ نبی و رسُول اور وُہ صرف مُلہم ہے نہ نبی۔

نیز آپ کبھی مسیح بن مریم کو اگلیل میں کشف کی آنکھ سے مدفون دیکھتے ہیں اور کبھی کشمیر خاص سری نگر میں۔ بلکہ انا انزلنٰہ قریبا من القادیان کو قرآن مجید میں لکھا ہوا ملاحظہ کر لیتے ہیں۔ کیا ایسے ہی مکاشفات کو قرآن مجید اور توریت و انجیل و زبور کے ہم پلّہ سمجھتے ہیں۔ اور حلفی طور پر بیتُ اللہ میں کھڑے ہو کر بیان کرنے کا معتقدین کو سہارا دیتے ہیں۔ ان میں سے عقل مند تو تاڑ گئے ہیں۔ ہم اس جگہ نقل کرنا (پیشین گوئی متعلقہ ڈپٹی آتھم) کا غیر مُناسب نہیں سمجھتے۔ یہ پیشین گوئی مرزا جی نے ۵۔ جون ۱۸۹۳ء کو امرتسر میں عیسائیوں کے مباحثہ پر اپنے حریفِ مقابل مسٹر آتھم کی نسبت کی تھی۔ جس کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

"آج رات جو مجھ پر کھُلا ہے وُہ یہ ہے کہ جب کہ میں نے بہت تضرّع اور ابتہال سے جنابِ الٰہی میں دُعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں۔ تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اُس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھُوٹ اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خُدا بنا رہا ہے وُہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دِن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اُس کو سخت ذلّت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجُوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچّے خُدا کو مانتا ہے اُس کی اس سے عزّت ظاہر ہوگی۔ اور اُس وقت جب پیشین گوئی ظہُور میں آئے گی بعض اندھے سوجاکھے کیے جاویں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے۔ اور بعض بہرے سُننے لگیں گے۔" (جنگِ مقدّس صفحہ ۱۸۸) پھر فرماتے ہیں۔ "میں حیران تھا کہ اس بحث میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمُولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں۔ اَب یہ حقیقت کھُلی کہ اس نشان کے لیے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہُوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھُوٹی نکلی یعنی وُہ فریق جو خدائے تعالےٰ کے نزدیک جھُوٹ پر ہے وُہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اُٹھانے کے لیے تیار ہُوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ رُوسیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسّہ ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لیے تیار ہُوں۔ اور میں اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہُوں کہ وُہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ ضرور کرے گا ضرور کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔" (حوالہ مذکور)

لہ نقل از رسالہ "الہاماتِ مرزا" مصنفہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ۱۲

اس پیشین گوئی کا مضمون بالکل صاف ہے یعنی ڈپٹی آتھم جس نے مسیح کو خدا بنایا ہوا ہے۔ اگر مرزاجی کی طرح موحّد و مسلم نہ ہوا۔ تو عرصہ پندرہ ماہ میں مر جاوے گا اور ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ اسلام اگرچہ اپنی حقیقت میں ایسے مکاشفات کا محتاج نہیں۔ تاہم مرزاجی نے مخالفین سے اسلام پر دھبہ لگوایا۔ اس پیشین گوئی کے متعلق مرزاجی نے جو حیرت انگیز چالاکیاں کی ہیں۔ ان کی تردید اس پیشین گوئی کے الفاظ ہی سے ظاہر ہے۔ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے رسالہ (الہامات مرزا) میں وہ تردید لکھی ہے کہ جس سے بڑھ کر متصوّر نہیں اور یہ پیشین گوئی مع نظائر اسی رسالہ سے نقل کی گئی ہے۔

اس چٹھی کا جو خان صاحب محمد علی خان رئیس مالیر کوٹلہ نے آتھم والی پیشین گوئی کے خاتمہ پر بھیجی تھی اس جگہ پر نقل کرنا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں پر صداقت پیشین گوئیوں مرزاجیو کی بخوبی ظاہر ہو جاوے اور مرزاجی کے بیت اللہ میں حلف اٹھانے کا دھوکا نہ کھائیں۔

چٹھی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

مولٰنا مکرم سلمکم اللہ تعالٰی!

السلام علیکم۔ آج ۷ ستمبر ہے۔ اور پیشین گوئی کی میعاد مقررہ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تھی۔ گو پیشین گوئی کے الفاظ کچھ ہی ہوں۔ لیکن آپ نے جو الہام کی تشریح کی تھی وہ یہ ہے۔ "میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ ۱۵ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ رو سیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسّہ ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ زمین و آسمان ٹل جاویں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔"

کیا اب آپ کی پیشین گوئی آپ کی تشریح کے موافق پوری ہو گئی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ عبداللہ آتھم اب تک صحیح و سالم موجود ہے۔ اور اس کو بسزائے موت ہاویہ میں نہیں گرایا گیا۔ اگر یہ سمجھو کہ پیشین گوئی الہام کے الفاظ کے بموجب پوری ہو گئی جیسا کہ مرزا خدا بخش صاحب نے لکھا ہے۔ اور ظاہری معنے جو سمجھے گئے تھے وہ ٹھیک نہ تھے۔ اوّل تو کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کا اثر عبداللہ آتھم صاحب پر پڑا ہو۔ دوسری پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں۔ "اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انھیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک ماہ لے کر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ اور اس کو ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہو گی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کیے جاویں گے بعض لنگڑے چلنے لگیں گے بعض بہرے سُنیں گے۔"

پس اس پیشین گوئی میں ہاویہ کے معنے اگر آپ کی تشریح کے بموجب نہ لیے جاویں اور صرف ذلت اور رسوائی لی جائے تو بے شک ہماری جماعت ذلت اور رسوائی کے ہاویہ میں گر گئی۔ عیسائی مذہب اسی حالت میں سچا سمجھا جاوے۔ اگر یہ پیشین گوئی سچی سمجھی جائے جو خوشی اس وقت عیسائیوں کو ہے وہ مسلمانوں کو کہاں (مسلمانوں کو تو نہیں بلکہ مرزائیوں کو۔ مؤلف) شرمندگی اور بڑی شرمندگی ہوئی۔ پس اگر پیشین گوئی کو سچا سمجھا جاوے تو عیسائیت ٹھیک ہے کیونکہ جھوٹے فریق کو رسوائی اور سچے کو عزت ہو گئی۔ اب رسوائی مسلمانوں کو ہوئی میرے خیال میں اب کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ دوسرے اگر کوئی تاویل ہو سکتی ہے تو یہ بڑی مشکل کی بات ہے کہ ہر پیشین گوئی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ لڑکے کی پیشین گوئی میں تفاول کے طور سے ایک لڑکے کا نام بشیر رکھا وہ مر گیا۔ تو اس وقت بھی غلطی ہوئی۔ اب

اِس معرکہ کی پیشین گوئی کے اصلی مفہوم کے نہ سمجھنے نے توغضب ڈھایا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ اُحد میں فتح کی بشارت دی گئی تھی۔ آخر شکست ہُوئی تو اس میں ایسے زور سے اَور قسموں سے معرکہ کی پیشین گوئی نہ تھی۔ اَور اس میں لوگوں سے غلطی ہوگئی تھی۔ اَور آخر جب مجتمع ہو گئے تو فتح ہُوئی۔ کیا کوئی ایسی نظیر ہے کہ اہل حق کو بالمقابل کفار کے ایسے صریح وعدے ہو کر اَور معیار حق و باطل ٹھہرا کر ایسی شکست ہُوئی ہو۔ مجھ کو تو اَب اِسلام پر شبہے پڑنے شروع ہو گئے۔ لیکن الحمد للہ کہ اَب تک جہاں تک غور کرتا ہُوں اِسلام بالمقابل دُوسرے ادیان کے اچھا معلُوم ہوتا ہے لیکن آپ کے دعاوی کے متعلق تو بہت ہی شُبہ ہو گیا۔ پس میں نہایت بھرے دِل سے اِلتجا کرتا ہُوں کہ آپ اگر فی الواقع سچے ہیں تو خُدا کرے کہ میں آپ سے علیحدہ نہ ہوں۔ اَور اِس زخم کے لیے کوئی مرہم عنایت فرمائیں جس سے تشفّی کُلّی ہو۔ باقی جیسے کہ لوگوں نے پہلے ہی مشہُور کیا تھا۔ کہ اگر یہ پیشین گوئی پُوری نہ ہُوئی تو آپ یہی کہہ دیں گے کہ ہاویہ سے مُراد موت نہ تھی۔ اِلہام کے مفہُوم سمجھنے میں غلطی ہُوئی۔ براہِ مہربانی بدلائل تحریر فرما دیں۔ ورنہ آپ نے مجھ کو ہلاک کر دیا۔ ہم لوگوں کو کیا مُنہ دکھائیں گے (لوگوں کی پرواہ نہ کرو۔ خُدا کو کیا مُنہ دکھاؤ گے۔ مؤلّف) میں برائے اِستفادہ نہایت دِلی رنج سے یہ تحریر کر رہا ہُوں۔

راقم محمّد علی خان

سوال

قادیانی صاحب کے صرف ایک ہی کمال کا اگر خیال کیا جاوے تو بھی ایسے شخص کو بُرا نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس نے اِسلام کی حقیقت پر براہینِ قاطعہ قائم کر کر مخالفینِ اِسلام کو لاجواب کر دیا ہے۔

جواب

براہینِ قاطعہ کا نمُونہ انہی دلائل کو جن کی تردید ہو رہی ہے خیال فرما لیویں۔ کیا ایسے ہی جاہلانہ خیالات کا براہین نام رکھا جاتا ہے ہرگز نہیں۔ اِسلام کا خُدا خُود حافظ ہے۔ اَور خود ہی اس کی حقیّت مخالفین کو ہر زمانہ میں لاجواب کر رہی ہے اَور کرے گی قادیانی صاحب نے جو بصُورتِ دوست مگر بمعنی اِسلام کے دُشمن تھے، جہالت کی وجہ سے اِسلام کی بیخ کنی کر دی تھی۔ مگر الحمد للہ کہ عُلمائے اِسلام نے اس کا تدارک کر لیا۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا ہے۔ بیت ؎

تُرا اژدہا گر بود یارِ غار   ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

اَور مخالفین سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شان میں وُہ کُفریات بکوائے کہ خُدا نہ سُنائے۔ بلکہ جریدۂ عالم پر ان کو بوجہ تحریری ہونے ان کے ثبت کرا دیا۔ الحمد للہ والمنّۃ کہ اللہ جل شانہٗ بحسب وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (حجر۔ آیت ۹) کے ہمیشہ اُس کو پیشین گوئیوں میں ناکامیابی دیتا رہا۔ تاکہ عوام کالانعام اُس کو بوجہ صداقت پیشین گوئی کے کتاب وسُنّت کے بیان میں سچا نہ سمجھ لیں۔ بلکہ یہ جان لیں کہ یہ شخص قرآن اَور سُنّت کا محُرّف ہے۔ کیونکہ اکثر فی زمانناً قرآن دانی کا معیار جہالوں کے ہاتھ میں صرف پیشین گوئیوں کی صداقت ہی رہ گئی ہے۔

عیسٰیؑ ابنِ مریمؑ کے نزول پر اجماع

اس بات پر کُل اُمتِ مرحومہ کا اجماع ہے کہ عیسٰی بن مریم بعینہٖ نہ بمثیلہ کما اخترعہٗ القادیانی آسمان سے بحسبِ پیشین گوئی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُتریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ نزُول جسمی بعینہٖ بغیر اس کے کہ رفع جسمی بحالت زندگی مانا جاوے ممکن نہیں۔ لہٰذا بڑے زور سے ہم کہتے ہیں کہ کُل اُمّت کا جیسے نزول مذکور پر اجماع ہے ایسا ہی حیات مسیح عند الرفع پر بھی ہے یعنی آسمان کی طرف اُٹھایا جانے کے وقت مسیح کی حیات پر سب کا اتفاق ہے بحکم مقدمہ مذکورہ کہ نزُول فرع ہے رفع کی۔ رہا یہ کہ قبل از رفع بھی مسیح زندہ رہا۔ کما ھُو مذہب الجمھور۔ یا وفات پاکر بعد ازاں اُٹھانے کے وقت زندہ کیا گیا ہو۔ کما ھُو مذہب النصاری وبعض اہل الاسلام مثل مالک رحمۃ اللہ علیہ۔ سو یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ اس پر اجماع نہیں۔ کیونکہ امام مالکؒ وفات کے قائل ہیں۔ نصاریٰ کا قول بحیات المسیح بعد وفاتہ تو اُن کی کتابوں سے ظاہر ہے اور مالکؒ کا قائل ہونا بحیات المسیح عند الرفع، ان کے بڑے بڑے معتبر وں مقلدوں کی تصریحات سے پایا جاتا ہے۔ ورنہ مقلدینِ امام مالکؒ اپنے امام سے علیحدہ نہ ہوتے اور بر تقدیر علیحدہ ہونے کے نزول جسمی بعینہٖ کو، جو فرع ہے رفع جسمی بعینہٖ کی، مجمع علیہ کُل اُمّتِ مرحومہ کا نہ لکھتے۔ لہٰذا مجمع البحار میں (قال مالك مات) کے بعد شیخ محمد طاہر یہ تاویل لکھتے ہیں۔ ولعله اراد رفعه على السمآء حقيقةٍ يجيئ اٰخر الزمان لتواتر خبر النزول۔ اس تقدیر سے واضح ہوا کہ مسئلہ نزُول کی طرح حیاتِ مسیح پر بھی اجماع ہے۔ کُل اہلِ اسلام اس پر متفق ہیں۔ بلکہ نصاریٰ بھی اس میں مُسلمانوں سے الگ نہیں۔ مگر اجماعی حیات الیٰ مابعد النزول وُہ ہے جو مسیح کے لیے عند الرفع مانی گئی ہے۔

اس مضمون پر عبارات مسطورہ ذیل شاہد ہیں۔ امام الائمۃ ابُو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:۔ وخروج الدجال ویاجوج وماجوج وطلوع الشمس من المغرب ونزول عيسٰى عليه السّلام من السّماء وسائر علامات يوم القيمة على ماوردت به الاخبار الصحيحة حق كائن (فقہ اکبر) اور یہی مذہب ہے کل ائمہ شفعویہ کا، یعنی سب اسی عیسٰی بن مریم بعینہٖ لا بمثیلہ کے نزُول پر متفق ہیں۔ چنانچہ ائمہ صحاح ستہ اور شیخ سیُوطی وغیرہ کی تصریح سے ظاہر ہے۔

اور ائمہ مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام احمد نفراوی المالکی نے فواکہ دوانی میں تصریح کردی کہ اشراط ساعت سے ہے آسمانوں سے عیسٰی علیہ السلام کا اُترنا اور علامہ زرقانی مالکی شرح مواہب قسطلانی میں بڑی بسط سے لکھتے ہیں۔ فاذا انزل سيدنا عيسٰى عليه الصّلٰوة والسّلام فانه يحكم بشريعة نبينا صلعم بالهام او اطلاع على الروح المحمّدى اوبما شاء الله من استنباط لها من الكتاب والسنة ونحو ذٰلك۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ فهو عليه السّلام وان كان خليفة فى الامة المحمّدية فهو رسول ونبى كريم على حاله لا كما يظن بعض انه يأتى واحدا من هذه الامة بدون نبوة ورسالة وجهل انهما لا يزولان بالموت كما تقدم فكيف بمن هو حیٌّ نعم هو واحدٌ من هذه الامة مع بقائه على نبوته ورسالته۔

اور علامہ سیُوطی کتاب الاعلام میں فرماتے ہیں۔ انهٗ يحكم بشرع نبينا ووردت به الاحاديث وانعقد عليه الاجماع

اُور فتح البیان میں ہے کہ وقد تواترت الاحادیث بنزول عیسیٰ جسماً اوضح ذالك الشوکانی فی مؤلفٍ مستقل یتضمن ذکر ماورد فی المنتظر والدجال والمسیح وغیرہ وصحح الطبری ھذا القول و وردت بذالك الاحادیث المتواترہ۔ فتح البیان ص ۳۴۴ ج (۲)

ائمہ اربعہ کے مسانید اُور ایسے ہی اُن کے مقلدین کی تصنیفات میں احادیث نزُول موجُود ہیں کسی نے نزُول عیسیٰ بن مریم کو نزُولِ مثیلِ عیسیٰ نہیں لکھا بلکہ نزُول جسدہٖ بعینہٖ کی تصریح کر دی ہے۔ فتوحات کی نقلیں بحوالہ ابواب بھی گذر چکی ہیں۔ اُور نیز حضرت شیخ اکبرؒ اِس نزُول کے اجماعی ہونے کو اِس عبارت سے باب ۳۷ میں ظاہر فرماتے ہیں۔ وانہ لاخلاف انہ ینزل فی آخرالزمان الخ اُور نیز حدیث برتملا وصی عیسیٰ فتوحات میں موجُود ہے جس سے چار ہزار صحابی کا اجماع حیاتِ مسیح پر معلوم ہوتا ہے وسیجئ انشاءاللہ تعالیٰ۔

الغرض کُل محدثین اُور ائمہ مذاہبِ اربعہ اُور اصحاب روائیت و درائیت اُور صحابہ کرام چُنانچہ حضرت عمرؓ اُور حضرت ابن عباسؓ اُور حضرت علیؓ اُور عبدُاللہ بن مسعُودؓ اُور ابُو ہریرہؓ اُور عبدُاللہ بن سلامؓ اُور ربیعؓ اُور انسؓ اُور کعبؓ اُور حضرت ابُوبکر صدّیقؓ اُور جابرؓ و ثوبانؓ اُور عائشہؓ اُور تمیم داریؓ وغیرہ اُور بخاریؒ و مسلمؒ و ترمذیؒ و نسائیؒ و ابُو داوٗدؒ اُور بیہقیؒ و طبرانیؒ و عبدبن حمیدؒ و ابن ابی شیبہؒ و حاکمؒ و ابن جریرؒ و ابن حبانؒ و امام احمدؒ و ابن ابی حاتمؒ و عبدالرزاقؒ وغیرہ وغیرہ کا اجماع ہے عیسیٰ ابن مریم کے زندہ اُٹھائے جانے اُور اُترنے پر بعینہٖ لا بمثیلہٖ۔

قال شیخ الاسلام الحرانی وصعود الآدمی ببدنہ الی السماء قد ثبت فی امر المسیح ابن مریم علیہ السلام فانہ صعد الی السماء وسوف ینزل الی الارض وھٰذا مما توافق النصارٰی علیہ المسلمین فانھم یقولون المسیح صعد الی السماء ببدنہ وروحہ کما یقولہ المسلمون ویقولون انہ سوف ینزل الی الارض ایضاً وھٰذا کما یقولہ المسلمون وکما اخبر بہ النبی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم فی الاحادیث الصحیحۃ لکن کثیراً من النصاری یقولون انہ صعد بعد ان صلب وانہ قام من القبر وکثیر من الیھود یقولون انہ صلب ولم یقوم من قبرہ اما المسلمون وکثیر من النصارٰی یقولون انہ لم یصلب ولکن صعد الی السماء بلا صلب والمسلمون ومن وافقھم من النصارٰی یقولون انہ ینزل الی الارض قبل یوم القیامۃ وان نزولہ من اشراط الساعۃ کما دل علٰی ذٰلك الکتاب والسنۃ۔

اِس تصریح سے ثابت ہے کہ قادیانی کا مذہب اِس مسئلہ میں سب اہل اِسلام سے الگ ہے۔ اُور نیز اِس سے ناظرین کو یقین ہو سکتا ہے کہ بلاشک قادیانی صاحب نے دین کی پرلے درجہ کی تحریف کی ہے۔ غیر اجماعی کو اجماعی بنا دیا اُور اجماعی کو غیر اجماعی۔ اُور جہال کو کیسے کیسے دھوکے دیئے ہیں کہ پناہ بخُدا۔

معراجِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَیُّہَا النَّاظِرُون قادیانی صاحب کا دعویٰ کہ مسیح موعود میں ہی ہُوں، مقدمات ذیل پر مبنی ہے :-

۱۔ مسیح ابن مریم فوت ہوچکا ہے۔

۲۔ موتیٰ مرنے کے بعد دوبارہ دُنیا میں نہیں آتے۔

۳۔ الہام

جواباً اتنا ہی کافی معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی صاحب کا اِلہام بوجوہ مذکورہ بالا جو اس کے بطلان پر شاہد ہیں مفید مدعیٰ نہیں ہوسکتا۔ مگر ناظرین کے اطمینان کے لیے مقدمہ اوّل اور ثانیہ کی طرف بھی متوجہ ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ پہلے مقدمہ کی تائید میں قادیانی صاحب نے لکھا ہے "کسی بشر کا آسمان پر جانا محال ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسمانی نہیں ہوا۔ چنانچہ ازالہ کے صفحہ ۴۷ میں لکھ دیا کہ سیرِ معراج اِس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھی بلکہ وُہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف (قادیانی) خود صاحب تجربہ ہے۔ انتہیٰ۔ اور آیۃ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۔ آیت ۹۳) کو اُنھوں نے اِمتناعِ صعود علی السماء کے لیے دلیل ٹھہرایا ہے۔ حالاں کہ یہی آیت ثابت کررہی ہے کہ کسی بشرِ مقدس کا آسمان پر جانا محال نہیں کیونکہ اِس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت کے موجودہ کفار نے وُہ اُمور طلب کیے تھے جن کا وقوع بہ نسبت انبیاء سابقہ کے ان کے مسلمات میں تھا اور انہی اُمور کو منجملہ دلائل دعویٰ نبوت کے خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ۝ (بنی اسرائیل ۹۰) (ہم تجھ پر ایمان نہ لاویں گے جب تک کہ تو زمین پھاڑ کر (حضرت مُوسیٰؑ کی طرح) ہمارے لیے پانی کا چشمہ نہ نکالے) اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۔ ۹۱) (یا تیرے لیے (ابراہیمؑ کی طرح جس پر کہ آتش نمرود باغ ہوگئی) ایک باغ ہو کھجور اور انگور کا جس کے بیچ تو نہریں نکالے) اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا (یا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے حسب مزعوم اپنے کے گرائے (جیسے کہ بنی اسرائیل پر کوہِ طور اُٹھایا گیا تھا) اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۔ ۹۲) (یا تو خُدا اور اُس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لادے) (جیسا کہ حضرت مُوسیٰؑ سے بھی یہی سوال کیا گیا) اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ (یا تیرے لیے کوئی سُنہرا گھر ہو) (چنانچہ ادریس علیہ السّلام کے لیے بہشت میں ہوا) اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ (یا تو آسمان پر (حضرت مسیح کی طرح) چڑھ جاوے) وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ (اور ہم تیرے آسمان پر چڑھنے کو ہرگز نہ مانیں گے یہاں تک کہ تو آسمانوں سے کوئی ایسی کتاب اُتار لادے جس کو ہم پڑھ سکیں (الواح مُوسیٰ کی طرح)۔

اَیُّہَا النَّاظِرُون (لِرُقِیِّكَ) میں لام تعلیل کے لیے ہے ای لاجل رقیك۔ دیکھو (فتح البیان) پس حاصل یہ ہوا کہ ہم تیرے اُوپر ایمان اُسی وقت لائیں گے جب کہ تو آسمان پر چڑھ جاوے گا۔ اور چُونکہ تو چڑھ جائے گا۔ تو پہلے ہم چڑھ جانے پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ تو آسمان سے الواحِ مُوسیٰ کی طرح کوئی ایسی کتاب اُتار لائے جس کو ہم خود پڑھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ بجواب

اِس سوال کفار کے فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اُن کو کہہ دے ۔ کہ سُبْحَانَ رَبِّیْ (پاک ہے پروردگار میرا ہر عجز سے) یعنی وُہ ان سب امُورِ بالا کے لانے پر قادر ہے ۔ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (مَیں بذاتِ خُود نہیں ہُوں مگر اُس کا بندہ بھیجا ہوا) لہٰذا اِن امُور کے سوال کرنے کا بھی بغیر اجازت اُس کی کے مُختار نہیں ہُوں ۔

اَیُّھَا النَّاظِرُون سُبْحَانَ رَبِّیْ سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ امُور مذکُورہ بالا ممتنعات سے نہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے ایقاع پر قادر ہے ۔ کُجا یہ کہ اس کو اُلٹا امُورِ مذکُورہ کے اِمتناع پر دلیل ٹھہرایا جاوے ۔ والّا تو چاہیئے کہ کُل امُورِ مذکُورہ بہ سوالِ کفار ممتنعات سے ہوں وہُوَ باطلٌ ۔ بلکہ سُورۃ بنی اِسرائیل میں صاف فرمادیا کہ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِھَا الْاَوَّلُوْنَ ط (بنی اسرائیل ۔ آیت ۵۹) (ہم کو آیاتِ بیّنات کے بھیجنے سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف کسی چیز نے نہیں روکا بجُز اِس کے کہ پہلے انبیاء جو ایسے معجزات اور آیات کے ساتھ آئے اُن کی تکذیب کی گئی ۔

اور یہی مضمون اُمّ عطا کی حدیث سے بھی ظاہر ہے ۔ وعن ام عطاعن النبیّ قال والذی نفسی بیدہ لقد اعطانی ماسئالتہ ولو شئت لکان ولکنہ خیرلی ۔ (ابن کثیر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ امُور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا فرمائے ہیں ۔ اگر میں چاہُوں تو ہو جائیں ۔ ولیکن اللہ تعالےٰ نے مجھے مُختار کیا ہے ۔ الخ ابن کثیر ۔

مِعراج شریف کی نِسبت قادیانی صاحب کا لکھنا کہ "اس جسمِ کثیف کے ساتھ نہیں گئے تھے" سخت گُستاخی اور بے ادبی ہے ۔ گو کہ جسم شریف کی کثافت بہ نسبت رُوحِ مطہّر ہی کے خیال کی جائے ۔ کیونکہ تاہم جسمی کثافت کو بوجہ دلیل ٹھہرانے اِمتناعِ صعُودعلی السّماء کے تا بحدے ماننا پڑتا ہے ۔ کہ اور اجسام کی کثافت کی طرح صعُود علی السّماء کے مصادم ہو ۔ اَیُّھا النَّاظِرُون یہ تو ثابت شدہ امر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ مُبارک کا سایہ زمین پر کبھی دیکھا نہیں گیا ۔ اِس لیے کہ وُہ رُوح کی طرح لطیف تھا جب آپ کا بَول اُس شخص کے حق میں جس نے اندھیری رات میں اسے پانی کے خیال سے نوش کیا تھا عنبر اور مشک کی طرح مُوجب تعطّر اور نُورانیت ہو گیا تھا ۔ پس کیا ہو گا حال ذاتِ مُبارک کا ۔ اللّٰھم صل وسلّم وبارك وادم علیٰ سیّدنا محمّد وآلہ وعترتہ وعلیٰ جسمہ فی الاجسام وعلیٰ روحہ فی الارواح وعلیٰ قبرہ فی القبور وعلیٰ مشھدہ فی المشاھد ۔

قاضی عیاض شفاء میں اور قاضی ثناء اللہ مالابد میں لکھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی نوع[1] کی بے ادبی کا مرتکب بجناب نبوی بلکہ کُل انبیاء علیہم السّلام کی نِسبت خواہ مُسلمان بھی کیوں نہ ہو واجب القتل ہے ۔ اور پھر حیرت انگیز گُستاخی یہ ہے کہ قادیانی اپنے کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پلّہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کو اپنے کمالات تک محدُود سمجھتا ہے ۔ چنانچہ لکھتا ہے ۔ کہ "اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف صاحب تجربہ ہے ۔"

اقول ۔ فرض کیا کہ آپ کشفوں میں صاحبِ تجربہ ہیں تو کیا اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مِعراج آپ کے کشفی عرُوج وسَیر سے اعلیٰ درجہ پر نہ ہو ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نتائج میں سے نمازِ پنجگانہ کی فرضیّت بھی ابدالدہر ثابت ہُوئی ۔ اور آپ کے کشف یا خواب وخیال نکاحِ آسمانی ایک لمحہ بھر کے لیے بھی ظہُور میں نہیں لایا ۔ حضرت کیا ایسے معارج مالیخولیانہ ، عرُوجِ نبوی علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ والسّلام سے نسبت رکھتے ہیں ۔ ع ۔ ببیں تفاوت راہ از کُجاست تا بہ کُجا

اَیُّھَا النَّاظِرُون معراجِ جسمی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کا بحالتِ بیداری آیۂ ذیل سے ثابت ہے ۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی

---

[1] صراحۃً یا اشارۃً ۔ عمداً یا سہواً ۔ منہ

بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى ۔ کیونکہ (سُبْحَانَ) کا اطلاق اسی موقعہ پر ہوتا ہے جہاں کہیں کسی عظیمُ الشّان اور مستبعد اور محالِ عادی کا ذکر ہو۔ اور ظاہر ہے کہ نیند میں آسمانوں پر جانا یا اطراف السموات والارض میں سیر کرنا کوئی امرِ مستبعد اور ممتاز بطور پر نبی کا خاصہ نہیں۔ اور نیز اَسْرٰی کا استعمال نیند میں نہیں آتا۔ (قاضی عیاض) پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسرا مثل اور انبیاء کے کشفی اور رُوحی نہ تھی بلکہ جسمی اور بحالت بیداری ہوئی۔ ہاں بعض احادیث کے الفاظ سے مثل بین النائم والیقظان یا وھو نائم اور واستیقظ[1] معلوم ہوتا ہے کہ معراج شریف بحالت منام ہوا ہے۔ سو اس کی نسبت قاضی عیاض اور احمد عسقلانی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ میں کوئی حجت نہیں کیونکہ محتمل ہے کہ جبرائیل کے آنے کے وقت یا اسراء کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے ہوں۔ اور ان احادیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ تمام اسراء میں سوئے رہے ہوں۔ ہاں ثم استیقظت کا لفظ دلالت کرتا ہے اسراء کے وقوع پر بحالت منام و نیند کے لیکن اس کے معنے صبح کرنے کے بھی ہیں یا محتمل ہے کہ اسراء کے بعد گھر میں سو گئے ہوں۔ اور محتمل ہے کہ یقظ بمعنے ہوشیاری و افاقہ کے ہو جو اہل اللہ کو بعد از استغراق حاصل ہوتا ہے۔ انتہی ملخص قولہما۔

اور انہی الفاظ مذکورہ کی طرح اختلاف روایات کا بہ نسبت تعین مکان اسراء کے موجب تشتت و اضطراب معلوم ہوتا ہے۔ مگر مرقاۃ اور لمعات میں وجہ جمع بین الروایات اس طرح بیان کی گئی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب اسراء میں اُمِّ ہانی کے گھر سوئے ہوئے تھے۔ اور اُمِّ ہانی کا گھر ابی طالب کے کوچہ میں تھا۔ پھر اس کے گھر کی چھت کھل گئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ سبب اس کے کہ اس میں رہا کرتے تھے اُس کو اپنا گھر کہا۔ اور اُسی سے فرشتہ اُترا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گھر سے نکال کر مسجد کعبہ کی طرف لے گیا۔ درحالیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمِّ ہانی کے گھر آرام فرما رہے تھے اور نیند کا اثر باقی تھا۔ پھر حطیم سے باب مسجد میں لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بُراق پر سوار کرایا۔ اور مکّہ میں ہونا اس غرض سے بیان فرمایا کہ یہ واقعہ مکّہ میں ہوا نہ مدینہ میں۔

میں کہتا ہوں ان سب وجوہ تطبیق مذکورہ وغیرہا سے اطمینان بخش وُہ وجہ ہے جس کو رئیسُ المکاشفین محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فتوحات کے باب ۳۶۷ میں لکھا ہے۔ ولو کان الاسراء بروحہ وتکون رؤیا راٰھا کما یری النائم فی نومہ ما انکرہ احد ولا نازعہ احد وانما انکروا علیہ کونہ اعلمھم ان الاسراء کان بجسمہ فی ھٰذہ المواطن کلھا (یعنی بر تقدیر معراج رُوحی کے انکار اس کا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہاں معراج جسمی کو بعید از عقل جان کر انکار کیا گیا) ولہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ وثلثون مرۃ الذی اُسْرِیَ بہ منہا اسراء واحد بجسمہ والباقی رؤیا راٰھا (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ۳۴ معراج ہوئے جن میں سے ایک جسمی تھا اور باقی رُوحی عالم خواب میں) بعد اس کے فرماتے ہیں۔ وبھٰذا زاد علی الجماعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باسراء الجسم واختراق السموات والافلاک حسًّا وقطع مسافات حقیقیۃ محسوسۃ وذالک کلہ لورثتہ معنًی لا حسًا من السموات فما فوقھا (یعنی معراج جسمی کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی اہل اللہ پر فوقیت اور زیادت ہے۔ مگر قادیانی صاحب ہرگز اس فضیلت اور زیادت کو گوارا نہیں کر سکتے۔ اب تو اہل مکاشفہ کے اقوال کو بھی چھوڑے جاتے ہیں۔ مع آنکہ جلد اول ازالہ میں اہل کشف خصوصاً شیخ کی نسبت لکھا ہے۔ کہ ان کا قول عُلمائے ظاہر کے اقوال پر راجح ہوتا ہے۔

اقول: تعددِ معراج کی تقدیر پر الفاظ مذکورہ و روایات مختلفہ میں تطبیق حاصل ہے اور یہی تقدیر احوال شریفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسب ہے۔ گویا رؤیتِ منامی مقدمہ اور تمہید ٹھہری معراج جسمی کے لیے۔ چنانچہ اکثر وقائع شریفہ میں ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔ پہلے

---

[1] محلِ استشہاد ہے۔ ۱۲ منہ

آپ کو بحالتِ خواب اُمورِ غیبیہ دِکھلائی دیتے تھے۔ بعد ازاں مُطابق خواب ظہور میں آتے تھے۔

تعدّدِ معراج پر قادیانی کے تین اِعتراضات

پہلا اِعتراض

اِنہی احادیث سے ثابت ہے کہ انبیاء کے لیے خاص خاص مقامات آسمانوں میں مقرر ہیں جن سے وُہ آگے نہیں بڑھ سکتے چُنانچہ گریہ اَور بکاءِ مُوسیٰ علیہ السّلام کا بر وقت جانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتویں آسمان سے آگے اسی پر دال ہے۔ کیونکہ اگر حضرت مُوسیٰ کے اِختیار میں تھا کہ کبھی پانچویں آسمان پر آجاتے اَور کبھی چھٹے پر اَور کبھی ساتویں پر تو یہ گریہ و بکا کیسا تھا۔ جیسے پانچویں یا چھٹے سے ساتویں پر چلے گئے ایسا ہی آگے بھی جا سکتے تھے۔

الجواب

حضرت مُوسیٰ کا بکاء اَور رونا اِس لیے نہ تھا کہ اُن کو ساتویں سے آگے رفع نہ ہوَا ہے بلکہ اُن کا رونا بہ سبب فقدانِ کمال دعوم دعوت کے تھا جس کو حضرت مُوسیٰ نے اپنے میں نہ پایا۔ اَور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات مُبارک میں یہ کمال دیکھا۔ چُنانچہ امام بُخاری باب المعراج حدیث مالک بن صعصعہ میں لکھتے ہیں۔ فلما تجاوزت بکیٰ قیل لہٗ مایبکیکؑ قال ابکیٰ لان غلاما بعث بعدی ید خل الجنۃ من امتہ اکثر من ید خلھا من امتی (بخاری) جب آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم آگے بڑھے تو حضرت مُوسیٰ رونے لگے۔ رونے کی علّت جب اُن سے دریافت کی گئی تو کہا۔ میرا رونا اِس لیے ہے کہ یہ نوجوان جو میرے بعد مبعوث ہُوَا اس کی اُمّت میری اُمّت سے زیادہ جنّت میں داخل ہوگی۔ گویا اپنی اُمّت پر رحمت کی کمی کی وجہ سے یہ رونا تھا، نہ یہ کہ وُہ آگے نہیں بڑھ سکتے۔

حالانکہ مشکوٰۃ باب من حضرہ الموت میں بروایتِ براء بن عازب مذکور ہے کہ کُل نفُوس کاملہ آسمانِ ہفتم تک رفع ہونے کے بعد اپنے ابدان میں بہ امرِ الٰہی لوٹائے جاتے ہیں۔ فیشیعہ من کل سماء مقربوھا الی السماء التی تلیھا حتی ینتھی بہٖ الی السماء السّابعۃ فیقول اللہ عزّوجلّ اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ فی الارض الخ

علّامہ زرقانی کی شرح مواہب پر نظر ڈالنے سے بخُوبی محقق ہوجاتا ہے کہ شبِ معراج میں جن انبیاء نے جہاں جہاں دِکھائی دی ان کے مقاماتِ سماویہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ بلکہ اظہارِ تفاضل اَور ان وجُوہِ اختصاص کے لیے تھا جن کو علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں مفصّل لکھا ہے۔ اَور جُدا جُدا آسمانوں میں دِکھائی دینا تعیّنِ مقام کے لیے کیسے ہوسکتا ہے۔ جب کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ اَرواحِ کاملہ کے عرُوج مقامات مذکُورہ تک ہی محدُود نہیں۔ اَور اسی پر دال ہے حدیثِ ذیل جس کو احمدؒ اَور مُسلمؒ اَور نسائیؒ نے ذکر کیا ہے۔ ان النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم قال مررت علیٰ موسیٰ لیلۃ اُسریٰ بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ شبِ اسریٰ میں میری گذر اُس سُرخ ٹیلے کے پاس سے ہُوئی جہاں حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام اپنی قبر میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے۔ اَور پھر اُسی وقت بیت المقدس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سب انبیاء کے امام ہُوئے۔ اَور پھر اُن کو علیحدہ علیحدہ آسمانوں میں دیکھا لحکمۃ یعلمھا الحکیم العلیم۔ اَور علّامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ ان حضرات کا جُدا جُدا آسمانوں

میں دکھائی دینا دراصل اُن کے وارداتِ خاصہ کی طرف اشارہ ہے جو اُن کو اپنی اپنی قوم سے پیش آئے۔ اور اسی کی مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی درپیش آنے والے تھے۔ الخ۔ رہا یہ امر کہ اُن انبیاء علیہم السلام کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کل مواطن میں رُوحانی صُورت میں دیکھا یا بصُورتِ عنصری جسدی۔ قرطبی کے نزدیک وُہ اپنے اپنے اجساد کے ساتھ نظر آئے۔ اور لمعات میں دونوں طرح دکھائی دینے کو محتمل لکھا ہے۔ بایں طور کہ اُن کی رُوحیں بصُورت اجساد متمثّل ہوگئی ہوں۔ مگر عیسٰیؑ کہ اُن کا اپنے جسم کے ساتھ مرفوع ہونا ثابت ہے۔ اور فتوحات میں حضرت شیخ نے بھی حضرت عیسٰیؑ کے بارہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ کما مر۔

دُوسرا اعتراض

قادیانی صاحب کا باتباع ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ دُوسرا اعتراض تعددِ معراج کے مُطابق یہ اعتقاد ہونا چاہیئے کہ ہر دفعہ اوّل پچاس۵۰ نمازیں مقرر کی گئیں اور پھر پانچ رہیں۔ جس پر بے جا اور لغو طور پر منسُوخیت ماننی پڑتی ہے[1]۔

جواب

فرضیتِ صلوٰۃ کا تعدد و حالتِ خواب میں بطریقِ توطیہ کوئی مستبعد نہیں۔ ہاں حالتِ بیداری میں اس کا تعدد بے جا اور غیر مُناسب سمجھا جاتا ہے۔ کما فی فتح الباری شرح صحیح بُخاری۔

تیسرا اعتراض

تعددِ معراج پر قادیانی صاحب کا تیسرا اعتراض بلکہ یہ حدیث جو بُخاری کے صفحہ ۱۱۲ میں ہے خود اپنے اندر تعارض رکھتی ہے کیونکہ ایک طرف تو یہ لکھ دیا کہ بعثت کے پہلے یہ معراج ہُوئی تھی۔ اور پھر اسی حدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ نمازیں پانچ مقرر کر کے پھر آخر کار ہمیشہ کے لیے پانچ مقرر ہُوئیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس حالت میں یہ معراج نبوت سے پہلے تھی تو اس کو نمازوں کی فرضیت سے کیا تعلق تھا اور قبل از وحی جبرائیلؑ کیونکر نازل ہوگیا۔ اور جو احکام رسالت سے متعلق تھے وُہ قبل از رسالت کیونکر صادر کیے گئے۔ انتہی ملخصا۔

جواب

اَیُّہا النّاظِرُون۔ حدیث ذیل کے الفاظ کو غور سے دیکھیں اور پھر قادیانی کی حدیث دانی اور کمالِ علمی کا خیال فرماویں۔ عن شریك بن عبد الله انه قال سمعت انس بن مالك يقول ليلة اسري برسول الله صلى الله عليه وسلم من المسجد الكعبة انه جاءه ثلثة نفر قبل ان يوحى اليه وهو نائم في المسجد الحرام فقال اولهم ايهم هو قال اوسطهم هو خيرهم فقال آخرهم خذوا خيرهم فكانت تلك الليلة فلم يرهم۔ یہاں تک مطلب شریک بن عبداللہ کا یہ ہے کہ انسؓ شبِ اسراء کا واقعہ بیان

---

[1] یعنی حالتِ بیداری میں فقط ایک بار فرضیت ہُوئی۔ پہلے پچاس کی اور پھر اُسی رات آخر میں پانچ رہ گئیں۔ پچاس پر عمل کا وقت ہی نہ آیا تا کہ بے جا منسُوخیت لازم آئے۔ رہی یہ بات کہ پہلی دفعہ ہی پانچ کیوں نہ مقرر ہُوئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اسے حضُور علیہ السلام کا بار بار مکالمۂ الٰہیہ سے مشرف ہونا تو ایک ظاہر حکمت ہے۔ ۱۲ فیض عفی عنہ

کرتے وقت کہتے ہیں کہ قبل از وحی پہلے ایک رات فقط تین فرشتے آئے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت مسجدِ حرام میں سوئے ہُوئے تھے اور وُہ آپس میں باتیں کر کے چلے گئے اور آپ نے اُن کو نہ دیکھا بس یہاں تک تو شبِ اسراء کے پہلے کا ذکر بطریقِ تمہید تھا۔ اب شبِ اسراء کا ذکر شرُوع ہوتا ہے (حتیٰ اتوہ لیلۃ اخریٰ فیما یریٰ قلبہ وتنام عینہ الخ) یعنی اُن ملائکہ کو آپؐ نے نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ پھر آئے وُہ کسی اور رات میں یعنی شبِ اسراء میں اور آسمانوں پر لے گئے۔ اور پانچ نمازیں مقرر ہوئیں۔ الخ۔ اس ترجمہ سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ قادیانی صاحب نے بجائے اس کے کہ اپنی کم فہمی پر روتے اور کسی عالم سے پُوچھتے اُلٹا حدیثِ بُخاری پر حملہ کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ایک کمال جُداگانہ اور مخصُوص پر گُستاخی کی۔ اور ایسے گُستاخانہ تعبیرات سے لوگوں کو دھوکا دینا چاہا۔ تاکہ بہ نسبت احادیث کے اضطراب کی وجہ سے اُن میں بے اعتباری پیدا کی جاوے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ جو کچھ میں اور میرے جاہل مولوی بانکے جائیں اُسی کو لوگ واجبُ التسلیم سمجھیں۔ حضرت! سارا ہی جہان تو جاہل نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے قرآن اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث کا حافظ ہے۔

شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ بغیر عائشہ صدیقہؓ اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے سب کا مذہب معراج جسمی اور بحالتِ یقظہ ہونے کا ہے۔ اور دونوں کا قول اُن جماہیر صحابہ کے اقوال کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ واقعہ اسراء کے وقت پیدا بھی نہیں ہُوئی تھیں۔ یا سنِ ضبط وتمیز کو نہیں پہنچی تھیں علیٰ اختلافِ[1] القولین۔ بلکہ حضرت عائشہؓ سے ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم والی حدیث کا مروی ہونا بہ تصریح قاضی عیاض وعلّامہ زرقانی باطل اور غیر ثابت ہے۔ پھر ان کی روایت کو مع عدم المشافہۃ والثبوت کیونکر ترجیح دی جاوے ان مشاہیر اور جماہیر صحابہ کے اقوال پر جنھوں نے بالمشافہہ نُورِ نبوت سے اِس معنیٰ کا استفاضہ کیا کہ معراج شریف جسمی اور بحالتِ یقظہ ہے۔ اور بر تقدیرِ صحت اس حدیث کے علّامہ تفتازانی نے اس طرح پر تاویل کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا جسمِ مُبارک رُوح سے مفقُود نہ ہوا بلکہ دونوں ساتھ تھے اور یہی معنے مطابق ہے حضرت عائشہؓ کی دُوسری حدیث کے جس کو ازالۃ الخفا صفحہ ۳۰۵ میں شاہ ولی اللہ مرحُوم نے بہ تخریج حاکم ذکر فرمایا ہے۔ اخرج الحاکم عن عائشۃ قالت لما اُسریٰ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلّم الی المسجد الاقصیٰ اصبح یحدث الناس بذالک فارتد ناس ممن کانوا آمنوا بہ وصدقوہ وسعوا بذالک الی ابی بکر فقالوا ھل لک فی صاحبک یزعم انہ اُسریٰ بہ الی بیت المقدس وجاء قبل ان یصبح قال او قال کذالک قالوا نعم قال لئن قال ذالک لقد صدق قالوا اتصدقہ انہ ذھب اللیلۃ الی بیت المقدس وجاء قبل ان یصبح قال نعم انی لاصدقہ بما ھو ابعد من ذالک اصدقہ بخبر السمآء فی غدوۃ او روحۃ فلذالک سمی ابوبکر الصدیق۔ فرمایا حضرت عائشہؓ نے جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو مسجدِ اقصیٰ تک کی سیر کرائی گئی۔ تو آپؐ نے صُبح ہوتے ہی لوگوں سے اسراء شب کے واقعات بیان فرمائے۔ پس بعض ایمان والے بھی اس کے سُنتے ہی مُرتد ہوگئے اور صدیق اکبرؓ کی طرف دوڑتے ہُوئے گئے اور پُوچھا کیا تجھے معلُوم ہے کہ تیرا صاحب (محمّد) زعم کرتا ہے کہ وُہ آج کی رات بیت المقدس کو گیا اور صُبح ہونے سے پہلے واپس بھی آ گیا۔ ابُوبکرؓ نے پُوچھا۔ کیا میرے صاحب نے کہا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہاں کہا ہے۔ ابُوبکرؓ نے کہا۔ اگر میرے صاحب نے ایسا کہا ہے تو ضرُور سچ کہا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ پھر تو اُس کی تصدیق کرتا ہے؟ ابُوبکرؓ نے جواب دیا کہ ہاں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور یہ کیا بلکہ اس سے بعید تر کی بھی تصدیق کرتا ہوں جو آسمانوں کے متعلق طلوعِ شمس کے قبل یا زوال کے بعد کی خبر دے اور اسی وجہ سے ان کا نام صدیق ہوا۔

[1] منہاج العلوی میں مُلا علی قاری حدیث معاویہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ وُہ اسراء نبویؐ کے وقت ابھی ایمان بھی نہ لائے تھے۔ اور یہی آخری قول تحقیقی ہے کہ حضرت عائشہؓ اُس وقت کم سن تھیں۔ فیض

کے حرارت و برودت وغیرہا کا انفکاک اپنے ملزومات سے واقعی معلوم ہوتا ہے۔ کیا وُہ فاعل مختار اَور حکیم مطلق جس نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو سرد کر دیا اِس پر قدرت نہیں رکھتا کہ زمہریری کرہ کی برودت کو مثلاً معتدلہ حرارت سے بہ نسبت ایک مقبول بندے اپنے کے متبدل کر دے۔

سوال

آیت (قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ) بھی عند الخصم ماوّل ہے۔

جواب

مشاہدہ اَور تجربہ سے ثابت ہے کہ حرارتِ مفرطہ کا زوال آگ سے بالکل واقعی اَور سچ ہے کما ذکرہ الشیخ فی الفتوحات اَور اس زمانہ میں بھی عوام سے خواص تک اس کو دیکھ چکے ہیں۔ لہٰذا آیت کو امتناعِ انفکاک الحرارت عن النار کی بنا پر ماوّل ٹھہرانا سراسر تعصب وجہالت ہے۔ الغرض جسمِ خاکی کے آسمان پر جانے کے استحالہ کو کوئی دلیل شرعی یا عقلی ثابت نہیں کرتی۔ کما ذکرہ النووی فی شرح مسلم۔ ہاں صرف چند جہلاء نے معتزلیں سے اِس پہلو کو اختیار کیا ہے کہ پہلے صرف عقل جزئی کو مشعلِ راہ بنا کر نصوص میں تاویل اَور ردّ و بدل کیا ہے۔ اِس مسلک میں ان کو تین وجہ سے دھوکا ہوا۔

۱۔ ایک تو عقل جزئی کے استقرارِ ناقص کا نام قانونِ قدرت رکھا۔ اَور ظاہر ہے کہ جزئیاتِ معدودہ کے احوال پر نظر ڈالنے سے قاعدہ کلیہ استنباط نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ دُوسرا مستبعداتِ عقلیہ کو محالاتِ عقلیہ سے شمار کیا۔

۳۔ تیسرا آیات واحادیث کو ان معانی پر محمول کیا جو بالکل برخلاف ہیں طرزِ محاورہ دانوں اَور ان لوگوں کے جنھوں نے نورِ نبوت سے بالمشافہ معانی مُرادہ کا استفاضہ کیا۔

قادیانی صاحب اہل اعتزال پر دو قدم آگے بڑھے۔

۱۔ دعویٰ مسیحیتِ موعودہ و مہدویت و نبوت و رسالت۔ اَور

۲۔ اِس چالاکی و دجل یا جہالت میں کہ ہمارا ایمان وغلبۂ محبت بہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمورِ ذیل کو گوارا نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو باں عزّ و شرف جس میں وُہ کُل انبیاء سے فائق ہیں، مدینہ طیبہ کی خاک میں مدفون ہوں اَور عیسیٰ ابن مریم آسمانوں پر جا بسے۔ ایسا ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عمر شریف صرف ۶۳ سال ہی عطا کی جاوے! اَور عیسیٰ ابن مریم دو ہزار سال پر بھی بس نہ کریں۔ اَور عیسیٰ ابن مریم کو بوجہ استغناء اُکے کھانے پینے سے حیّ قیّوم سمجھا جاوے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تو اَور عوام کی طرح والدین ہوں اَور عیسیٰ ابن مریم کے لیے باپ نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

اَیُّہَا النَّاظِرُوْن ان سب اُمورِ مذکورہ ونظائر ہا میں قادیانی صاحب کے پیش امام اہل اعتزال اَور جہمیہ وفلاسفہ ہی ہیں یعنی صرف زعمی قانونِ قدرت کو مشعلِ راہ بنایا ہے۔ اَور تقریرِ مذکور بلباس مجنوں اَور مومنوں کاملوں کے دجل ہے۔ گویا لوگوں کی آنکھوں میں اپنی نئی طرز کو درلباس عشاق دکھاتے ہیں۔ ہاں دعویٰ نبوت و رسالت و مسیحیتِ موعودہ میں الہام سے کام لیا ہے۔ پھر الہام بھی وُہ جو علاوہ بطلان فی نفسہ کے تعارض وتخالف بھی رکھتا ہے نہ صرف اپنے ہی الہامات میں بلکہ دُوسرے ملہمین محدثین کے الہامات سے بھی

الگ اور مخالف ہے۔ چنانچہ رئیس المکاشفین محی الدین ابن عربیؒ اپنی الہامی کتاب میں معراج جسمی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثبت اور قائل ہیں اور مرزاجی منکر۔ ایسا ہی حضرت شیخ مسیح ابن مریم کے رفع بجسدہ العنصری وحیات الی مابعد النزول کے قائل ہیں اور مرزاجی مخالف۔ ایسا ہی کشف والہام نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام اخبار متواترہ اور مشہورہ کے رُو سے عیسیٰ ابن مریم بعینہٖ لا بمثیلہٖ کے نزول کا مثبت ہے۔ اور مرزاجی کا پچھلا الہام بُروزی نزول کا پتہ دیتا ہے۔ ایہا الناظرین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کشف پاک اور مرزاجی کے خبط ناپاک میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں بن پڑتی بغیر اس کے کہ یا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی صادق کو العیاذ باللہ کاذب کہا جاوے یا کل احادیث کو بروزی نزول پر حمل کیا جاوے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خطا فی التعبیر ٹھہرا کر بعد ازاں بقاء علی الخطاء مدت العمر تک مانی جاوے۔ جن کے وجوہ بطلان اسی کتاب میں مفصل لکھے گئے ہیں۔

ایہا الناظرون کیا یہ متصور ہو سکتا ہے کہ وہ رسول پاک جو اعلیٰ درجہ کے اُمت مرحومہ کے بارہ میں حریص اور رحیم اور ہر ایک مُہلکہ سے اعلام فرمانے والے ہیں۔ دانستہ اُمت مرحومہ کو بجائے اس کے کہ لغزش سے بچائیں اُلٹا دھوکے میں ڈال گئے ہوں۔ یا ایک امر مہلک عظیم الشان سے بے خبر چلے گئے ہوں یا بر تقدیر حصول علم اُمت مرحومہ کو نزول بروزی کا پتہ نہ دیا ہو۔ مع آنکہ پہلے زمانہ میں نزول ایلیا کے مُشتبہ ہونے کی وجہ سے بہتیرے لوگ کافر ہوئے۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اگر نزول مسیح بروزی طور پر ہوتا تو بلحاظ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شان حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (توبہ۔ ۱۲۸) اور وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء۔ آیت ۱۰۷) ہرگز گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اس اشتباہ کے زہریلے اثر سے اُمت مرحومہ کو نہ بچائیں۔ اور ایک حدیث بھی بروزی نزول کو ذکر نہ فرماویں اور اہل اسلام کے نزدیک مُسلّم الثبوت ہے کہ شارع علیہ السلام نے کل امور مہلکہ پر تصریح فرما دی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى یُبَیِّنَ لَهُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ (توبہ آیت ۱۱۵) وقال اللہ تعالیٰ۔ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ۔ آیت ۳) آپ کی پیشین گوئیاں بھی، بالخصوص وہ جن کے بیان میں نہایت اہتمام و بیان تفصیلی و تاکیدات سے کام لیا گیا ہے دین میں داخل ہیں دین کو صرف عملیات میں محدود سمجھنا جہالت ہے دین کی علمی جزء اس کی عملی جزء پر سبقت اور اصالت کا استحقاق رکھتی ہے۔ وقال تعالیٰ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء۔ آیت ۱۶۵) وقال تعالیٰ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ (نور۔ ۵۴) وقال تعالیٰ۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل۔ آیت ۹) قرآن کریم کا ہادی ہونا انہی مومنوں کی نسبت ہے جنہوں نے بحسب بیان و تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے ساتھ ایمان لایا ہو۔ ورنہ کل فرق ضالہ قرآن ہی سے متمسک ہیں سعدی علیہ الرحمۃ

گم آں شد کہ دُنبال راعی نہ رفت

وقال تعالیٰ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِیْتًا ○ وَّاِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا ○ وَّلَهَدَیْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ○ (نساء۔ ۶۶ - ۶۸) اس آیت کی رو سے بھی اُمت مرحومہ کو صراط مستقیم کی ہدایت ضروری ہے۔ جس کا مقتضی یہ ہوا کہ نزول بروزی کی تقدیر پر بیان بروز واجب تھا پیشین گوئیوں میں سے ایسی پیشین گوئی کہ جس میں اُمت مرحومہ کو بچانے کا اہتمام کیا گیا ہو، اور جس کے بیان میں آپ نے دھوکہ کی وجہ سے خلاف واقعہ بیان فرمایا ہو، کوئی نہیں کہ قادیانی بروز کے لیے نظیر بن سکے۔ اور یاد رہے کہ بحسب قولہ تعالیٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ○ (نجم۔ ۴) کے قادیانی صاحب ناکامیاب رہیں گے۔

وقال اللہ تعالیٰ۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ○ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ

(مائدہ ۵۔ آیت ۱۵۔۱۶) ابُوذرؓ فرماتے ہیں۔ لقد توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما طائر یقلب جناحیہ الا ذکر لنا منہ علماً۔ صحیح مُسلم میں ہے۔ ان بعض المشرکین قالو لسلمانؓ لقد علمکم نبیکم کل شیئ حتی الخراءۃ قال اجل و قال صلی اللہ علیہ وسلم ترکتکم علی البیضاء لیلھا کنھارھا لا یزیغ عنھا بعدی الا ھالک و قال ماترکت من شیئٍ یقربکم الی الجنۃ الا وقد حدثتکم بہ ولا من شیئ یبعدکم عن النار الا وقد حدثتکم عنہ۔ آپؐ فرماتے ہیں۔ مابعث اللہ من نبی الا کان حقاً علیہ ان یدل امتہ علیٰ خیر ما یعلمہ خیراً لھم وینھاھم عن شر ما یعلمہ شراً لھم۔ ان آیات و احادیث کی رُو سے بر تقدیر مزعُوم قادیانی صاحب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول برُوزی عیسیٰ ابن مریم کا کھُلا کھُلا بیان فرمانا جس میں نزُول بعینہٖ کی گنجائش نہ ہو ضرُوری سمجھا جاتا ہے حالانکہ معاملہ بالعکس ہوا۔

سوال

تعارضِ عقل و نقل کی صُورت میں عقل ہی کو مقدّم رکھنا ضرُوری ہے۔ کیونکہ وُہ اصل ہے نقل کے لیے۔ کیونکہ جب تک دلائلِ عقلیہ کی رُو سے وجُودِ صانع نہ مانا جاوے تب تک تصدیق بالنقل و بماجاءت بہ الرّسل علیہمُ السّلام متصوّر نہیں ہو سکتی۔ تقدیمِ عقل ہی کی وجہ سے نصُوصِ قطعیہ میں تخصیصِ عقلی کو ضرُوری سمجھا جاتا ہے۔ کما فی اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (بقرہ۔ آیت ۲۰) بنا برآں ارادہ معراج رُوحی اَور نزولِ برُوزی بلکہ کُل معجزات و خوارق کا ماوّل ٹھہرانا ضرُوری سمجھا جاتا ہے۔

جواب

یہ امر قابلِ غور ہے کہ قضیۂ ذیل (العقل اصل النقل) میں "عقل" سے مُراد کیا ہے۔ بعد تدبّر معلُوم کیا جا سکتا ہے کہ مُراد عقل سے جوہرِ مدرک یا قوتِ عاقلہ نہیں کیونکہ اِس معنی کی رُو سے عقل اَور نقل میں تعارض نہیں ہو سکتا۔ اِس لیے کہ جوہرِ مدرک یا قوّتِ عاقلہ حیات کی طرح شرط ہے عقلیات اَور سمعیات کے لیے۔ اَور ظاہر ہے کہ شرط کبھی منافی و معارض نہیں ہوتی مشروط کے لیے۔ پس معلوم ہوا کہ مُراد عقل سے وُہ معرفت اَور ادراک ہے جو عقل کے ذریعہ سے حاصِل ہوتا ہے۔ اَور یہ امر ضرُوری نہیں سمجھا جاتا بلکہ واقعی ہے بھی نہیں کہ ہر علم و ادراکِ عقلی، اصل اَور دلیل ہو سمعی اَور نقلی کے لیے۔ کیونکہ سمعیات و نقلیات کی صحت کا توقف صرف انھیں عقلیات پر ہے جن کی رُو سے تصدیق بصدق الرّسُول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو۔ چنانچہ (الصّانع موجود) وھو مصدق الرسل علیھم السّلام بالاٰیات والمعجزات وامثال ذٰلک۔ اِس تقریر سے واضح ہوا کہ قضیۂ مذکُورہ (العقل اصل النقل) کلّیہ نہیں بلکہ اس میں حکم انہی بعض عقلیات پر ہے جو مُوجب تصدیق بصدق الرّسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں۔ اَور ظاہر ہے کہ محلِّ بحث کو یعنی (الرفع والنزول الجسمی وامثالھما من المحالات) جو منجُملہ عقلیات ہیں، کوئی علاقہ نہیں تصدیق بصدق الرّسول صلعم سے نہ اِس طور پر کہ واسطہ فی الثبُوت کی طرح تصدیق بصدق الرّسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کا ثبُوت نفس الامری ان پر موقُوف ہو اَور نہ اِس طریق پر کہ واسطہ فی الاثبات کی مثل ہمارے اذہان میں تصدیق مذکُور کا حصُول ان پر مترتّب ہو۔

ثانیاً آں کہ محلِّ بحث (الرفع والنزول الجسمی من المحالات) صادق ہی نہیں کیونکہ رفع اَور نزُولِ جسمی صرف مستبعداتِ عقلیہ سے ہیں نہ محالات سے چُنانچہ آیت سُبۡحَانَ رَبِّیۡ ھَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا۝ سے ہم ثابت کر چُکے ہیں اَور امروہی صاحب نے اِسی آیت کے متعلق شمس بازغہ میں مان لیا ہے کہ رفع و نزُولِ جسمی مِنَ السّماء ممتنعات سے نہیں اَور نہ ہم نے کہا ہے دیکھو

کتاب مذکور کو متعلق آیتہ مذکور کے۔ رہا قادیانی صاحب کا استدلال عقلی نئے اور پُرانے فلسفہ والاجس کو ازالہ کی جلد اول میں لکھا ہے۔ سو اس کی تردید بھی گذر چکی ہے۔

فائدہ۔ تعارض کے مسئلہ میں احتمالات ذیل متصور ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ دلیل عقلی و نقلی دونوں قطعی ہوں۔

۲۔ یا دونوں ظنی

۳۔ یا ایک قطعی اور دوسری ظنی

تیسری صورت میں قطعی کی تقدیم ظنی پر اتفاقی ہے خواہ قطعیت عقل کے لیے ہو یا نقل کے لیے۔ اور دوسری صورت میں بحسب ادلّہ ترجیح و تعادل عمل کیا جائے گا۔ اور پہلی صورت صرف احتمال ہی ہے فی الواقعہ تحقق اس کا ممکن نہیں۔ کیونکہ دلیل قطعی اُسی دلیل کا نام ہے جس کے مدلول کا ثبوت واجب اور ضروری ہو پس بر تقدیرِ واقعیت اس صورت کے جمع بین النقیضین لازم آئے گا۔ جن موارد میں بظاہر ایسی صورت معلوم ہو وہاں پر فی الواقعہ بالضرور ایک غیر قطعی ہو گی۔ الغرض ادلّہ کی تقدیم میں قطعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے نہ خصوص عقل کو۔ جیسا کہ ہمارے مخاطبین نے سمجھ رکھا ہے۔

سوال

نقل کی قطعیت چونکہ بوجہ توقف اس کے مسائل نحویہ و معانی پر جو اکثر ظنیات سے ہیں مع احتمال استعارہ و مجاز کے ہر جگہ میں ممکن نہیں۔ کسی آیت یا حدیث کو رفع نزول جسمی میں قطعی نہیں کہہ سکتے۔

جواب

جہاں قرائن قویہ مفیدہ للیقین موجود ہوں اُس جگہ توقف یا احتمال مذکور قطعیت دلیل نقلی میں مؤثر نہیں ہوتا۔ جن لوگوں نے دلیل نقلی کی قطعیت کی بتقلید علامہ رازی وغیرہ وجہ مذکور کے رُو سے نفی کی ہے بالکل مخالف ہے امورِ ذیل سے جو من جملہ سمعیات قطعیۃ الدلائل سے ہیں۔ (۱) لم یحج ھو صلی اللہ علیہ وسلم بعد الھجرۃ الا حجۃ واحدۃ (۲) القرآن لم یعارضہ احدٌ (۳) لم یفرض صلوٰۃ الا الصلوٰۃ الخمس (۴) لم تؤخر صلوٰۃ النھار الی اللیل و صلوٰۃ اللیل الی النھار (۵) لم یؤذن فی العیدین والکسوف والاستسقاء (۶) وانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یرض بدین الکفار ولا المشرکین ولا اھل الکتاب (۷) وانہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کے بعد فقط ایک حج ادا فرمانا۔ قرآن کا کسی زمانہ میں معارضہ نہ ہونا۔ فقط پانچ نمازوں کے سوا کسی نماز کا فرض نہ ہونا۔ اور کسی عاقل بالغ سے کسی فرض نماز کا ساقط نہ ہونا۔ اہل صُفہ کا ہجرت کے بعد مدینہ میں ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام کو ایسی جگہ جہاں تالیاں اور دف بجائی گئی ہو کبھی جمع نہ کرنا۔ آپ نے دن کی نماز کو رات تک یا برعکس کبھی تاخیر نہیں کیا۔ عیدین اور نمازِ کسوف اور استسقاء میں اذان نہیں ہوئی۔ کسی عقل مند سے کسی نماز کو مُعاف نہیں کیا۔ مکہ میں اذان نہیں دی گئی۔ آپ نے کسی توبہ کرنے والے کے بال نہیں کٹوائے۔ آپ نے مُسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز ادا فرمائی اکیلے یا غائبانہ کبھی نہیں پڑھی حالتِ مرض مُستثنیٰ ہے۔ آپ نے حج ہوائی راستہ سے کبھی ادا نہیں فرمایا وغیرہ ایسے قطعی امور ہیں جن پر اہل اسلام متفق ہیں۔

لم یسقط الصلوٰت الخمس عن احد من العقلاء (۸) وانہ لم یقاتلہ احد من المؤمنین لا اھل الصفة ولا غیرھم (۹) وانہ لم یکن یؤذن بمکة (۱۰) ولا کان بمکة اھل الصفة ولا کان بالمدینة اھل الصفة قبل ان یھاجر الی المدینة (۱۱) وانہ لم یجمع اصحابہ قط علی سماع کف اودف (۱۲) وانہ لم یقصر شعر کل من اسلم او تاب من ذنب (۱۳) وانہ لم یکن یقتل کل من سرق اوقذف اوشرب (۱۴) وانہ لم یکن یصلی الخمس اذا کان صحیحا الا بالمسلمین لم یکن یصلی الفرض وحدہ ولا فی الغیب (۱۵) وانہ لم یحج فی الھواء قطُّ وغیرھا من النظائر مما یعلم العلماء باحوالہ علماً ضروریا انہ لم یکن۔ شیخ الاسلام الحرانی مختصراً۔

اِسی طرح خواص وعوام کے معلوماتِ اضطراریہ سے ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیثِ نزول میں نزولِ بروزی کا ارادہ نہیں کیا اور نہ کہیں سُنّت میں اس کا ذکر نفیاً یا اثباتاً واقع ہوا ہے۔ جس کا ثمرہ یہ نکلا کہ احادیثِ نزول میں قول بالبروز بوجہ مصادمت علم اضطراری عُلماء سُنّت کے باطل مردُود ہے یعنی کل علماء اسلام صحابہ سے لے کر آج تک اس قول کو بشہادت علم اجماعی باطل ٹھہرائیں گے۔ اور امر وہی قادیانی صاحبان کی طرح جو شخص کتاب وسُنّت سے برخلاف علم اجماعی و اضطراری ان کے فلسفیات ووہمیات وخرقیات الاجماع کو ثابت کرے۔ وُہ بے شک یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (نساء۔ ۴۶) اور ایسا ہی لَا یَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ (بقرہ۔ آیت ۷۸) میں داخل ہے۔ کما قال شیخ الاسلام وھو متناول لمن حمل الکتاب والسنة علی ما اصلہ من البدع الباطلة الی ان قال ومتناول لمن کتب کتابا بیدہ مخالفا لکتاب اللہ لینال بہ دنیاً وقال انہ من عند اللہ مثل ان یقول ھذا ھو الشرع والدین وھذا معنی الکتاب والسنة وھذا قول السلف والائمة وھذا اصول الدین الذی یجب اعتقادہ علی الاعیان او الکفایة انتھی موضع الحاجة۔

---

[1] یعنی تحریف کی مختلف صُورتیں ہیں لفظ تبدیل کرنا، غلط تشریح کو تفسیر ظاہر کرنا، بدعت اور خلافِ شرع باتوں کا حوالہ کتاب وسُنّت سے پیش کرنا وغیرہ

ناظرین کو اب قادیانی دعوے کے دوسرے مقدمہ ذیل (موتے مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں نہیں آتے) کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ سو معلوم ہوا کہ اموات کا پھر دوبارہ زندہ ہونا اقوال ذیل سے ثابت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ (بقرہ۔ آیت ۲۵۹)

حاصل اس کا یہ ہے کہ عزیر نبی اللہ نے بطریق استبعاد و تعجب کے کہا جب وہ ایک شہر پر سے گزرے جس کی چھتوں پر اس کی دیواریں گری پڑی تھیں، کہ ایسے مرے ہوئے اور ویران شدہ شہر کو اللہ تعالیٰ کہاں سے زندہ کرے گا۔ پس حضرت عزیر کو سو برس تک مردہ رکھ کر زندہ اٹھایا۔ اور فرمایا کہ تو کتنی دیر یہاں رہا۔ کہا اس نے کہ ایک دن یا کچھ کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ تو سو برس رہا۔ اپنا کھانا اور پینا دیکھ کہ وہ سڑا تو نہیں۔ اور اپنے گدھے کو دیکھ کہ کس طرح اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں۔ اور تجھے لوگوں میں ہم اپنی ایک نشانی بناتے ہیں۔ اور دیکھ ہڈیاں ہم کس طرح پہلے ان کی ابھارتے ہیں اور پھر ان پر گوشت پہناتے ہیں۔ جب یہ حال حضرت عزیرؑ نے دیکھا تو کہا۔ میں نے جان لیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

قادیانی صاحب اس آیت کی تاویل یا تحریف اس طرح پر ازالہ میں لکھتے ہیں۔ "خدائے تعالیٰ کے کرشمۂ قدرت نے ایک لمحہ کے لیے عزیر کو زندہ کر کے دکھلایا مگر وہ دنیا میں آنا صرف عارضی تھا اور دراصل عزیر بہشت میں ہی موجود تھا۔" ازالہ صفحہ ۳۶۵۔ انتہیٰ۔

جواب۔ یہ بالکل تحریف ہے آیت مذکورہ کی کیونکہ سورۃ بقرہ کی آیت مذکورہ کے سیاق و سباق پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عزیر کی موت و حیات سے کلام ربانی کا مطلب حقیقی موت و حیات ہے نہ مجازی۔ دیکھو حضرت ابراہیمؑ کے قول ذیل کو "رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ" (بقرہ۔ ۲۵۸) اور ایسا ہی اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ (بقرہ۔ آیت ۲۶۰) ایسا ہی حضرت عزیر کے قول تعجب آمیز "اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا" (بقرہ۔ آیت ۲۵۹) کو، جن سے تاویل مذکور بالکل تحریف سمجھی جاتی ہے۔ اور نیز وہ مکالمہ جو کہ مابین حق سبحانہٗ تعالیٰ و عزیر علیہ السلام کے واقع ہوا۔ اس کا تمام ہونا ایک لمحہ اور ایک چشم زدن میں مستبعد خیال کیا جاتا ہے۔ قال البیضاوی وھو لما احیاہ اللہ بعد مائۃ عام املی علیھم التورٰىۃ حفظاً فتعجبوا من ذٰلك الخ اور نیز تاویل مذکور موجب تطبیق مابین آیۃ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ الخ (بقرہ۔ ۲۵۹) اور آیۃ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (انبیاء۔ آیت ۹۵) کے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ لمحہ بھر بھی دنیا میں آنا مرنے کے بعد اس کے منافی ہے۔ اور اسی طرح آیت ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (بقرہ۔ ۵۶) قوم موسیٰؑ کے جلانے سے بعد الموت صریح طور پر خبر دے رہی ہے اور اسی طرح آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ (بقرہ۔ آیت ۲۴۳) نہایت صریح الفاظ سے بتلا رہی ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا تجھے معلوم نہیں وہ ہزاروں لوگ جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر کے مارے نکلے اور کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو مر جاؤ۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا۔

جلالین میں ہے کہ یہ لوگ زندہ ہونے کے بعد مدت دراز تک زندہ رہے۔ لیکن ان پر موت کا اثر باقی رہا۔ جو کپڑا وہ پہنا کرتے تھے کفن کی طرح ہو جاتا تھا۔ اور یہ حالت ان کے تمام قبائل میں باقی رہی۔ اور ایسا ہی ان چوبیس[۲۴] سرداران قریش کو جو بدر

کے کنوؤں میں پھینک دیئے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ان کو توبیخاً و حسرتاً سُنا دیا۔ چنانچہ بُخاری میں بروایت قتادہؓ ہے وزاد البُخاری قال قتادہ احیاھم اللہ حتی اسمعھم قولہ توبیخاً و تصغیراً ونقمۃ وحسرۃً وندما۔ مشکوٰۃ۔ اور قادیانی صاحب خود بھی ازالہ میں لکھ چکے ہیں کہ "الیسع کی تلاش نے بھی وہ معجزہ دِکھلایا کہ اس کی ہڈیوں کے لگنے سے ایک مُردہ زندہ ہوگیا۔" الخ

الحاصل اِن آیاتِ مذکورہ وغیرہا من الخوارق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ واسعہ پر کوئی قانون مخترعہ ہمارا محیط نہیں ہوسکتا۔ یہ بالکل برخلاف نصُوص و شانِ قدرتِ خداوندی ہے۔ کہ ہم اس کی ایک کاملہ صفت کو اپنی استقراء ناقص کے تابع کریں۔ یا یہاں پر باوجود نصُوصِ قطعیہ صرف اِستبعاد کی وجہ سے تعارض عقل والنقل کے مسئلہ کو دخل دیویں۔ آیت۔ وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (انبیاء۔ آیت ۹۵) کا مطلب یہ ہے کہ موتیٰ کا دوبارہ دُنیا میں آنا قاعدہ کُلیہ کے طور پر ان کی طبع کا مقتضیٰ نہیں بس۔ اور یہ منافی نہیں اس کو کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے اعادہ اور دوبارہ لانے کو ارادہ کرے تو وُہ موتیٰ پھر دُنیا میں آسکتے ہی نہیں۔ چنانچہ آیاتِ مذکورہ میں گذر چکا ہے۔ احیاء واموات کے متعلق گو کہ تاریخ پر نظر ڈالنے سے بہتیرے ثبُوت بطریق تواتر و شہرت کے ملتے ہیں۔ مگر یہاں پر ہم صرف اِسی قدر پر اِکتفار کرتے ہیں جو ذِکر کیا گیا ہے۔

ناظرین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ قادیانی صاحب کا سہ پایہ دعویٰ تینوں ٹانگوں کے ٹوٹنے کے بعد قائم نہیں رہ سکتا۔ پس حق وُہی ہے جس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن کریم سے سمجھا اور اُمّتِ مرحُومہ کو پہنچا دیا۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ

نزولِ مسیح علیہ السّلام

سوال

ہم نے مانا کہ بے شک نزولِ عیسٰیؑ بن مریم کا بعینہٖ لا بمثیلہٖ اجماعی مسئلہ ہے جیسا کہ علّامہ سیوطی اور شیخ الاسلام حرانی اور شیخ محی الدین بن عربی وغیرہ کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی مانا کہ مرزا صاحب کے اِستدلالاتِ ابلہ فریب کا منشاء جہالت ہے مگر تعجب ہے کہ یہ اجماع برخلاف نصُوصِ قرآنیہ کے کیسا مُنعقد ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط الخ (آلِ عمران - ۱۴۴) وغیرہ۔

جواب

نزولِ مسیح بعینہٖ کا چُونکہ اجماعی ٹھہرا۔ اور ظاہر ہے کہ بحسب قولہ علیہ السلام (لن تجتمع امتی علی الضلالۃ) کے کُل اُمّتِ مرحُومہ کا خطا پر متفق ہونا ممکن نہیں۔ لہٰذا آیاتِ مذکورہ کے معانی جو قادیانی صاحب نے گھڑ لیے ہیں ہرگز درست نہیں۔ ہاں اگر نزولِ بعینہٖ پر اجماع نہ ہو۔ یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا مع کُل اُمّتِ مرحُومہ کے بقا علی الخطا ممکن ہو تو البتّہ دونوں صُورتوں میں معانی مخترعہ قادیانی صاحب کے بناءً علیٰ ان القرآن یحتمل وجُوھًا کسی وجہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ پہلی صُورت تو باطل ہے۔ کیونکہ نزولِ مسیح بعینہٖ پر اجماع کا ثبوت مفسّرین، محدّثین، فقہاء، متکلّمین، مکاشفین کی کلام سے دیا گیا ہے۔ اور دُوسری صُورت بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بلکہ کُل انبیاء کا بقا علی الخطا منافی ہے اُن کی عصمت کے لیے۔ نیز بقاء علی الخطاء خصوصًا ایسے مُہتم بالشّان مسئلہ میں جس کے ذریعہ سے آپؐ اُمّتِ مرحُومہ کو دھوکا کھانے سے بچانا چاہتے ہوں۔ بالکل منافی ہے شانِ نبوّت اور (بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ) کے، کیونکہ بجائے ہدایت اُلٹا اُمّتِ مرحُومہ کو بڑے دھوکے میں ڈالنا ہوا کہ نزولِ قادیانی کی جگہ نزولِ عیسٰیؑ بن مریم فرما دیا۔ حالانکہ پہلے لوگ ایلیا کے نزولِ بُروزی سے دھوکا کھا چکے تھے۔ اور معانی اِن آیات کے بالتفصیل عنقریب اپنے اپنے محل میں اِنشاء اللہ تعالےٰ آجائیں گے۔

قادیانی کی تفسیر سُورۂ فاتحہ

سوال

قادیانی صاحب کا سُورۂ فاتحہ کی عربی تفسیر بلیغ و فصیح و ملیح لکھنا باوجود اُمّی ہونے کے اُور حریفِ مقابل کا اس پر قادر نہ ہونا بڑی زبردست دلیل ہے اس کے صدق پر۔

جواب

اُمّی ہونے کا پتہ تو مرزاجی اُور اُن کے ہم درسوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ضمیمہ میں مذکور ہے۔ میں صرف تفسیر بلیغ و فصیح و ملیح کے متعلق چند غلطیوں کا اظہار و اصلاح چاہتا ہُوں۔ قادیانی صاحب کی تفسیر عربی بھی ایک بُرہان ہے منجملہ ان براہین کے جو آپ کو مسیح موعُود و نبی و رسُول نہیں بننے دیتے۔ کیونکہ اس تفسیر میں کہیں تو سرقہ و چوری سے کام لیا گیا ہے کہیں لفظی غلطی اُور کہیں تحریفِ معنیٰ جن پر ادنےٰ سے ادنےٰ طالب علم بھی ہنسی کر رہے ہیں۔ ایسی تفسیر کو "اعجاز" نام رکھنا اپنے مُنہ میاں مٹھو بننا ہے۔ البتّہ بدیں خیال اِس کو معجزہ کہہ سکتے ہیں کہ حریفِ مقابل ہرگز ایسی اغلوطات و تحریفات کو نہیں لکھ سکتا۔ نیز دُوسرے عُلماء کو کیا ضرُورت تھی کہ اپنے اشغال کو چھوڑ کر ایک فضول مقابلہ میں مصرُوف ہوتے۔ کیا ان کو نبی و رسُول بننا منظُور تھا۔ یا اپنی کلام کو قرآن کریم کے مساوی الاعجاز خیال کرنے کی وجہ سے خارج از اسلام ہونا تھا۔ ہرگز نہیں۔ وُہ تو بفضل اللّٰہ و حولہٖ خاتم النبیّین اور الاانہ لانبوۃ بعدی کو مانتے ہیں اُور قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ (بنی اسرائیل۔ آیت ۸۸) کے مُطابق اعجاز فی الکلام کو قرآن کریم کا خاصہ لازمہ سمجھتے ہیں۔

اَب اعجاز المسیح کے وُجوہِ اعجاز کو خیال فرمائیے۔

قولہٗ۔ قادیانی صاحب اعجاز المسیح کے پہلے صفحہ پر جو ہندسہ سے خالی ہے لکھتے ہیں۔ "فی سبعین یومًا من شھر الصیام"

اقول۔ رمضان شریف ستّر دن کا نہیں ہوتا۔ اُور بر تقدیر تاویل ایہام معنٰے غیر مُراد سے خالی نہ ہوگا جو منافی ہے فصاحت

---

[1] یہ مثل اس کے ہے کہ ایک اندھا کسی گاؤں کے مندر میں رہا کرتا تھا اُور گاؤں کے لوگ اس سے تاریخ دریافت کیا کرتے تھے۔ اس کا مبلغ علم یہ تھا کہ یکم تاریخ ہر ماہ کو ایک مینگنی کسی خاص برتن میں ڈال دیتا تھا۔ اُور ہر صُبح کو ایک مینگنی اس میں بڑھاتا جاتا تھا۔ جب کوئی تاریخ دریافت کرنے آتا تو مینگنیوں کو گن کر تاریخ بتلا دیتا۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہُوا کہ بکری نے اس برتن میں اتنی مینگنیاں کیں کہ وُہ برتن بھر گیا۔ جب کوئی سائل تاریخ دریافت کرنے آیا تو وُہ گھبرا گیا۔ اُور چالیس تک گن کر فرمایا کہ آج چالیسویں تاریخ ہے۔ سائل نے عرض کیا۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

و بلاغت کو۔

قولہٗ۔ پھر اسی صفحہ پر لکھا ہے۔ "وکان من الھجرۃ سنہ ۱۳۱۸ و من شھرالنصاری ۲۰۔ فروری سنہ ۱۹۰۱ء"

اقول۔ بے ربط عبارت اور خلاف محاورہ عرب کے ہے

قولہٗ۔ پھر لکھتے ہیں۔ "مقام الطبع قادیان ضلع گورداسپور"

اقول۔ (ضلع گورداسپور) بھی خلافِ محاورۂ عربی ہے۔ "نہ صرف اِسی وجہ سے کہ بجائے "گورداسپور" کے غورداس فور" چاہیئے تھا۔ بلکہ من جہت الترکیب والاعراب بھی۔

قولہٗ۔ پھر کہتے ہیں۔ "باہتمام الحکیم فضل دین"

اقول۔ بعد التعریب فضل الدین چاہیئے جیسا البھیروی۔

قال۔ صفہ ۲۔ کدستٍ غاب صدرہ۔ اوکلیلٍ افل بدرہ۔

اقول۔ یہ عبارت حریری کے صفحہ ۱۲۴ سے ماخوذ ہے۔

قال۔ صفہ ۲ وَخَلَتْ راحتھا من بخل المزنۃ۔

اقول۔ ظاہر ہے کہ من صلہ خلت کا خلاف مقصُود ہونے کی وجہ سے نہیں ہو سکتا اور تعلیلیہ موہم ہے معنی غیر مُراد کی طرف، اِس لیے یہاں لام کا محل تھا۔

قال۔ کاحیاء الوابل للسنۃ الجماد

اقول۔ مقاماتِ حریری کے صفحہ ۱۲۴ سے ماخوذ ہے بتغیرٍ ما

قال۔ وعاد جرھا سبرھا

اقول۔ یہ مثل مشہور ہے۔

قال۔ صفحہ ۳ من کلِّ نوع الجناح

اقول۔ کلمہ کُل معرفہ پر احاطہ اجزاء کا افادہ دیتا ہے جو یہاں پر مقصُود نہیں۔ اِس لیے نوعٍ للجناح چاہیئے تھا۔

قال۔ صفحہ ۳ کل امرھو علی التقویٰ

اقول۔ یہاں بھی کُل مجمُوعی خلاف مُراد ہے اِس لیے کل امرٍ لھو چاہیئے تھا۔

قال۔ صفحہ ۴ فلا ایمان لہ او یضیع ایمانہ

اقول۔ لفظِ ایمان کا تکرار دو دفعہ مستکرہ ہے۔

قال۔ صفحہ ۷ وَاُفَرِّقُ بَیْنَ روض القدس وخضراء الدمن

اقول۔ یہ عبارت مقاماتِ حریری کی ہے۔

قال۔ صفحہ ۷ کالربیع الذی یمطر فی ابانہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)۔۔۔ کہ مہینہ تو تیس دن کا ہوتا ہے۔ آج چالیسویں تاریخ کہاں سے ہوگئی۔ اندھے نے جواب دیا کہ میں نے تو چالیس ڈرکر کہا ہے۔ اگر ساری ٹھیکریاں گِنتا تو شاید ستر سے زائد ہوتیں۔ شاید آپ بھی اُن کے شاگرد نہ ہوں۔

اقول۔ یہ بھی حریری سے ہے۔
قال۔ صفحہ ۷ وعندی شہادات من ربی لقوم مستقرین وآیات بینات للمبصرین وجہ کوجہ الصادقین۔
اقول۔ وَوَجہٌ عطف ہے شہادت پر، گویا وعندی وجہٌ ہوا۔ اور یہ خلافِ محاورہ ہے کیونکہ جُز پر "عند" نہیں آتا۔
قال۔ صفحہ ۸ این الخفا فافتحوا العین ایہا العقلا
اقول۔ "فافتحوا" پر "فا" کا لانا بے محل ہے۔ کیونکہ "فا" کا ماقبل اس کے مابعد کے لیے سبب ہوتا ہے۔ اور اس جگہ برعکس ہے۔ عدم الخفا سبب فتح العین کے لیے نہیں بلکہ فتح العین سبب ہے عدم الخفا کے لیے۔
قال۔ ماقبلونی من البخل والاستکبار
اقول۔ "من" کا کلمہ یہاں پر قبلو "مثبت کے لیے تعلیلیہ نہیں ہوسکتا۔ اور نفی مستفاد من الحرف کے لیے خلافِ محاورہ ہے، نیز بُخل کی جگہ حسد چاہیئے۔
قال۔ صفحہ ۸ حتی اتخذ الخفافیش وکرا الجنانھم
اقول۔ اِس کا ترجمہ یہ ہے "یہاں تک کہ چمگادڑوں نے مخالفین کے دِل کو آشیانہ بنالیا" جنانھم پہلا مفعول ہوا اتخذ کے لیے، اور وکرا دُوسرا مفعول اتخذ کے لیے چونکہ بنفسہٖ متعدی الی المفعولین ہے لہٰذا لام کا لانا فضول ہے۔ دُوسرا تقدیم مفعولِ ثانی کی بے وجہ ہے اور تیسرا جنان اور وکر کا بلحاظ ماقبل یعنی قولھم وفضلھم واعیانھم جمع ہونا چاہیئے۔
قال۔ صفحہ ۹ وَأُعطِیَ ماتوقّعوہ۔
اقول۔ اِس کا پہلا مفعول نائب عن الفاعل ہونے کا زیادہ مستحق ہے اِس لیے وأُعطُو چاہیئے تھا۔
قال۔ صفحہ ۹ قالوا مفتری
اقول۔ مفترٍ چاہیئے۔
قال۔ صفحہ ۹ واکفروہ مع مریدیہ واعوانہ وانزل اللہ کثیرا من الاٰمے فما قبلوا۔
اقول۔ وانزل اللہ کثیراً فصل کا محل ہے کوئی کلمہ دالّ علی الفصل چاہیئے۔
قال۔ واذا رموا البری بافیکۃ فضحکوا
اقول۔ فضحکوا پر "فا" نہ چاہیئے۔
قال۔ صفحہ ۱۲۔ وَقدّموا حبّ الصّلاۃ علی حب الصّلوٰۃ
اقول۔ حریری کے پہلے مقامہ سے ماخوذ ہے تبغیرٍ ما
قال۔ صفحہ ۱۳ ابل یریدون ان یسفکوا قائلہٖ
اقول۔ ان یسفکوا دَمَ قائلہ چاہیئے لایقال سفك زیدٌ ابل دمہ
قال۔ صفحہ ۱۳ ولماجاء ھو امام بما لاتھوی انفسھو
اقول۔ قرآن کا سرقہ ہے تبغیرٍ ما
قال۔ صفحہ ۱۵ ولما کان ھذا من المشیۃ الربانیۃ مبینا علی المصالح الخفیہ فما تطرق الی عزم العدا۔

اقول ۔ "لما" کی جزا پر "فا" نہ چاہیئے۔

قال ۔ صفحہ ۱۹۔ ویستقرؤن فی کل وقت مواضع الجھاد

اقول ۔ کیا شخص ایسی جھوٹی غمازی سے سرکار کو مسلمانوں پر بدظن کرنا چاہے وُہ خُدا پاک کا بندہ ہو سکتا ہے۔

قال ۔ صفحہ ۲۰۔ وجعل قلمی وکلمی منبع للمعارف

اقول ۔ منابع المعارف یا منبعی المعارف چاہیئے۔

قال ۔ صفحہ ۲۱۔ تنکرون باعجازی

اقول ۔ "تنکرون اعجازی" چاہیئے۔

قال ۔ صفحہ ۲۲۔ فلما دعوته بھذہ الدعوۃ بعد ما ادعٰی انه یعلم القرآن وانه من اھل المعرفۃ الٰی من ان یکتب تفسیرًا بحذاءِ تفسیری۔

اقول ۔ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (اٰل عمران۔ آیت ۶۱) مقابلہ تحریری کو مسلم کرکے تقریری بحث کو بڑھانا، اِس کو زیادت فی الشرائط کہا جاتا ہے نہ کہ انکار۔

قال ۔ صفحہ ۲۲۔ وکان غبیا ولو کان کالھمدانی اوالحریری فما کان فی وسعه ان یکتب کمثل تحریری۔

اقول ۔ ایسا ذہین آپ کے بغیر کون ہو سکتا ہے جو غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (فاتحہ۔۷) سے یہ سمجھ لے کہ اِس سے معلوم ہوا کہ دجّال شخصی، جیسا کہ جہاں کا مزعوم ہے، کوئی چیز نہیں۔ اگر علمِ الٰہی میں اس کا وجود ہوتا تو یُوں فرماتا کہ غیر المغضوب علیھم ولا الدجال۔" دیکھو صفحہ ۱۸۹ اسی اعجاز مزعومی کا۔ پھر اسی اعجاز المسیح کے صفحہ ۱۴۳ پر آپ لکھتے ہیں" کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں یَوْمِ الدِّیْن جو ہے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعُود یعنی قادیانی کے زمانہ کا نام رکھا ہے۔ وسمی زمان المسیح الموعود یوم الدین لانه زمان یحیی فیه الدین۔" یہاں میں پھر کہوں گا۔ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (اٰل عمران۔ آیت ۶۱) اللہ تعالیٰ خُود قرآنِ کریم میں یَوْمِ الدِّیْن کی تفسیر اِس طرح فرماتا ہے۔ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ (انفطار آیت ۱۴، ۱۵) یعنی گنہ گار دوزخ میں قیامت کے دِن داخل ہوں گے۔ اگر یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ قادیانی کا زمانہ ہے۔ تو کیا اسی وقت دوزخ میں حساب کتاب کے بعد داخل ہونا شرُوع ہو گیا ہے۔

قال پھر فرماتے ہیں وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝ (انفطار۔ ۱۷۔ ۱۹) غور کرو۔ یَوْمُ الدِّیْن اور یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا۔ دونوں کا مفاد ایک ہی ہے۔ اور پھر صفحہ ۱۳۵ پر لکھتے ہیں کہ" اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ (قصص۔ آیت ۷۰) دو احمدوں کی طرف اِشارہ کیا ہے۔ اوّلیٰ سے احمد پہلا یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آخرہ سے احمد پچھلا یعنی غلام احمد قادیانی" اس کے بعد لکھتے ہیں۔" وقد استنبطت ھٰذہ النکتة من قوله الحمد للّٰه رب العالمین۔

اقول ۔ جب آپ ایسے استنباط کر سکتے ہیں جن سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بھی بے خبر تھے تو پھر بھلا مہر علی بے چارہ بالمقابل آپ کے کس طرح ایسے نرالے استنباط کر سکتا ہے۔

قال ۔ ومع ذٰلك کان یخاف الناس۔

اقول ۔ خائف وُہی ہوتے ہیں جن کو میدان میں سامنا آنا موت نظر آتا ہے۔ مع آنکہ تحریکِ مقابلہ بھی پہلے خُود ہی کی ہو۔

مامُور مِنَ اللہ کو میدان میں موجود ہونا نہایت ہی ضرُوری تھا۔ تاکہ خلق اللہ مامُور کی غیر حاضری کے باعث اس کو مفتری علی اللہ سمجھ کر صراطِ مستقیم کو نہ چھوڑ دیں۔ مُخالفین کو للکار کر بُلانا اَور پھر گھر سے باہر نہ نکلنا گویا اپنے ہی ہاتھوں سے دین کی بیخ کنی کرنا ہے۔ مگر اَیسے مامُور اَور ایسے دین کا عمل درآمد ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ آپ کا دین اگر وُہی مُحمّدی دین ہوتا تو بجائے اس قول پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدُالْمُطَّلِبْ آپ اَنَا الرَّسُوْلُ لَاامراء اَنَا ابن غلام مرتضیٰ کہتے ہُوئے میدان میں موجُود ہوتے۔ واقعی امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بحسب وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْن کے قرآن کریم کو تحریف سے بچانا منظُور تھا۔ اَور اُمتِ مرحُومہ کو یہ سمجھانا کہ غلام احمد قادیانی کتاب اَور سُنّت اَور اجماع کا محرّف ہے اِس لیے پہلے اس کے ہاتھ سے اشتہارِ دعوت بآں کرّ و فر کہ "ضرُور میرا مقابل میرے مقابلہ میں ذلیل ہوگا یہ ہوگا وُہ ہوگا" رُوتے زمین پر دلوایا، جس میں خُود ہی اس نے ان تین عُلماء (جناب مولوی مُحمّد عبدُ اللہ صاحب پروفیسر لاہوری اَور جناب مولوی عبدالجبار امرتسری اَور مولوی مُحمّد حسین صاحب بٹالوی) کو حکم قرار دیا اَور انتظام پولیس وغیرہ بھی لکھ دیا اَور پہلے اس کے آپ کو الہام بھی ہو چکا تھا کہ واللہ یعصمك من الناس اَور نیز انی مھین من اھانك اَور نیز تیری اَور تیرے گروہ کی میں حفاظت کروں گا اَور تیرا ہی گروہ قیامت تک غالب رہے گا۔ (دیکھو کتاب البریہ) اَور پھر اِسی اِشتہار میں اخیر پر یہ لکھ دیا کہ لعنۃ اللہ علی من تخلّف وَ اَبیٰ مُسلمانو غور سے سوچو یہ ایک مکر الٰہی تھا بمقابلہ مکر قادیانی صاحب کے۔ جو اُنھوں نے سوچا تھا کہ کسی کو کیا ضرُورت جو اجابتِ دعوت کرے ہم کو گھر میں بیٹھے بٹھائے فتح ہو جائے گی۔ اَور عقل اَور دین کے غنڈے اَور میاں مٹھو بغلیں بجاتے ہُوئے دام میں پھنسیں گے۔ اَور تصویر فروشی اَور اِشتہار فروشی اَور تصنیف فروشی اَور منارہ فروشی اَور کشش دراہم بنام تجارت پھر مزید برآں بہ بہانہ خسارت وغیرہ وغیرہ پولٹیکلوں کی آسامی نکل آئیں گے۔ مگر چُونکہ بحکم وَاللہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ کے الٰہی مکر ہی غالب رہتا ہے۔ لہٰذا قادیانی صاحب کی اِس کرّ و فر کے بعد ایامِ جلسہ لاہور میں قلمی اَور کلمی طاقتیں سلب کر دی گئیں یعنی عدم حاضری کا عُذر تک بھی قلم اَور مُنہ سے نہ نکلا باوجُود اس کے کہ معتقدین و مُخالفین دونوں کی جانب سے سخت اصرار اَور کش مکش بھی ہُوئی۔ تخمیناً پانچ چھ دن کے بعد جب ہمارے واپس ہونے کی خبر جناب کو پہنچی تو زرد کاغذ پر بید لرزاں کی طرح قلم چلنے لگا اَور اعذار باردہ اوہن من بیت العنکبوت شروع ہُوئے کہ ہم کو سرحدی لوگوں کا خوف تھا اِس لیے نہیں آئے۔ اِس عُذر پر لوگوں نے کہا کہ کیا آپ اُن الہامات کو بھُول گئے جن میں آپ کو مُلہم کی جانب سے پُوری تسلی اَور غالب رہنے کی بشارت دی گئی تھی۔ یا آپ کے مُلہم سے بھی ایفاء وعدہ کی قُدرت سلب کی گئی۔ ہماری جانب سے تقریری شرط کی ترمیم اِس لیے تھی کہ تقریر بھی معیار صداقت ہونے میں تحریر سے کم نہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ غالب کرنا چاہتا ہے اَور اس کو منظور ہوتا ہے کہ اس کے غالب رہنے کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت کرے تو اس کے غلبہ کو معیارِ صداقت ٹھہرانے کے بعد ضرُور ہی اس کو غالب کرتا ہے۔ اَور اس سچے مامُور کو فرضِ منصبی کے رُو سے حریفِ مقابل کے رُوبرُو ہونا نہایت ضرُوری تھا۔ بلکہ قادیانی صاحب چُونکہ برُوز و فنا مُحمّدیؐ و مسیحی کے مدّعی ہیں تو تقریری مُقابلہ کی تسلیم اُن پر ضرُوری تھی۔ کیونکہ ان کے بارزین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم و عیسیٰ علیہ السّلام نے بھی تبلیغ حق تقریری طور پر کی تھی۔ دُوسری وجہ ترمیم کی یہ ہے کہ صرف تحریر میں احقاق حق اچھی طرح نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر قادیانی صاحب جلسہ لاہور میں بھی تفسیر لکھتے تو کیا ان کی بھولی بھالی جماعت بے تمیزی کی وجہ سے اپنی ضلالت پر زیادہ پکی نہ ہو جاتی۔ ان کی ذاتی لیاقت اس قدر کہاں تھی کہ اس تفسیر کے مضامین واہیہ اَور محرّفہ پر اطلاع پاویں۔ یا مرزاجی کے سرقہ کو پکڑ سکیں۔ وُہ تو صرف عربی عبارت مسرُوقہ کو دیکھ کر اَور زیادہ گُمراہ ہو جاتے۔ اِس لیے نہایت ضرُوری تھا کہ پہلے عُلماء کرام کے سامنے قرآن و حدیث کو نکال کر بلحاظ سیاق و سباق اثبات مدعیٰ کیا جاتا۔ اَور عُلماء اسلام انصاف فرماتے کہ کس کا مضمون یا اِستنباط اصُول شرعیہ کے مُطابق ہے۔ تاکہ اُس کو قبُول کر لیا جاوے۔

اور کس کا مخالف اور جاہلانہ چار کونسلی ہے۔ تاکہ اس سے حاضرین کو تقریراً اور غائبین کو تحریراً سمجھا دیا جاوے کہ اس مسلک سے بچنا مسلمانوں کو نہایت ضروری ہے۔ مرزائیوں کی اس کم توجہی پر نہایت ہی افسوس آتا ہے کہ انھوں نے نبوت اور قرآن دانی کا معیار انشاء پردازی کو سمجھ رکھا ہے۔ اور پھر انشاء پردازی بھی وہ جس کی لفظی اور معنوی کمال کی قلعی کھل رہی ہے۔ بھلا مثلاً اگر کوئی عربی زبان میں مضمون لکھ دے کہ نماز عبارت صرف توجہ الی اللہ سے ہے اور اوضاع معمولہ اہل اسلام کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور اپنے دعوے کی دلیل اس امر کو ٹھہراوے کہ میری طرح چونکہ کوئی شخص عربی نویس نہیں، اور فی الواقع ایسا ہو بھی تو کیا کوئی عاقل ایسی واہی دلیل سے اس کے دعویٰ کو مان سکتا ہے ہرگز نہیں۔

قال صفحہ ۲۲۔ وکان یعلوانہ ان تخلف فلاغلبۃ ولاحجاس

اقول۔ جب غیر مامور من اللہ حصول غلبہ کے لیے پیچھے نہ رہا تو مامور من اللہ کو وجوہ مذکورہ بالا کی رو سے تخلف کسی طرح جائز نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معاملہ بالعکس ہے۔

قال صفحہ ۲۲۔ فکاد کیدًا۔

اقول۔ یہ کید چونکہ اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝ (طارق۔۱۵) کے مقابلہ میں تھا لہذا اس کو وَاَكِيْدُ كَيْدًا کا ظہور سمجھنا چاہیے۔ اسی لیے وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (آل عمران۔ آیت ۵۴) کے مطابق غالب رہا۔ اور کیوں نہ ہوتا۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (المجادلہ۔۲۱)

قال صفحہ ۲۳۔ دیحکومن کان لک عدوا واشد بغضا من علماء الزمان۔

اقول۔ ان کی عداوت اُس وقت نہیں سوجھی تھی جس وقت اشتہار دعوت میں آپ ہی نے ان لوگوں کو یعنی مولوی عبداللہ صاحب و مولوی عبدالجبار صاحب و مولوی محمد حسین صاحب کو حکم لکھا تھا۔ کیا اُس وقت آپ نے اجابت دعوت کو غیر ممکن الوقوع سمجھا ہوا تھا۔ اس لیے تینوں صاحبوں کو لکھ مارا۔ اور جب سر پر آگئی تو اُس وقت یہ حیلہ سوچ میں آیا کہ یہ علماء میرے دشمن ہیں۔ یہ بھی ہم سلم کر لیتے اگر انہیں ایام میں آپ عدم تشریف آوری کی وجہ بھی لکھ دیتے تاکہ ہم ان حضرات کے سوا ثالث اور اہل علم مقرر کر لیتے۔ کیا آپ کو رجسٹری شدہ چٹھی حافظ محمد دین صاحب تاجر کتب لاہوری کی ۲۵۔ اگست سے پیشتر ۲۰ یا ۲۱ کو نہیں پہنچی تھی۔ جس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر آپ کو کسی شرط کی ترمیم کرانی ہو تو کرا لیجیے۔ ورنہ آپ کا کوئی عذر و حیلہ قابل اعتبار نہ ہوگا۔ اگر آپ کو اشتراط تقریر یا علماء ثلثہ کا حکم ہونا گوارا نہ تھا تو قطع حجت کے لیے فوراً اشتہار اور چٹھی کے پہنچتے ہی خود اپنی دستخطی جواب یا اپنے نام کے اشتہار سے اس خاکسار کو واضح کر دیتے کہ اس قید کو اٹھا دو۔ تب ہم آسکتے ہیں، ورنہ نہیں۔ اگر آپ یہ خیال فرما دیں کہ ہمارے مرید امروہی نے یہ بات پہنچا دی تھی تو ہماری طرف سے ہمارے مخلص حکیم سلطان محمود نے جواب ترکی بہ ترکی شائع کر دیا تھا کہ اگر آپ تقریر کسی صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے تو بعینہٖ پیش کردہ شرطیں آپ کی بلاکم و کاست مع رسطور منظور کر کے لاہور آتے ہیں۔ آپ بھی تاریخ مقررہ پر لاہور آویں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کے مرید کی بات تو ہم پر حجت ہو اور ہمارے مخلص کی بات قابل التفات نہ ہو۔ بھلا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر معاملہ بالعکس ہوتا یعنی ہماری طرف سے اشتہار دعوت شائع ہوتا اور آپ یہی جواب دیتے جو ہم نے لکھا تھا۔ اور پھر آپ تاریخ مقررہ پر آتے اور میں حاضر نہ ہوتا یا آپ کے اشتہار دعوت کا میں جواب نہ دیتا بلکہ آپ کی طرح بالکل خاموش ہو جاتا۔ تو میں آپ کو قسم دیتا ہوں۔ انصاف سے کہو کہ اندریں صورت آپ مع اپنے چیلوں چانٹوں کے مارے خوشی کے بغلیں نہ بجاتے اور اشتہاروں پر اشتہار نہ دیتے کہ دیکھو آسمانی نشان ظاہر ہو گیا۔ پس چونکہ یہی نشان علماء اسلام کے حق میں ظاہر ہو چکا تو پھر آپ کیوں نہیں ضد کو چھوڑتے۔

قال صفحہ ۲۷۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔

اقول۔ قرآنی آیت ہے۔

قال صفحہ ۲۷۔ وحجة بالغة تلدغ الباطل كالنضناض۔

اقول۔ حریری کے صفحہ ۴۹ سے مسروق ہے بتغیر ما۔

قال صفحہ ۲۷۔ وما انا الاخادی الوفاض۔

اقول حریری صفحہ ۸ کا سرقہ ہے بازدیادِ نا۔

قال صفحہ ۲۸۔ ومن نوادر ما اعطی لی من الكرامات۔

اقول۔ مَا اعطی لی کی جگہ مَا اُعْطِیْتُ چاہیئے۔

قال صفحہ ۲۹۔ فواللہ انی ارجو من حضرة الكبرياء ان يكون لی غلبة وفتح مبين على الاعداء ولذالك بثثت الكتب۔

اقول۔ ارجو اور یکون مضارع نہیں چاہیئے۔ کیونکہ "لو" کے مابعد ماضی کا محل ہوتا ہے الا لنکتۃٍ نیز ولذالك بثثت بھی ارجو کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ رجا اب ہے یا آئندہ ہوگی تو کتابوں کا پھیلانا جو ماضی میں ہوا اس اُمید پر کیوں کر معلول ہو سکتا ہے۔

قال صفحہ ۳۲۔ ولا نزهق بالتبعة والمعتبة۔

اقول۔ حریری کے صفحہ ۲ کا سرقہ ہے۔

قال صفحہ ۳۲۔ عن مَعَرَّةِ اللكن۔

اقول حریری کے پہلے صفحہ کا سرقہ ہے۔

قال۔ وتوفيقًا قائدًا الى الرشد والسداد۔

اقول۔ حریری سے لیا ہے۔

قال۔ صفحہ ۳۶۔ ان ارى ظالعه كالضليع

اقول۔ مسروقٌ من الحريری ص۵ بتغيرٍ مَا۔

قال صفحہ ۳۷۔ يقال عثاره۔

اقول۔ حریری کے صفحہ ۵ سے مسروق ہے بتغیر ما۔

قال صفحہ ۳۹۔ اقتعد مناغارب الفصاحة وامتطى مطايا الملاحة۔

اقول۔ حریری کا سرقہ ہے۔

قال صفحہ ۴۱۔ فقد انغدر مرطمه كثلج ينعدمر بالذوبان۔

اقول: "انغدر" کا لفظ غیر مستعمل ہے بجائے اس کے "عدم" چاہیئے دیکھو قاموس۔

قال صفحہ ۴۱۔ لابد ان يكون له هذ العلم۔

اقول ضمیر کا موقع ہے اس کا ماقبل ملاحظہ ہو۔

قال ۔صفحہ ۴۲۔ ولو فرضنا۔
اقول ۔لو۔ کا محل نہیں۔
قال ۔صفحہ ۴۳۔ بالاعانۃ علی الابانۃ۔
اقول ۔حریری کے صفحہ ۳ کا سرقہ ہے۔
قال ۔صفحہ ۴۳۔ ویعصمھو من الغوایۃ ویحفظھو فی الروایۃ والدرایۃ۔
اقول ۔حریری سے بے تغیر ما صفحہ ۳۔
قال ۔صفحہ ۴۳۔ موقف مندمۃ۔
اقول ۔حریری صفحہ ۳ کا سرقہ ہے۔
قال ۔صفحہ ۴۵۔ وای معجزۃ
اقول ۔ وایّۃُ معجزۃٍ چاہیئے
قال ۔صفحہ ۴۹۔ کمجھول لایعرف ونکرۃ لاتعرف
اقول ۔حریری صفحہ ۵ سے مسروق ہے۔
قال ۔صفحہ ۵۰۔ فکل رداءٍ ترتدیہ جمیل
اقول ۔ ایک مشہور شعر کا سرقہ ہے۔ قال السموئل بن عادیا۔ اذا المرٔ لم یدنس من اللوم عرضہ۔ فکل رداءٍ یرتدیہ جمیل حماسہ ۱۴۔
قال ۔صفحہ ۵۵۔ لاشیوخ ولاشاب۔
اقول ۔ ایک کا جمع اور دوسرے کا مفرد لانا کیا وجہ رکھتا ہے۔
قال ۔صفحہ ۵۵۔ کنز المعارف ومدینتھا وماء الحقائق وطینتھا
اقول ۔مقامات کی عبارت ہے۔
قال ۔صفحہ ۵۸۔ کما یُملأ الدلو الی عقد الکرب۔
اقول ۔مقامات بدیع کے شعر کا ثانی مصرعہ ہے باز دیاد لفظ کما
قال ۔صفحہ ۵۹۔ اوزاد منھو سیری
اقول ۔"زاد" اکثر متعدی آتا ہے
قال ۔صفحہ ۶۰۔ القیت بھا جرانی
اقول ۔مقامات حریری کے صفحہ ۱۲۴ کا سرقہ ہے۔
قال ۔صفحہ ۶۱۔ کادراك العھاد۔لسنۃ جماد۔
اقول ۔مقامات حریری کے صفحہ ۱۲۴ سے مسروق ہے بتغیر ما۔
قال ۔صفحہ ۶۲۔ اخر نبل من النبال۔
اقول ۔خلاف محاورہ ہے قابل غور ہے۔

قال صفحہ ۶۴۔ فصاروا کمیّتٍ مقبور۔ وزیت سراج احترق و مابقی معہ من نور۔

اقول ۔ دُوسرا سجع پہلے سے بہت بڑا ہے جس کو عند الفصحاء والبلغاء عیب سمجھا گیا ہے۔ اَور دونوں مضمون مسروق ہیں۔

قال صفحہ ۶۴۔ فما کانوا ان یتحرّکوا

اقول ۔ مصدر کا حمل ناجائز ہے اِس لیے (اَنْ) نہ چاہیئے تھا۔

قال ۔ ولیس فیھم الا السب والشتم قاعدین فی الحجرات۔

اقول ۔ کِس سے حال ہے۔

قال صفحہ ۶۷۔ وانا جئناك۔

اقول تقدیم مسند الیہ بے وجہ ہے۔

قال صفحہ ۷۷۔ ومثلھا کمثل ناقۃ تحمل کلما تحتاج الیہ وتوصل الی دیار الحب من رکب علیہ۔

اقول ۔ ناقہ کی طرف مذکّر ضمیر کا ارجاع غلط ہے۔

قال ۔ صفحہ ۷۹۔ کما جاء فی القرآن

اقول ۔ یہ سجع قلیل الالفاظ بعد کثیرہا واقع ہے ماقبل ملاحظہ ہو۔

قال صفحہ ۸۱۔ وھٰذا الرجیم ھوالذی وردفیہ الوعید اعنی الدجال۔

اقول عجیب مسئلہ ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ میں جو شیطان ہے۔ اس سے مُراد تو ابلیس ہے۔ اَور رجیم جو اُس کی صِفت ہے اس سے مُراد دجّال ہے۔ جسے عیسٰی علیہ السّلام قتل کریں گے۔ آج تک یہی سُنا تھا کہ موصُوف اَور صِفت کا مصداق ایک ہی ہُوا کرتا ہے۔ مگر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ سے مرزا صاحب نے کیسا ثابت کر دیا ہے کہ اِن کا مِصداق مغایَر بھی ہو سکتا ہے سُبحان اللہ۔

قال ۔ صفحہ ۸۲۔ وکم من حامل العظام

اقول ۔ منصوب ہو کر پھر مکسُور پڑھا گیا ہے۔

قال ۔ صفحہ ۸۲۔ بکف المصطفٰی اضحٰی الزمام

اقول ۔ مرفُوع کو مجرُور کا قافیہ کیا گیا ہے۔

قال صفحہ ۸۳۔ الزم اللہ کافۃ اھل الملۃ

اقول ۔ کافہ کا لفظ عربی میں مضاف نہیں آتا۔

قال صفحہ ۸۷۔ ان الاسم مشتق من الوسم

اقول ۔ ہذا خلاف ماصرح بہ الثقات

قال صفحہ ۱۲۶۔ ثم ان لفظ الحمد مصدر مبنی علی المعلوم والمجھول وللفاعل وللمفعول من اللہ ذی الجلال۔

اقول ۔ من اللہِ ذی الجلال بے ربط ہے۔

قال صفحہ ۱۲۷۔ فقد یزید عالم الضلال الخ

اقول ۔ اِس جگہ سے جو مضمُون چلا ہے اس کو آیت سے کوئی ربط نہیں۔

قال صفحہ ۱۲۷۔ طرق اللہ ذالجلال

اقول۔ ذالجلال منصوب غلط ہے۔

قال صفحہ ۱۲۹۔ ولویزل ھٰذہ الجنود وتلک الجنود یتحاربان۔

اقول۔ تتحاربان مؤنث چاہیئے۔

قال صفحہ ۱۲۹۔ الامن اعطٰے لہ عینان۔

اقول۔ خلافِ اولیٰ ہے کیونکہ اعطٰے کا پہلا مفعول نائب عن الفاعل ہونے کا حقدار ہے۔

قال صفحہ ۱۲۹۔ وانعدم مایری

اقول۔ انعدم خلافِ محاورہ ہے۔

قال صفحہ ۱۳۰۔ ومن اشرف العٰلمین واعجب المخلوقین وجود الانبیاءِ والمرسلین۔

اقول۔ وجُود کا لفظ نہیں چاہیئے۔ لعدم صحۃ الحمل۔

قال۔ صفحہ ۱۳۴۔ ومن العالمین زمانٌ ارسل فیھم خاتم النّبیّین۔

اقول۔ یہاں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالم زمانہ کا نام ہے۔ پہلے یہ ثابت کیا کہ انسان حمد کرنے سے عالم ہو جاتا ہے پھر آیت سے یہ مضمون ہرگز مستفاد نہیں ہوتا۔

قال صفحہ ۱۳۵۔ قد استنبطت ھٰذہ النکتۃ من قولہ الحمد للہ رب العٰلمین۔

اقول۔ مرزاجی فرماتے ہیں کہ اِس آیت میں ولہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ دو احمدوں کی طرف اشارہ ہے ایک اولیٰ احمد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آخری احمد بن غلام مُرتضٰی شفاہ اللہ عن المالیخولیا سُبحان اللہ عجیب استنباط ہے۔

قال صفحہ ۱۳۶۔ الا علی النفس التی سعیٰ سَعْیَھَا۔

اقول۔ سعٰی کی جگہ سَعَتْ مؤنث چاہیئے۔

قال صفحہ ۱۳۹۔ الاتری ان سلسلۃ خلفاء موسٰی انتھت الی نکتۃ مالک یوم الدین۔

اقول۔ کیسا اِستنباط ہے سُبحان اللہ۔

قال صفحہ ۱۳۹۔ کمایفھم من لفظ الدین فانہ جاء بمعنی الحلم والرفق۔

اقول۔ اس جگہ معنی جزاء کے ہے بدلیل قولہٖ تعالیٰ وَمَآاَدْرٰىكَ مَایَوْمُ الدِّیْنِ الخ (انفطار۔ آیت ۱۷)

قال صفحہ ۱۴۰۔ وذالک وقت المسیح الموعود وھو زمان ھٰذ المسکین والیہ اشار فی اٰیۃ یوم الدین۔

اقول۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین المحرفین۔

قال صفحہ ۱۴۳۔ وسمی زمان المسیح الموعود یوم الدین۔

اقول۔ ثانیا لعنۃ اللہِ علی الکاذبین المحرفین۔

قال صفحہ ۱۵۹۔ الاقلیلٌ الذی ھو کالمعدوم۔

اقول۔ فصیح بلیغ ملیح صاحبِ موصُوف نکرہ ہے اور صِفت معرفہ۔

قال صفحہ ۱۶۳۔ ان یجعل اللہ احمد کل من تصدے للعبادۃ۔

اقول۔ جعل کا دُوسرا مفعُول بے وجہ مقدم کیا گیا ہے۔

قال۔ صفحہ ۱۶۳۔ وعلیٰ ھذا کان من الواجبات ان یکون احمد فی آخر ھذہ الامۃ

اقول۔ نہ کوئی اِشارت ہے نہ دلالت۔

قال۔ صفحہ ۱۶۵۔ وان لا توذی اخیک

اقول۔ اخاک چاہیئے۔

قال۔ صفحہ ۱۶۶۔ فی الحاشیۃ واشارۃ الی ان اللہ اعد لھو کلما اعطے الانبیاء السابقین۔

اقول۔ محض غلط ہے۔

قال۔ صفحہ ۱۷۰۔ وانھو ثمرات الجنۃ فویل للذی ترکھو

اقول۔ ترکھا چاہیئے۔

قال۔ صفحہ ۱۷۰۔ اتظن ان یکون الغیر

اقول۔ فصیح صاحب کلمہ غیر معرف باللام نہیں ہوتا۔

قال۔ صفحہ ۱۷۱۔ ان یبعث فی ھذہ الامۃ

اقول۔ بعد التسلیم مفید مطلوب نہیں ہے۔

قال۔ صفحہ ۱۷۲۔ وانہ لن یأتی احد من السماء۔

اقول۔ کہاں سے معلوم ہوّا۔

قال۔ صفحہ ۱۸۰۔ ینضنضون نضنضۃ الصل ویحملقون حملقۃ البازی المطل۔

اقول۔ مقاماتِ حریری کے صفحہ ۱۵۶ سے مسرُوق ہے بتغیّر ما۔

قال۔ صفحہ ۱۸۷۔ فاشتدت الحاجۃ

اقول۔ مستنبط نہیں ہوسکتا۔

قال۔ صفحہ ۱۸۹۔ وذکر الضالین فی مقام کان واجبًا فیہ ذکر الدجال وان کان الامر کما ھو زعم الجھال لقال اللہ فی ھذہ المقام غیر المغضوب علیھو ولا الدجال۔

اقول۔ دجّال کا ذکر ضالین کے ضمن میں بسبب عمُوم مفہُوم اس کے ہوچکا ہے۔ اَور ذِکر شخصی اگر ضروری سمجھا جاوے تو پہلے آپ کا چاہیئے تھا۔ کیونکہ دجّال مفسّر و محدّث بن کر دھوکا نہ دے گا بہ خلاف آپ کے کہ حامیانِ اِسلام کے لباس میں منبر پر کھڑے ہو کر تحریف کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ کا ذکر نہایت ہی ضروری تھا۔

واضح ہو کہ اِس تفسیر میں مرزاجی نے مطاعن اَور گالیوں اَور تحریفِ معنوی کو اُس حد تک پہنچا دیا ہے کہ کبھی کسی سے بھی نہ ہوسکی بالخصوص محرّر سطور عفی عنہ ربہ الغفور کے حال پر بڑے بڑے عنایات فرماتے ہیں۔ جن کے مقابل مَیں بغیر اِس مصرعہ کے کچھ نہیں عرض کرسکتا۔

ع بتر زانم کہ خواہی گفت آنی

اَور سوائے اِس مصرعۂ خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ کے کوئی معاوضہ ادا نہیں کرسکتا۔ ع

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی

میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا اگر آپ مجھے مُنہ بھر گالیں دے لیویں۔ مگر کتاب اللہ و سُنّتِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اجماعِ اُمّتِ مرحُومہ میں دخل بے جا نہ کریں۔ اور نیز گالیوں کو ہماری ذات تک ہی محدُود رکھیں۔ اور ہمارے مُنہ سے جو کلمات نکلتے ہیں اُن کو گالیاں نہ دیں۔ کیونکہ بفضل اللہ وحولہٖ اکثر اوقات آپ کے مخالفین کے مُنہ سے آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ و تسبیحات و تہلیلات بھی نکلتی رہتی ہیں۔ لہٰذا گزارش ہے کہ آپ اس کہنے میں کہ صفحہ ۱۹۶ (وَهُوَ خَبِيْثٌ وَخَبِيْثٌ مَا يَخْرُجُ مِنْ شَفَتَيْهِ) (وُہ پلید ہے اور پلید ہے جو کچھ کہ اس کے مُنہ سے نکلتا ہے) ماخوذ نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو کتاب اور سُنّت اور اجماعِ اُمّت والے صراطِ مُستقیم پر چلائے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَاَدِمْ عَلٰى سَيِّدِنَا اَبِى الْقَاسِمِ وَحَبِيْبِنَا الْمُظْهِرِ الْاِتَمِّ لِاسْمِكَ الْاَعْظَمِ وَآلِهٖ وَعِتْرَتِهٖ۔

ارضِ ذات النخلہ

سوال

ارضِ ذات النخلہ کو یمامہ خیال فرمانا جو فی الواقع مدینہ طیّبہ کی طرف اِشارہ تھا ۔ اَور ایسا ہی لَتَدۡ خُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ کا وقت صلح حُدیبیہ والا سال سمجھ لینا کیا یہ ہر دو اَور نظائر اِن کے از قبیلِ قصُور فی الکشف اَور خطا فی التّعبیر نہ تھے جب مکاشفات مذکُورہ میں قصُور اَور خطا فی التعبیر واقع ہو گئے تو نزُولِ مسیح اِبنِ مریم والی پیشین گوئی میں کیوں نہیں واقع ہو سکتے یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے غلام احمد قادیانی کو عیسٰی بن مریم کی صُورت میں دیکھا ہو ۔

جواب

ارضِ ذات النخلہ والے مکاشفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کسی سے پیشین گوئی نہیں فرمائی کہ بالضرُور یمامہ ہی میں جانا ہوگا ۔ صرف آپؐ کا خیال شریف یمامہ کی طرف گیا تھا سو وُہ بھی قائم نہ رہا ۔ چنانچہ اِرشاد فرمایا ۔ فذھب وھلی الی الیمامۃ اَور دخولِ مسجدِ حرام کے متعلق بھی آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ضرور تم اِسی سال مسجدِ حرام میں داخل ہو گے ۔ الغرض کشف ایک اجمالی ہوتا ہے اَور ایک تفصیلی ۔ اَور اجمالی میں کبھی اجمال فی نفس المضمون ہوتا ہے ۔ یعنی واقعی امر برنگِ اِستعارہ وتمثیل نظر آتا ہے ۔ چُنانچہ مدینہ کی وبا کو آپؐ نے بشکل ایک عورت پراگندہ سر کے دیکھا تھا وغیرہ وغیرہ اَور کبھی اجمال فی اوضاع المضمُون من الزمان وغیرہ چنانچہ دخولِ مسجدِ حرام والے مکاشفہ میں نفس دخُولِ مسجدِ حرام کما ہو فی الواقع صرف مکشوف ہوا ۔ مسجدِ حرام کے داخل ہونے کا وقت معلُوم نہیں ہوا تھا ۔ لہٰذا اُس سال آپؐ حُدیبیہ میں تشریف لے گئے ۔ بلکہ مُناسب بشانِ نبوّت یُوں معلُوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ والے سال بھی جانا آپؐ کا قصُور فی الکشف کی وجہ سے نہ تھا ۔ بلکہ حصُولِ صُلح کے لیے جو مقدّمہ فتح کا تھا بحسبِ فرمانِ خُداوندی واقع ہوا کشفِ اجمالی کی دونوں صُورتوں میں آپؐ نے کبھی پیشین گوئی یقینی طور پر نہیں فرمائی ۔ یعنی جس جُز میں اجمال وخفا ہوتا تھا اُس کے بارہ میں اِس طرح پر نہیں فرماتے تھے کہ یہ جُز بالضرُور اِسی طرح وجہِ مخصُوص پر واقع ہو گی ۔ اِس قسم کی پیشین گوئی میں قبل از وقوع ، ایمان علیٰ حسبِ مُراد اللہ رکھنے کے ہم مکلّف ہیں نہ اِیمان علیٰ وجہِ خصوص کے طور پر ۔ بخلاف کشفِ تفصیلی عینی کے یعنی جس امر کو کھُلا کھُلا آپؐ نے معائنہ فرمایا اَور اس کے بارہ میں پیش گوئی یقینی طور پر فرما دی تو مؤمن بما جاء بہ الرسول علیہ السّلام کو ہرگز تاویل سے کام لینا جائز نہیں ۔ چُنانچہ بعض اقسام اِس کے شمسُ الہدایت میں بحوالہ کتبِ حدیث لکھّے گئے ہیں جن میں سے اکثر کا وقُوع بھی مُطابق پیش گوئی آپؐ کے ہو چکا ہے ۔ نزُولِ مسیح اِبنِ مریم وظہُورِ دجّال وغیرہ علاماتِ قیامت والی پیش گوئیاں کشفِ عینی کے قبیلہ سے ہیں ۔ گو بعض کی تفصیل وقتاً فوقتاً معلُوم ہوتی رہی جن میں آپؐ کو نہایت اِہتمام سے اُمّتِ مرحُومہ کو متنبّہ کرنا منظُور تھا تاکہ اُمّتِ مرحُومہ کسی جھُوٹے مسیح کے دام میں نہ پھنس جائے ۔ چنانچہ مسیح اِبنِ مریم بھی کہتے گئے کہ

میرے آنے سے پہلے کئی جھوٹے مسیح آئیں گے۔ دیکھو انجیل کی کتاب اعمال اور نیز قصہ نزولِ ایلیا بھی عبرت کے لیے کافی نظیر وقوع میں آچکا تھا۔ جس کے لحاظ سے آپ کو تفصیلی و تاکیدی بیان فرمانا ضروری تھا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطا پر قائم رہنا فی التعبیر ہی کیوں نہ ہو، ہرگز ممکن نہیں۔ کہاں یہ بات کہ عمر بھر یہ دھوکہ آپ کو واقع رہے اور بذریعہ وحی کے اطلاع نہ دی جاوے۔ الغرض بحکم فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ انبیاء کا خطا پر قائم رہنا اور ایسا ہی بمقتضٰے فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ (جن-۲۷) وحی کا غلط ہونا شرعاً و عقلاً محال ہے۔ الحاصل کشفِ اجمالی بھی بعد البیان اللاحق تفصیلی کی طرح واجب الایمان ہوتا ہے۔

نزولِ مسیح علیہ السلام کا مسئلہ

چونکہ حاضرین کو محلِّ تعجب و استبعاد معلوم ہوتا تھا۔ معہذا نزولِ ایلیا والے اشتباہ سے بھی اُمّتِ مرحومہ کو بچانا منظور تھا۔ لہٰذا آپؐ نے اس پیش گوئی کو تاکید بالقسم و نون ثقیلہ و لام تاکید سے مؤکّد کر کے بیان فرمایا۔ والذی نفسی بیدہٖ لیوشکن آخر تک تاکہ اُمّتِ مرحومہ اس نزول کو بھی نزولِ ایلیا کی طرح خیال نہ کریں۔ اس قسم کی پیش گوئی کے ساتھ قبل از وقوع ایمان لانا ضروریات سے ہے کما قال تعالیٰ۔ مَا اٰتٰـکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ۔ اس مقام پر مرزاجی نے بمعہ اپنے عُلماء کے سب پیش گویوں میں ایک ہی قانون مقرر کر رکھا ہے کہ قبل از وقوع ہم کو ایمان لانا ضروری نہیں۔ حق یہ ہے کہ کشفِ اجمالی اور تفصیلی میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے اُن کو سخت دھوکہ ہوا ہے۔ میں حیران ہوں کہ وہ قیامت کو بھی قبل از وقوع نہ مانتے ہوں گے۔ ہاں اس الزام کا یہ جواب دیتے ہیں کہ قیامت تو مطابق حدیث الدنیا سبعة اٰلاف وانا فی اٰخرھا الفاً کے سات ہزار سال سے پہلے نہیں آسکتی۔ میں کہتا ہوں اوّل تو یہ حدیث ثقات کے نزدیک مثل مناوی و شیخ سیوطی وغیرہما کے موضوعات یا ضعاف سے ہے۔ اور نیز یہ تحدید برخلاف ہے تصریح رئیس المکاشفین حضرت شیخ کے دیکھو فتوحات۔ تیسرا بر تقدیر تسلیم الزام مذکور کی واقع بھی نہیں۔ کیونکہ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک سات ہزار کے اُوپر تین سو گذر چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرزا اور اس کے ہی صاحبان حساب میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ بیت ؎

تا مرد سخن نگفتہ باشد ۔۔۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد

الغرض لحکم ولن یصلح العطار ما افسد الدھر جہاں تک بھی ہاتھ پاؤں مارے جاتے ہیں قادیانی صاحب کا دعوٰے ہرگز کتاب و سُنّت و اجماع سے تطبیق نہیں رکھتا۔ مجھے اس مقام کے متعلق ایک بزرگ کی بات یاد آگئی ہے جس کا لکھنا بعید از مقام معلوم نہیں ہوتا۔ جیب شاہ صاحب خوشابی سے جن کا نام نامی مرزاجی نے ایک اشتہار میں اپنے مولویوں اور مُریدوں میں لکھا ہے۔ میں نے راجڑ کے اسٹیشن پر بعد ملاقات کے پُوچھا کہ آپ کے بیعت کرنے کا مرزاجی سے کیا باعث ہے۔ یہ جواب اس کے فرمانے لگے کہ قرآن کی تفسیر لکھنے میں عدیم المثیل ہیں۔ اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ پھر میں نے پُوچھا۔ آپ مرزا صاحب کو مسیح موعود مانتے ہیں۔ فرمانے لگے کہ اُن کے اس دعوٰی سے میں علیحدہ ہوں۔ پھر میں نے متعجب ہو کر پُوچھا کہ جب آپ ان کو اس دعوٰی میں کاذب اور مفتری علی اللہ خیال فرماتے ہیں تو پھر بیعت کیسے ہوئی۔ کیونکہ جس شخص کو مُفتری علی اللہ سمجھا جاتا ہے اُس کی وقعت اتنی نہیں ہوتی کہ اس کا ہاتھ خُدا کا ہاتھ سمجھ کر اپنے ہاتھ میں رکھا جاوے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ قرآن دان بہت عُمدہ ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مرزاجی کی تفسیر متعلق سورہ زلزال کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اس تفسیر سے بھی علیحدہ ہوں۔ اس پر میں نے نہایت ہی متعجب ہو کر کہا۔ کہ کیا آپ کو کوئی مرزا صاحب جیسا شخص مُفتری علی اللہ اور قرآن کا محرّف اپنے علاقہ میں نہیں ملا تھا کہ قادیان میں جا کر مرزاجی سے بیعت کی۔ بعد اس کے فرمایا

کہ خیر میں نے بیعت سے توبہ کی ہے۔ یہ اور طرفہ نکلا آخر الامر کہنے لگے کہ ازالہ اوہام کو دیکھوں گا۔

واضح ہو کہ اللہ جل شانہ، رسولوں کے مطلع علی الغیب کرنے کی نسبت فرماتا ہے۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۙ (جن۔ آیت ۲۶/۲۷)

ترجمہ:۔ وہ جاننے والا غیب کا پس نہیں خبردار کرتا اوپر غیب اپنے کے کسی کو مگر جس کو پسند کرتا ہے پیغمبروں میں سے پس تحقیق وہ چلاتا ہے آگے اس کے سے اور پیچھے اس کے سے نگہبان یعنی رسولوں کی وحی کے ساتھ چوکی پہرے کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ شیطان دخل نہ کرنے پاوے۔ لہٰذا پیغمبروں کے لیے عصمت ہے اوروں کے لیے نہیں اور ان کی وحی یقینی ہے، اوروں کی وحی میں شبہ ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیش گوئیوں میں شیطان کا ہرگز دخل نہیں۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے ازالہ کے صفحہ ۶۲۶ میں چار سو نبی کی نسبت لکھا ہے کہ ان کو شیطانی وحی ہوئی اور وہ جھوٹے نکلے۔ اور قادیانی صاحب گو کہ بزعم خود اپنی پیش گوئیوں کو پیغمبروں کی پیش گوئیوں کے برابر خیال کرتے ہیں مگر ان کی پیش گوئیوں کا کاذب ہونا واقف کاروں سے پوشیدہ نہیں۔ (اگلا صفحہ ملاحظہ فرمائیں)

مرزا صاحب کی پیشین گوئیاں

ضمیمہ شحنۂ ہند کی عبارت

اجی مرزا صاحب بس رہنے دیجیے۔ خلق اللہ تیس سال تک آپ کے نمونے دیکھتے دیکھتے سیر ہوگئی ہے۔

۱۔ کسی شخص کے بیٹا پیدا ہونے کے لیے آپ نے بہتیرا سر مارا بلکہ ایک معقول رقم بھی اس سے پھٹکاری مگر بیٹا اب تک ندارد۔

۲۔ عبداللہ آتھم کے لیے ازحد گڑگڑائے مگر وہ میعاد معینہ میں نہ مرا۔

۳۔ ملا محمد بخش وغیرہ کی بربادی کے لیے ہزار آہ وزاری کی مگر اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔

۴۔ لیکھرام کے لیے ہرچند سر پٹکا مگر اس کی موت نے آخر آپ کو ہی مشتبہ کیا۔

۵۔ آسمانی منکوحہ کے لیے آپ کا چہرہ بھی خشک ہوگیا مگر حسرت ہی رہی۔

۶۔ کسی شخص کی بیوی کے اچھا ہونے کے لیے بہتیرے جوڑ توڑ کیے مگر وہ بیمار رہ کر چل ہی بسی۔

۷۔ اپنے جس لڑکے کو موعود قرار دیا اور اپنے لیے اور دنیا کے لیے باعث برکت سمجھا وہ بھی آپ کو مفارقت دے گیا۔

۸۔ جس قدر مباحثے آپ نے کیے شکست ہی کھا کر بھاگے۔ اب مباحثہ کے نام سے بھی اوسان خطا ہوتے ہیں۔

۹۔ جن آدمیوں نے آپ کو بالمقابل دعا کرنے کے لیے بلایا۔ آپ ایک دن بھی سامنے نہ ہوئے۔

۱۰۔ ہمیشہ آپ نشان دکھانے کے لیے میعاد مقرر کرتے رہے۔ مگر آخر ندامت ہی اٹھانی پڑی۔ چنانچہ اب بھی ایک بڑے بھاری نشان کے لیے میعاد مقرر ہے۔

۱۱۔ آپ کہتے ہیں کہ شاہان یورپ کو اسلام کی دعوت کی اور اپنی تصانیف بھیجیں۔ مگر ایک عیسائی بھی آپ پر ایمان لاتے نہ دیکھا۔

۱۲۔ آپ نے کہا سب خلقت مجھے قبول کرے گی۔ مگر سب آپ سے متنفر اور بیزار ہی رہے سوائے معدودے چند اشخاص کے، جو کسی شمار میں نہیں آسکتے۔

۱۳۔ آپ نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر دعویٰ سے لکھی۔ لوگوں نے اس کے پرخچے اڑائے۔

۱۴۔ آپ نے منشی الٰہی بخش صاحب کی نسبت گیارہ کا ہندسہ ظاہر کر کے الہام شائع کیا۔ بفضلہ تعالےٰ اب گیارہ ماہ قریب الاختتام ہیں۔ مگر ان کی عصائے موسیٰ نے آپ کا سارا بنا بنایا کھیل درہم برہم کر دیا۔

۱۵۔ پیر مہر علی شاہ صاحب کے لیے آپ ہرچند دانت پیستے رہے۔ مگر ان کی شہرت ہی شہرت اور عزت ہی عزت ہوتی رہی۔

۱۶۔ آپ نے عرصہ سے مینار بنانا چاہا مگر ہنوز روز اول۔

۱۷۔ آپ نے انگریزی رسالہ شائع کرنا چاہا۔ مگر اب تک اقرار اور وعدہ کے مطابق آپ کو ناکامی ہے۔

۱۸۔ آپ نے بجائے اِتوار کے جمعہ کی تعطیل کرانی چاہی۔ مگر سوائے ناکامی کے اُور کچھ حاصل نہ ہُوا۔

۱۹۔ سینکڑوں اشخاص کے لیے آپ دُعا کرتے رہے ہیں۔ مگر کوئی اثر یا نتیجہ نہیں نکلتا۔ اُور پھر آپ کہتے ہیں کہ دُعا کرنے والے کو یہ کرنا چاہیئے وُہ کرنا چاہیئے۔ دُعا کرنے والے سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے وغیرہ۔ مرزاجی کیا یہ دُعائیں مُشتے نمُونہ از خروارے کافی نہیں ہیں۔ پھر آپ کو بار بار اعلان کرنے کی ضرُورت پڑتی ہے۔

رسالہ اِلہامات کی عبارتِ ذیل بھی قابلِ غور ہے۔

تیسری پیش گوئی

مرزا احمد بیگ اُور اُس کے داماد کی موت اُور آسمانی منکُوحہ کے نِکاح کے متعلق:۔

اِس پیش گوئی کو مرزاجی نے خاص مُسلمانوں کے حق میں بتلایا ہے۔ اِس لیے ہمارا بھی حق ہے کہ ہم بھی جی کھول کر سعی کریں اُور تحقیق کر کے بال کی کھال اُتاریں۔ اُور پیش گویوں میں بھی مرزاجی زور لگایا کرتے ہیں۔ مگر اس پیش گوئی کے متعلق جو کچھ مرزاجی نے مساعیٔ جمیلہ خرچ کیے ہیں اُن کا ذکر نہ کرنا غالباً ناشکری ہوگی۔ پہلے ہم اس پیش گوئی کا اشتہار نقل کرتے ہیں۔ ازاں بعد مرزاجی کی مساعیٔ جمیلہ بتلاویں گے۔ ھُوَھٰذا۔

ایک پیش گوئی پیش از وقُوع کا اِشتہار

پیش گوئی کا جب انجام ہویدا ہوگا — قُدرتِ حق کا عجب ایک تماشا ہوگا
جھُوٹ اُور سچ میں جو ہے فرق وُہ پیدا ہوگا — کوئی پا جائے گا عزت کوئی رُسوا ہوگا

اَب یہ جاننا چاہیئے کہ جس خط کو ۱۰ مئی ۱۸۸۸ء کے نُورِ افشاں میں فریقِ مُخالِف نے چھپوایا ہے وُہ خط محض ربّانی اِشارہ سے لکھا گیا تھا۔ ایک مدّت دراز سے بعض سرگروہ اُور قریبی رِشتہ دار مکتوب الیہ کے، جن کی حقیقی ہمشیرہ زادہ کی نسبت درخواست کی گئی تھی نشانِ آسمانی کے طالب تھے اُور طریقۂ اِسلام سے اِنحراف رکھتے تھے اُور اَب بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ اگست ۱۸۸۵ء میں جو چشمۂ نُور امرتسر میں اُن کی طرف سے اِشتہار چھپا تھا یہ درخواست ان کے اِشتہار میں مندرج ہے۔ اُن کو نہ محض مجھ سے بلکہ خُدا اُور رسُولؐ سے بھی دُشمنی ہے۔ اُور والد اس دُختر کا بباعثِ شدتِ تعلّقِ قرابت، ان لوگوں کی رضاجوئی میں محو اُور اُن کے نقشِ قدم پر دِل و جان سے فدا اُور اپنے اِختیارات سے قاصر و عاجز بلکہ اُنہی کا فرمانبردار ہو رہا ہے۔ اُور اپنی لڑکیاں انہی کی لڑکیاں خیال کرتا ہے۔ اُور وُہ بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ اُور ہر بات میں اس کے مدارالمہام اُور بطورِ نفسِ ناطقہ کے اس کے لیے ہو رہے ہیں۔ (تب ہی تو نقارہ بجا کر اس لڑکی کے بارہ میں آپ ہی شہرت دے دی۔ یہاں تک کہ عیسائیوں کے اخباروں کو اس قصّہ سے بھر دیا۔ آفریں بریں عقل و دانش۔ ماموں ہونے کا خُوب ہی حق ادا کیا۔ ماموں ہوں تو ایسے ہی ہوں۔ غرض یہ لوگ جو مجھ کو میرے دعوئ اِلہام میں مکّار اُور دروغ گو خیال کرتے ہیں۔ اُور اِسلام اُور قرآن شریف پر طرح طرح کے اِعتراض کرتے تھے اُور مجھ سے کوئی نشانِ آسمانی مانگتے تھے۔ تو اِس وجہ سے کئی دفعہ ان کے لیے دُعا بھی کی گئی تھی۔ سو وُہ دُعا قبول ہو کر خُدائے تعالٰی نے یہ تقریب قائم کی کہ والد اس دُختر کا ایک اپنے ضرُوری کام کے لیے ہماری طرف مُلتجی ہُوا۔ تفصیل اِس کی یہ ہے کہ نامبردہ کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچازاد بھائی غلام حسین نام کو بیاہی گئی تھی۔ غلام حسین عرصہ پچیس ۲۵ سال سے کہیں چلا گیا اُور مفقُودالخبر ہے۔ اُس کی زمین ملکیت جس کا حق ہمیں پہنچتا

ہے۔ ہمشیرہ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کرا دی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں جو ضلع گورداسپور میں جاری ہے۔ ہمشیرہ یعنی ہمارے خط کے مکتوب الیہ نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین جو چار ہزار یا پانچ ہزار روپیہ کی قیمت کی ہے اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرا دیں۔ چنانچہ ان کی ہمشیرہ کی طرف سے یہ ہبہ نامہ لکھا گیا۔ چونکہ وہ ہبہ نامہ بجز ہماری رضامندی کے بیکار تھا اس لیے مکتوب الیہ نے تمام تر عجز و انکسار سے ہماری طرف رجوع کیا تاکہ ہم اس ہبہ پر راضی ہو کر اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیں۔ اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے۔ لیکن یہ خیال آیا کہ ایک مدت سے بڑے بڑے کاموں میں ہماری عادت ہے جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہیے۔ سو یہی جواب مکتوب الیہ کو دیا گیا۔ پھر مکتوب الیہ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وہ استخارہ کیا تھا۔ گویا آسمانی نشان کی درخواست کا وقت آپہنچا تھا جس کو خدائے تعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر کر دیا۔

اس خدائے قادر حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کے لیے سلسلہ جنبانی کر۔ اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط سے کیا جاوے گا۔ اور یہ نکاح تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا۔ اور ان تمام رحمتوں اور برکتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا۔ اور جس کسی دوسرے سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا۔ اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لیے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔

پھر ان دنوں میں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کے لیے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے۔ کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لاوے گا اور بے دینوں کو مسلمان بنائے گا اور گمراہوں میں ہدایت پھیلائے گا۔ چنانچہ عربی الہام اس بارہ میں یہ ہے۔ کذّبوا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوا بِھَا یَسْتَھْزِءُوْنَ ○ فسیکفیکھم اللہ ویردھا الیک لاتبدیل لکلمات اللہ ان ربک فعال لما یرید۔ انت معی وانا معک عسٰی ان یبعثک ربک مقاماً محمودًا۔ یعنی انھوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا اور وہ پہلے سے ہنسی کر رہے تھے سو خدائے تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لیے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا اور انجام کار اس کی اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لاوے گا کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ تیرا رب وہ قادر ہے کہ جو کچھ چاہے وہی ہو جاتا ہے۔ تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں اور عنقریب وہ مقام تجھے ملے گا جس میں تیری تعریف کی جاوے گی۔ یعنی گو اوّل میں احمق اور نادان لوگ بدباطنی اور بدظنی کی راہ سے بدگوئی کرتے ہیں اور نالائق باتیں منہ پر لاتے ہیں لیکن آخر کار خدا تعالیٰ کی مدد دیکھ کر شرمندہ ہوں گے۔ اور سچائی کے کھلنے سے چاروں طرف سے تعریف ہوگی۔

خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء

اس اشتہار کے متصل ہی صرف پانچ دن کے فاصلے سے ایک اشتہار اور دیا جو بعنوان ذیل ہے۔

تتمہ اشتہار

دہم جولائی ۱۸۸۸ء

۱۔ اشتہار ہذا، جو عنوان کے صفحہ میں جو یہ الہام درج ہے فسیکفیکھم اللہ اس کی تفصیل مکرر توجہ سے یہ کھلی ہے کہ

---

۱ کیا ہی عجب موقع تھا۔ ۲ آج تک تو جیسی ہوئی وہ نمایاں ہے

خُدائے تعالیٰ ہمارے کنبے اور قوم میں سے ایسے تمام لوگوں پر جو اپنی بے دینی اور بدعتوں کی حمایت کی وجہ سے پیش گوئی کے مزاحم ہونا چاہیں گے اپنے قہری نشان نازل کرے گا اور اُن سے لڑے گا۔ اور اُنھیں انواع و اقسام کے عذابوں میں مُبتلا کرے گا۔ اور وُہ مُصیبتیں ان پر اُتارے گا جن کی ہنوز اُنھیں خبر نہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہوگا جو اس کی عقوبت سے خالی رہے کیونکہ اُنھوں نے نہ کسی اور وجہ سے بلکہ بے دینی کے راہ سے مقابلہ کیا۔ ایک عرصہ سے یہ لوگ جو میرے کنبے سے اور میرے اقارب ہیں کیا مرد اور کیا عورت، مجھے میرے اِلہام و دعاوی میں مکار اور دوکاندار خیال کرتے ہیں۔ اور بعض نشانوں کو دیکھ کر بھی قائل نہیں ہوتے اور اُن کا اپنا حال یہ ہے کہ دینِ اسلام کی ایک ذرہ محبت ان میں باقی نہیں رہی۔ اور قرآنی حکموں کو ایسا ہلکا سا سمجھ کر ٹال دیتے ہیں جیسا کوئی ایک تنکے کو اُٹھا کر پھینک دیتے ہیں۔ وُہ اپنی بدعتوں اور رسموں اور ننگ و ناموس کو خُدا اور رسُولؐ کے فرمودہ سے ہزار درجہ بہتر سمجھتے ہیں پس خُدائے تعالیٰ نے اِنھیں کی بھلائی کے لیے انھیں کے تقاضا سے اُنھیں کی درخواست سے اس الہامی پیش گوئی کو جو اِشتہار میں درج ہے ظاہر فرمایا ہے۔ تا وُہ سمجھیں کہ وُہ درحقیقت موجُود ہے اور اُس کے سوا سب کچھ ہیچ ہے۔ کاش وُہ پہلے نشانوں کو کافی سمجھتے اور یقیناً وُہ ایک ساعت بھی مجھ پر بدگمانی نہ کر سکتے۔ اگر اُن میں کچھ نُور ایمان اور کانشنس ہوتا ہمیں اس رشتہ کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ سب ضرُورتوں کو خُدائے تعالےٰ نے پُورا کر دیا تھا۔ اولاد بھی عطا کی۔ اور ان میں وُہ لڑکا بھی جو دین کا چراغ[1] ہوگا۔ بلکہ ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مُدّت تک وعدہ دیا جس کا نام محمُود احمد ہوگا۔ اور اپنے کاموں میں اُولوالعزم نکلے گا۔ یہ رشتہ جس کی درخواست کی گئی ہے محض بطور نشان کے ہے تا خُدائے تعالےٰ اس کُنبہ کے منکرین کو عجُوبہ قدرت دکھلا دے۔ اگر وُہ قبول کریں تو برکت اور رحمت کے نشان ان پر نازل کرے اور اُن بلاؤں کو دفع کرے جو نزدیک چلی آتی ہیں۔ لیکن اگر وُہ ردّ کریں تو اُن پر قہری نشان نازل کر کے اُن کو متنبّہ کرے۔ برکت کا نشان یہ ہے کہ اس پیوند سے اُن کا دین درُست ہوگا۔ اور دُنیا اُن کی من کُلّ الوجُوہ صلاحت پذیر ہو جائے گی۔ اور وُہ بلائیں جو عنقریب اُترنے والی ہیں نہیں اُتریں گی۔ اور قہر کا نشان وُہی ہے جو اِشتہار میں ذکر ہو چکا اور نیز وُہ جو تتمہ ہذا میں درج ہے۔
والسّلام علی عباد اللہ المومنین۔

خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گوُرداسپُور۔ پانزدہم جولائی ۱۸۸۸ء

یہ دونوں اِشتہار اپنے مضامین بتلانے میں بالکل واضح اور لائح ہیں کسی مزید توضیح یا تشریح کی حاجت نہیں رکھتے صاف بتلا رہے ہیں کہ تاریخ نکاح سے تین سال تک دونوں (احمد بیگ اور اُس کا داماد) فوت ہو جائیں گے۔ البتہ تاریخ معلوُم کرنے کے لیے کہ نکاح کب ہوُا اور کب اِن دونوں کی موت کی تاریخ ہے مرزا جی کی دُوسری ایک تحریر سے شہادت لینے کی ضرُورت ہے۔

شہادت القرآن میں مرزا جی خوُد ہی اس کی میعاد بتلاتے ہیں کہ ۲۱ ستمبر ۱۸۹۳ء سے قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئی تھی (مفصل عبارت بصفحہ ۴ کتاب ہذا دیکھو) پس بمُوجب اِقرار مرزا جی (۲۱۔ اگست ۱۸۹۴ء) کو مرزا سُلطان محمّد داماد مرزا احمد بیگ کو دُنیا پر رہنے کی اجازت نہ تھی۔ مگر افسوس کہ وُہ مرزا صاحب کے سینہ پر مونگ دلتا ہوُا آج یکم دسمبر ۱۹۰۱ء تک زندہ کیمپ ملتان میں ملازم ہے۔

مگر مرزا جی کیا ایسے نرم اور کم گو تھے کہ خاموش ہو جاتے۔ اُنھوں نے بڑے بڑے اموُرِ مشکلہ کو نہایت آسانی سے حل کر دیا تھا تو اس پیشگوئی کا پُورا کر لینا تو اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

"اِس پیش گوئی کے دو حصّے تھے۔ ایک احمد بیگ کی نسبت اور ایک اُس کے داماد کی نسبت اور پیشگوئی

---

[1] الف الیسلیٰ کے الٰذین کا چراغ تو نہیں۔

کے بعض الہامات میں جو پہلے سے شائع ہو چکے تھے یہ شرط تھی کہ توبہ اور خوف کے وقت موت میں تاخیر ڈال دی جائے گی۔ سو افسوس کہ احمد بیگ کو اس شرط سے فائدہ اُٹھانا نصیب نہ ہوا۔ کیونکہ اُس وقت اُس کی بد قسمتی سے اُس نے اور اُس کے تمام عزیزوں نے پیش گوئی کو انسانی مکر اور فریب پر حمل کیا اور ٹھٹھا اور ہنسی شروع کر دی اور وُہ ہمیشہ ٹھٹھا اور ہنسی کرتے تھے کہ پیش گوئی کے وقت نے مُنہ دِکھلا دیا اور احمد بیگ ایک محرقہ تپ کے ایک دو دن کے حملہ سے ہی اِس جہان سے رِحلت کر گیا۔ تب تو اُن کی آنکھیں کُھل گئیں اور داماد کی بھی فکر پڑی اور خوف اور توبہ اور نماز و روزہ میں عورتیں لگ گئیں۔ اور مارے ڈر کے ان کے کلیجے کانپ اُٹھے۔ پس ضرور تھا کہ اِس درجہ کے خوف کے وقت خُدا اپنی شرط کے موافق عمل کرتا سو وُہ لوگ سخت احمق اور نادان اور کاذب اور ظالم ہیں جو کہتے ہیں کہ داماد کی نسبت پیش گوئی پُوری نہیں ہوئی بلکہ وُہ بدیہی طور پر بحالت موجودہ کے موافق پُوری ہوگئی اور دُوسرے پہلو کی اِنتظار ہے۔" (سراج مُنیر حاشیہ صفحہ ۳۰)

مرزا جی کا عُذر بھی کہ فلاں شخص دل میں توبہ کر گیا۔ نماز روزہ کا پابند ہو گیا اس بے ایمان عطار کی لوتل سے کم نہیں جس کا ذکر ہم نے اُوپر کیا ہے تعجب ہے کہ مرزا جی کے مقرب علم کے مدعی ایسی واہیات تاویلوں کو مان لیتے ہیں بلکہ اُن کے نہ ماننے پر غراتے ہیں۔ ناظرین بغور اشتہار مذکور کو دیکھ سکتے ہیں خصوصاً فقرہ زیر خط کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ اس کلام سے اصل غرض کیا ہے۔ یہ عجب (بے ادبی معاف) ڈھکوسلا ہے کہ تُو مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ مخالف اسی طرح اپنی مخالفت پر جما ہوا ہے۔ ذاتِ شریف پر تبرّے اور صلواتیں سُناتا ہے۔ اور ہاں بوجہ مسلمان ہونے کے نماز بھی پڑھتا ہوگا تو اس کا نام خوف زدہ رکھا جاتا ہے۔ آتھم کے متعلق صفحہ (۱۰) کتاب ہذا ایک حدیث کی شہادت سے ثابت کر آئے ہیں کہ اگر آپ کی پیش گوئی سے وُہ بھی ڈرتا تو وُہ بھی رجوع مستلزم تاخیر عذاب نہ ہوتا چہ جائیکہ وُہ مخالفت پر ویسا ہی تُلا بیٹھا ہے کہ جیسا اُس وقت تھا بلکہ اس سے بھی زائد۔

اس پیش گوئی کے متعلق جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں مرزا جی کی مساعیٔ جمیلہ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ اس ضمن میں بھی ان کے وُہ خطوط ہم نقل کرتے ہیں جو اُنھوں نے اپنے رشتہ داروں کو اس نکاح کے متعلق بھیجے تھے۔ پہلا خط یہ ہے۔

مشفقی مرزا علی شیر بیگ صاحب سلّمہٗ تعالیٰ!

السّلام علیکم و رحمۃُ اللہ۔ اللہ تعالیٰ خُوب جانتا ہے کہ مجھ کو آپ سے کسی طرح فرق نہ تھا۔ اور میں آپ کو ایک غریب طبع اور نیک خیال آدمی اور اسلام پر قائم سمجھتا ہُوں لیکن اب جو آپ کو ایک خبر سُناتا ہُوں آپ کو اس سے بہت رنج گذرے گا۔ مگر میں محض لِلّٰہ ان لوگوں سے تعلق چھوڑنا چاہتا ہُوں جو مجھے ناچیز بتاتے ہیں اور دین کی پرواہ نہیں رکھتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرزا احمد بیگ کی لڑکی کے بارے میں ان لوگوں کے ساتھ میری کس قدر عداوت ہو رہی ہے۔ اب میں نے سُنا ہے کہ عید کی دُوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے۔ اور آپ کے گھر کے لوگ اس مشورہ میں ساتھ ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اس نکاح کے شریک میرے سخت دُشمن ہیں۔ بلکہ میرے کیا دینِ اسلام کے سخت دُشمن ہیں۔ عیسائیوں کو ہنسانا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کو خُوش کرنا چاہتے ہیں۔ اور اللہ و رسُولؐ کے دین کی کچھ بھی پروا نہیں رکھتے۔ اور اپنی طرف سے میری نسبت ان لوگوں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے اس کو خوار کیا جائے[1] ذلیل کیا جائے۔ رُوسیاہ کیا جائے۔ یہ اپنی طرف سے ایک تلوار چلانے لگے ہیں۔ اب مجھ کو بچا لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر میں اس کا ہُوں گا

---

[1] اس سے صاف معلُوم ہے کہ صرف نکاح پر صدق کذب موقُوف تھا جو ہو چکا۔ فافہم۔ ۱۲

توضرور مجھے بچائے گا۔ اگر آپ کے گھر کے لوگ سخت مقابلہ کرکے اپنے بھائی کو سمجھاتے تو کیوں نہ سمجھ سکتا۔ کیا میں چوہڑا یا چمار تھا جو مجھ کو لڑکی دینا عار یا ننگ تھی۔ بلکہ وُہ تو اَب تک ہاں سے ہاں ملاتے رہے۔ اپنے بھائی کے لیے مجھے چھوڑ دیا۔ اور اَب اِس نکاح کے لیے سب ایک ہو گئے۔ یُوں تو مجھے کسی کی لڑکی سے کیا غرض، کہیں جائے۔ مگر یہ تو آزمایا گیا کہ جن کو میں خویش سمجھتا تھا۔ اور جن کی لڑکی کے لیے چاہتا تھا کہ اُس کی اَولاد ہو اَور میری وارث ہو۔ وُہی میرے خُون کے پیاسے، وُہی میری عزّت کے پیاسے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ خوار ہو اَور اس کا رُوسیاہ ہو۔ خُدا بے نیاز ہے جس کو چاہے رُوسیاہ کرے۔ مگر اَب تو وُہ مجھے آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں میں نے خط لکھے کہ پُرانا رشتہ مت توڑو۔ خدا تعالیٰ سے خوف کرو۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ بلکہ میں نے سُنا ہے کہ آپ کی بیوی نے جوش میں آکر کہا کہ ہمارا کیا رشتہ ہے۔ صرف عزّت بی بی کے نام کے لیے جو فضل احمد کے گھر میں ہے۔ بے شک وُہ طلاق دے دیوے ہم راضی ہیں اَور ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کیا بلا ہے۔ ہم اپنے بھائی کے خلافِ مرضی نہیں کریں گے۔ یہ شخص کہیں مرتا بھی نہیں۔ پھر میں نے رجسٹری کرا کر آپ کی بیوی کے نام خط بھیجا مگر کوئی جواب نہ آیا۔ اَور بار بار کہا کہ اس سے کیا ہمارا رشتہ باقی رہ گیا ہے۔ جو چاہے کرے۔ ہم اس کے لیے اپنے خویشوں سے، اپنے بھائیوں سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ مرتا مرتا رہ گیا۔ کہیں مرا بھی ہوتا۔ یہ باتیں آپ کی بیوی صاحبہ کی مجھے پہنچی ہیں۔ بے شک میں ناچیز ہُوں، ذلیل ہُوں، خوار ہُوں۔ مگر خُدا تعالیٰ کے ہاتھ میں میری عزّت ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اب جب میں ایسا ذلیل ہُوں تو میرے بیٹے سے تعلق رکھنے کی کیا حاجت ہے۔ لہٰذا میں نے ان کی خدمت میں خط لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آویں اَور اپنے بھائی کو اِس نکاح سے روک نہ دیں۔ پھر جیسا کہ آپ کی خود منشاء ہے کہ میرا بیٹا فضل احمد بھی آپ کی لڑکی کو اپنے نکاح میں رکھ نہیں سکتا۔ بلکہ ایک طرف جب محمدیؔ[1] کا کسی شخص سے نکاح ہوگا تو دُوسری طرف فضل احمد آپ کی لڑکی کو طلاق دے دے گا۔ اگر نہیں دے گا تو میں اس کو عاق اَور لاوارث کر دُوں گا۔ اَور اگر میرے لیے احمد بیگ سے مقابلہ کرو گے اَور یہ ارادہ بند کرا دو گے تو میں بدل و جان حاضر ہُوں۔ اَور فضل احمد کو جو اب میرے قبضے میں ہے ہر طرح سے درُست کرکے آپ کی لڑکی کی آبادی کے لیے کوشش کرُوں گا۔ اَور میرا مال اُن کا مال ہو گا۔ لہٰذا آپ کو بھی لکھتا ہُوں کہ آپ اِس وقت کو سنبھال لیں اَور احمد بیگ کو پُورے زور سے خط لکھیں کہ باز آ جائے اَور اپنے گھر کے لوگوں کو تاکید کر دیں کہ وُہ بھائی کو لڑائی کرکے روک دیں۔ ورنہ مجھے خُدائے تعالیٰ کی قسم ہے کہ اَب ہمیشہ کے لیے یہ تمام رشتے ناطے توڑ دُوں گا۔ اگر فضل احمد میرا فرزند اَور وارث بننا چاہتا ہے تو اُسی حالت میں آپ کی لڑکی کو گھر میں رکھے گا۔ اَور جب آپ کی بیوی کی خوشی ثابت ہو۔ ورنہ جہاں میں رُخصت ہُوا ایسا ہی سب رشتے ناطے بھی ٹُوٹ گئے۔ یہ باتیں خطوں کی معرفت مجھے معلوم ہُوئی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کہاں تک درُست ہیں۔ واللہ اعلم۔

راقم خاکسار غلام احمد از لودھیانہ، اقبال گنج۔ ۴۔ مئی ۱۸۹۱ء

دُوسرا خط یہ ہے:۔

والدہ عزّت بی بی کو معلوم ہو کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ چند روز تک محمدی مرزا احمد بیگ کی لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے۔ اَور میں خُدائے تعالیٰ کی قسم کھا چکا ہُوں کہ اِس نکاح سے سارے رشتے ناطے توڑ دُوں گا اَور کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ اِس لیے نصیحت کے راہ سے لکھتا ہُوں کہ اپنے بھائی مرزا احمد بیگ کو سمجھا کر یہ ارادہ موقُوف کراؤ اَور جس طرح تم سمجھا سکتے ہو اس کو سمجھا دو۔ اَور اگر ایسا نہیں ہو گا تو آج میں نے مولوی نُورالدین صاحب اَور فضل احمد کو خط لکھ دیا ہے کہ اگر تم اِس ارادہ سے باز نہ آؤ تو فضل احمد عزّت بی بی کے لیے

---

[1] آسمانی منکُوحہ کا نام۔ ۱۲

طلاق نامہ لکھ کر بھیج دے۔ اور اگر فضل احمد طلاق نامہ لکھنے میں عُذر کرے تو اُس کو عاق کیا جاوے اور اپنے بعد اس کو وارث نہ سمجھا جاوے۔ اور ایک پیسہ وراثت کا اس کو نہ ملے۔ سو اُمید رکھتا ہوں کہ شرعی طور پر اس کی طرف سے طلاق نامہ لکھا آجاوے گا۔ جس کا مضمون یہ ہوگا کہ اگر مرزا احمد بیگ محمّدی کا غیر کے ساتھ نکاح کرنے سے باز نہ آوے تو پھر اسی روز سے جو محمّدی کا کسی اور سے نکاح ہو جاوے عزّت بی بی کو تین طلاق ہیں سو اس طرح پر لکھنے سے اس طرف تو محمّدی کا کسی دُوسرے سے نکاح ہوگا اور اُس طرف عزّت بی بی پر فضل احمد کی طلاق پڑ جاوے گی۔ سو یہ شرطی طلاق ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اب بجُز قبول کرنے کے کوئی راہ نہیں۔ اور اگر فضل احمد نے نہ مانا تو میں فی الفور اس کو عاق کردُوں گا۔ اور پھر وُہ میری وراثت سے ایک دانہ نہیں پا سکتا۔ اور اگر آپ اِس وقت اپنے بھائی کو سمجھالو تو آپ کے لیے بہتر ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے عزّت بی بی کی بہتری کے لیے ہر طرح سے کوشش کرنا چاہا تھا۔ اور میری کوشش سے سب نیک بات ہو جاتی۔ مگر آدمی پر تقدیر غالب ہے۔ یاد رہے کہ میں نے کوئی بات کچی نہیں لکھی۔ مجھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ میں ایسا ہی کرُوں گا۔ اور خُدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔ جس دن نکاح ہوگا اُس دن عزّت بی بی کا نکاح باقی نہ رہے گا۔

راقم مرزا غُلام احمد از لودھیانہ، اقبال گنج۔ ۴ مئی ۱۸۹۱ء

تیسرا خط مرزا جی نے اپنی بہو سے لکھا کر بھجوایا جو یہ ہے :-

از طرف عزّت بی بی بطرف والدہ :-

اِس وقت میری بربادی اور تباہی کی طرف خیال کرو۔ مرزا صاحب کسی طرح مجھ سے فرق نہیں کرتے۔ اگر تم اپنے بھائی میرے ماموں کو سمجھاؤ تو سمجھا سکتے ہو۔ اگر نہیں تو پھر طلاق ہوگی۔ اور ہزار طرح کی رُسوائی ہوگی۔ اگر منظور نہیں تو خیر جلدی مجھے اِس جگہ سے لے جاؤ۔ پھر میرا اِس جگہ ٹھہرنا مُناسب نہیں۔

(اِس خط پر مرزا صاحب کی طرف سے یہ ریمارک ہے)

جیسا کہ عزّت بی بی نے تاکید سے کہا ہے۔ اگر نکاح رُک نہیں سکتا پھر بلا توقف عزّت بی بی کے لیے کوئی قادیان سے آدمی بھیج دو تاکہ اس کو لے جاوے۔

چوتھا خط یہ ہے :-

مشفقی مکرّمی اخویم مرزا احمد بیگ صاحب سلّمہ تعالیٰ

السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ قادیان میں جب واقعہ ہائلہ محمُود فرزند آں مکرّم کی خبر سُنی تھی تو بہت درد اور رنج اور غم ہوا۔ لیکن بوجہ اس کے کہ یہ عاجز بیمار تھا اور خط نہیں لکھ سکتا تھا۔ اس لیے عزا پُرسی سے مجبور رہا۔ صدمہ وفاتِ فرزندان حقیقت میں ایک ایسا صدمہ ہے کہ شاید اِس کے برابر دُنیا میں اور کوئی صدمہ نہ ہوگا۔ خصُوصاً بچّوں کی ماؤں کے لیے سخت مُصیبت ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ آپ کو صبر بخشے اور اس کا بدل صاحب عمر عطا کرے۔ اور عزیزی مرزا محمّد بیگ کو عُمر دراز بخشے کہ وُہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی بات اس کے آگے انہونی نہیں۔ آپ کے دل میں گو اس عاجز کی نسبت کچھ غبار ہو لیکن خُداوند علیم جانتا ہے کہ اِس عاجز کا دل بکُلّی صاف ہے۔ اور خُدائے قادرِ مطلق سے آپ کے لیے خیر و برکت چاہتا ہوں۔ مَیں نہیں جانتا کہ مَیں

---

[1] مجدّد صاحب یہ بھی کوئی مسئلہ ہے یا محض تجدید ہے۔ ۱۲

کس طریق اَور کن لفظوں میں بیان کروں تاکہ میرے دل کی محبّت اَور خلوص اَور ہمدردی جو آپ کی نسبت مجھ کو ہے آپ پر ظاہر ہو جائے مسلمانوں کے ہر ایک نزاع کا اخیری فیصلہ قسم پر ہوتا ہے۔ جب ایک مسلمان خُدا تعالیٰ کی قسم کھاجاتا ہے تو دُوسرا مسلمان اس کی نسبت فی الفور دل صاف کرلیتا ہے سو مجھے خُدائے تعالیٰ قادرِ مطلق کی قسم ہے کہ مَیں اس بات میں بالکل سچا ہوں کہ مجھے خُدائے تعالیٰ کی طرف سے اِلہام ہوا تھا کہ آپ کی دُختر کلاں کا رِشتہ اِس عاجز سے ہوگا۔ اگر دُوسری جگہ ہوگا تو خُدائے تعالیٰ کی تنبیہیں وارد ہوں گی۔ اَور آخر اسی جگہ ہوگا۔ کیونکہ آپ میرے عزیز اَور پیارے تھے اِس لیے میں نے عین خیرخواہی سے آپ کو جتلایا کہ دُوسری جگہ اِس رشتے کا کرنا ہرگز مُبارک نہ ہوگا۔ میں نہایت ظالم طبع ہوتا جو آپ پر ظاہر نہ کرتا۔ اَور میں اَب بھی عاجزی اَور ادب سے آپ کی خدمت میں ملتمس ہُوں کہ اِس رِشتہ سے آپ انحراف نہ فرماویں کہ یہ آپ کی لڑکی کے لیے نہایت درجہ مُوجب برکت ہوگا۔ اَور خُدائے تعالیٰ ان برکتوں کا دروازہ کھول دے گا جو آپ کے خیال میں نہیں۔ کوئی غم اَور فکر کی بات نہیں ہوگی۔ جیساکہ یہ اُس کا حکم ہے جس کے ہاتھ میں زمین و آسمان کی کُنجی ہے تو پھر کیوں اِس میں خرابی ہوگی۔ اَور آپ کو شاید معلُوم ہوگا یا نہیں کہ یہ پیشین گوئی اس عاجز کی ہزارہا لوگوں میں مشہُور ہو چکی ہے۔ اَور میرے خیال میں شاید دس لاکھ سے زیادہ آدمی ہوگا کہ جو اِس پیشین گوئی پر اطلاع رکھتا ہے۔ اَور ایک جہان کی اس طرف نظر لگی ہوئی ہے۔ اَور ہزاروں پادری شرارت سے نہیں بلکہ حماقت سے منتظر ہیں کہ یہ پیشین گوئی جھُوٹی نکلے تو ہمارا پلّہ بھاری ہو لیکن یقیناً خُدائے تعالیٰ اُن کو رُسوا کرے گا۔ اَور اپنے دین کی مدد کرے گا۔ میں نے لاہور میں جاکر معلوم کیا کہ ہزاروں مُسلمان مساجد میں نماز کے بعد اِس پیشین گوئی کے ظہُور کے لیے بصدق دِل دُعا کرتے ہیں۔ سو یہ اُن کی ہمدردی اَور محبّتِ ایمانی کا تقاضا ہے۔ اَور یہ عاجز جیسے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر ایمان لایا ہے ویسے ہی خُدائے تعالےٰ کے اِن اِلہامات پر جو تواتر سے اس عاجز پر ہُوئے ایمان لاتا ہے اور آپ سے ملتمس ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے اِس پیشین گوئی کے پُورا ہونے کے لیے معاون بنیں۔ تاکہ خُدائے تعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ خُدائے تعالیٰ سے کوئی بندہ لڑائی نہیں کرسکتا۔ اَور جو امر آسمان پر ٹھہر چکا ہے زمین پر وُہ ہرگز بدل نہیں سکتا۔ خدائے تعالیٰ آپ کو دین اَور دُنیا کی برکتیں عطا کرے۔ اَور اَب آپ کے دِل میں وُہ بات ڈالے جس کا اُس نے آسمان پر سے مجھے اِلہام کیا۔ آپ کے سب غم دُور ہوں اَور دِین اَور دُنیا دونوں آپ کو خُدائے تعالیٰ عطا فرماوے۔ اگر میرے اِس خط میں کوئی ناملائم لفظ ہو تو معاف فرماویں۔ والسّلام

خاکسار احقر العباد غلام احمد عفی عنہ، ۱۷۔ جولائی ۱۸۹۲ء
بروز جمعہ (از کلمۂ فضل رحمانی)

ان لفظوں سے ظاہر ہے کہ مرزاجی اپنے اغراضِ نفسانی کو پُورا کرنے کے لیے عموماً بقول حافظ شیرازیؒ ؎

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش و لے — دام تزویر مکن چُوں دگراں قرآں را

اِسلام اَور قرآن ہی کو پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر چُونکہ خُدا اپنے دِین کا آپ حامی ہے کسی ایسے ویسے اِلہامی وغیرہ کی حمایت پر اُس کی اِمداد موقوف نہیں۔ اِس لیے ہمیشہ مرزاجی کو ناکامی ہوتی ہے[1]۔ اَور یہ بھی ایک معنی ہیں قطع الوتین[2] کے۔ انتہیٰ۔

ناظرین خُدارا انصاف۔ کیا ایسی ہی پیشین گوئیاں کرنے والے کو مُطابق (اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ) کے نبی اَور رسُول بننے کا حق ہے؟ جیساکہ قادیانی صاحب اِس اِشتہار سے پہلے بھی بڑے زور سے لکھ چکے ہیں۔ دیکھو توضیح صفحہ ۱۸۔ کہ :-

۱۔ محدّث بھی ایک معنے سے نبی ہوتا ہے کیونکہ وُہ خدائے تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔

---

[1] جب ہی تو ذِلّت کی مُوجب ہُوتی ہے۔ ۱۲ [2] آیت لقطعنا منه الوتين (اس کی شہ رگ کاٹ دیں گے) کی طرف اِشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

۲۔ اُمورِ غیبیہ اُس پر ظاہر کیے جاتے ہیں۔

۳۔ رسُولوں اَور نبیوں کی طرح اس کی وحی کو بھی دخلِ شیطان سے منزّہ کیا جاتا ہے۔

۴۔ مغزِ شریعت اُس پر کھولا جاتا ہے۔

۵۔ وُہ بعینہٖ انبیاء کی طرح مامُور ہوکر آتا ہے۔

۶۔ انبیاء کی طرح اُس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں باآوازِ بلند ظاہر کرے۔

۷۔ اس سے اِنکار کرنے والا ایک حد تک مستوجبِ سزا ٹھہرتا ہے۔ اَور نبوت کے معنی بجز اس کے اَور کُچھ نہیں کہ امُورِ متذکرہ بالا اس میں پائے جاویں۔ انتہیٰ بعبارتہٖ۔

امروہی صاحب کیا یہ پیشین گوئیاں اَور دُعائیں مُشتے نمُونہ از خروارے آپ کے پیغمبر کی نبوت پر اَور آپ کے ایمان پر خاک نہیں ڈالتیں۔ اگر پیشین گوئی بھی سچّی نکلے اَور دُعا بھی مستجاب ہو تو کیا فرمانِ "خاتم النبیین" کے برخلاف آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کوئی نبی ہو بھی سکتا ہے؟

سوال

بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی نبی یا رسول صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا۔ کما قال الشیخ الاکبر فی الباب الثالث والسبعین وھذا معنے قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی ای لا نبی بعدی یکون علی شرع یخالف شرعی الخ اور قادیانی نبوت اور رسالت غیر تشریعیہ کا مدعی ہے۔

جواب

پہلے گذر چکا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ کو ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دے کر (الا انہ لا نبوۃ بعدی) کے ساتھ نبوت کی نفی کر دی مع آں کہ ہارون کی نبوت غیر تشریعی تھی یعنے موسوی شریعت سے الگ کوئی شرع ان کے پاس نہیں تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، کوئی نبی غیر تشریعی بھی نہیں ہو سکتا۔ رہا شیخ اکبر کا حوالہ سو وہ قادیانی کو ضرر ہے مفید نہیں۔ کیونکہ وہ اسی باب میں عیسی بن مریم کو بعینہٖ بغیر کسی مثیل کے زندہ بجسدہ العنصری زمین پر اتارتے ہیں۔ دیکھو اسی باب کا صفحہ ۶ جس میں لکھتے ہیں۔ ابقی اللہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الرسل الاحیاء باجسادھم فی ھذہ الدار الدنیا ثلثۃ الی ان قال وابقی فی الارض یعنی الیاس وعیسی وکلاھما من المرسلین۔ اور نیز حضرت شیخ گو کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام نبوت کے تحقق کا قول فرماتے ہیں۔ مگر نبی کہلانے اور کہنے کو جائز نہیں رکھتے۔ چنانچہ اسی باب کے صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں۔ فسددنا باب اطلاق النبوۃ علی ھذا المقام۔ اور نیز فتوحات کے فصل تشہد میں فرماتے ہیں۔ (فانہ لو عطف علیہ لسلم علی نفسہ من جھۃ النبوۃ وھو باب قد سدہ اللہ کما سد باب الرسالۃ عن کل مخلوق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی یوم القیامۃ) یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت اور رسالت کا دروازہ سب مخلوق پر بند کیا گیا۔

سوال

قادیانی کی اس قدر مغلطہ فہمیں کس طرح مجنونی سمجھی جاویں۔

جواب

پہلے ملہمین و محدثین لکھ گئے ہیں کہ کبھی شیطان انسان کے قلب پر بہکانے کے لیے کوئی مضمون خاص ڈالتا ہے اور کبھی امر عام۔ جس سے نتائج عجیبہ وغریبہ نکلوا تا ہے۔ جیسا کہ ما نحن فیہ میں قادیانی صاحب نتائج نکال رہے ہیں۔ قال الشیخ الاکبر

فی الباب الخامس والخمسین وحدث فیما بینھما فی الانسان شیطان معنوی الخ کما مرفی صـ ۳۶-۳۸ من ھذا الکتاب یعنی شیاطین بعض آدمی کو ایسا مضمون پکڑا دیتے ہیں جس سے وُہ نتائج مُہلکہ نکالتا ہے۔ اور اس اغوائے شیطانی کی تردید نہیں کرسکتا۔ اور پھر ایسا مشّاق ہو جاتا ہے کہ شیطان کو بھی شاگرد بنالیتا ہے۔ کما قال الشیخ فی ھذا الباب وما علموا ان الشیاطین فی تلک المسائل تلمیذ لھو یتعلمو منھو۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم شہِ لولاک و مالکِ اعطیت علم الاولین والآخرین نے تمام اُمور کو جو قیامت تک ہونے والے ہیں بطور پیشین گوئی کے بیان فرمایا ہے۔ حذیفہ بن الیمان کی حدیث صحیحین میں ملحوظ ہو چنانچہ اِس مدت تیرہ سو برس تک صدہا اُمور جو احادیث میں مندرج تھے مُطابق اِرشادِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام ظہور میں آکر حُجّت علی المنکرین ہُوئے مِن جُملہ ان کے ایک پیشین گوئی یہ بھی ہے جو بروایتِ مقدام بن معدی کرب ابن ماجہ اور دارمی و ابوداؤد میں مذکور ہے۔

ترجمہ حدیث۔ فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور قرآن کے ساتھ اس کی مثل بھی۔ خبردار ہو۔ قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا (کھاتا پیتا مغرور) شخص اپنے چھپر کھٹ پر بیٹھا یہ کہے گا کہ تم صرف قرآن ہی کو لو۔ اور جو اس میں حلال ہو اُس کو حلال سمجھو اور جو حرام ہو اُس کو حرام خیال کرو۔

تحقیق یہ ہے کہ جس کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حرام فرماتے ہیں وُہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ خُدا نے اُسے حرام کیا ہے۔ یہ پیشین گوئی ۱۳۰۸ھ میں ظاہر ہوئی۔ یعنے مرزا غلام احمد قادیانی نے احادیث کی صحت کا مدار قرآن مجید کو مُطابق اِجتہاد و اِستنباط اپنی کے ٹھہرایا۔ یعنی پہلے قرآن کریم کا مطلب حسب مدعیٰ اپنے کے ٹھہرایا جاوے، گو کہ نصُوص کا اِنکار و تحریف ہی ہو۔ اور بعد ازاں احادیث کو، اگرچہ مع الصحت شہرت بھی رکھتی ہوں پھینک دیا جاوے۔ ہاں اگر حدیث کو بھی پیرایہ تحریف پہنایا جاوے، گو کہ صحت ہم ندارد، تو البتہ مقبول ہو سکتی ہے۔

قادیانی اور اس کے تابعین کے بارہ میں عُمر رضی اللہ عنہ نے بھی پیشین گوئی فرمائی ہے جو ترجمانِ غیب تھے۔ عن ابن عباس قال خطبنا عمر فقال یا ایھا الناس سیکون قوم من ھذہ الامۃ یکذبون بالرجم ویکذبون بالدجال ویکذبون بطلوع الشمس من مغربھا الخ۔ ترجمہ:۔ کہا ابنِ عباسؓ نے عُمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خُطبہ میں پیشین گوئی فرمائی کہ اے لوگو اِس اُمت میں سے ایک قوم پیدا ہونے والی ہے جو رجم کی تکذیب کرے گی اور دجال معہُود کا اِنکار کرے گی اور مغرب کی طرف سے آفتاب کے طلُوع ہونے کو باطل کہے گی۔ الخ ازالۃ الخفا صفحہ ۱۸۱۔

نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان تیس ۳۰ کذّابوں کے وجُود سے اطلاع دی جو کہ اپنے کو خُدا کا نبی زعم کریں گے۔ سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلھو یزعم انہٗ نبی اللہ۔ راوی ثوبان۔ ابوداوٗد۔ ترمذی۔ مشکوۃ اور نیز ان تیس ۳۰ دجالوں کے حدُوث سے آگاہ فرمایا جو اپنے کو خُدا کا رسُول ہونا زعم کریں گے۔ لاتقوم الساعۃ حتیٰ یبعث دجالون کذابون قریب من ثلثین کلھو یزعم انہٗ رسول اللہ۔ ابُوہریرہ۔ صحیح بُخاری۔ صحیح مُسلم۔

پس اگر ان پیش گوئیوں کو بھی خارج میں مطابق کرکے دیکھا جاوے تو مسیلمہ کذّاب اور اسود عنسی اور حمدان بن قرمطر کے بعد یہی قادیانی صاحب ہیں جنھوں نے اپنے کو نبی سمجھا۔ اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۷۳ میں آیہ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ کے تحت لکھا کہ آنے والے کا نام جو احمد کہا گیا ہے وُہ بھی اِسی مثیل کی طرف اِشارہ ہے۔ اور اشتہار معیار الاخیار میں شائع کیا۔ کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا فھل انتم مسلمون۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے قادیانی، لوگوں سے یہ کہہ دے کہ میں تم سب کی طرف خُدا کا رسُول ہو کر آیا ہُوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

علاماتِ ظہورِ مہدی

ناظرین پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا ہو گا کہ امروہی صاحب اپنے اِس قول (وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا خَاتَمُ النَّبِیِّیْن لانبی بعدہٗ) میں تب ہی صادق سمجھے جاویں گے جب کہ قادیانی صاحب کو نبوّت کے دعوے میں کاذب سمجھیں اور مشاہرہ معیّنہ کے لالچ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو مُطلق رازق جانیں۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ قادیانی صاحب نے اپنے مسیح موعود ہونے پر اُس حدیث رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِستدلال کیا ہے جس میں خسُوف اور کسُوف رمضان مُبارک میں جمع ہونا نزُولِ مسیح کی علامت فرمائی گئی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ میرے دعویٰ کے ثبُوت میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔ دیکھو مکتوب عربی صفحہ ۱۷۷۔ ایسا ہی اس نبی کے مومن امروہی صاحب اپنی کتاب شمسِ بازغہ صفحہ ۳ سطر ۲۰ پر فرماتے ہیں۔

قولہٗ۔ مثلاً اِجتماع سُورج گرہن و چاند گرہن کا ماہِ مُبارک رمضان شریف میں جو نشان صدق مہدی علیہ السّلام کا کُتبِ احادیث میں مندرج تھا۔ جب کہ ۱۳۱۱ھ میں واقع ہوا تو تمام دُنیا میں پیشتر وقوع ہی سے اس کا شہرہ ہو گیا تھا۔ ہیئت دانوں اور منجّموں نے پیشتر وقوع سے ہی اس کو شائع کر دیا تھا۔ اور بعد از وقوع تو کوئی بستی بھی نہ رہی ہو گی جس میں اس کا چرچا واقع نہ ہوا ہو۔ اَب کس کی مجال ہے کہ اس کو مخفی کرے۔

اقول۔ دارقطنی میں مُحمّد بن علی سے مروی ہے کہ مہدی موعُود کے ظہُور کے لیے دو ایسی علامتیں ہیں جو ابتداءِ پیدائش آسمان و زمین سے کبھی واقعہ نہیں ہُوئیں۔ اور وُہ یہ ہیں کہ رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن ہو گا اور نصفِ رمضان میں کسُوفِ آفتاب ہو گا۔ ان للمھدی آیتین لم تکونا منذ خلق السمٰوات والارض ینکسف القمر فی اول لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی نصف منہ۔ الفاظ "فی اول لیلۃ من رمضان" کا ترجمہ لڑکے بھی جانتے ہیں کہ رمضان کی پہلی رات یعنی پہلی رات رمضان میں خسُوف ہو گا اور رمضان کے پندرھویں دِن کو کسُوف۔ اِنقلاب زمانہ کی وجہ سے چُونکہ ہلال کو بھی قمر کی طرح خسُوف عارض ہو گا۔ تو گویا ہلال قمر ہوا۔ لہٰذا اس حدیث میں قمر کا اطلاق بھی پہلی رات کے چاند پر کیا گیا۔ چنانچہ تغیّرِ زمانہ کی وجہ سے قربِ قیامت کے ایک دن والے کو بُوڑھا کہا جائے گا۔ سو یہ آج تک واقع نہیں ہوا۔ اور نیز یہ نزُولِ مسیح کی علامت نہیں۔ بلکہ یہ ظہُورِ مہدی کی علامت ہے کہ برخلاف عادتِ زمان اور برخلاف حسابِ منجّمان رمضان کی پہلی تاریخ خسُوف ہو گا اور اسی کی پندرھویں کو کسُوف ہو گا۔ اور جیسا کہ یہ علامت ظہُورِ مہدی کی وقوع میں نہیں آئی۔ ایسا ہی باقی علامات بھی آج تک ظاہر نہیں ہُوئیں۔

۱۔ قریبِ ظہُورِ مہدیؑ کے دریائے فرات کُھل جائے گا۔ اور اس میں ایک سونے کا پہاڑ ظاہر ہو گا۔

۲۔ آسمان سے ندا ہو گی الا ان الحق فی آل مُحمّد۔ اَے لوگو حق آلِ مُحمّدؐ میں ہے۔

شناختِ مہدی کی علامات

۱۔ اُن کے پاس رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا کُرتہ، تیغ اور عَلَم ہوں گے۔ یہ نشان بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کبھی نہ

نکلا ہوگا۔ اس پر لکھا ہوا ہوگا۔ البیعۃ للّٰہ بیعت اللہ کے واسطے ہے۔

۲۔ اِمام مہدیؑ کے سر پر ایک بادل سایہ کرے گا۔ اس میں سے ایک پُکارنے والا پُکارے گا۔ ھٰذا المھدی خلیفۃ اللّٰہِ فاتبعوہ۔ یہ مہدی خلیفہ خُدا کا ہے۔ اِس کا اِتباع کرو۔

۳۔ وُہ ایک سُوکھی شاخ خشک زمین میں لگائیں گے ہری ہو جاوے گی۔ اَور اُس میں برگ و بار آوے گا۔

۴۔ وُہ کعبہ کے خزانہ کو نکال کر تقسیم کر دیں گے۔

۵۔ دریا اُن کے لیے یُوں پھٹ جائے گا جیسا کہ بنی اِسرائیل کے لیے پھٹ گیا تھا۔

۶۔ اُن کے پاس تابُوتِ سکینہ ہوگا۔ جسے دیکھ کر یہُود اِیمان لائیں گے۔ مگر چند۔

۷۔ اِمام مہدیؑ اہلِ بیتِ نبویؐ سے ہوں گے۔ عن ابن مسعودؓ قال قال رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم لا تذھب الدنیا ولا تنقضی حتی یملك رجل من اھل بیتی یواطئ اسمہ اسمی۔ ابو داوٗد۔ ترمذی۔ دُنیا ختم نہ ہوگی جب تک میری اہلِ بیت سے ایک شخص جس کا نام میرے نام پر مُحمّدؐ ہوگا۔ دُنیا کا مالک نہ ہو جاتے۔ ابُو داوٗد کی دُوسری روایت میں ہے یواطئ اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی۔ اس کا نام میرے نام پر اَور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا یعنی مُحمّد بن عبد اللّٰہ المھدی من عترتی من ولد فاطمۃؓ۔ ابُو داوٗد۔ حاکم۔ ابنِ ماجہ۔ عن اُمِّ سلمہ۔ مہدیؑ میرے کُنبہ میں سے فاطمہؓ کی اَولاد سے ہوں گے۔

۸۔ اُن کا مولد مدینہ طیبہ ہے۔ رواہ ابُو نعیم عن علی کرم اللّٰہ وجہہٗ۔

۹۔ مہاجر یعنی جگہ ہجرت اُن کی بیتُ المقدس ہوگی۔

۱۰۔ حُلیہ اُن کا یہ ہے:۔ گندم رنگ کم گوشت۔ میانہ قد۔ کُشادہ پیشانی۔ بلند بینی۔ کمان ابرُو۔ دونوں ابرُو میں فرق۔ بزرگ اَور سیاہ چشم۔ سُرمگیں آنکھ۔ دانت روشن اَور جُدا جُدا۔ دہنے رُخسار پر تِل سیاہ۔ چہرہ نُورانی ایسا روشن جیسا کوکب دُری۔ رِیش پُر انبوہ۔ کُشادہ ران۔ عربی رنگ۔ اسرائیلی بدن۔ زبان میں لُکنت۔ جب بات کرنے میں دیر ہوگی تو ران چپ پر ہاتھ ماریں گے۔ کفِ دست میں نبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کی نشانی ہوگی۔ یہ سب احادیث مؤلفات نواب مُحمّد صدیق حسن سے لی گئی ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ پیشین گوئی اَور ایسی ہی مسیح موعُود والی اَور ایسی ہی دجّال شخصی کی ان سب میں آں حضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے مفصل طور پر حُلیہ کا بیان فرمایا۔ جس میں کسی قسم کا اِشتباہ نہ ہو۔ گویا یہ پیشین گوئی در پیشین گوئی ہے۔ یعنی غُلام احمد قادیانی یا امثال اس کے مسیح موعُود ہونے یا مہدی موعُود ہونے کا دعویٰ کریں گے اَور بالخصوص غلام احمد قادیانی دجّال شخصی کا منکر ہوگا۔ گویا آپ نے پہلے ہی مفصل حُلیہ بیان فرما کر ان کی تکذیب پر علامات سمجھا دیئے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر ان خلل اندازوں کا آں حضرت صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کو علم اَور اندیشہ نہ ہوتا تو بیان میں اتنے اِہتمام کی ضرُورت ہی کیا ہے۔ ضرُورت کی وجہ تو یہی ہے کہ یہ مدعیان اَور ان کے مؤیدان جیسے

ؔ قادیانی صاحب اِشتہار مذکُور میں لکھتے ہیں کہ مہدی موعُود کے فاطمی ہونے کی کیا ضرُورت ہے۔ اجی حضرت ضرُورت تو اس لیے ہُوئی کہ مُخبر صادق صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم نے خبر دی ہے۔ آپ فرمائیے کہ مُغل بچہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ پھر فرماتے ہیں مہدی موعُود بجائے نواسہ ہونے کے آپ کا بیٹا ہونا چاہیئے تھا کیوں حضرت! کوئی چار کونسی مضمون تو نہیں۔ بلکہ آپ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کو جیسا بذریعہ وحی معلوم ہُوا۔ اُسی طرح بیان فرمایا۔ آپ فرمائیے کہ فاطمی ہونے کی منافات کیا ہے۔ مہدویت۔ بلکہ تبلیغ واحیاء دین کا زیادہ مستحق اَور وارث فاطمی ہی ہے۔ ۱۲ منہ۔

امروہی صاحب ؏

بدوزد طمع دیدۂ ہوش مند

یا یوں کہو ؏

"ازاں بہ کہ جاہل بود غم گسار"

کے مصداق، اور اُن جیسے دُوسرے حضرات جو حق بین والی آنکھ سے، اور صراطِ مستقیم پر چلنے والے قدم سے محرُوم ہیں اور عزتِ اسلام سے سر برہنہ۔ بیت

گنجان و لنگڑان و کوران و شل

ہر آنجا کہ باشند در آں جا خلل

اُمتِ مرحُومہ کو دھوکا نہ دے سکیں۔ فسبحان من جعلہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ آپ نے کمال خیرخواہی سے یہ بیانِ تفصیلی فرمایا۔

نزولِ مسیحؑ ابنِ مریمؑ کی متعلقہ احادیث

اَب ناظرین نزولِ مسیح بن مریم کی احادیث کو بھی مُلاحظہ فرماویں۔

۱۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے اَور عیسٰیؑ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔ اَور وُہ تم میں نزُول فرماویں گے۔ جب اُن کو دیکھو تو (اس حُلیہ سے) پہچان لو۔ قد درمیانہ۔ رنگ سُرخ و سفید، لباس زردی مائل۔ گویا ان کے سر سے باوجُود تر نہ کرنے کے پانی ٹپکتا ہوگا۔ وُہ دینِ اسلام کے لیے لوگوں سے جنگ و قتال کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ خُدائے تعالیٰ اُن کے زمانہ میں تمام مذاہب کو محو کر دے گا۔ صرف اسلام باقی رہے گا۔ وُہ دجّال کو ہلاک کریں گے۔ اور زمین پر چالیس سال تک قیام فرمائیں گے اَور پھر وفات پائیں گے۔ اَور مُسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

۲۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری اُمت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتی رہے گی اَور قیامت تک غالب رہے گی۔ پس عیسٰی ابن مریمؑ اُتریں گے تو امیرِ جماعت کہے گا۔ آیئے نماز پڑھایئے۔ وُہ فرمائیں گے نہیں۔ تم ایک دُوسرے کے امام ہو۔ خُدا نے اس اُمت کو یہ بزرگی دی ہے کہ پیغمبرِ بنی اسرائیل اُمتِ محمدیؐ کے پیچھے اقتداء کریں گے۔ مُسلم کی یہ حدیث جو بروایت جابرؓ ہے واضح طور پر بیان کرتی ہے مُسلم کی دُوسری حدیث کو جو بروایت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ کیف اذا انزل فیکم ابن مریم و امامکم منکم یعنی و امامکم منکم سے دُوسرا شخص عیسٰی بن مریم کا مغائر مُراد ہے نہ جیسا کہ مرزاجی نے اپنے مطلب کے لیے وھو امامکم نکال کر امام بھی وُہی ابنِ مریم یعنی مثیل ابنِ مریم ٹھہرایا ہے۔

۳۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں شبِ معراج میں ابراہیمؑ و مُوسٰیؑ و عیسٰیؑ سے ملا۔ قیامت کے بارہ میں گفتگو ہونے لگی۔ فیصلہ حضرت ابراہیمؑ کے سپُرد ہوا۔ اُنھوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ پھر حضرت مُوسٰیؑ پر بات ڈالی گئی اُنھوں نے کہا۔ مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ پھر حضرت عیسٰیؑ پر اس کا تصفیہ رکھا گیا۔ اُنھوں نے کہا قیامت کے وقت کی خبر تو خُدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ ہاں خدائے تعالیٰ نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجّال نکلے گا۔ اَور میرے ہاتھ میں شمشیرِ برندہ ہوگی۔ جب وُہ مجھے دیکھے گا تو پگھلنے لگے گا۔ جیسے رانگ پگھل جاتا ہے۔ ناظرین ذرا مرزاجی سے پُوچھیں۔ کہ کیا شبِ معراج میں آپ ہی تھے۔ اَور اگر آپ کے عیسٰیؑ بن مریمؑ نے نزُول برُوزی بصُورتِ قادیانی سے خبر دی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نزُول برُوزی بصُورتِ قادیانی سے جیسا کہ آپ کا مزعُوم ہے کیوں نہ خبر دی۔

۴۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے خُدا پاک کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بے شک قریب ہے کہ ابنِ مریمؑ تم میں حاکمِ عادل ہو کر اُتریں گے صلیب کو توڑیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ کو اُٹھائیں گے۔ مال کی کثرت

ہوجائے گی۔ اور زر و مال کو کوئی قبول نہ کرے گا۔ یہاں تک کہ تمام دُنیا اور دُنیا بھر کے مال و متاع سے ایک سجدہ کرنا اچھا معلوم ہوگا۔ ابو ہریرہؓ کہتے تھے۔ اگر تم ارشادِ نبویؐ کے ساتھ قرآن سے دلیل چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ۔ (نساء : آیت ۱۵۹)

۵۔ عیسٰی علیہ السّلام زمین میں چالیس سال قیام فرماویں گے۔ اگر وُہ پتھریلی زمین سے کہہ دیں کہ شہد ہو کر بہہ جاؤ وہ بہہ چلے۔ پہلی حدیث، ابُوداؤد۔ دُوسری مُسلم۔ تیسری، مسند احمد۔ چوتھی، بُخاری۔ پانچویں، مسند کی ہے اور مختلف صحابہ سے مروی ہیں۔ خاتم المحدّثین امام شوکانی نے کتاب التوضیح میں اِن احادیث کو متواتر کہا ہے۔

خصوصیاتِ زمانہ نزولِ مسیح علیہ السّلام

۱۔ ان کے زمانہ میں جزیہ نہ لیا جائے گا کیونکہ مال کی مُسلمانوں کو کچھ ضرورت نہ ہوگی۔ آج کے عیسٰی بننے والے خود ہی چندہ کے (کبھی تو بحیلۂ منارہ اور کبھی بہ بہانۂ تصنیف اور کبھی بذریعۂ مسافر نوازی) محتاج ہیں۔

۲۔ مُسلمان اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا۔ اور اسے زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملے گا۔ سب متموّل اور تونگر ہوں گے۔ آج دُنیا کی تمام اقوام میں سب سے زیادہ مُفلس اور غریب مُسلمان ہیں۔ زکوٰۃ دہندگان نہایت ہی قلیل ہیں۔

۳۔ آپس کے بُغض اور عداوتیں جاتی رہیں گی۔ سب میں اتحاد اور محبت قائم ہو جائے گی۔

۴۔ زہریلے جانور کا زہر جاتا رہے گا۔ وحُوش میں سے درندگی نکل جائے گی۔ آدمی کے بچے سانپ بچھو سے کھیلیں گے۔ ان کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔ بھیڑیا بکری کے ساتھ چرے گا۔

۵۔ زمین صُلح سے بھر جاوے گی۔

۶۔ زمین کو حُکم ہوگا کہ اپنے پھل پیدا کر۔ اور اپنی برکت لَوٹا دے۔ اس دن ایک انار کو ایک گروہ کھائے گا۔ اور انار کے چھلکے کو بنگلہ سا بنا کر اُس کے سایہ میں بیٹھیں گے۔ دُودھ میں برکت ہوگی۔ یہاں تک کہ ایک دودھار اُونٹنی آدمیوں کے بڑے گروہ کو۔ دودھار گائے ایک برادری کے لوگوں کو، اور دودھار بکری ایک جدی شخصوں کو کفایت کرے گی۔

۷۔ گھوڑے سستے بکیں گے۔ کیونکہ لڑائی نہ رہے گی۔ بیل گراں قیمت ہو جاویں گے کیونکہ تمام زمین کاشت کی جائے گی۔

سیرتِ مسیح

۱۔ عیسٰی علیہ السّلام جامع مسجد دمشق میں مُسلمانوں کے ساتھ نمازِ عصر پڑھیں گے۔ پھر اہلِ دمشق کو ساتھ لے کر طلبِ دجال میں نہایت سکینہ سے چلیں گے۔ زمین اُن کے لیے سمٹ جاوے گی۔ ان کی نظر قلعوں کے اندر گاؤں کے اندر تک اثر کر جاوے گی۔

۲۔ جس کافر کو ان کے سانس کا اثر پہنچے گا وُہ فوراً مر جائے گا۔

۳۔ یہ بیت المقدس کو بند پاویں گے۔ دجّال نے اُس کا محاصرہ کر لیا ہوگا۔ اس وقت نمازِ صبح کا وقت ہوگا۔

۴۔ ان کے وقت میں یاجُوج ماجُوج خرُوج کریں گے۔ تمام خشکی و تری پر پھیل جائیں گے۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام مُسلمانوں کو کوہِ طُور پر لے جاویں گے۔

۵۔ یہ روضۂ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس مدفُون ہوں گے۔ مُسلمان اُن کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

۶۔ دجّال کو بابِ لُدّ پر قتل کریں گے۔ اس کا خون اپنے نیزہ پر لوگوں کو دِکھلاویں گے۔

امروہی صاحب! دعویٰ کرنا تو آسان ہے ثبوت دینا مشکل ہو جاتا ہے۔

ناظرین کو بعد مُلاحظہ مضامین احادیث صحیحہ مذکورہ بالا کے کالشمس فی نصف النہار واضح ہو چکا ہے کہ مسیح موعُود وُہی مسیح بن مریم ہے۔ نہ مثیل اُس کا۔ بعد اس قطعی المراد ہونے اس نبی اللہ کے احادیثِ نزول سے غلام احمد قادیانی وغیرہ ہرگز مُراد نہیں ہو سکتے۔ اب کسی فقرہ احادیث میں اگر مجاز و تشبیہ و استعارہ بھی ہو، تو وہ اِس پر دلیل نہیں ہو سکتی کہ عیسیٰ ابن مریم کے لفظ سے مجاز وغیرہ کے طور پر قادیانی لیا جاوے۔ کیونکہ یہاں پر قرینہ صارفہ قطعیۃ الدلالۃ موجُود ہے۔ مرزا صاحب کا اجتماع کسُوف و خسُوف کو جو مہدی کے ظہُور کے علامات میں سے ہے اَور ابھی تک وقوع میں نہیں آیا، کمَا مَرَّ اپنے مسیح موعُود ہونے کے لیے دلیل ٹھہرانا، اس پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک مسیح موعُود اَور مہدی موعُود ایک ہی شخص ہے۔ اَور اُوپر احادیثِ صحیحہ سے واضح ہو چکا ہے کہ مسیح موعُود تو ابنِ مریم خُدا کا نبی ہے جس کے اَور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہؤا۔ اَور مہدی اہلِ بیتِ نبوی سے ہوگا۔ مرزا صاحب بمعہ اتباع کے لامھدی الاعیسٰی کے ساتھ تمسّک ہیں۔ مگر یہ استدلال بالکل ضعیف اَور اوھن من بیت العنکبوت ہے۔ کیونکہ

اوّل تو یہ حدیث علّامہ زرقانی نے مردُود ٹھہرائی ہے۔

دوئم یہ کہ اس کو ابنِ ماجہ نے اخراج کیا ہے۔ حالانکہ خود ابنِ ماجہ ابی امامہ کی حدیث میں تصریح فرما رہے ہیں کہ عیسیٰ کے نزُول کے وقت بیت المقدس میں ایک رجل صالح نماز کی جماعت کرا رہا ہوگا کہ اتنے میں عیسیٰ کا نزُول ہوگا۔ اَور وُہ امام پچھلے پاؤں پر ہٹنا چاہیے گا تا کہ عیسیٰؑ آگے بڑھے۔ اَور یہی مضمون ہے امام بُخاریؒ کی حدیث کا جو بروایتِ ابُو ہریرہؓ مذکُور ہے۔

سوئم۔ بعد تسلیم صحت کے چُونکہ یہ فقرہ ٹکڑا ہے حدیثِ طویل کا، جو انقلاب و تغیّر زمانہ کے بارہ میں فرمائی گئی۔ اَور ماقبل اس کے ولن تقوم الساعۃ الاعلی شرار الناس (ترجمہ۔ ہرگز قیامت قائم نہ ہوگی مگر اُوپر شریروں کے) موجُود ہے۔ لہٰذا سیاق و سباق کے لحاظ سے معنی یہ ہؤا کہ اَور کوئی ہدایت یافتہ نہ ہوگا بغیر عیسیٰؑ کے یعنی قیامت کے قریب بغیر عیسیٰؑ بن مریم اَور اِتباع اس کے سب شریر ہوں گے۔ لفظ (شرار) کا جو جمع ہے شریر کی، صاف بتلا رہا ہے کہ مہدی سے مُراد معنی وصفی یعنی ہدایت یافتہ ہے نہ علمی۔

قولہ ۔ صہ یا تمثال حلیہ مسیح موعُود جو احادیث میں آیا تھا۔ بذریعہ ہزار ہا رسائل و اشتہارات کے ایک عالم میں شائع ہو چکا۔ حتیٰ کہ فوٹوگرافروں نے اس کا عکس کھینچ کر ایک دُنیا میں شائع کر دیا۔ اَب یہ حُلیہ کوئی پوشیدہ کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اقول ۔ حلیہ مسیح موعُود مع سائر خصُوصیات کے جو بغیر اس نبی اللہ کے کسی پر منطبق نہیں ہو سکتا۔ بذریعہ بہتیری کتب مصنفہ اہل تحقیق کے جو آج تک محدّثین میں متداول ہیں شائع ہو چکا۔ برخلاف اس کے اگر کوئی فوٹوگرافروں سے تصویر کھنچوائے تو اس سے مسیح موعُود نہیں ہو سکتا۔ ہاں بہ سبب تحلیل ما حرّم اللہ و رسُول کے ملعونیت کا تمغہ حاصل کر سکتا ہے۔

قولہ ۔ صہ اس جگہ پر ہم تصویر کے جواز یا عدم جواز میں کچھ گفتگو نہیں کرتے۔ ہاں مخالفین کو اس قدر متنبہ کیے دیتے ہیں کہ یہ تو سب کو معلوم ہوگا کہ تصویر کی حُرمت حُرمت لغیرہ ہے۔ حُرمت لذاتہٖ نہیں۔ جیساکہ بُت خانہ میں جانا بحُرمتِ لغیرہ حرام ہے بُت پرست جو بُت خانہ میں بُت پرستی کے لیے جاتا ہے اُس کو بُت خانہ میں جانا بھی حرام ہے لیکن بُت شکن کو بھی بُت خانہ میں جانے کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ اُس کو بُت خانہ میں جانا بڑا ثواب ہے۔ ع بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کُجا۔ ولنعم ماقیل ؎

احمدؐ و بُوجہل در بُت خانہ رفت ۔۔۔ درمیانِ این و آں فرقیست زفت

اقول ۔ الحمد للہ ع عدو شود سبب خیر گر خُدا خواہد

آپ نے مرزا صاحب کے عکس کھینچنے کو جب حرام ٹھہرا کر گو کہ لغیرہٖ سہی بُت خانہ میں جانے کے ساتھ تشبیہ دی تو اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جیسا کہ بُت خانہ میں جانا بُت شکنی کے لیے جائز، اَور بُت پرستی یعنی بُتوں کی تعظیم کرنے کے لیے حرام ہے۔ ایسا ہی مرزا صاحب کی تصویر کی طرف جانا تصویر شکنی کے لیے جائز اَور تصویر پرستی یعنی اس کی تعظیم کرنے کے لیے حرام ہو گا۔ اَور ظاہر ہے کہ تصویر کا بنانا اَور اس کا رکھنا تعظیم اَور برکت جوئی کے لیے ہے نہ اس کے توڑنے اَور تحقیر کے لیے

آذر و بُوجہل در بُت خانہ رفت　　ہر یکے را قصد بُد آں بُت پرست
بُت تراشی آذر از تعظیم بُود　　سجدۂ بُوجہل از تکریم بُود

مولانا رُومؒ صاحب کا شعر یہاں پر بے موقعہ تھا ؎ بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

قولہ - صلا یا مثلاً قادیان کا جانب شرقی دمشق ہونا جو علمِ جغرافیہ سے ہم نے ثابت کر دیا ہے۔ وُہ تمام نقشہ جات میں لکھا ہوا ہے۔ کیا اب اس کو کوئی رد کر سکتا ہے کلا وحاشا وغیرہ وغیرہ۔

اقول - شرقی دمشق چُونکہ نواس بن سمعان والی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ اَور مرزا جی اِس حدیث کی نسبت لکھ چکے ہیں کہ اس کے مضامین عقل، شرع، توحید کے خلاف ہیں۔ لہٰذا مرزا صاحب کا اِستدلال اس حدیث سے اَور آپ کی جانفشانی جس پر لڑکے بھی ہنسی اُڑا رہے ہیں عقل، شرع، توحید کے خلاف ہو گا۔ دُوسرا جب کہا جاوے۔ شرقی دہلی یا شرقی لاہور، تو دہلی یا لاہور کے مضافاتِ قریبہ سے کوئی جگہ جو جانبِ شرق میں واقع ہو، مُراد ہوتی ہے۔ نہ یہ کہ ہزارہا کوس کے فاصلہ پر جو کہ شرق میں واقع ہو وُہ مُراد لی جائے۔ ونِعم ما قیل ؎

چہ عُذر ہائے موجّہ زبہر خُود گفتی　　بحُسن لعابِ دہانت کہ قندِ مصری ائی
تمام عرصہ قیامت مگس فرو گیرد　　اگر چنیں بہ قیامت شکر فروش آئی

نیز دمشق سے اگر خطِ مستقیم سیدھا جانبِ شرق کو کھینچا جائے تو لاہور بلکہ جموں وغیرہ بھی راستہ میں نہیں پڑتا۔ دیکھو نقشۂ ایشیا، مرتبہ و مروّجہ مدارس سرکاری۔ دمشق سے جانبِ شرق اگر ایک خطِ مستقیم کھینچا جائے تو حسب ذیل مشہور مقامات سے عبُور کرے گا۔ تبریز۔ بحیرہ خرز یا جیل۔ شمالی حصّہ ترکستان سلسلہ کوہ الطائی صحرائے منگولیا صُوبہ منچوریا۔ اَب آپ اگر چشم حق بین کو کھول کر بنظرِ انصاف مُلاحظہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ خطِ مذکور قادیان سے بجانب شمال ہزار میل سے بھی زیادہ فاصلہ پر گذرتا ہے پس مرزا صاحب کو تو اس کی ہوا کا پہنچنا بھی ناممکن ہے۔ اَب اِنصاف فرمائیے کہ کیا حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول آپ کے دعوے کی پُوری دلیل نہیں ہے؟ ؎

ترسم نرسی بکعبہ اَے اعرابی　　کیں راہ کہ تُو میروی بہ ترکستان است

خط سیدھا عرفی طور پر چھوڑ دو اَور کرویتِ ارض کا لحاظ کرو تو بھی دمشق اَور قادیان ایک محاذات میں واقع نہیں ہوتے بلکہ قادیان سے بجانبِ شمال عبُور کرے گا۔

لے یعنی جن لوگوں کو جن سے عقیدت ہوتی ہے ان کی تصویر عموماً بغرض تعظیم و تبرک رکھتے ہیں اَور شرعاً تصویر کی تعظیم اَور اسے متبرک سمجھنا حرام ہے۔ ۱۲

شمس الہدایت پر قادیانی کے اعتراضات اور اُن کے جواب

قولہ صفحہ ۵۔ منکرین کے لیے کوئی دلیل تکذیب و انکار کی بھی نہیں مل سکتی۔ ہاں صرف یہ بہانہ ہے کہ مجاز و تشبیہ و استعارہ کو ہم نہیں مانتے اور اس کو فقط ظاہر ہی پر محمول کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ طریقہ انکار اُنھوں نے ایسا قبیح اختیار کیا ہے جو مخالف ہے تمام محاورات کُتبِ آسمانی اور محاوراتِ قرآن مجید و سُننِ صحیحہ کے، بلکہ محاوراتِ کُل السنہ مروجہ دُنیا کے بھی خلاف ہے الخ

اقول۔ اُوپر معلوم ہوچکا ہے اور علمائے کرام بواسطہ رسائل و اشتہارات آپ کی جماعت کو بچوں کی طرح سمجھا چکے ہیں کہ قرینہ صارفہ جُونکہ حقیقی معنے کے لینے سے بھی مانع ہوتا ہے تو مجازی کس طرح عند قیام القرینۃ الصارفہ مُراد ہوسکتا ہے۔ احادیثِ نزُول میں جُونکہ مسیح ابن مریم کا متعین المراد ہونا بشہادتِ سیاق و سباق و خصُوصیاتِ زمان مسیح اظہر من الشمس ہے۔ اور اسی لیے اہلِ اجماع آج تک احادیثِ نزُول سے وُہی مسیح بن مریم ہی سمجھتے چلے آئے ہیں۔ تو غلام احمد قادیانی عیسٰی بن مریم سے مجازاً کس طرح مُراد ہوسکتا ہے۔ آپ ہی اگر مرزاجی کی طرح یَأْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ (صف۔ آیت ۶) یا دمشقی حدیث کا مجازی طور پر مصداق نہیں تو بغیر از قاعدہ مقررہ مذکورہ بالا کون روک سکتا ہے۔ اب تو آپ کی جماعت میں سے سمجھ دار لوگ تائب ہوکر مرزاجی اور آپ کے وجُوہِ استنباط پر تبرے بولتے ہیں۔ آپ خواہ بذریعہ اخبار الشرار یا اشتہار یا تصنیفات کے، خلافِ واقعہ اپنے نئے پنتھ کی ترقی شائع کریں مگر مچھر اور مکھی اپنے پروں سے آفتاب کو چھپا نہیں سکتی۔ ہاں صرف اُسی پر پوشیدہ ہوجاوے تو ہوجاوے۔ ولنعم ما قیل شعر۔ واذا امت الذبابۃ للشمس۔ غطاء امدت علیها جناحا۔ ترجمہ۔ جب مکھی سُورج کو چھپانا چاہتی ہے تو اُس کے سامنے دو پر پھیلا دیتی ہے۔

قولہ صٹ۔ مگر جب یہ خاکسار وطن امروہہ سے اواخر مئی سنہ ۱۹۰۰ء میں بمقام قادیان پہنچا تو بعض ان احباب کی زبانی جو حضرت مہر علی شاہ صاحبؒ سے عقدِ دوستی کو توڑ کر داخل سلسلہ الٰہیہ مسیح موعُود و مہدی موعُود ہُوئے ہیں سُنا کہ ایک رسالہ شمس الہدایت فی اثبات حیات المسیح تالیف ہوا ہے۔ اور پنجاب میں اس کا بڑا شور و غل ہو رہا ہے۔ جب دریافت کیا کہ وُہ رسالہ کہاں ہے تو قادیان میں کہیں اس کا پتہ نہ ملا۔ اور کیونکر مل سکتا ہے کہ یہاں پر تو وُہ آفتاب طلُوع ہو رہا ہے جس کے سامنے نام کے نہ کام کے تمام آفتاب کسُوف میں آگئے ہیں۔ یہ تو نام کا ہی شمس ہے نہ کام کا۔ اور قادیان میں کیونکر طلوع ہو سکتا ہے۔ شعر

افلت شموس الاولین وشمسنا

ابدا علی افق العلی لا تغرب

اقول۔ آپ کا قادیان سے جانا جس طرح اظہر من الشمس ہے کہ دراہم معدُودہ کی وجہ سے ناراض ہوکر جانا ہوا تھا۔ اسی طرح پھر آنا آپ کا انھیں دراہم معدُودہ کے لیے ہوا۔ اس سے امروہہ، قادیان، بٹالہ کے لوگ بخوبی واقف ہیں بعض احباب جن کی زبانی آپ نے سُنا تھا۔ اُن کا عقدِ دوستی اس عاجز کے ساتھ ایسا ہی تھا جیسے آپ کا مرزاجی کے ساتھ یعنی دُنیا کے لیے چنانچہ

آج تک سردار محمد ابراہیم خان صاحب کابلی سے وہ سلسلہ جو بذریعہ اس خاکسار کے ہوا تھا موجود ہے شمس الہدایت اسم بامسمیٰ سب رسائل مؤلفہ سے جداگانہ طور پر ممتاز ہے کیوں نہ ہو علاوہ تحقیقاتِ علمیہ کے خیر و برکت بھی ساتھ ہی رکھتا ہے جس کی روشنی اور نور سے ہزار ہا گم گشتگان وادیٔ مرزائیت صراطِ مستقیم پر آئے۔ یہ وہ عصائے موسیٰ ہے جس نے تمھارے تیس سال کے سحروں اور شعبدہ بازیوں کو دفعۃً ہی نگل لیا مخلصی عبدالجبار کاپی نویس یعنی اخبار نویس چودھویں صدی کو معلوم ہے کہ مصنف عفا اللہ عنہ تھوڑے دنوں میں اوقات فاضلہ یعنی ۹ ۔ اور ۱۲ بجے کے مابین دو یا اڑھائی گھنٹہ یا کم و بیش میں روزمرہ کاپی نویس کو حسب الطلب مضامین دیتا رہا۔ اس رسالہ کو آٹھ نو برس کی محنت خیال کرنا، جیساکہ آپ لکھتے ہیں۔ اور آپ کی جماعت کا مزعوم ہے۔ بالکل خلاف واقعہ اور آپ لوگوں کی بزدلی یا ٹوں کھو کر کم لیاقتی کی دلیل ہے۔ اس رسالہ کو آخر رمضان میں مطبع سے نکلتے ہی جناب مولوی محمد غازی صاحب نے سب سے اول قادیان میں مرزا صاحب کے پاس بھیج دیا تھا جس کی رسید کی خبر پختہ مزاجی کے ایک مرید ساکن راولپنڈی سے بعد از عید رمضان گولڑہ میں پہنچی۔ اس نے بیان کیاکہ میں قادیان سے عید کے بعد روانہ ہوا ہوں اور میرے سامنے مرزاجی کو بذریعہ ڈاک ایک کتاب ملی تھی جس کا نام شمس الہدایت تھا۔ حاضرینِ مجلس مرزاجی سے اس کتاب کے بارہ میں پوچھتے تھے مگر مرزاجی اس وقت متفکر ہو رہے تھے۔ میں کہتا ہوں۔ گویا اس وقت اس شعر کا ظہور ہو رہا تھا۔ شعر ؎

افلت شموس القادیان وشمسنا
ابداً علی افق العلی لاتغرب

ترجمہ:- قادیان کا سورج ڈوب گیا لیکن ہمارا سورج کبھی غروب نہ ہوگا۔

شمس الہدایت میں پہلے ہی امتحاناً کلمہ طیبہ کا معنے استفسار کیا گیا ہے اعتراض کی صورت میں اور پھر جو جوابات سلف نے فرمائے تھے اُن پر بھی اعتراض کیا گیا ہے تشحیذ الاذہان۔ اصل اعتراض اور شیخ اکبر قدس سرہٗ یا علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کی تردید صرف مرزا صاحب کے فضلاؤں کی علمی لیاقت دیکھنے کے لیے تھی۔ طلبہ کو بھی جواب اصل اعتراض کا اور ایسے ہی تردید الجوابین کا جواب بعون اللہ و قوتہٖ احسانہٗ سمجھایا گیا ہے ہم حلفی طور پر بلا تعصب شہادت دیتے ہیں کہ امروہی صاحب نے جو جواب لکھا ہے وُہ بالکل مادۂ اعتراض کی قلع و قمع نہیں کرتا۔ صرف امتناعِ تعدّد فی الوجوب پر علامہ رازی و شارح مواقف وغیرہ کے دلائل کا ترجمہ لکھا ہے۔ ہاں بے شک ایک دو فقرہ ایسے بھی جن کو دفع اعتراض میں واقعی دخل ہے تحقیق الحق سے چرا کر طوطی کی طرح لکھ دیئے ہیں مگر وُہ بھی ناتمام۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ اس کے بعض احباب کالذباب نے ہماری کتاب مسمّی بہ تحقیق الحق جو قبل ازیں جواب میں اسی اعتراض وغیرہ کے لکھی گئی تھی امروہی صاحب کو پہنچائی۔ باوجود اس کے پھر بھی جواب دینے میں ناکامیاب ہی رہے۔ سال بھر ہاتھ پاؤں مارتے رہے مگر بقول سعدی علیہ الرحمۃ ؎

چو گاوے کہ عصّار چشمش بہ بست ۔۔۔ دواں تا بشب شب ہماں جا کہ ہست

جہاں تھے وہاں ہی رہے شیخ اکبرؒ اور علامہ تفتازانی کے جواب کی تشریح بھی نہ کی اُن کی طرف سے جواب دینا تو درکنار رہا۔ امروہی صاحب صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں کہ مختصر سا جواب اکثر تو بطور معارضہ بالقلب وغیرہ کے اندر میعاد بارہ تیرہ روز کے تحریر کیا گیا تھا۔ بھلا صاحب مولوی نورالدین صاحب کے شاگرد رنگ آبادی وغیرہ حضار قادیان موجود تھے۔ اُن کا کہنا ہے کہ آپ نے کئی دفعہ جواب لکھ کر پھاڑ ڈالا۔ اور رات دن شمس الہدایت کے مطالعہ میں مبہوت تھے۔ اور آپ کو یاد ہوگا کہ مطالعہ میں جس وقت کچھ نہیں بن پڑتی تھی تو کہتے تھے کہ ارے ظالم کیا غضب کیا۔ دریا کو کوزہ میں بھر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر بارہ تیرہ روز لکھنا کیسا

ناپاک جھوٹ ہے۔

اَیُّھَا النَّاظِرُون مُحرّرِ سطُور کو اِس تحریر میں اس کے صرف چند جہالات کو جو متعلق جواب کے ہیں ظاہر کرنا منظور ہے۔ ورنہ کوئی فِقرہ اس کا علاوہ بطلانِ مضمُون کے مخالفت مصطلحاتِ علُومِ آلیہ سے خالی نہیں۔ اَور یہ بھی ناظرین کو معلوم ہو کہ ہم امروہی کی لافوں کی طرف جن سے اس کی کتاب کے صفحوں کے صفحے بھرے ہُوئے ہیں متوجہ ہو کر تضیعِ اَوقات نہ کریں گے بلکہ من حسن اسلام المرء ترک مالایعنیہ کے مُطابق ہمارا مختصر سا مضمون اس کے صفحاتِ لاف آمودہ کا جواب ہوگا۔ غرض تو صرف اِسی قدر ہے کہ امروہی صاحب کا فخر و ناز دسترد اِن اغلوطات پر جو اس نے لکھے ہیں جاتا رہے۔ ہاں بعض جگہ مطاعن آمودہ اشعار و فقرات اس کے بالقلب اسی پر وارد کیے جائیں گے۔ شعر ؎

اشدّ الغمّ عندی فی السرور

تیقّن عنہٗ صاحبہ انتقالاً

قولہٗ۔ صفحہ ۹۔ پھر آپ کا شمسُ الہدایت کیونکر اب طلوُع ہو سکتا ہے۔ مگر جب سُورج ہدایت کا غرُوب ہو جاتا ہے تو پھر بعد انقضائے لیل بدعت کے شمس مجدّد کا طلوُع کیا کرتا ہے۔

اقول شمسُ الہدایت کے غروب اَور لیل بدعت کے زمانہ میں جب جھُوٹے نبی اَور محرّف مفسّر پیدا ہُوتے تو پھر حسبِ قول آپ کے شمسِ مجدّد یعنی علماءِ اِسلام اَور ان کی تصنیفات کا طلُوع ہونا ضرُوری تھا۔ انہی عُلماء حدیث مجدّدین وقت کے بارہ میں شیخ اکبرؒ فتوحات کے تین سو بارھویں باب میں فرماتے ہیں۔ وما فاز بھذہ الرتبة ویحشر یوم القیامة مع الرسل الا المحدثون الذین یروون الاحادیث بالاسانید المتصلة بالرسول علیہ السلام فی کل امةٍ فلھم حظ فی الرسالة وھم نقلة الوحی وھم ورثة الانبیاء الخ[1] یہ سب کچھ تو محدّثین بنے۔ پھر آپ لوگ کیا ٹھہرے فتدبّر۔

قولہٗ۔ صفحہ ۲۲ کے الفاظ مشہُورہ کنت سمعہ کی بھی صحت لفظی نہیں کر سکے۔

اقول۔ ذرا صحیح بُخاری ہی کے شرُوع کو کھول کر دیکھو۔ کیا بی یسمع کی روایت موجُود نہیں۔ کاش! اگر آپ کو فتوُح الغیب سیدنا الغوث الاعظمؓ بھی زیرِ نظر ہوتی تو بے جا مواخذہ نہ فرماتے۔ دیکھو فتوُح الغیب صفحہ ۱۳۱ سطر ۳۔ وفی لفظٍ اخر فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یعقل بلکہ بی یسمع کی روایت تو فحول شریعت و طریقت کی کلاموں میں بہت شہرت پذیر ہے۔ مگر آپ کی بلا جانے۔ دیکھو صحائف السلوک میں صفحہ ۱۲۹ پر مستغرق بحرِ شہُود حضرت خواجہ نصیرُ الدّین چراغ دہلی قدس سرّہٗ لکھتے ہیں "اَے دوست اورا جُز بدو نتواں دید و نتواں شناخت۔ لایحمل عطایاہم الا مطایاہم زیرا چہ بار ستم جز رخش رستم نکشد بی یسمع و بی یبصر و بی یبطش۔ الخ بیت ؎

بہت شور سُنتے تھے پہلُو میں دِل کا

جو چیرا تو اِک قطرۂ خُون نِکلا

قولہٗ۔ صفحہ ۲۲۔ اور آپ نے کون کون سے گروہ اہل اللہ مشاہیر یا مستورین کو دیکھا۔ الی ان قال ہم نے جس گدّی نشین کو دیکھا شرک و بدعت و محرّمات و منہیات شرعیہ میں مبتلا دیکھا۔

اقول۔ صرف علم ظاہری ہی کی وجہ سے ایسے شہبازوں کا پہچاننا مشکل ہے خصُوصاً جب علمی لیاقت کا بھی یہ حال ہو جو

---

[1] یعنی احادیث صحیحہ کو باسند روایت کرنے والے محدّثین حضرات کو یہ شان و شرف حاصل ہُوا کہ وُہ ناقلینِ وحی اَور وارثِ انبیاء علیہم السّلام ہُوئے ان کا حشر انبیاء علیہمُ السّلام کے ساتھ ہو گا۔

ناظرین پر ظاہر ہو رہا ہے۔ بے بصیرت باطن، باباصرۂ ظاہر جمال ایں شاہد نتواں دید۔ سچ ہے۔ ع
محجوب راز ہیچ چراغے نصیب نیست

فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ ۝ (حج ۔ آیت ۴۶) کسی صاحب دل سے سُرمہ لے کر بصیرت کی آنکھ میں ڈالیں۔ شاید بینا ہو جائیں۔ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ۔ آپ کا ہر ایک کو مشرک مبتدع دیکھنا یہ بھی بجا ہے۔ رُباعی :-

نظّارگیاں رُوئے خویش
چُوں در نگرند از کرانہا
در رُوئے او رُوئے خویش بینند
زیں جاست تفاوت نشانہا

ونعم ما قیل :- اگر بر وصلتِ لیلیٰ بخاطر رغبتے داری
چو مجنُوں فرد باید شُد ہم از خویش وہم از خویشاں

آپ قادیان میں کتاب اللہ وسُنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تحریف میں مشغُول ہو کر اہل اللہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ ع ہم پستہ خوری وہم نائی زنی (یعنی پستہ بھی کھاتا ہے اور بانسری بھی بجاتا ہے دونوں کام اکٹھے ممکن نہیں) حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ بیت ؎

تُو کہ آگاہ نہٗ حالتِ درویشاں را
تُو چہ دانی کہ چہ سودا و سراست ایشاں را

نعُوذُ باللّٰہِ من اناسٍ
تشیخوا قبل ان یشیخوا

استوطنوا القادیان طمعًا
فاحذرھو انھم فخوخٌ

قولہٗ۔ سلمنا۔ کہ آپ نے گروہِ اہل اللہ کو بھی دیکھا ہے مگر مہدی معہُود اور مسیح موعُود امامِ آخر الزمان کو تو نہیں دیکھا تھا جس کے شان کی عظمت احادیثِ صحیحہ میں بڑے اہتمام سے بیان کی گئی ہے۔

اقول۔ نسلم جس مسیح اور مہدی کی عظمتِ شان احادیثِ صحیحہ میں بڑے اہتمام سے بیان کی گئی ہے جب وُہ تشریف لاویں گے تو بحسب ان ہدایات اور علامات وخصُوصیات کے جن کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے قادیانی دھوکہ سے بچنے کے لیے بوضاحتِ تامہ فرما دیا تھا، ان کو پہچان کر ان کے ساتھ ہو جائیں گے مگر اُس وقت دجّال قادیانی اور اُس کے انصار کا بُرا حال ہو گا۔

قولہٗ۔ صفحہ ۲۲۔ اور اب آسمان وزمین اُس کی بعثت مِنَ اللہ ہونے پر شہادت دے رہے ہیں۔

اقول۔ آپ مرزا کا تمسخر تو نہیں اُڑا رہے؟ اگر زمین وآسمان کی وُہ شہادتیں جو آج کل عالم کی چشم دید وگوش شنید ہو رہی ہیں ان کا ذکر ہے تو اہلِ اسلام کی چشم خنک ودل شاد۔ اِس سے بڑھ کر مرزا جی کی تکذیب کے لیے اور کیا چاہیئے۔

قولہٗ صفحہ ۲۲۔ یاد کرو اجتماعِ کسُوف وخسُوف کو جو ماہِ مُبارک رمضان شریف ۱۳۱۱ھ میں واقع ہوا۔ اور اس کا چرچا تمام دُنیا میں مشتہر ہوا۔ اور نیز یاد کرو الہام دربارہ لیکھرام جس کا ذکر حدیثوں میں بھی موجُود ہے وغیرہ وغیرہ اور مستورین یا مستُورات کا ذکر ایسی بحث میں بالکل بے محل ہے۔

اقول۔ خسُوف پیشین گوئی کے مُطابق نہیں ہوا۔ جیسا کہ اُوپر لکھ چکا ہُوں۔ لیکھرام والی پیش گوئی بھی پہلے ذکر کی گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر آپ مستورات کا ذکر بے محل سمجھتے ہیں۔ کیا منکوحہ آسمانی کا ذکر خیر بھی تبرکاً نامُناسب ہے۔

لے ایسے لوگوں سے خُدا کی پناہ جنھوں نے شیخ بن جانے سے قبل شیخ بن جانے کا دعویٰ کیا۔ اور قادیان میں لالچ کے مارے پڑے ہیں۔ ان لالچی چُوزوں سے اِحتراز کرنا چاہیئے۔ ۱۲۔

قولہٗ صفحہ ۲۲۔ یہاں پر اُس شخص کا ذکر کرنا چاہیئے جو مصداق ہو پیشین گوئی مندرجہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا جس کے ایک شان خاص علیٰ منهاج النبوۃ واقع ہُوئی ہے۔

اقول یہی فقرہ آپ کا (جس کی شان خاص علی منهاج النبوّۃ واقع ہُوئی ہے) صاف تبلا رہا ہے کہ آپ کی شہادت خُطبہ میں (واشهد ان محمّدًا خاتم النبیّین) صرف زبان ہی سے تھی۔ ہرچند کہ آپ عوام میں سُرخروئی کے لیے اہل اسلام کا کلام زبان پر لاتے ہیں مگر پھر بھی بحسب کل اناء یترشح بما فیه کے راز ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ اور تاڑنے والے تو پہلے ہی تاڑ چکے ہیں کہ آپ چندہ کے روپیہ کے مستحق بھی انہی شہادات علیٰ نبوۃ قادیانی کی وجہ سے ہیں۔ نبوّت بھی ایسی ارزاں اور عام جو دُوسرے عُلما میں مجازاً بھی موجود نہ ہو۔ بلکہ شانِ خاص کے ساتھ بعد خاتم النّبیّین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے قادیانی کی دُکان میں ملتی ہو کیا علی منہاج النّبوّۃ اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس نے کشفِ نبوی کو خطا پر حمل کیا ہو۔ کما زعم القادیانی فی احادیث النزول۔

اشعار

فَـدَعْ صاحب التحریف والفخر والریا[1]	وما اختاره من طاعة الله مذهبًا
ویعلم ماقد کان فیه حیاته	اذا صارت اعماله کلها هبا
حمّلوا القرآن ثم لم یحملوها	بل حرّفوا علنًا فی کتاب الله
فکالحمیر علی المنابر تناهقوا	اذالتحریف ابعد من عباد الله
فبهتان علی الخلاق والخلق کلهم	ارایت قطُّ عبادة بمناهی

ناظرین پر واضح ہے کہ خاکسار رزقہ اللہ موجبات رضائہ نے بمقابلہ لاف زنی مرزا غلام احمد قادیانی در بارہ اپنے عدیم المثل ہونے کے خُدا شناسی و تفسیر دانی میں اِمتحاناً اور محض اس کے اِتنے بڑے دعوے کو توڑنے کے لیے اس سے کلمہ طیبہ کا معنی ظاہری طور پر اپنی کتاب شمس الہدایت کے ابتدا میں اِستفسار کیا تھا جس کے جواب پر قادیانی صاحب باوجود بے تعداد اصرار و معتقدین کے قادر نہ ہو سکے۔ یہاں پر امروہی صاحب کے جہالاتِ مرکبہ کے ظاہر کرنے سے پیشتر پبلک کی توجّہ اس طرف دلائی جاتی ہے کہ دوسال کے عرصہ سے قادیانی کا جواب پر قادر نہ ہونا کیا اس کی لاف زنی مندرجہ ایّام الصُّلح فارسی صفحہ ۱۲۱ مسطوُرہ ذیل کو خاک میں نہیں ملا دیتا۔" اِیں وقت زیر سقفِ نیلگوُں ہیچ متنفّس قدرت ندارد دلاف برابری بامن زند۔ من آشکارمے گویم وہرگز باک ندارم۔ اَے اہالی اِسلام درمیانِ شما جماعتے مے باشند کہ گردن بدعویٰ محدّثیّت ومفسّریت برمیفرازند وطائفہ اندکہ از نازش ادب پا برزمین نگذارند وگروہے اندکہ دم بلند از خُدا شناسی زنند وخود راچشتی وقادری ونقشبندی وسُہروردی وچہا چہا گویند۔ این جُملہ طوائف را نزدمن بیارند۔" اور ظاہر ہے کہ مُمتحن کو کلمہ طیبہ میں اِستفسار کرنے کی غرض صرف اتنی ہی تھی۔ جو پبلک پر ظاہر ہو چکی۔ اور قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ کا ظہور ہو گیا۔

اَب ہم مختصر طور پر امروہی صاحب کی صرف عبارت متعلقہ جواب کو بعینہا بغیر آپ کے مطاعن کے نقل کر کے اس کی قلعی کھولتے ہیں اور محققین عصر و مدققین دہر سے مثل جناب مولوی عبداللہ صاحب پروفیسر لاہوری وجناب مولوی غلام احمد صاحب مدرس نعمانیہ

---

[1] ان تحریف کرنے والوں کو چھوڑ جس نے فخر وریا کو مذہب بنالیا اسے قیامت کے دن پتہ چلے گا جب اس کے اعمال برباد ہو جائیں گے اللہ کی کتاب میں اعلانیہ تحریف کی اور گدھے کی طرح منبروں پر آواز کرتے ہیں۔

وجناب مولوی غُلام قادر صاحب و نظائرہم سے مُنصفانہ رائے چاہتے ہیں کہ کیا اُن کی یہ تحریر واقعی جواب ہے یا جہل مرکب سو معلُوم ہو کہ جس شق کو امروہی صاحب نے لے کر جواب دیا ہے۔ اس کا حاصل تو یہ تھا کہ اگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں الٰہ سے مُراد واجب الوجُود لیا جاوے تو بُرہان استثنائے میں ترتّب لفسدتا کا مقدم یعنی تعدد وجبا پر صحیح نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بجائے لفسدتا کے لما کانتا یا لما وُجدتا چاہیئے تھا۔ کیونکہ قدم چُونکہ وجُوب کا لازم ہے تو وجبّا پر تقدیر تعدد سب کے سب قدیم ہی ہوں گے۔ اور بر تقدیر تخالف مُرادان کی ایجاد عالم کا متصور ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ایک واجب مانع ہے نفوذ ارادہ دُوسری سے۔ جب عالم کا وجُود ہی نہ ہُوا تو پھر فساد کہاں۔ اور نیز مزعُوم مخاطبین یعنی مُشرکینِ عرب کا شرک فی العبادت ہے نہ شرک فی الوجُوب بدلیل قولہٖ تعالےٰ : وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ۔ (زمر۔ آیت ۳۸) باقی شقوق اعتراض کے لیے چُونکہ مجیب نے نہیں لیے اس لیے ہم بھی ان کی تشریح نہیں کرتے۔

امروہی صاحب کی عبارت متعلقہ جواب یہ ہے: "واضح و لائح ہو کہ محاورۂ قرآن مجید میں بلحاظ تخصیص عقلی اور شرعی کے لفظ الٰہ سے مُراد وُہ معبودِ حقیقی ہے جو واجب الوجُود لذاتہٖ ہے۔ (صفحہ ۲۳، سطر ۸-۹-۱۰) اس کے بعد نفی تعدد اور انحصار واجب الوجُود فی فرد واحد پر دلائل عقلیہ و نقلیہ لکھ کر فرماتے ہیں پس معنی کلمۂ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے واضح اور صاف ہیں یعنی نہیں کوئی معبُودِ حقیقی موجُود سوا اللہ کے پس اس میں کذب کہاں ہے۔ بلکہ معترض خُود محض کاذب ہے۔ اور آیت لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء۔ آیت ۲۲) بھی تعدد الٰہ کے بطلان کے لیے بُرہان قطعی ہے جس کو دُوسرے مقام پر خود جناب باری تعالےٰ نے مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۙ (مومنون۔ آیت ۹۱) حاصل اس استدلال کا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے لیے ولد متصور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ولد کے لیے ضروری ہے کہ اپنے والد کے اخص اوصاف میں مثلاً جیسا کہ یہاں پر واجب الوجود ہے مشارک ہو ورنہ وُہ ولد کیا ہُوا لیکن ولد میں صفت وجُوب الوجُود ہرگز ممکن نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ولد تو والد سے مؤخر ہوتا ہے۔ فاین وجُوب الوجُود۔ اور نہ کوئی دُوسرا الٰہ وجُوب الوجُود میں اس کے ساتھ معیّت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہم دریافت کرتے ہیں کہ ان دونوں الٰہ کا تمھارے نزدیک متخالف بالذات ہونا واجب ہے یا نہیں۔ بشق ثانی دونوں الٰہ بالضرور کسی ذاتی میں مُشترک ہوں گے اور دُوسری ذاتی میں متخالف ہوں گے پس ترکیب لازم آئی۔ اندریں صُورت دونوں کی احتیاج اپنی اجزاء ذاتیہ کی طرف لازم آوے گی۔ وھو مناف الوجوب الوجود اور بشق اوّل متخالفان بالذات کے افعال کا متخالف ہونا بھی ضروری ہوگا اور اس کا اقل درجہ یہ ہے کہ عالم کا فساد لازم آئے گا۔ اور نظام و ارتباطِ باہمی عالم کا بالضرور بگڑ جائے گا لیکن ہم دیکھتے ہیں اور عالمان علُوم طبعیات بخوبی جانتے ہیں کہ ہر ایک اشیاء عالم کا ارتباط دُوسری اشیاء عالم کے ساتھ منضبط ہے اور تمام اشیاء عالم باہم منتظم و مرتبط ہیں پس انتفاء تالی مستلزم ہے انتفاء مقدم کو وھو المطلوب اور یہی حاصل مطلب ہے آیت وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ "کا (مومنون۔ آیت ۹۱)

---

[1] ناظرین کو معلُوم ہو کہ یہ مضمون شمس الہدایت کے مُصنّف کی کتاب تحقیق الحق سے چُرایا ہُوا ہے جس مُخلص کا ذکر امروہی صاحب نے دیباچہ کتاب میں لکھا ہے اسی مُخلص نے وُہ کتاب قادیان میں پہنچائی تھی باوجُود اس کے پھر بھی جواب پر قدرت نہ پائی ؎

حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دُون   تا بخواند بر سلیمے او فسُون   ۱۲۔ محمد غازی

اَور دُوسری دلیل ابطالِ تعددِ الٰہ کی یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ایک الٰہ دُوسرے الٰہ پر علوِ کامل چاہیے گا۔ اِذِ الالٰہ من لہ غایۃ الکمال ولا یکون علو الالٰہیۃ الا بالعلو الکامل اَور دُوسرا الٰہ اِسی طرح پر علوِ کامل من کل الوجوہ کا مقتضی ہوگا۔ لیکن ہر ایک الٰہ کا علوِ کامل دُوسرے الٰہ پر محال ہے۔ اَور یہی معنے ہیں وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ کے۔ پس اس کی طرف نسبت ولد اَور شریک کے ہرگز جائز نہیں۔ اَور اس کی ذات پاک ہے اِن دونوں بہتانوں سے۔ اَور یہی معنی ہیں سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ کے فبطل التعدد وثبت التوحید بناءً علیہ اگر ارادہ استحقاق للعبادت کا حقیقی طور پر جو مصادق للوجوب ہے۔ عنوان موضوعی یا محمولی سے لیا جائے تو مستلزم لفسدتا کو ضرور ہوگا۔ لما مر استدلالہ تفصیلا۔ انتہٰی صفحہ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔

محرر سطور عفاعنہ رب الغفور اہلِ علم کی خدمت میں ملتمس ہے کہ ہم ان مقدماتِ خطابیہ کی طرف جن پر اِستدلال مذکور کا توقف ہے اَور جن کی وجہ سے اِس اِستدلال کو بُرہان نہیں کہا جا سکتا۔ تطویل کے خوف سے ناظرین کو توجہ نہیں دلاتے۔ صرف اِتنا ہی پُوچھتے ہیں کہ کیا یہ تحریر دو ورق' اس چھوٹے جیسے سوال کے ٹکڑے کا جواب ہے، جو پہلے ہدیۂ ناظرین کیا گیا ہے یا صرف شرح آیات۔ برائے خدا کوئی امروہی صاحب سے پُوچھے کہ کیا آپ کو مرزا صاحب نے زرِ نقد جماعت کی چندہ کی اسی لیے عطا فرمائی تھی کہ فقط چند آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر لکھ دی جاوے۔ اَور وُہ بھی تفسیرِ کبیر وغیرہ کے دلائل محررہ کا ترجمہ اپنے نام سے منسوب کیا ہوا ہو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اُنھوں نے مزید برآں عطیہ منّتیں اَور زاری کر کے اپنی جان کو جولاہے کے شکنجہ میں جکڑی ہوئی تھی خلاص کرنا چاہا تھا۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

زدریائے شہادت چوں نہنگ لا برآرد سر　　　تیمم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

اِدھر تو وُہ بے چارہ جکڑا ہوا من انصاری پُکار کر چلا رہا ہے۔ اَور اُدھر امروہی صاحب زرِ نقد لے کر اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِيۡنَ اتُّبِعُوۡا مِنَ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡا (بقرہ۔ آیت ۱۶۶) کا مصداق بنے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تعددِ وجُوب کی تقدیر پر عالم کا وجُود ہی متصور نہیں۔ لما مر فی شق الاعتراض اَور فساد تو بعد الوجُود ہوتا ہے۔ علماءِ عصر پر عبارت مذکورہ امروہی صاحب سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ امروہی نے جہلِ مرکب کا پُورا پُورا ثبوت دیا۔ مگر اس کی چالاکی قابلِ آفرین ہے کہ اپنی جہالت کے اُوپر پردہ ڈالنے کے لیے منہیّہ میں لکھ دیا کہ (واضح خاطر ناظرین ہو کہ ہم نے اس جواب میں مؤلّف کا ایسا تعاقب کیا ہے کہ جدھر کو مؤلّف گیا ہے۔ ادھر ہی کو ہم بھی اس کے ساتھ ساتھ گئے ہیں الخ حاشیہ صفحہ ۲۶) میں کہتا ہُوں ہاں بے شک یہ کہنا آپ کا بجا اَور سچ ہے۔ نافہم طالبِ علم کا یہی وطیرہ ہوتا ہے کہ معلّم کے پیچھے طوطی کی طرح صرف الفاظ بعینہا کہتا چلا جاتا ہے۔ گویا مجیب نے صاف صاف سچ کہہ دیا کہ میں شمس الھدایت کے اِس مقام پر بڑا اخفش ہُوں۔

قولہٗ۔ حاشیہ صفحہ ۲۶ حالانکہ اس محل پر لفظ عنوان موضوعی اَور محمُولی لکھنا سرتا پا غلط ہے۔

اقول۔ لیجیئے ہم ہی پڑھا دیتے ہیں۔ اِس عبارت کا تعلق کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه سے ہے۔ اَور ظاہر ہے کہ بر تقدیر ارادہ استحقاق للعبادت کے مدعیٰ اَور براہین میں بھی بوجُوب التطابق یہی معنے مُراد ہوگا۔ اَور بنا بر مسئلہ اِستیلاءِ صفاتی الخ تعدد وجُوب و استحقاق براہین میں مستلزم لما کانتا یالمافسدتا کو نہیں ہو سکتا۔ بعد اس تشریح کے بھی اگر آپ صرف سوال ہی کی تقریر ہمارے سامنے بیان کریں تو بھی آپ کو آفرین کہیں گے۔ جواب کو تو ہم نے معاف کیا۔

اور سُنیئے بعد اس کے صفحہ ۲ سطر ۴ پر لکھتے ہیں کہ پس مؤلّف پر ضروری ہے کہ صفات احدیّت وصمدیّت مسئلہ مجعُولہ خُود یعنی استیلاءِ صفاتی بعضہا علی بعض کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے اوّل ثابت کرے کہ صفات احدیّت وصمدیّت میں استیلا بعضہا علی بعض ہے تب ہم بھی اس مسئلہ استیلاءِ صفاتی بعضہا علی بعض پر گفتگو کریں گے۔ انتہٰی۔ میں کہتا ہُوں یہ چالاکی بھی قابلِ آفرین ہے اپنی نافہمی کو پس پردہ میں چھپایا۔ صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہم نے اس سوال کے سارے مقدمات کو نہیں سمجھا اور نہ شیخ اکبر اَور تفتازانی کے

جواب تک پہنچے ہیں۔ ان کے جوابات کی اصلاح کیسے کریں۔

پھر اسی صفحہ میں کودن طالب علم کی طرح شمس الہدایت کی عبارت کو پڑھے جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ "اور سلمنا کہ ازلیت امکان مستلزم ہے امکانِ ازلیت کو مادہ وجُوب میں لیکن ممکنہ عامہ مُوجبہ جزئیہ یعنی بعض الالٰہ موجود بالامکان العام جو نقیض ہے ضروریہ سالبہ کلیہ کی یعنی لا الٰہ موجُود بالضرُورت اگر صادق ہے تو کیا اور کاذب ہے تو کیا۔ اس کا صدق یا کذب کلمۂ توحید کے معنوں میں ہم پر کیوں وارد کیا جاتا ہے۔"

میں کہتا ہُوں کہ قول "اگر صادق ہے تو کیا اور کاذب ہے تو کیا" صاف شہادت دے رہا ہے کہ مجیب نے اس عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھا تب ہی عبارت مذکورہ شمس الہدایت کو بے ربط ٹھہرایا۔ لہٰذا ہم شہادت دیتے ہیں کہ مجیب صاحب اس سارے جواب میں

ع ایں راہ کہ تو میروی بہ تُرکستان است

کا مصداق ہو رہا ہے۔ ہم اس مقام کے سوال اور جواب مشرّح لکھنے کے اسی صُورت میں مجاز ہیں کہ قادیانی صاحب مع اپنے معاونوں کے صریح لفظوں میں اپنی جہالت کا تفسیر دانی میں اقرار کریں۔ اور یہ بھی ناظرین کو معلُوم ہو کہ نہ تو یہ اعتراض لاحل تھا اور نہ شیخ اکبر وغیرہ عُلماء کرام کے جواب پر اعتراض اعتقاداً کیا گیا تھا۔ بلکہ محض امتحاناً مدعی کا دعویٰ توڑنے کے لیے لکھا گیا الحمدللہ کہ ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ جو شخص کلمہ طیبہ کے معنے ظاہری علمی طور پر نہیں لکھ سکتا وُہ تفسیر نویسی میں سر آمد بنا۔ زمان کیسا ہو سکتا ہے۔

بعد اس کے اسی صفحہ ۷۲ میں لکھتے ہیں: "اگر کلمۂ توحید کو موجہات کا لباس پہنا کر سمجھنا ہے۔ تو یُوں کہیئے۔ کہ لا الٰہ۔ غیر اللہ موجود بالضرورت کیونکہ یہاں پر حرف اِلّا موجُود ہے۔ جو بمعنے غیر[1] ہے اور اِلٰہ کی صفت نحوی واقع ہوئی ہے۔"

عُلماء عصر کی خدمت میں التماس ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں کلمہ اِلَّا بمعنے غیر کہنا کیا جہالت نہیں ہے۔ کافیہ پڑھنے والا بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ اِلَّا بمعنے غیر ہرگز نہیں کیونکہ وُہ مشروط ہے بدیں شرط اذا کانت تابعة لجمع منکور غیر محصور نحو لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اور یہ سوچنا کہ کلماتُ الاستثناءَ هل وضعت لاحکام مخالفةٍ لما قبلها ثابتةٍ لما بعدها او لاخراج ما بعدها وجعله فی حکم المسکوت عنه تو اہلِ علم کا کام ہے یہاں ناظرین پر واضح ہو کہ یہ سوال متعلق کلمہ طیبہ مع جواب اس کے کئی سال پہلے اس کے مطبع مُصطفائی لاہور میں جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۰ھ[2] میں طبع کرا کے شائع کر دیا تھا۔ اور یہ جواب امروہی صاحب کا اسی کی نقل ہے۔ مگر علمی لیاقت کا ماشاء اللہ مجیب کو اتنا زور ہے کہ عرصہ ایک سال کامل تک اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکا۔ اور تاخیر جواب کا عُذر یہ لکھتے ہیں کہ ہم کو کتاب شمس الہدایت نہیں بھیجی گئی۔

اَیُّها النّاظِرُون جناب مولوی نورالدین کا خط مطبُوعہ الحکم شاہد کافی ہے جس میں جناب موصُوف نے خاکسار پر ۱۲ سوال وارد کیے تھے "امروہی صاحب نے حسب قواعد فائدہ جلیلہ کے بزعمِ خود رفع رُوحانی کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ مگر ہنُوز دہلی دُور است۔ خلاصہ اس کا یہ ہے مابعد بل یعنی رفع جو کنایہ اعزاز و تکریم سے ہے۔ اس میں اور ماقبل بل یعنی قتل صلیبی میں جو بحکمِ تورات مستلزم لعن ہے تنافی اور تضاد ہے۔ کیونکہ ملعُون معزز عند اللہ نہیں ہوتا۔ یہی ہے خلاصہ اس کے جواب کا۔"

اس مقام میں مَیں کہتا ہُوں بجواب الجواب اتنا ہی کافی سمجھا جاتا ہے کہ کنایہ میں چونکہ تعذر معنی حقیقی کا نہیں ہوتا بخلاف مجاز

[1] امروہی صاحب کی نحو دانی تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں اِلَّا بمعنی غیر کے لکھنے سے معلوم ہو گئی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یہاں سے مُراد کتاب تحقیق الحق ہے جس میں آپ نے سوال و جواب کی تشریح فرمائی ہے۔ ۱۲

کے۔ لہٰذا درصورتِ کنایہ بھی بمقتضائے قصر قلب قتل اور رفع رُوحانی میں تضاد چاہیئے۔

پھر یہ بتائیں کہ کہاں ہے توریت کا حکم کہ جو کوئی بذریعہ صلیب قتل کیا جاوے وُہ ملعُون عند اللہ ہوگا خواہ بے گناہ ہی ہو۔ کیا مقتول بغیر الحق خواہ پتھر سے ہو یا تیر سے یا تلوار سے یا صلیب وغیرہ اسبابِ قتل سے، شہداء میں بموجب احکام توریت و قرآن مجید کے داخل نہیں؟ یا کوئی مومن بہ کُتبِ سماویہ اِس کا اِنکار کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مرزا جی کو بمعہ چیلوں چانٹوں اپنے کے آیتِ تورات کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ صرف ۲۳ آیت (کیونکہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعُون ہے) کے ظاہر پر نظر ہے۔ اگر ۲۲ آیت کو پڑھ کر تدبّر فرماویں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم ہر ایک مصلوُب کے لیے نہیں۔ بلکہ خاص اُس شخص کے لیے ہے جو کسی جُرم کی سزا میں پھانسی دیا گیا۔ بائیسویں اور تئیسویں آیات یہ ہیں:۔

۲۲۔ اور اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ کیا ہو جس سے اُس کا قتل واجب ہو اور وُہ مارا جاوے اور تُو اُسے درخت میں لٹکا دے۔
۲۳۔ تو اُس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے بلکہ تُو اُسی دن اُسے گاڑ دے کیونکہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خُدا کا ملعُون ہے۔

ظاہر ہے کہ عیسٰی بن مریم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فی الواقع غیر مُجرم تھے تو بنا بر واقع ماقبل بل یعنی قتل اور مابعد اس کے یعنی رفع اعزاز میں تنافی اور تضاد کہاں ہوا۔ بلکہ مقتول غیر مُجرم عند اللہ معزز ہوا۔ اور اگر مسیح کو مجرم بزعم یہود خیال کر کے تنافی پیدا کی جاوے۔ تو بحسبِ علم المتکلم بھی ضرُوری ہے۔ تاکہ قصر قلب کی رُو سے وجُود وصف مزعُوم مخاطب کا متصوّر نہ ہو۔ اور کتبِ معانی کا بیان شروط قصر میں قاصر ہے دیکھو سید شریف و دسوقی وغیرہ قال عفی عنہ ربہٗ فی شمس الہدایت صفحہ ۹ سطر ۱۷ جس کو باطل کرنا منظور ہے وُہ ہے قتلوہ۔

اس پر ہمارے ایک بزرگ اور مہربان کا اعتراض۔ آپ فرماتے ہیں۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (نساء۔ آیت ۱۵۸) کو مقولہ یہود (اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ) کے ابطال کے لیے کہنا چاہیئے نہ "قتلوہ" کے لیے۔ کیونکہ "قتلوہ" کلامِ الٰہی میں واقع ہے مقولہ یہود کا نہیں۔

جواباً گذارش ہے کہ علمِ معانی کے خبرداروں پر ظاہر ہے کہ قصر قلب اعنے (تخصیص شیئٍ مکان شیئٍ) میں مخاطب کا معتقد برعکس اور برخلاف ہوتا ہے اس حکم کے جس کو متکلم ذکر کرتا ہے۔ کما قالوا والمخاطب بالثانی من یعتقد العکس اے عکس الحکم الذی اثبتہ المتکلم۔ لہٰذا "قتلوہ" یہود کا مزعُوم ہوا۔ جو برعکس اور مخالف ہے "ماقتلوہ" کے۔ اور قصر قلب کو بوجہ قلب حکم مخاطب کے قصر قلب کہتے ہیں۔ قال العلامۃ ویسمّٰی ھٰذا القصر قصر قلب لقلب حکم المخاطب یعنی اگر مخاطب کا مزعوم حکم ایجابی ہے تو متکلم اس کی تردید میں حکم سلبی مع اثبات وصف منافی ذکر کرے گا۔ و بالعکس کما قال ایضًا فالمخاطب بقولنا مازید الا قائم من اعتقد اتصافہ بالقعود دون القیام پس مازیدٌ الا قائمٌ کو جو حکم سلبی مع اثبات وصف منافی ہے۔ تردید و ابطال مزعوم مخاطب یعنی (زیدٌ قاعدٌ) حکم ایجابی کے لیے کہیں گے۔ ایسا ہی "ما قتلوہ" کے لیے اوّلاً و بالذات کہیں گے۔ اور "قتلوہ" چونکہ مزعوم مخاطب سے تعبیر ہے مثل انا قتلنا کے لہٰذا "قتلوہ" کا ابطال مستلزم ہوا "انا قتلنا" کے ابطال کو۔ اور اثبات وصف منافی اگرچہ سلب وصف مقابل کا افادہ دیتا ہے لیکن بغیر تصریح بالسلب کے تنبیہ علی رد المخاطب نہیں ہو سکتی جس کا اظہار متکلم کو منظور ہے۔ کما قال ایضًا فانقلت اذا تحقق تنافی الوصفین فی قصر القلب فاثبات احدھما یکون مشعرا بانتفاء الغیر فما فائدۃ نفی الغیر واثبات المذکور بطریق الحصر قلت الفائدۃ فیہ التنبیہ علی رد المخاطب اذ المخاطب اعتقد العکس فان قولنا زیدٌ قائمٌ وان دل علی نفی القعود لکنہ خالٍ عن الدلالۃ علی ان المخاطب اعتقد انہ قاعد۔ ان عبارات مسطورہ بالا سے واضح ہے کہ حکم سلبی کلام قصری کا تردید ہے مزعُوم مخاطب یعنی حکم ایجابی کے لیے۔ چنانچہ حکم ایجابی تردید ہے حکم سلبی کے لیے۔ لہٰذا ماقتلوہ تردید ٹھہری حکم ایجابی یعنی قتلوہ کی جو تعبیر ہے مزعُوم یہود سے من جانب المتکلم سُبحانہٗ وتعالیٰ۔

نیز معلوم ہو کہ مزعوم مخاطب عام ہے مقول مخاطب سے۔ یعنی صرف حکم ایجابی یا سلبی مخاطب کا مزعوم ہے اور خصوصیات تکلم یا غیبت عند التعبیر خارج ہیں ذات مزعوم سے۔ اسی مزعوم سے مخاطب بصیغہ متکلم اور متکلم مردد بصیغہ غائب تعبیر کرے گا۔ گویا صیغہ متکلم اور غائب تعبیرات ہوا رکھتیق میں سے بھوئی مزعوم مخاطب کے لیے۔ لہٰذا تردید مزعوم مستلزم ہے تردید مقول کو جیسا کہ آیت وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (نساء ۱۵۸، ۱۵۷) میں حکم سلبی یعنی ماقتلوہ تردید ہے۔ مزعوم یہود یعنی حکم ایجابی کے لیے جس کو یہود نے (انا قتلنا المسیح) سے تعبیر کیا اور متکلم مردد نے بصیغہ غائب یعنی قتلوہ سے تعبیر کی۔ کما قال اللہ تعالیٰ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا اور وہ خود تعبیر کے وقت اِنَّا اَحْسَنَّا صُنْعًا کہیں گے وایضا قال اللہ تعالیٰ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (انعام آیت ۱۳۶) اب اس آیت میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مزعوم مشرکین کا بیان بصیغہ غائب ہے یعنی شُرَكَآئِهِمْ۔ اور ان کی جانب سے تعبیر شُرَكَآئِنَا کے ساتھ بصیغہ متکلم ہوگی۔ پھر سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ تردید ہے مزعوم مذکور کے لیے۔ ایسا ہی علامہ کی عبارات اخیرہ میں مزعوم مخاطب سے تعبیر اِنَّهٗ فَاعِلٌ کے ساتھ بالاضمار ہے۔ اور مخاطب کا مقولہ (زیدٌ فاعلٌ) بالاظہار ہے۔ الغرض اہل معانی کی عبارات مشہورہ مثل من یعتقد العکس اور ویسمی قصر القلب لقلب حکم المخاطب وغیرہ وغیرہ سے ثابت ہے کہ حکم قصری قلب اور تردید ہے حکم مخالف یعنی نقیض اپنی کا۔ اولاً وبالذات۔ اور تردید ہے مقول مخاطب کے لیے ثانیاً وبالعرض۔ نام کا طالب علم بھی جانتا ہے کہ مازیدٌ قائماً بل قاعدٌ تردید ہے زید قائم کے لیے اولاً وبالذات۔ اور مقول مخاطب کے لیے ثانیاً وبالعرض مثلاً صورت مسطورہ میں فرض کیا کہ زاعم زید ہی ہو تو مقولہ اس کا انا قائمٌ ہوگا اور بعد ملاحظہ اتحاد معنون زید اور انا کے زیدٌ قائمٌ کی تردید انا قائمٌ کی تردید بھی جانے گی۔ چنانچہ ما نحن فیہ میں انا اور واو ضمیر انا قتلنا اور قتلوہ میں دونوں تعبیر ہیں یہود سے۔ لہٰذا قتلوہ کی تردید قتلنا کی تردید ہے۔ ہاں جس صورت میں مزعوم سے تعبیر بقول مخاطب کی جاوے تو تردید مزعوم عین تردید مقول کی ہوگی۔ جیسا کہ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ میں اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا مزعوم بھی ہے اور مقول بھی۔ کما قال تعالیٰ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ (البقرہ۔ آیت ۱۱۶) بخلاف ما نحن فیہ کے کہ یہاں پر مزعوم یہود کا قتل صادر از یہود واقع بر مسیح ہے جسے یہود قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور غیر یہود بوقت بیان مزعوم ان کے قتلوا المسیح سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ منشاء اعتراض نہ صرف فن معانی ہی سے بے خبری ہے بلکہ ایساغوجی کی بحث تناقض کی طرف بھی توجہ نہیں۔ کیونکہ سالبہ شخصیہ کی نقیض موجبہ شخصیہ ہوتا ہے۔ اور صدق احد النقیضین یستلزم کذب الاخر ایک مشہور مقدمہ ہے۔ بناء علیہ صدق ماقتلوہ کا مستلزم ہوگا کذب قتلوہ کو۔ جناب کو اگر مضمون مذکورہ کی طرف توجہ ہوتی تو (قتلوہ) کے باطل ٹھہرانے کو مستبعد خیال نہ فرماتے۔ ظاہر ہے کہ زید کے مزعوم اور مقولہ مثلاً ضربت عمرواً کو جب خالد نے رد کرنا چاہا تو ماضرب عمرواً کہے گا جو تردید ہے اپنی صریح نقیض کے لیے یعنی ضرب عمرواً جس کا ابطال مستلزم ہے بطلان ضربت عمرواً کے لیے کیونکہ ضمیر مرفوع متصل جو مستتر ہے ضرب میں اور تا ضربت کی دونوں کا معنون زید ہی ہے۔

نیز واضح خاطر ناظرین ہو کہ مورد ابطال قتلوہ ہے مگر بعد اعتبار الحکم المزعومی۔ کیونکہ ماقتلوہ میں ایک ہی حکم سلبی ہے لعدم اشتمال القضیہ علی الحکمین مطلقاً۔ گویا قتلوہ بعد اعتبار الحکم مصداق ہوا العکس کے لیے۔ جو کہ اہل معانی کی عبارت ہذہ میں واقع ہے والمخاطب بالثانی یعتقد العکس۔ اور شمس الہدایت کی عبارت کا یہ مطلب ٹھہرا کہ بل رفعہ اللہ علیہ سے عکس ماقتلوہ کا باطل کیا گیا یعنی قتلوہ جو نقیض ہے ماقتلوہ کی جس کا ابطال مستلزم ہے بطلان قتلنا المسیح کو۔

رفعِ عیسٰی علیہ السّلام

سوال

یہُود کا مزعُوم جب کہ قَتَلُهُمُ الْمَسِيْحَ ٹھہرا کما صرّح بہ آنفا، تو شمسُ الهدایت کے صفحہ ۱۳ سطر ۸ اپر جو لکھا ہے (کہ مُراد ماقبل بل سے نفس قتل اور صلب ہے) اس کا کیا معنے ہوا؟

جواب

یہاں پر تجرید اضافی ہے بہ نسبت وصف منفی ہونے کے۔ چُنانچہ اسی سطر پر لکھا ہوا ہے (قطع نظر منفی ہونے اس کے سے) یعنی گو کہ قتل و صلب بزعمِ یہُود ان سے صادر ہو کر مسیح پر واقع ہُوئی ہیں۔ مگر (نفس قتل) اِس لیے بولا گیا ہے کہ قتلوہ چُونکہ بوجہ نقیض ہونے ماقتلوہ کے مع الحکم الایجابی ملحُوظ ہے کما مرّ تو منفی ہونے کے وصف سے تجرید ضروری ٹھہرے گی۔ یعنی قتلوہ جُملہ مستقلہ ہوگا۔ نہ درضمن ماقتلوہ کے۔ چنانچہ فائدہ جلیلہ کی سطر ۱۰ پر لکھا ہے (حرفِ عطف ٹھہرا ابطال جُملہ اولے یعنی قتلوہ کے لیے۔ ہاں جُملہ ہونا اس کا بعد اعتبار اُنہ نقیض الحکم القصری ہے) الحاصل بل رفع اللہ الیہ ابطال ہوا عکس ماقتلوہ کا۔ یا یُوں کہیں ابطال ہوا قتلوہ کا۔ مگر بعد اعتبار الحکم الایجابی ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے فتامل فلا تعجل۔ اور اسی پر دال ہے شمسُ الهدایت کی عبارت مسطُورہ کے بعد کا جُملہ تعلیلیہ۔ دیکھو سطر ۱۹ صفحہ مذکُور پر۔ (کیونکہ نفی حکایت میں ہے نہ محکی عنہ میں) محکی عنہ سے مُراد اِس جگہ پر مزعوم مخاطب کا ہے جس سے قتلوہ جُملہ مستقلہ کے ساتھ منجانب المتکلم تعبیر کی جا سکتی ہے۔ کما یدل علیہ ما قال العلامۃ۔ قلت الفائدۃ فیہ التنبیہ علی رد المخاطب اذ المخاطب اعتقد العکس الخ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ماقتلوہ میں تنبیہ ہے اُوپر تردید یہُود کے۔ کیونکہ وُہ عکس کے معتقد تھے یعنی قتلوہ کے اور نفی محکی عنہ یعنی مزعوم مخاطب اور حکایت یعنی قتلوہ دونوں میں نہیں۔ ہاں حکایت بکلامِ قصری یعنی وما قتلوہ میں نفی ہے۔ گویا متکلم کی جانب سے دو حکائتیں ہُوئیں جن کا محکی عنہ جُدا جُدا ہے۔ ایک قتلوہ جس کا محکی عنہ مزعومِ یہُود ہے۔ اِس حکایت اور محکی عنہ دونوں میں نفی نہیں دُوسری وما قتلوہ جس کا محکی عنہ نسبۃٌ واقعیۃٌ موجودۃٌ بوجود المنشاء او موضوع من حیث انہ یصح انتزاع النسبۃ عنہ) ہے۔ فلا یرد انہ لابد لصدق القضیۃ من المطابقۃ للمحکی عنہ فی الثبوت والانتفاء فکیف یصح اعتبار المنفی فی الحکایۃ لا فی المحکی عنہ لما عرفت ان الحکایۃ المعتبر فیہا النفی لیست حکایۃ عن المحکی عنہ المزعومی المراد فی العبارۃ المذکورۃ۔

نیز معلوم ہو کہ فائدہ جلیلہ کی بِنا تحقیق پر ہے نہ صرف اُن اُمُور پر جو محض شہرت پذیر ہیں۔ لہٰذا بل رفعہ اللہ الیہ کا نص ہونا رفع جسمی مسیح میں ایک ہی امر تحقیقی واقعی پر مبنی ہے جو کہ بہ تجدّدِ اصطلاحات متغیّر نہیں ہو سکتا یعنی تنافی بین القتل المزعومی والرفع الجسمی امر واقعی ہے۔ پس جب کہ اثبات رفع کا سلب القتل کیا گیا تو بالضرور ابطال مزعُوم یہُود پر علی طرزِ استدلال دال ہوگا۔ کیونکہ مزعُوم یہُود کی تردید گو کہ صرف سالبہ

شخصیہ یعنی وماقتلوہ سے ہے۔ مگر اثباتِ رفع جو وصف منافی القتل المزعوم ہے، بمنزلہ اقامۃ الدلیل علیٰ خلاف مزعوم المخاطب ہوگا۔ اس لیے بل کو ابطالیہ نام رکھا گیا یعنی مابعد اس کا دلیل ہے بطلانِ مزعوم مخاطب پر۔ فاندفع ماقیل وایضاً لایظھر وجہ تسمیۃ بل بالابطالیۃ لحصول الابطال بکلمۃ مالاببل خواہ اثباتِ رفع در رنگِ فعلیہ کے ہو یا اسمیہ کے یعنی وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ہو یا بحسب الاول ماکان المسیح مقتولا بایدی الیھود یقینًا بل کان مرفوعًا الیہ کی طرف راجع ہو۔ کیونکہ معیارِ استدلال دونوں صُورتوں میں مُشترک ہے۔ وھو تنافی المذکور ہاں درصورتِ وقوع مفرد بعد بل کے اس کو عاطفہ کہنا اور بر تقدیر وقوع جُملہ کے اس کو ابطالیہ نام رکھنا مبنی علی الظاہر ہے۔ کما زعمہ ابن ھشام وغیرہٗ من النحاۃ وھو خلاف التحقیق کما نص علیہ بحرالعلوم فی شرح مسلم الثبوت ونقلنا عبارتہ فی ھذہ العجالۃ۔ الحاصل فائدہ جلیلہ کا مدعیٰ یعنی بل رفعہ اللہ الیہ کا نص ہونا رفع جسمی میں ہر صُورت میں اور ہر تقدیر پر ثابت ہے۔ خواہ قصرِ اصطلاحی یعنی تخصیص شیٔ بشیٔ بطریق مخصوص ہو یا کہ قصرِ غیر اصطلاحی مثل اختص الرفع الیہ بالمسیح او المسیح مقصور علی الرفع اور بر تقدیر قصرِ اصطلاحی کے طُرقِ اربعہ مشہُورہ میں سے ہو یا نہ۔ کیونکہ اثبات الرفع مع سلب القتل بعد تحقق التنافی بینھما کافی ہے حصُولِ مدعا کے لیے۔

اَب ہم بنا بر مشہُور بھی مدعا کو بپایۂ ثبُوت پہنچاتے ہیں۔ ماکان المسیح مقتولاً یقینًا بل مرفوعًا الیہ جو مساوق ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے لیے۔ کلامِ قصری مشتمل بر قصرِ قلب ہے۔ اور طرق اربعہ میں سے قصر بالعطف ہوا۔ کیونکہ درصُورتِ وقُوعِ مفرد بعد بَل کے اس کا حرفِ عطف ہونا اتفاقی ہے اور وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں بغیر ارجاع مذکُور کے بل رفعہ اللہ ابطالِ مزعُوم یہُود کا افادہ دے گا لتحقق التنافی یعنی ابطال ماقتلوہ کے لیے نہیں اور نہ ابطال قتلوہ کے لیے بغیر اعتبار الحکم الایجابی بلکہ قتلوہ جو جُملہ مُستقلہ اور نقیض ہے ماقتلوہ کی، اس کے بطلان پر دال ہوگا۔ ہاں بل رفعہ اللہ الیہ نظر بہ ماقتلوہ کے ابتدائیہ محض انتقال کے لیے ہوگا۔ اور یہ تقدیر تا وقتیکہ ضروری الارادہ ہونا اس کا، یا ممتنع المراد ہونا شق اوّل یعنی ابطالیہ کا، ثابت نہ کیا جاوے ہمارے مدعیٰ کو مُضر نہیں۔ وَدُوْنَہٗ خرط القتاد اور اختلاف احکام نظر باختلاف لحاظ، کثیر الوقُوع ہے۔ اور کوئی عاقل اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ چُنانچہ آیت وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ (انبیاء۔ آیت ۲۶) میں ابطالیہ ہونا بل کا بلحاظ مقولہ ہے نہ قول کے، اور ابتدائیہ ہونا اس کا بلحاظ قول ہے نہ مقولہ کے۔ کما قال العلامۃ الصبان قولہ نحو وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ الخ ای قبل فی نحو ذلک للاضراب الابطالی بناءً علی ان المضرب عنہ المقول (بالمیم) ماذا کان المضرب عنہ القول فالاضراب انتقالی اذ الاخبار بصدور ذالک منھم ثابت لایتطرق الیہ الابطال انتھٰی۔ اور ظاہر ہے کہ اضافات بر تقدیر تعدد مضاف الیہ کے باہم مجتمع ہوسکتے ہیں چنانچہ ابوۃ و بنوۃ زید بھی مثلاً باپ ہوسکتا ہے بہ نسبت عمرو کے اور بیٹا بھی ہوسکتا ہے بہ نسبت خالد کے۔ لہٰذا بل کا ابطالیہ اور انتقالیہ ہونا نظر باختلاف مضاف الیہ معاً ہوسکتا ہے۔ الغرض ابطالیہ ہونا اس کا بہرکیف ثابت ہے۔ اور انتقالیہ ہونا اس کا منافی نہیں لتعدد مضاف الیہ کما عرفت مفصلاً۔

دوبارہ معرُوض ہے کہ اگر معترض صاحب کو علم معانی و منطق و نحو کے تصریحاتِ مذکوُرہ بالا سے اطمینان نہ ہو تو ہم قرآن مجید سے ہی نظیر محل نزاع کے مُطابق تصریح شمس الھدایت کی عبارت کی دکھا دیتے ہیں۔ دیکھو مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ (سورہ مومنون۔ ۹۱) سالبہ شخصیہ صادقہ باری تعالیٰ کا مقولہ ہے۔ اور نقیض صریح اس کی اتخذ اللہ ولدًا موجبہ شخصیہ کاذبہ مزعُوم ہے مشرکین کے لیے۔ اور اسی اتخذ اللہ ولدًا کا ابطال اس آیت وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۔ (سورہ انبیا) میں کیا گیا ہے۔ اب کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ کی نقیض یعنی اتخذ اللہ ولدًا کا ابطال نہیں ہوا۔ یا یہ خیال کیا جاسکتا ہے

کہ اس سے قولِ الٰہی کا ردّ و بدل لازم آتا ہے ہرگز نہیں۔ تو ایسا ہی وَمَا قَتَلُوْهُ کی نقیض صریح یعنی قتلوہ کو بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے باطل کہنے میں کونسا ردّ و بدل کلامِ الٰہی میں آگیا۔ اگر کہا جاوے کہ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ تو اِتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا کے بعد مذکور ہے نہ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ کے بعد تاکہ ما قتلوہ الخ کی نظیر بن سکے۔ تو جواباً گذارش ہے کہ بعد تسلیم اتحاد مضمون دونوں کلاموں یعنی اِتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا اور اِتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ کے عُذر مذکور قابلِ سماع نہیں ہوسکتا۔ اور دلیل کا انفصال دعویٰ سے اور جواب کا سوال سے قرآنِ کریم کی طرز کے مخالف نہیں۔ دیکھو وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (حجر۔ آیت ۶) اور جگہ ہے اور جواب اس کا مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ (قلم۔ آیت ۲) دوسری سورت میں۔ بس بیت ؎

ما ز یاراں چشم یاری داشتیم ‏ ‏ ‏ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

ص۳۰ قولہ۔ اے ناظرین برائے خدا الحکم الانصاف احسن الاوصاف ذرا انصاف فرمایا جاوے جس مسئلہ کی نسبت ایک شور و غل مچ رہا تھا کہ خلافِ اجماع ہے۔ اب اس کی نسبت مؤلف رسالہ شمس الہدایت فرماتے ہیں کہ بعض اہلِ تحقیق رفع جسم برزخی کے بھی قائل ہیں۔ پھر مؤلف صاحب سے عرض ہے کہ ہم لوگوں کو آپ اہلِ تحقیق میں ہی رکھیئے۔ اور آپ تو عوام اور کافہ اہلِ اسلام میں شامل ہیں۔ حضرت کیا ایسے ہی مسئلہ کو ثابت بالاجماع کہا جاتا ہے۔ جس میں اہلِ تحقیق اس کے مخالف ہوں۔

اقول۔ کاش! اگر آپ شمس الہدایت کو کسی محقق عالم سے پڑھ لیتے تو اتنی رُسوائی آپ کو حاصل نہ ہوتی۔ اتنے بڑے فخر اور تعلّی کے بعد جب جہالت درجہالت ظاہر ہو تو پھر حیادار کے لیے زندگی مشکل ہوجاتی ہے۔ ناظرین خدارا انصاف۔ شمس الہدایت کی عبارت میں (الا بعض اہلِ تحقیق) اضافت کے ساتھ ہے یعنی اہلِ تحقیق میں سے بعض۔ مطلب یہ ہوا کہ اکثر اہلِ تحقیق نے تو صرف رفع بجسم عنصری ذکر کیا ہے۔ مگر بعض اہلِ تحقیق میں سے قائل برفع جسمِ عنصری برزخی کے ہیں یعنی جسمِ عنصری بعد سلبِ شہوۃِ طعام و شراب اُٹھایا گیا۔ مرزوہی صاحب نے (بعض اہلِ تحقیق) کو مرکّبِ توصیفی سمجھ کر بے وقت کی راگنی حسبِ عادت ہانکنی شروع کر دی۔

سوال

(بعض اہلِ تحقیق) ترکیب اضافی کی تقدیر پر جب مفاد یہ ٹھہرا کہ اہلِ تحقیق میں سے بعض قائل برفع جسمِ برزخی ہُوئے ہیں۔ پھر رفع جسمی پر اجماع نہ رہا۔ اور نیز یہ امر قابلِ تسلیم ہی نہیں کہ اہلِ تحقیق کے دو ایسے متخالف مذہب ہوں۔ حق تو ایک ہی ہُوا کرتا ہے۔ وَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ۔ اور نیز بعد الاختلاف فی الرفع۔ اتفاق فی النزول ممکن نہیں۔

جواب

پہلے یہ بیان کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ مُراد بعض سے (بعض اہلِ تحقیق) میں کون ہے۔ سو معلوم ہو کہ ایک تو محدث دہلوی المعروف شاہ ولی اللہؒ اور دُوسرے شیخ محی الدینؒ بن عربیؒ اور جسمِ برزخی سے مُراد ان دونوں حضرات کی وُہی جسمِ عنصری ہے مگر بعد سلب کر لینے شہوتِ طعام و شراب وغیرہ ضرورتِ بشریہ کے، جیسا کہ حقیقی برزخی بعد الموت مسلوب الشہوت ہوتا ہے۔ برزخی کو بمعنے مسلوب الشہوت لینے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں صاحبوں کا مذہب حیاتِ مسیح کا ہے۔ دیکھو حضرت شیخ فتوحات باب ۳۶۷ حدیثِ معراج میں لکھتے ہیں۔ فلما دخل اذا بعیسٰی علیہ السلام بجسدہ عینہ فانہ لم یمت الی الآن بل رفعہ اللہ الی ھذہ السّماء واسکنہ بھا وحکمہ فیہا وھو شیخنا الاول الذی رجعنا علی یدہ ولہ بنا عنایۃ عظیمۃ لا یغفل عنا ساعۃ واحدۃ (فتوحاتِ مکیّہ)

یعنی حضرت عیسیٰ اب تک زندہ ہیں مرے نہیں نیز فتوحات کے باب پانچ سو چھتّرویں میں فرماتے ہیں۔ اعلم وفقنا اللہ وایاک ان من کرامة محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی ربہ ان جعل من امتہ رسلا ثم انہ اختص من الرسل من بعدت نسبتہ من البشر فکان نصفہ بشرا ونصفہ الاخر روحا مطھرا ملکا لان جبریل علیہ السلام وھبہ لمریم علیھا السلام بشرا سویا رفعہ اللہ الیہ ثم ینزلہ ولیا خاتم الاولیاء فی آخر الزمان بحکم شرع محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی امتہ ۔ فتوحات کی نقلیں اس مسئلہ پر پہلے گذر چکی ہیں۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ فوز الکبیر میں لکھتے ہیں: نیز از ضلالت ایشاں یعنی نصاریٰ یکے آنست کہ جزم میکنند حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول شدہ است و فی الواقع در قصہ عیسیٰ اشتباہے واقع شدہ بود۔ رفع بر آسمان را قتل گمان کردند و کابراً عن کابر ایں غلط را روایت نمودند خدائے تعالیٰ در قرآن شریف ازالہ شبہ فرمودہ کہ مَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ انتھیٰ۔ اسی طرح شاہ صاحب ترجمۃ القرآن میں (فلما توفیتنی) کے تحت لکھتے ہیں: پس ہرگاہ کہ برداشتی مرا۔ اور میرا ندی مرا نہیں کہتے۔ لہٰذا رفع سے جو فوز الکبیر میں ہے۔ رفع روحانی لینا از قبیل توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ ہوگا۔

بعد تمہید ہذا مطلب عبارت شمس الہدایت کا یہ ہوا کہ کافہ اہل اسلام اور اکثر اہل تحقیق نے صرف حیات مسیح اور رفع بجسدہ العنصری کا ذکر کیا ہے بغیر تحقیق اس امر کے کہ جسم عنصری کا رفع بعد سلب الشہوت کے ہوا یا بغیر اس کے الغرض اس میں خوض ہی نہیں کیا۔ بخلاف بعض کے اہل تحقیق میں سے کہ وہ گو کہ قائل بحیات و بہ نزول دوبارہ مسیح کے ہیں۔ مگر انھوں نے مسلوب الشہوت ہونے کو بھی ملحوظ رکھا۔ اختلاف صرف ذکر کرنے مسلوب الشہوت و عدم ذکر اس کے میں ہوا، نہ حیات و ممات میں۔ اور مراد نزول سے اس قول میں (مگر نزول مسیح پر سب ہی اتفاق رکھتے ہیں) نزول جسمی ہے۔ ظاہر ہے کہ کافہ اہل اسلام اور بعض اہل تحقیق کا اتفاق فی النزول الجسمی فرع ہے۔ اتفاق فی الرفع الجسمی کے۔ حاصل یہ ہوا کہ بعض اہل تحقیق کی مخالفت کافہ اہل اسلام سے صرف تعبیر برزخی میں ہے۔ اور یہ اس امر کی منتج نہیں کہ ان کے نزدیک رفع اور نزول روحانی ہو۔ بلکہ وہ بھی رفع اور نزول جسمانی ہی کے قائل ہیں۔ چنانچہ ان کی تصنیفات سے ظاہر ہے۔

سوال

بجائے برزخی کے اگر مسلوب الشہوت ہوتا تو ناظرین عبارت شمس الہدایت کو دقت نہ ہوتی۔

جواب

مصنف کو نقل بعینہٖ منظور تھا۔ دیکھو فیوض الحرمین اور تفسیر محی الدین بن عربی۔

سوال

نقل بعینہٖ کی کیا ضرورت تھی؟

جواب

مقصود اس سے دفع وہم کا ہے جو ناظرین کو برزخی کے لفظ کو ظاہر پر عمل کرنے سے واقع ہوتا تھا۔ بناءً علیہ حضرت شیخ اکبر محدث

دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی قائلینِ بوفات المسیح سے شمار کیا جاتا تھا۔ لہٰذا بعد ذکر کرنے (برزخی) کے (مگر نزولِ المسیح الخ) کے ساتھ دفع کیا گیا۔ والاّ اتنا ہی کافی تھا کہ سب اہلِ اسلام متفق ہیں رفع جسمی پر ا۔

سوال

شمس الہدایت کی عبارت میں کونسا قرینہ ہے جو دلالت کرتا ہے ارادہ مذکور پر یعنی کافہ اہلِ اسلام اور بعض اہلِ تحقیق دونوں حیات کے قائل ہیں۔

جواب

جملہ (مگر نزولِ مسیح پر سب ہی اتفاق رکھتے ہیں) کا شاہد بیّن ہے ارادہ مذکور پر۔ کیونکہ نزولِ جسمی من السماء بغیر حیات کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اُوپر بیان کیا گیا ہے کہ مُراد نزول سے نزولِ جسمی ہے۔ کیونکہ نزولِ رُوحانی پر اتفاق کافہ اہلِ اسلام اور حضرت شیخ و محدث دہلوی کا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ چُنانچہ فتوحات و فوز الکبیر وغیرہ سے مشرح کیا گیا ہے۔ اس مقام میں بھی جناب مہربان صاحب مذکور نے بہ تقلید امروہی صاحب کے ہر محفل میں شور مچا رکھا ہے۔ گویا یہ آپ کا پانچواں اعتراض ہے۔ اے امروہی کے معتقدو اب تو آپ کے فاضل نے فیصلہ کر دیا اور بذریعہ اپنی کتاب کے اشتہار دے دیا کہ ہمارا علمی مادہ یہی کچھ ہے۔ اور ہم اور ہمارے مسیح الزمان جو ہمارے سہارے پر جواب دینا چاہتے تھے۔ اور کُل مقلدین ہمارے جاہل مرکب ہیں تم اہلِ اسلام ہماری جاہلانہ تحریرات کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ۔ قرآن کریم و احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر میں جو کچھ پہلے لوگ فرما گئے ہیں وُہی حق ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

عدُو شود سببِ خیر گر خُدا خواہد   خمیرِ مایۂ دُکانِ شیشہ گر سنگ است

امروہی صاحب نے اس مقام پر صفحہ ۱۳ میں اپنی جہالت و تذبذب و اشتباہ کے مناسب حال یہ شعر فتوحات وغیرہا سے لکھ دیا ہے ؎

رق الزجاج ورقت الخمر   فتشابها وتشاكل الامر

فكانما خمر ولا قدح   وكانما قدح ولا خمر

گویا امروہی اس قطعہ کے لکھنے میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ شیشہ اور شراب دونوں لطیف ہیں یعنی شمس الہدایت کے الفاظ و مضامین گویا شراب ہے صُراحی نہیں۔ اور اگر یہ کہوں کہ صُراحی ہے شراب نہیں تو بھی بجا ہے۔

قولہ صفحہ ۳۲ لیکن مرفُوعیتِ جسمانی اور ملعُونیت (جو لازم مقتولیت بالصلیب کو ہے) باہم متنافی نہیں۔

اقول ملعُونیت کا لزُوم مقتولیت بالصلیب کو صرف آپ کا اور یہود کا زعمِ فاسد ہے۔ ورنہ بائیسویں اور تیسویں آیت کی عبارت بعینہا جو اُوپر نقل ہو چکی ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ ملعُونیت لازم ہے صرف اُس مقتولیت بالصلیب کو جو مجرم میں متحقق ہو۔ اور چُونکہ قتل اور مرفوعیتِ جسمانی میں تنافی موجود ہے لہٰذا قصر قلب کا مقتضےٰ بھی متحقق ہوا۔ ناظرین کو اتنی ہی تشریح کے بعد امروہی صاحب کے صفحہ ۳۲، ۳۳، ۳۴ اور ایسی ہی اس کے حاشیہ متعلقہ صفحہ ۳۱ سطر ۹ کے چار صفحوں کی بناء فاسد علی الفاسد معلوم ہو سکتی ہے۔

قولہ صفحہ ۳۴ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بسا مشرکین و کفار جن کی کوٹھیاں بلند پہاڑوں پر بنی ہوئی ہیں، باعتبار جسم کے مرفوع ہیں۔ اور ایسے ہی (۲۶۱۰۷) فٹ اونچا جو غبارہ جا سکتا ہے اس میں اکثر ہی مرفوع الجسم ہوتے ہیں نہ مرفوع الدرجات بلکہ عند اللہ ملعون ہیں۔ اور کئی ہزار فٹ نیچے زیرِ دامن کوہ موحدین و مومنین جسمانی طور سے مخفوض ہیں لیکن عند اللہ مرفوع الدرجات ہیں۔ تو کیا آپ کے

نزدیک وُہ کفار مرفوع بجسم عنصری مرفوع الدرجات یا مقبول الٰہی ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اور کئی ہزار فٹ نیچے جو مومنین موحدین سکونت پذیر ہیں کیا آپ کے عندیہ میں نعوذ باللہ مردود و ملعون ہیں کلا وحاشا۔

اقول سُبحان اللہ ماشاء اللہ معقول ہو تو ایسا ہی ہو اور منقول ہو تو ویسا کہ بی سمیع و بی بصر کی روایت بھی نامعلوم۔ این رفت وآں ہم رفت۔ رفت و رفت رفت ولنعم ما قیل شعر ؎

عاشق ہوئے ہیں یار کے ہم کس اُمید پر جُز آہِ نارسا کوئی ساماں بھی نہیں

پہاڑ کے اُوپر کافر کی بالارادہ حرکت وسکون کہاں، اور ملائکہ کا اُٹھا کر لے جانا آسمان پر جو رفعہ اللہ الیہ کے مضمون کی کیفیت ہے یہ کُجا۔ مولانا یہاں پر مُطلق رفع جسمی اور خفض جسمی میں کلام نہیں۔ ذرا آنکھ کھول کر دیکھو وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں کلام ہو رہا ہے کیا وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں مُستغرق ہونے کی وجہ سے اشتباہ کی رنگت میں رنگین ہو گئے ہیں۔ یا دسمہ لگانے کو دیر ہو گئی ہے۔ جو کچھ ہو مُبارک ہو۔ مگر رفع جسمی مذکور فی الآیت کے تحقق کے لیے مادہ عباد مقربین میں سے وُہ اچھے لوگ ہوں گے جن کو ملائکہ نے اعزاز و تکریم کے ساتھ اُوپر اُٹھا لیا ہو اور جن کے رفع جسمی سے نصُوص و اخبار پتہ دیتے ہیں۔ آپ نے پہاڑ سے مُشرک کو اور ایسا ہی اُن کفار کو جو بذریعہ غُبارہ اُڑائے جاویں کہاں سے دیکھ لیا۔ کیا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں آپ کا نرالا معقول ان دونوں کو داخل کر سکتا ہے آپ نے شرح الصدور کو نہیں مُلاحظہ فرمایا (حکی الیافعی فی کفایۃ المعتقدین عن الشیخ عمر بن الفارض انہ حضر جنازۃ رجل من الاولیاء قال فلما صلینا علیہ واذا الجو قد امتلاء بطیور خضر فجاء طیر کبیر منھم فابتلعہ ثم طار فتعجب من ذلک فقال لی رجل قد نزل من الھواء وحضر الصلوٰۃ لا تعجب فان ارواح الشھداء فی حواصل طیور خضر ترعی فی الجنۃ اولئک شھداء السیوف واما شھداء المحبۃ فاجسادھم ارواح۔

ترجمہ۔ علامہ سیُوطی کفایۃ المعتقدین سے بروایت یافعی شیخ عُمر بن فارض مکی کا چشم دید واقعہ نقل کرتے ہیں کہ شیخ عُمر ایک ولی اللہ کے جنازہ پر جا پہنچے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم نماز جنازہ ادا کر چکے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس قدر سبز جانور آسمان سے اُترے ہیں کہ اُن سے آسمان چھُپ گیا۔ پس ان میں سے ایک بڑا جانور الگ نیچے اُترا اور اُس نے اُس ولی اللہ کو اس طرح نگل لیا جیسے کہ جانور ایک دانہ نگل لیتا ہے۔ اور آسمان کی طرف اُڑ گیا۔ شیخ عُمر فرماتے ہیں کہ میں اِس واقعہ سے متعجب ہوا۔ لیکن اِتنے میں ایک شخص میرے سامنے آگیا کہ وُہ بھی آسمان سے اُترا تھا۔ اور نماز میں شریک ہوا تھا۔ اُس نے کہا کہ اَے عُمر اِس واقعہ سے تعجب مت کر کیونکہ وُہ شہید جن کی رُوحیں جنت میں سبز جانوروں کی حواصل میں رہتی ہیں وُہ تلوار کے شہید ہیں لیکن محبت الٰہی کے شہیدوں کے بدن رُوح کا حکم رکھتے ہیں۔

شیخ سیُوطیؒ فرماتے ہیں کہ اسی کے مشابہ ہے وُہ قصّہ جس کو ابن ابی الدنیا نے ذکر موتیٰ میں زید بن اسلم سے روایت کیا ہے۔ کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص عابد و زاہد پہاڑوں کی غاروں میں خُدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اور دُنیا کے لوگوں سے کنارہ کش تھا۔ اس زمانہ کے لوگ قحط کے دنوں میں اس سے دُعا منگوایا کرتے تھے اور اُس کی دُعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان پر ابرِ رحمت برسایا کرتا تھا۔ اتفاقاً وُہ فوت ہو گیا۔ لوگ اس کے غسل کی تیاری کرنے لگے کہ ناگہاں ایک تخت آسمان کی بلندی سے اُترتا ہوا نظر آیا۔ یہاں تک کہ اس ولی کے نزدیک آپہنچا۔ اور ایک شخص نے کھڑے ہو کر اس تخت کو پکڑ لیا اور اس ولی کو تخت پر رکھا اور وُہ تخت آسمان کی طرف اُٹھایا گیا اور لوگ دیکھتے رہے کہ وُہ ہوا میں اُڑا جاتا ہے یہاں تک کہ اُن سے پوشیدہ ہو گیا۔ قلت ویشبہ ھٰذا ما اخرجہ ابن ابی الدنیا فی ذکر الموت عن زید بن اسلم قال کان فی بنی اسرائیل رجلٌ قد اعتزل الناس فی کھف جبل وکان اھل زمانہ اذا قحطوا استغاثوا بہ فدعی اللہ فسقاھم فمات فاخذوا فی جھازہ فبیناھم کذالک اذا ھم بسریر یرفرف فی عنان السماء حتی انتھٰی الیہ فقام رجل

فاخذہٗ فوضعہ علی السریر فارتفع السریر والناس ینظرون الیہ فی الھواء حتّٰی غاب عنھم۔

عامر بن فہیرہ کا آسمان پر اُٹھایا جانا

علامہ سیُوطی لکھتے ہیں کہ اِس کا مؤید وُہ واقعہ ہے جس کو بیہقی اور اُبونعیم نے دلائل النبوۃ میں بروایت عروہ نقل کیا ہے کہ عامر بن فہیرہ غلامِ ابی بکرؓ معونہ کے دِن شہید ہُوا۔ اور عمرو بن امیّۃ الضمری نے بچشمِ خود دیکھا کہ وُہ اُسی وقت آسمانوں کی طرف اُٹھایا گیا۔ چنانچہ یہی عجیب و غریب واقعہ ضحاک بن سفیان کلابی کے اِسلام کا باعث ہُوا۔ اور اُس نے عامر بن فہیرہ کے قتل کا اور رفع کا چشم دِید واقعہ اور اس پر اپنا اِسلام لانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف لکھا۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اِرشاد فرمایا کہ ملائکہ نے عامر بن فہیرہ کے جسم کو چھپالیا اور اُس کو علیّین پرجا اُتارا۔ اور یہی قصّہ ابن اسعد اور حاکم نے کبیر میں بطریق عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کیا کہ عامر بن فہیرہ آسمان کی طرف اُٹھایا گیا۔ اور ملائکہ نے اس کا جسم چھپالیا۔ اور عامر بن طفیل بھی اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہے۔ اُس نے عامر بن فہیرہ کا آسمان کی طرف اُٹھایا جانا دیکھا۔ اور اِسی طرح خبیب بن عدی کی نسبت احمد اور اُبونعیم اور بیہقی نے بروایت عمرو بن امیّۃ الضمری تخریج کی۔ شیخ سیوطی فرماتے ہیں کہ اُبونعیم کے نزدیک خبیب بن عدی کا آسمانوں کی طرف مرفوع ہونا قطعی ہے۔ چنانچہ اُبونعیم نے جواب وسوال کی صُورت میں کہا کہ اگر یہ کہا جاوے کہ عیسٰی علیہ السّلام آسمانوں کی طرف اُٹھا لیے گئے ہیں تو ہم کہیں گے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اُمّت میں سے ایک قوم آسمانوں کی طرف اُٹھائی گئی۔ اور یہ امر عیسٰی علیہ السّلام کے رفع سے بھی عجیب تر ہے۔ اور اس کے بعد عامر بن فہیرہ اور خبیب بن عدی اور علاء بن حضرمی کا واقعہ بھی بیان کیا۔ جس کے رفع کا ذکر شیخ سیُوطی نے باب احوال الموتٰی فی قبورھم میں کیا۔ اس کے بعد شیخ سیُوطی نے ایک مشہُور حدیث سے جس کو نسائی اور بیہقی اور طبرانی وغیرہم نے بروایت جابرؓ تخریج کیا ہے۔ ان واقعاتِ رفع کے غیر محال اور ممکن الوقوع ہونے پر اِستدلال کرکے کہا کہ غزوۂ اُحد میں جب کہ حضرت طلحہؓ اُنگلیوں کے زخم کے درد سے کلمہ حس کہہ رہے تھے (جو عرب کے محاورہ میں شدّتِ درد کے وقت مُنہ سے نکلتا ہے) تو اُس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت طلحہؓ سے خطاب کرکے فرمایا کہ اے طلحہؓ اگر تو بجائے کلمہ حس کے بسم اللہ کہتا تو ملائکہ بالضرور تجھے اُٹھا لے جاتے اور لوگ تیری طرف دیکھتے رہ جاتے۔ یہاں تک کہ تُو وسطِ آسمان میں جا پہنچتا۔ یہ ترجمہ ہے شرح الصدور کی عبارت کا صفحہ ۱۳۷ میں ملاحظہ ہو۔

امروہی صاحب! افسوس ہے آپ کے نبی قادیانی کہیں تو رفع مسیح کو محالِ عقلی اور کہیں اِس پر تمسخر اُڑاتے ہیں کہ آسمان پر مسیح بول و براز کس جگہ کرتا ہوگا۔ اور اِتنی عمر کا ہوکر نکمّا نہ ہوگیا ہوگا۔ پھر اُترنے کے بعد کس کام کا ہوگا (ناظرین صفحہ ۱۴۷۔ ازالہ اوہام کا ملاحظہ کریں اور نیز ازالہ صفحہ ۴۷ و صفحہ ۵۰۔

شعر:- گر ہمیں مکتب است و اِیں مُلّا۔ کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

خُدارا قرآن مجید کی تحریف سے باز آؤ۔ بعد اس کے معلوم ہو کہ رفع جسمی بمعنی رفع الملائکۃ الی السماء جو مستلزم ہے اعزاز کو۔ اس کا مقابل خفض فی الارض ہے۔ جو بذریعہ ملائکہ کے ہوتا ہے کہ کفار مخسُوفین ہیں (زمین میں دھنسائے ہُوئے) اور وُہی متحقق ہوگا۔ آپ نے اس کے لیے مومنین موحدین کو کس طرح مادۂ تحقیق بنالیا۔

قولہٗ - حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۳۱ ثانیاً ہم کہتے ہیں کہ امام مالکؒ صاحب کا مذہب موت اور وفاتِ مسیح بن مریم کا مثلاً ہے۔ اور آپ کے نزدیک وُہ بالضرور اہلِ تحقیق میں سے ہوں گے۔ کیونکہ آئمہ اربعہ میں سے ایک بڑے امام ہیں۔ اب آپ فرماویں کہ باقی تین آئمہ نے اپنے مذہب رفع جسمانی یا نزولِ جسمی کی کہاں تصریح کی ہے۔ درصُورتِ عدم تصریح اقل درجہ ان کی نسبت سکوت مانا جاوے گا۔ پھر وُہی مذہب

ہمارا اُوٹ آیا۔ کہ بعض اہلِ تحقیق نے اپنے مذہب کی تصریح کر دی ہے۔ اَور بعض محققین نے مجملاً اس پیشین گوئی کو تسلیم کر لیا ہے۔ اپنے وقت پر جس طرح ہو واقع ہو کہ علمہ عند اللہ اَور قبل وقُوعِ پیشین گوئی کے یہ طریقہ اختیار کرنا بھی اَسلم ہے۔ ثالثاً فرضاً کہ بعض اہلِ تحقیق سے کوئی قول مؤیدِ آپ کے مذہب کا منقول ہو تو پھر ہم یہ کہیں گے کہ وُہ آپ کا اجماع کہاں گیا جس کے خرق کا الزام ہم پر لگا کر ہماری تکفیر کی گئی تھی۔ اَے مُرید و مؤلف صاحب کے اَب تو آپ کے پیر نے فیصلہ کر دیا اَور بذریعہ اپنی کتاب کے اشتہار دے دیا کہ بعض محققین رفعِ رُوحانی اور وفات کے قائل ہیں نجیات اور رفعِ جسمانی کے الخ

اقول۔ الفاظ (الا بعض اہلِ تحقیق) کا معنے اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ اب آئمہ کی تصریحات سُنیئے۔ امام الائمہ اَبُو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ وخروج الدجال ویاجوج وماجوج وطلوع الشمس من المغرب ونزول عیسٰی علیہ السلام من السماء وسائر علامات یوم القیمۃ علی ماوردت بہ الاخبار الصحیحۃ حق کائن (فقہ اکبر) اَور یہی مذہب کُل آئمہ شفعویہ کا ہے۔ جیسے کہ آئمہ صحاحِ ستہ اَور شیخ سیُوطیؒ وغیرہ کی تصریحات سے ظاہر ہے۔ اَور یہی مذہب آئمہ مالکیہ کا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام احمد نفراوی المالکی نے فواکہ دوانی میں تصریح کر دی کہ شراطِ ساعت سے ہے آسمانوں سے عیسٰی علیہ السلام کا اُترنا۔ آہ۔ اَور جیسا کہ علامہ زرقانی مالکی شرحِ مواہب قسطلانی میں بڑی بسط سے لکھتے ہیں جس کا نقل کرنا حسبِ مدعی اس موقع پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ فاذا نزل سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام فانہ یحکم بشریعۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بالھام واطلاع علی الروح المحمدی اوبما شاء اللہ من استنباط لھا من الکتاب والسنۃ ونحو ذالک شاید آپ نزول کو جو علامہ زرقانی مالکی المذہب کی عبارت (فاذا نزل سیدنا عیسٰی) سے مفہوم ہوتا ہے حسبِ اعتقاد ماوّل ٹھہراویں یعنی نزولِ بروزی تو اس کج رفتاری کو یہ عبارت جو اس کے بعد لکھتے ہیں (فھو علیہ السلام وان کان خلیفۃ فی الامۃ المحمدیۃ فھو رسول و نبی کریم علی حالہ لا کما یظن بعض الناس انہ یاتی واحداً من ھذہ الامۃ بدون نبوۃ ورسالۃ وجھل انھما لا یزولان بالموت کما تقدم فکیف بمن ھو حییٌ نعم ھو واحد من ھذہ الامۃ مع بقائہ علی نبوتہ و رسالۃ) خاک میں ملا دیتی ہے۔

علامہ سیُوطی کتاب الاعلام میں لکھتے ہیں کہ عیسٰی نبی اللہ بعد از نزُول آسمانوں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق حکم کرے گا۔ اس پر اجماع ہے۔ عبارت یہ ہے۔ انہ یحکم بشرع نبینا وردت بہ الاحادیث وانعقد علیہ الاجماع۔ فتح البیان میں ہے کہ وقد تواترت الاحادیث بالنزول جسماً اوضح ذٰلک الشوکانی فی مؤلف مستقل یتضمن ذکر ما ورد فی المنتظر والدجال والمسیح وغیرہ وصحح الطبری ھذا القول ووردت بذالک الاحادیث المتواترۃ۔ فتح البیان۔ صفحہ ۳۴۲ جلد ۲۔

آئمہ اربعہ کے مسانید اَور ایسے ہی ان کے مقلدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تصانیف میں احادیثِ نزُولِ مسیح موجُود ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے لفظ (عیسٰے) سے وُہی مریم کا بیٹا علیٰ نبینا وعلیہ السلام سمجھا ہُوا تھا نہ مثیل اس کا۔ الغرض تالیفاتِ

لہ بحسب تصریح شیخ الاسلام احمد مالکی اَور علامہ زرقانی مالکی و علامہ سیُوطی وغیرہم کے ثابت ہے کہ امام مالک کا مذہب بھی اجماع کے برخلاف نہیں۔ اِسی لیے (قال مالک مات وھو ابن ثلث وثلثین سنۃ) کی تاویل شیخ محمد طاہر مجمع البحار میں یُوں لکھتے ہیں (ولعلہ اراد رفعہ الی السماء حقیقۃً و یجیئ آخر الزمان لتواتر خبر النزول۔ جلد ا صفحہ ۲۸۶) الغرض رفع و نزُولِ جسمی کے سب آئمہ قائل ہیں اَور حیاتِ مسیح الی مابعد النزول ماشاء اللہ سب کا اجماعی عقیدہ ہے یہی معنے ہے شمس الہدایت کے اس قول کا (مگر نزولِ مسیح پر سب ہی اتفاق رکھتے ہیں) ۱۲ منہ

ائمۂ اربعہ و سائر عُلمائے اسلام محدّثین و مفسّرین کی (الیٰ یومنا ہٰذا) کے اُوپر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کل محدّثین اور آئمۂ مذاہب اربعہ اور اصحابِ روایت و درایت اور صحابہ کرام جیسے حضرت عمرؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ اور حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ابُوہریرہؓ اور عبداللہ بن سلامؓ اور ربیعؓ اور انسؓ اور کعبؓ اور حضرت ابُوبکر صدّیقؓ چنانچہ ان کا اور حضرت عمرؓ کا کلام بالتشریح اپنے مقام پر آئے گا۔ اور جابرؓ اور ثوبانؓ اور عائشہؓ تمیم داری اور بُخاری و مُسلم اور ترمذی اور نسائی اور ابُوداؤد اور بیہقی اور طبرانی اور عبد بن حمید اور ابنِ ابی شیبہ اور حاکم اور ابنِ جریر اور ابنِ حبان اور امام احمد اور ابنِ ابی حاتم اور عبدالرزاق اور قتادہ اور سعید بن منصور اور ابنِ عساکر اور اسحٰق بن بشیر اور ابن ماجہ اور ابنِ مردویہ اور بزاز شرح السنۃ و ابُونعیم زالتہ اور شیخ سیُوطی اور علامہ ذہبی اور ابنِ حجر عسقلانی اور قسطلانی اور امام ابُوحنیفہ اور کل آئمۂ شفعویہ اور مالکیہ اور حنبلیہ اور شیخ اکبر صاحبِ فتُوحات و مجدّدِ وقت حضرت امام ربّانی و سائر صُوفیہ کرام اور تابعین جیسے ابنِ سیرین اور امام شوکانی اور ابنِ قیّم و ابنِ تیمیہ وغیرہ کا اس پر اجماع ہے کہ عیسٰی نبی علیہ السّلام زندہ آسمانوں پر اُٹھائے گئے۔ اور قبل از قیامت آسمانوں سے اُتریں گے۔ قادیانی صاحب نے اس افترا اور ناپاک جھوٹ مسطورہ "مکتُوبِ عربی" سے سفید کاغذوں کا منہ سیاہ کر دیا۔ کہ اکثر اکابرِ اُمّت اور آئمہ مسیح کے مرجانے کے قائل ہیں اور اس کی حیات پر اجماع نہیں بلکہ اس کی موت پر اجماع ہے۔ اور صحابہ اور تابعین اور آئمہ اور تبع تابعین اس کی موت کے قائل ہیں۔ اور یہی مذہب مالکؒ اور ابنِ حزم اور امام بُخاری وغیرہ اکابر محدّثین کا ہے۔ اور اسی پر اتفاق اکابر معتزلہ اور بعض اولیائے کرام کا ہے۔ اور رجُوع کا لفظ کسی حدیثِ نبویؐ میں نہیں۔ اور آسمان سے نزُول کا لفظ بھی نہ کسی حدیث میں آیا اور نہ متقدّمین کے ملفُوظات اور کلمات ہیں۔ کیا تم اِن الفاظ کو خائنوں کی طرح تراشتے ہو۔ اور تم ہرگز اِن الفاظ کو رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور متقدّمین کی کلام یا "توفّی" کے لفظ کو غیر معنے موت میں نہ پاسکو گے۔ اگرچہ حسرت و ندامت کے ساتھ مرنا چاہو۔"

یہ ہے ترجمہ مکتوبِ عربی قادیانی کا صفحہ ۱۵۱۔ امروہی صاحب بھی مثل مشہُور کے مصداق چھوٹے میاں واہ! واہ! اور بڑے میاں سُبحان اللہ۔

بھائی مُسلمانو! تفسیروں میں مفسّرین نے جس امر کو نصاریٰ کا قول یا کسی ایک مسلم کا یعنی وفاتِ مسیح ٹھہرایا ہے۔ اس کو قادیانی نے بمعہ چیلے چانٹوں اپنے کے مجمع علیہ اہلِ اسلام کا بنا لیا ہے۔ دیکھو بیضاوی قیل اماتہ اللہ سبع ساعات ثم رفعہ اللہ الی السماء و الیہ ذھب النصاریٰ یعنی یہ قول کہ (عیسٰی علیہ السّلام رفع کے قبل سات ساعت تک مرے رہے) یہ نصاریٰ کا قول ہے۔ اور معالم و تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ قال وھب توفی اللہ عیسٰی ثلث ساعات من النھار ثم احیاہ ثم رفعہ اللہ الیہ وقال محمد بن اسحاق ان النصاریٰ یزعمون ان اللہ توفاہ سبع ساعات من النھار ثم احیاہ و رفعہ الیہ اور شیخ الاسلام حرانی کی عبارت جس میں قول بالوفات کو نصاریٰ کی طرف منسُوب کیا ہے، ابتدا کتاب ہٰذا میں نقل کی گئی ہے۔ اور جیسے کہ حاکم نے مستدرک

لہ مرزا صاحب نے جو نزُول بُروزی کو صُوفیہ کا مذہب لکھا ہے (ایام الصلح فارسی صفحہ ۱۸۰) یا امروہی صاحب نے شمس بازغہ میں۔ ان دونوں نے نقل میں دھوکے اور دجل سے کام لیا ہے۔ شیخ محمد اکرم صابری کی کتاب "اقتباس الانوار" سے نقل کرتے ہیں:۔ "و بعضے برانند کہ رُوحِ عیسٰی در مہدی برُوز کُند و نزُول عبارت ازیں برُوز است مُطابق ایں حدیث لاالمھدی الاعیسٰی ابن مریم بس حالانکہ اس کے بعد اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے:۔ "و ایں مقدمہ بغایت ضعیف است (اقتباس الانوار صفحہ ۵۲) اور دُوسری جگہ اسی کتاب "اقتباس الانوار" کے صفحہ ۲ے میں لکھتے ہیں:۔ "یک فرقہ برآں رفتہ اند کہ مہدی آخر الزمان عیسٰی ابن مریم است و ایں روایت بغایت ضعیف است۔ زیرا کہ اکثر احادیث صحیحہ و متواترہ از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ورُود یافتہ کہ مہدی از بنی فاطمہ خواہد بُود و عیسٰی باو اقتدا کردہ نماز خواہد گذارد و جمیع عارفان صاحب تمکین برایں متفق اند چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ در فتوحاتِ مکی مفصل نوشتہ است کہ مہدی آخر الزمان از آلِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم من اولادِ فاطمہ زہراؓ ظاہر شود و اسم او اسم رسُول اللہ باشد۔ الخ ۱۲ منہ

میں عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ عیسیٰؑ ایک سو برس تک زندہ رہے۔ اور ہر نبی اپنے ماقبل نبی کے نصف عمر پاتا ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ساٹھ برس کے سرے پر جانے والا ہوں۔ پہلے قول کو سب نے نصاریٰ کی طرف منسوب کیا اور حدیث عائشہؓ کو ذکر کر کے حافظ ابن حجر عسقلانی نے خود غیر معتبر ٹھہرایا اور کہا کہ صحیح یہی ہے کہ عیسیٰؑ زندہ اٹھایا گیا۔ اور ابن عساکر کی حدیث اس کے بعد نقل کر کے ثابت کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام مدینہ منورہ میں فوت ہوں گے۔ اگر کتب سیر و تواریخ پر بالاستقرار نظر ڈالی جاوے تو ہرگز یہ قضیہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر نبی اپنے ماقبل نبی کے نصف عمر پاتا ہے۔ اور فساد مضمون کا من جملہ علامات وضع حدیث کے ہوتا ہے

قادیانی نے اپنے مکتوب میں جن اُمور کی نسبت ساری اُمت کو مُفتری ٹھہرایا ہے ان کا ثبوت

۱۔ لفظ من السماء کا ثبوت صراحتہً یا دلالۃً روی اسحٰق بن بشیر و ابن عساکر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعند ذٰلک ینزل اخی عیسیٰ بن مریم من السماء۔ (الحدیث)

۲۔ فقہ اکبر میں امام الائمہ ابو حنیفہؒ نزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء فرماتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے نقل کیا گیا۔

۳۔ شیخ اکبر فتوحات میں فرماتے ہیں۔ فانہ لم یمت الی الاٰن بل رفعہ اللہ الی ھٰذہ السماء روی ابن جریر و ابن حاتم عن ربیع قال ان النصاریٰ اتوا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی ان قال الستم تعلمون ربنا حی لا یموت وان عیسیٰ یاتی علیہ الفناء۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب زندہ ہے جس پر موت نہیں آئے گی اور عیسیٰ پر موت آئے گی

۴۔ درۃ الدرانی بخاری کا مذہب اخرج البخاری فی تاریخہ والطبرانی عن عبد اللہ بن سلام قال یدفن عیسیٰ بن مریم مع رسول اللہ وصاحبیہ فیکون قبرہ رابعاً (۲) (رجوع کا لفظ) قال الحسن قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للیھود ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ۔ درمنثور۔

امروہی صاحب اس (لم یمت) کی تاویل فرماتے ہیں (کہ حضرت عیسیٰؑ سُولی پر نہیں مرے) دیکھو شمس بازغہ صفحہ ۷۔ سطر ۲۰ مگر آگے جاکر (وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ) میں سکتہ عارض ہو جاتا ہے۔ شاید اس لیے کہ کیا کروں۔ اگر (انہ راجع) میں انہ کی ضمیر عیسیٰؑ کی طرف عائد کرتا ہوں تو خود عیسیٰؑ کا دوبارہ دُنیا میں آنا ثابت ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو روپیہ چندہ کا میرے پاس بجسدہ العنصری پہنچایا گیا تھا وُہی بعینہ دوبارہ لوٹ کر جس جگہ سے آیا تھا وہاں پر ہی نازل ہوگا۔ اور اگر (انہ) کا مرجع قادیانی ٹھہراتا ہوں تو آیت میں اس کا ذکر ہی نہیں۔ اب ذرا دم کھا جانا مصلحت وقت معلوم ہوتا ہے۔

نزول و رجوع بروزی کی تاویل اور اس کی تردید ابتدا کتاب میں مفصل گذر چکی ہے ملاحظہ ہو۔ اور حاکم نے اس حدیث معاہدہ کے اخیر میں جس کو امام احمد نے اخراج کیا ہے۔ اپنی مُستدرک میں کہا ہے (فذکر من خروج الدجال فاھبط فاقتلہ) لا اترککم یتامی انی اٰتی الیکم بعد قلیل واما انتم فترونی انی اناحیؑ (انجیل مطبوعہ بیروت ۱۸۸۲ء) خیر الدین افندی جواب فصیح میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ (ابن مریم تم میں حکم و عادل ہو کر نزول کرے گا) (اٰتی الیکم) اور (حیی) اور (بل رفعہ اللہ الیہ) کو ملاحظہ فرماویں۔

۵۔ ہبوط کا لفظ لیھبطن عیسیٰ بن مریم حکماً عدلاً ۔۔۔ ابو ھریرۃ ابن عساکر اسی حدیث کے اخیر میں حاجًا او معتمرًا ولیقفن علی قبری ولیسلمن علی ولارُدن علیہ موجود ہے۔ اور ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفًا میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنا اور جواب سے مشرف ہونا، یہ نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہوگی۔

۶۔ شمس الھدایت میں زریت بن برتملا وصی عیسیٰؑ والی حدیث مذکور ہے جس کو ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے۔ کمافی ازالۃ الخفاء

اِس حدیث میں (الی حین نزولہ من السماء) کا لفظ بھی موجود ہے۔ اِس حدیث سے برخلاف مشن قادیانی کے کئی امور پائے جاتے ہیں۔

۱۔ زریب بن برتملا کا اِس قدر زمانہ دراز تک بغیر اکل وشرب کے زندہ رہنا۔

۲۔ عیسٰی علیہ السّلام کے نزول بنفسہٖ کی بشارت دینا۔

۳۔ حضرت عمرؓ کا نضلہ اور تین سو سوار کی روایت وصی عیسٰیؑ کو تسلیم کرکے اپنا سلام وصی عیسٰیؑ کی طرف بھیجنا۔

۴۔ حضرت عمرؓ کا بمعہ چار ہزار اصحابہ مہاجرین و انصار کے عیسٰی نبی اللہ کے نزول من السّماء کو صحیح سمجھنا۔ نہ یہ کہ کوئی اس کا مثیل آوے گا۔

۵۔ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وفات شریف کے دن (کمارفع عیسٰی) کا فقرہ صدّیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلکہ سائر صحابہؓ جو اُس وقت حاضر تھے سب کا تسلیم شدہ تھا۔ ورنہ حضرت عمرؓ اگر (کمارفع عیسٰی) کو بھی مثل رفع محمّدیؐ کے خطبہ صدّیقیؓ غلط ومردود سمجھے ہوتے تو نضلہ کی روایت وصی عیسٰیؑ کو تسلیم کرکے سلام نہ بھیجتے اور معلوم ہو کہ وفات شریف کے دن محلِ کلام صرف یہی تھا کہ حضرت عمرؓ سے بہ سبب اضطراب وقلق کے وفات شریف کے بارہ میں اور کچھ نہیں بن پڑتی تھی بغیر اِس کے کہ (رفع کمارفع عیسٰی بن مریم) کہتے تھے یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم زندہ ہیں اور اُٹھائے گئے ہیں جیسے ابن مریم اُٹھایا گیا۔ ازالۃ الخفاء کے مقصدِ دوئم میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چوں آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم از عالم دُنیا برفیق اعلیٰ انتقال فرمود تشویش ہائے بےشمار بخاطر مردم راہ یافت ظنّ بعضے آں کہ ایں موت نیست حالتے ست کہ عند الوحے پیش مے آید وگمانِ بعضے آں کہ موت منافی مرتبۂ نبوت است الخ حضرت عمرؓ کے اِس خیال کی تردید کے لیے صدّیق اکبرؓ نے (ایھا الرجل اربع علی نفسك) اَے مرد تھام تو اپنے آپ کو فرما کر کہا۔ فان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قد مات الم تسمع اللّٰہ یقول (اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ○ (زمر۔ آیت ۳۰) اور پھر فرمایا:۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ○ (انبیاء۔ آیت ۳۴) پھر منبر پر چڑھ کر بعد حمد وثنا فرمایا۔ ایھا الناس ان کان محمّد الٰھکم الذی تعبدون فان الٰھکم قد مات وان کان الٰھکم الذی فی السماء فان الٰھکم لم یمت پھر یہ آیت پڑھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ الخ (آل عمران۔ آیت ۱۴۴) اِس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کا خیال تشویش کے باعث اسی طرف تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے وفات نہیں پائی۔ بلکہ عیسٰی بن مریم کی طرح زندہ ہیں۔ اس کی تردید حضرت صدّیق نے فان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قد مات سے فرمائی۔ اور پھر اِس وہم کو (کہ موت منافی نبوت کے ہے) اِس آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ونظائرہا سے دُور فرمایا یعنی موت منافی نبوّت کے نہیں۔ اور یہی ہے ماسبقت لاجلہ الآیات یعنی آیات کا سوق صرف اتنے ہی مضمون کے لیے ہے کہ خیال تھا کہ انبیاء بھلا کب مرتے ہیں، غلط ہے پیغمبری اور موت باہم متنافی نہیں۔ رہا یہ امر کہ سب انبیاء مرچکے نہ تو مفاد آیات کا ہے اور نہ اِس پر مزعوم مخاطبین کی تردید موقوف ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ ظاہر ہے کہ تحقق موت کا افادہ نہیں دیتا۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بروقت نزول اِس آیت کے وفات پاچکے ہوں۔ اور ایسا ہی وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ

---

[1] اِس سے صاف ظاہر ہے کہ صدّیق اکبرؓ کا مدعٰی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات شریف کا اثبات ہے جس سے صرف حضرت عمرؓ کے پہلے فقرہ (انما رفع) کی تردید منظور ہے نہ دُوسرے فقرہ (کمارفع عیسٰیؑ) کی۔ ۱۲ منہ۔

الخُلْدَ کیونکہ مفاد اس کا خلود کی نفی ہے۔ اور مسیح بھی چونکہ اپنی ہستی کے لیے ابتداء اور انتہاء رکھتا ہے لہٰذا خلود سے بے بہرہ ہے۔ اور قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا دال ہونا کل انبیاء کی موت پر موقوف ہے خلت کے بمعنے ماتت اور لام کے (الرسل) میں استغراقی ہونے پر۔ سو یہ دونوں ممنوع ہیں۔ بلکہ خَلَتْ کا بمعنے مَضَتْ ہونا اور لام کا جنسی ہونا متعین ہے۔ پہلا لغت اور شہادت نظائر سے ثابت ہے مثل (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ) آل عمران۔ آیت ۱۳۷) الایام الخالیۃ وغیرھا اور لام کے استغراق نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) عیسیٰ بن مریم کے بارہ میں بھی نازل ہوا ہے۔ قال تعالیٰ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (مائدہ۔ آیت ۷۵) پس بر تقدیر استغراق معنے یہ ہوا کہ مسیح سے پہلے سارے رسول مر چکے ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے۔ لہٰذا وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں بھی لام استغراق نہ ہوا تاکہ مسیح کی وفات پر دلالت کرے۔ الغرض اس آیت کا مسیح کی وفات پر دال ہونا دو امر پر موقوف ہے جو دونوں ہی ثابت نہیں۔ کما عرفت بناء اعلیہ صدیقی خطبہ میں محل استشہاد صرف (أَفَإِنْ مَاتَ) اور (إِنَّكَ مَيِّتٌ) ہے نہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ تو معلوم ہوا کہ نزول آیاتِ مذکورہ کے وقت مسیح بن مریم کا زندہ رہنا آیاتِ مذکورہ کے لیے منافی نہیں۔ ہاں دائمی حیات بے شک منافی ہے آیاتِ مذکورہ کو سو مسیح بن مریم کو بلکہ مخلوق میں سے کسی کو بھی ہم حیّ وقیّوم نہیں جانتے۔ ہم بھی قائل ہیں کہ بعد النزول مریں گے۔ اور یہی مطلب ہے امام ہمام محمد بن عبدالکریم شہرستانی صاحب کتاب الملل والنحل کا اس عبارت سے وقال عمر بن الخطابؓ من قال ان محمدا قد مات قتلتہ بسیفی ھذا وانما رفع کما رفع عیسٰی بن مریم وقال ابوبکر بن قحافۃ من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات۔

نہایت افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ مرزا صاحب اسی خطبۂ صدیقی کو اپنی ایام الصلح وغیرہ اور امروہی صاحب قسطاس میں دلیل ٹھہراتے ہیں اجماع کے اس امر پر کہ مسیح بن مریم مر گیا۔ دیکھو قسطاس کے صفحہ، سطر ۳۔ کہ بھلا تم اس اپنے خیالی عقیدہ کو حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر یا حضرت عثمان یا حضرت علی رضی اللہ عنہم سے ہی ثابت کر دو جو دعویٰ اجماع صحابہ وغیرہم کا کیے جاتے ہو کہ حضرت عیسیٰ اس جسدِ خاکی کے ساتھ باجماع آسمانوں پر چڑھائے گئے۔ اور وہاں پر اسی جسدِ خاکی کے ساتھ آسمانوں پر سے نزول فرماویں گے۔ اگر صادق ہو تو کوئی ایک روایت ہی ان خلفاء اربعہ سے پیش کرو۔ (اس بے چارے لایعقل کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اگر کسی صحابی کا یہ خیال ثابت بھی ہو تو وہ فہم صحابہ بمقابل نصوصِ بیّنۂ قرآنیہ کے کب حجت ہو سکتا ہے) علاوہ یہ کہ بروزِ وفاتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس خیال سے سب حاضرین صحابہ نے رجوع کیا ہے چنانچہ امام ہمام محمد بن عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل میں لکھتے ہیں۔ وقال عمر بن الخطاب الخ انتہٰی۔

سُبْحَانَ اللهِ! قرآن وحدیث میں مہارت ہو تو ایسی ہو کہ بوجہ جہالت اُلٹا مضمون سمجھ کر امر اجماعی کو غیر اجماعی و بالعکس قرار دیا۔ بھلا یہ کب ہو سکتا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کے برخلاف حیاتِ مسیح الی الآن پر اجماع ہو۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم برخلاف آیاتِ قرآنیہ کے ایک مضمون مخالف کو نہایت اہتمام سے کرات ومرات ارشاد فرماویں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ خطبۂ صدیقی کا مطلب وہی ہے جو بیان کیا گیا۔ قادیانی مع اتباعہ بوجہ جمع ہونے الرسل کے لام کو استغراقی خیال کرتے ہیں۔ ناظرین معلوم کر چکے ہیں کہ لام استغراقی بوجہ مذکورہ بالا ہرگز نہیں ہو سکتا معہذا جمع پر لام کا استغراقی ہونا بشہادتِ نظائر ضروری بھی نہیں۔ قال تعالیٰ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ۔ الایۃ (آل عمران آیت ۴۵) وایضًا وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ۔ الایۃ۔ (آل عمران۔ آیت ۴۲)

الغرض قادیانی نے اسی تفسیر دانی پر نازاں ہو کر وفاتِ مسیح کو منصوصی اور مجمع علیہ ٹھہرایا۔ جس کی علتِ غائی یہ تھی کہ احادیثِ نزولِ مسیح

میں میری (قادیانی) بشارت ہے۔

تنبیہ۔ بعد ظہور اِس امر کے کہ رفع جسمی مسیح بحالتِ حیات اَور ایسا ہی اُس کا نزُول[1] ایک اجماعی عقیدہ ہے۔ اہلِ اسلام کا جس پر آج تک بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کو سب اہلِ اسلام نصِ قطعی خیال کرتے چلے آتے ہیں۔ اَور مُراد نزُول سے احادیثِ متواترہ میں نزُولِ جسمی اسی مسیح کا ہے جو نبی اَور مریم کا بیٹا ہے اَور چُونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے فہمِ مُبارک اَور سب اُمّتِ مرحُومہ کے اذہان میں یہی مرکوز ہے۔ لہٰذا قادیانی صاحب اپنے مدعٰی بغیر اس کے حاصل نہیں کر سکتے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اِس خیال کو کہ وُہی مسیح جو نبی ہے نزُول کرے گا یا تو العیاذ باللہ غلط ٹھہرا کر آپؐ کو آیاتِ قرآنی سے بے خبر تصوّر کریں یا یہ ثابت کریں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا خیال بھی ان کے مُطابق تھا۔ اِن دو شقوں میں سے قادیانی صاحب بمعہ اپنے چیلوں کے ہر ایک کو ہاتھ ڈالتے ہیں۔ مگر الحمد للہ کہ ناکامیاب ہی رہتے ہیں۔ شقِ اوّل کی نسبت لکھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو تعبیرِ کشفؐ میں غلطی ہو گئی ہے۔ یعنی غلام احمد قادیانی برنگِ عیسٰی ابنِ مریم مکشُوف ہوا۔ مگر آپ نے (صلی اللہ علیہ وسلّم) عیسٰی بن مریم بعینہٖ سمجھ لیا۔ سو اِس بکواس کی نسبت گذارش ہے کہ یہ خیال بالکل لغو اَور منافی بحکمتِ تبلیغ ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُمّتِ مرحُومہ کی خیر خواہی کے لیے بڑی تفصیل و بسط و علامات و خصُوصیات و تاکیدات سے اِس پیشین گوئی اَور ایسا ہی سائر علاماتِ قیامت کو بیان فرمایا ہے تاکہ میری اُمّت جھُوٹے مسیح اَور فتنۂ دجّال سے محفُوظ رہے۔ اَور بر تقدیر خطائی التعبیر کے اِس خیر خواہی کا ثمرہ یہ نکلا کہ خُدائے جلّ وعلا سے لے کر موجُودہ اہلِ اسلام تک خطا ہی خطا ہو گیا یعنی اللہ تعالیٰ کو بھی یہ نہ سُوجھی کہ واضح طور پر وحی بھیجوں یا بحکمِ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ کے خطا کی ترمیم و تصویب کر دُوں اَور اِسی ناسمجھی پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم و صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین و ھَلُمَّ جرًّا آج تک رہے اَور بخیال مرزاجی کے اس مسیح کے دوبارہ آنے کے قائلین بأجمعھم مُشرک ٹھہرے۔ کیونکہ اب ایک بشر کو اُنھوں نے حیّ قیّوم مان لیا۔ دیکھو ایام الصُّلح و شمسِ بازغہ وغیرہ وغیرہ۔

نیز وُرُود اَور خطور خطا کا کشف یا تعبیر میں گو کہ شانِ نبوت کو منافی نہیں۔ مگر بقاء علی الخطاء بالکل نازیبا اَور ناجائز ہے۔ بحکمِ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ (حج۔ آیت ۵۲) اَور نیز اِس وجہ سے کہ بقاء علی الخطاء مصادم ہے عصمت کو جس پر رسالت و اتّباع کے کارخانہ کا دار و مدار ہے۔ اِس اجماع کے بارہ میں مرزا صاحب کبھی تو اجماع کو روا نہ لکھتے ہیں۔ دیکھو ازالہ جلد اوّل جس سے رفع جسمی کے اجماعی ہونے پر ان کا اقرار پایا جاتا ہے۔ اَور جب اجماعِ اُمّت کے کو روا نہ ٹھہرانے پر چاروں طرف سے لعن طعن نظر آتے ہیں تو جھٹ کروٹ بدل کر اس طرف مُنہ کر لیتے ہیں کہ مسیح کے رفع نزُول جسمی پر اُمّت کا اجماع ہی نہیں بلکہ اس کی موت پر اجماع ہے۔ دیکھو مکتُوب عربی وغیرہ وغیرہ۔

رہا یہ دعویٰ کہ کُل اکابرِ معتزلہ کا عیسٰیؑ کے مرنے پر (یعنی وُہ مرگیا) اتفاق ہے۔ ناظرین علاّمہ زمخشری معتزلی کا قول کشاف میں مُلاحظہ فرماویں۔ (انی متوفیك اے مستوفی اجلك ومعناہ انی عاصمك من ان تقتلك الکفار ومؤخرك الی اجل کتبتہٗ لك ومميتك حتف انفك لاقتلاً بايد يهود ورافعك الی سمائی ومقر ملائکتی) (کشاف)۔ متوفیك کے معنے میں اتنا طُول (کہ میں تیری اجل پُوری کر دُوں گا یعنی میں تجھے کفار کے ہاتھوں سے بچاؤں گا۔ اَور تجھ کو اُس اجل اَور زمانہ تک مُہلت اَور وقفہ دُوں گا جو تیرے لیے میں نے لکھ دیا ہے الخ) اَور اِس کا معنے ممیتك نہ لینا جیسا کہ بعد اس کے قیل ممیتك بصیغۂ تمریض لکھا ہے۔ اِس لیے تو ہے کہ احادیثِ متواترہ و عقیدہ اجماعی و نص قطعی بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کا مفاد متوفیك کے مُطابق بلا تکلف تقدیم و تاخیر کے ہو۔ امام بُخاری کی طرف یہ نسبت کہ اس کا مذہب عقیدۂ اجماعیہ کے برخلاف تھا، بالکل لغو اَور جہالت ہے۔

---

[1] دیکھو ایام الصلح صفحہ ۴۲ سطر ۱۰: ہمچنیں لازم نیست کہ کل استعارات را علم نبی از قبل احاطہ کند آہ۔ ۱۲ منہ

کیونکہ امام بُخاریؒ نے کتاب الانبیاء میں ایک باب بعنوان باب نزُول عیسٰی بن مریم علیہ السّلام مرتب کیا جس میں ایک حدیث ابُوہریرہؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔ والذی نفسی بیدہ الخ جس کے اخیر میں ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ استشہاد کے طور پر ذکر فرماتے ہیں۔ اور دُوسری حدیث کیف انتم اذا انزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم۔ اس باب کا عنوان اور معنون صاف بتلا رہے ہیں کہ امام بُخاری کا مذہب یہی ہے جس پر اجماع اُمّت کا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ امام بُخاری نے کتابُ التفسیر میں سُورہ آلِ عمران کے لفظ "متوفیك" کی تفسیر فقط "ممیتك" سے کر دی ہے۔ (وقال ابن عباس متوفیك ممیتك) مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ امام بُخاریؒ کا مذہب یہی ہے کہ اس آیت میں توفی کے معنے موت ہیں۔ اور مسیح ابن مریم مر چکا۔ اور ہو بھی کیونکر سکتا ہے جیسا کہ اُوپر باب کے عنوان و معنون سے صاف ظاہر ہے۔ اصحابِ روایت کے مدّنظر فقط روایت کے اس سلسلہ کو بیان کرنا ہے جو اُن کو ملا۔ اِس روایت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کا مذہب بھی یہی ہے۔ کیونکہ جب ابن عباسؓ کی نسبت بوجہ اس تفسیر کے کہ (متوفیك ممیتك) یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ ان کا مذہب بھی وفاتِ مسیح ہے تو امام بخاری کا مذہب بوجہ روایت کیونکر ہو سکتا ہے۔ نیز چونکہ متوفیك میں وعدہ وفات کا ہے نہ تحقق وفات، لہٰذا (قال ابن عباس متوفیك ممیتك) وفاتِ مسیح کا افادہ نہیں دیتا جب تک فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ کے متعلق کسی صحابی یا مفسر سے معنے موت کا نقل نہ کیا جاوے۔ بلکہ ابن عباس سے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ کے متعلق رفعتنی کا معنی مروی ہے کما فی الدر المنثور و نقل فی شمس الهدایت۔ اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ میں بھی اگر معنی موت کا ہی لیا جاوے تو بھی یہ آیت چونکہ حکایت ہے مابعد النزُول سے، لہٰذا وفات قبل النزُول پر دلالت نہیں کرتی۔ کما سیجئی مفصلاً۔ ابن عباسؓ کا مذہب یہی ہے کہ عیسٰے نبی اللہ فوت نہیں ہُوئے اور دوبارہ آسمان سے نزُول کریں گے۔ اسی لیے بر تقدیر ارادہ معنے موت کے متوفیک سے ابن عباسؓ آیت میں تقدیم و تاخیر فرماتے ہیں۔ اور دُوسری کتبِ صحاح میں، جیسے نسائی اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اپنے تراجم میں حضرت ابن عباسؓ سے حضرت عیسٰیؑ بن مریم کا زندہ آسمان پر اُٹھایا جانا ثابت ہے۔ عن ابن عباس ان رهطاً من الیهود سبوه وامه فدعا علیهم فمسخهم قردة وخنازیر فاجتمعت الیهود علی قتله فاخبره الله بانه یرفعه الی السماء ویطهره من صحبة الیهود۔ (صحیح نسائی، ابن ابی حاتم، ابن مردویه)، قال ابن عباس سیدرك اناس من اهل الکتاب عیسٰی حین یبعث فیؤمنون به (فتح البیان)

علاوہ تفسیر ابن عباسؓ کے ایک اور وجہ بھی ہے جو قادیانی صاحب نے بزعمِ خود دستاویز بنا رکھی ہے۔ فاقول کما قال العبد الصالح الخ کی حدیث جو بُخاری میں بروایت ابن عباسؓ ذکر کی گئی ہے۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے اور مسیح بن مریم کے قصّہ کو ایک ہی رنگ کا قصّہ قرار دے کر وُہی لفظ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ اپنے حق میں استعمال فرمایا جو عیسٰی بن مریم نے اپنے حق میں کہا۔ اور ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مزار شریف موجُود ہے اس لیے بکلّی منکشف ہوگیا۔ کہ دونوں برابر طور پر آیتِ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ کے اثر سے متاثر ہیں۔ اس تقریر کو قادیانی صاحب نے بوجہ خود غرضی سیاق سے آنکھ بند کر کے دستاویز بنا لیا ہے۔ فی الواقع یہ ہے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ کا تعلق قیامت کے دن سے ہے۔ جیسا کہ دُرِّ منثور میں مذکور ہے کہ قتادہؓ سے کسی نے کہا کہ اس آیت کا قصّہ کب ہوگا۔ کہا قیامت کے دن۔ اس پر دلیل یہ فرمائی کہ کیا تو نہیں دیکھتا۔ خُدا خود فرماتا ہے۔ یہ تمام باتیں اُسی دن ہوں گی جس میں سچّوں کو سچائی نفع دے گی۔ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (مائدہ ۶۔ ۱۱۹) حاصل یہ ہُوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے فرمائے گا کہ تم کو معلُوم نہیں کہ تیرے اصحاب نے تیرے بعد کیا کچھ بنایا۔ تو میں بجواب اس کے کہوں گا جیسا کہ کہے گا بندۂ صالح (یعنی مسیح) کہ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ

كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۚ (مائدہ ۵۔ ۱۱۷) کہ مَیں اُن کا نگران تھا جب تک کہ اُن کے بیچ تھا میں۔ پھر جب کہ مار دیا تُو نے تو تُو ہی اُن پر نگہبان رہا۔ اِس حدیث میں (کما قال العبد الصالح) میں قال بمعنی یقول ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ بمعنے موت ہوا۔ مگر یہ وُہ موت ہے جو بعد النزول من السماء مسیح پر وارد ہوگی جس کے سارے اہلِ اِسلام صحابہؓ سے لے کر آج کے علماء تک قائل ہیں۔ ہاں اگر قال بمعنے ماضی ہی ہوتا تو فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ مسیح کی موت پر بر وقتِ تحقق (رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ) کے دلالت کرتا۔ کیونکہ اِس تقدیر پر مطلب یہ ٹھہرا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں کہوں گا قیامت کے دن جیسا کہ کہا تھا مسیح بن مریم نے بعد اُٹھائے جانے کے دُنیا سے جب کہ اس سے عیسائیوں کی نسبت سوال کیا گیا تھا کہ أأنت قلت للناس الخ۔ دلیل اِس بات کی کہ امام بُخاریؒ نے بھی اس آیت کو متعلق قیامت ہی کے سمجھ رکھا تھا، یہ ہے کہ امام بُخاریؒ نے اِس حدیث کے قبل[1] اپنا مذہب بیان کر دیا کہ اِس آیت میں جو مسیح ابنِ مریم کے حق میں اُتری ہے۔ لفظ واذ قال اللہ بمعنے یقول ہے اور اذ صلہ یعنی زائدہ ہے یعنی امام بُخاریؒ نے اپنے الجتہاد سے اپنا مذہب متعلق اِس آیت اور اس حدیث کے بیان کر دیا کہ یہ سارا قصّہ اور کُل سوال وجواب قیامت کے دن ہوگا۔ اور کلمہ آذ نے یہاں معنی ماضی میں کوئی اثر مخالف نہیں دکھایا جیسا کہ مرزاجی اپنے متعدد تالیفات میں آذ کو قال کی ماضویت کے منصُوص کرنے کے لیے لکھتے ہیں۔ بلکہ کلیہ کے طور پر لکھ دیا کہ[2] ہر جگہ ماضی آذ کے تحت واقع ہو تو بالضرور اس سے معنی ماضی کا لیا جاتا ہے۔ اور جس نے یہاں ماضی کو بمعنے مضارع کہا اس کو ظالمین اور کاذبین میں سے شمار کیا۔ دیکھو مکتوب عربی صفحہ ۱۳۵۔ امام بُخاریؒ کو اِس تخالف کا یہ انعام ملا جیسا کہ ابن عباسؓ کو بروقت ظاہر کرنے مذہب اپنے کے یعنی قول بالتقدیم والتاخیر فی لآیۃ کو تحریف ٹھہرایا۔ یہ وُہی امام بُخاریؒ تھے کہ بڑے زور سے ان کا نام اپنے موافقین سے لیا جاتا تھا۔ اور اب وُہی امام بُخاری ہیں کہ بباعثِ اظہارِ مذہب اپنے یعنی حیاتِ مسیح کے جو قال کو بمعنے یقول کے لکھا ہے اُن کو وُہ انعام دیا جاتا ہے جو مکتوبِ عربی میں موجُود ہے۔ اور پہلے تو ابن عباسؓ کو افقہ الناس اور حبر ھذہ الامۃ کا لقب دے کر بمقابلہ اُن لوگوں کے جو متوفیک سے معنے غیر موت کا لیتے تھے۔ چِلّا چِلّا کر کہا جاتا تھا کہ ایسے بڑے صحابی عظیم الشان جلیل القدر کی تفسیر کو تم نہیں مانتے۔ مگر جب ان کا مذہب ان کے مرویات فی التفسیر والحدیث سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہُوا تو اب وُہ محرفین اور غلط کاروں سے شمار کیے جا رہے ہیں۔ دیکھو شمسِ بازغہ متعلق آیت وانه لعلم للساعة جو عنقریب آئے گا۔ اور ازالہ اوہام وغیرہ۔ مرزاجی کا اپنے مُریدوں کے ساتھ بھی یہی وتیرہ ہے۔ جب تک وُہ مرزاجی کے گیت گاتے ہیں مرزاجی بھی اُن کی ثناخوانی تحریرات میں شائع کر دیتے ہیں۔ خُدائے تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے سے پیچھے نہیں چھوڑتے۔ اور جب الگ ہوگئے تو سارے جہان میں کوئی ان کے برابر ملعون اور مردُود نہیں ہوتا۔

ایک دقت اور بھی ہے کہ مرزاجی قال سے ماضی کا معنے لیتے ہیں۔ اور جناب مولوی نُورالدین صاحب بمعنی مضارع لیتے ہیں۔ دیکھو مقدمہ اہلِ کتاب صفحہ ۱۰۸۔ ہاں ہم پر یعنی جو لوگ اِس قصّہ کو قیامت سے متعلق سمجھتے ہیں۔ مرزا صاحب کا ایک اعتراض ہے کہ سوال خُداوندی تو یہ تھا کہ کیا تُو نے ان کو اپنے اور اپنی والدہ کی الوہیت کی طرف بُلایا تھا۔ جس کا جواب مسیح نے یہ دیا سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ الخ (مائدہ ۵۔ آیت ۱۱۶) جس میں یہ بھی کہا کہ جب تک میں اُن میں تھا اُن کا نگران حال تھا اور جب تُو نے مجھے فوت کر لیا تو تُو ہی اُن کا نگہبان تھا۔ اِس سے پایا جاتا ہے کہ مسیح کو عیسائیوں کے شرک کی کوئی خبر نہیں۔ اور یہ جب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ اب مسیح زندہ نہ ہوں۔ کیونکہ اگر زندہ ہیں اور دُنیا میں آویں گے (جیسا کہ مسلمانوں کا عام طور پر یہی عقیدہ ہے) تو عیسائیوں کے کفر و شرک

---

[1] دیکھو صحیح بُخاری ۱۲ منہ   [2] اذ تبرأ الذين اتبعوا آہ کو بُھول گئے۔ ۱۲ منہ

سے اُن کا بے خبر رہنا کوئی وقعت نہیں رکھتا پھر انکار کیسے ہو سکتا ہے۔ بجواب اس کے گذارش ہے کہ مسیح کے ذمہ پر جواب صرف اتنا ہی ہے کہ یا اللہ تو شرک سے پاک ہے۔ جو بات مجھے لائق نہیں وُہ میں نے کیوں کہنی تھی۔ بعد اس کے مسیح کے اس سے بیزاری کا اظہار بھی مقصود ہے۔ چنانچہ مَاقُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖ (مائدہ ۵۔ آیت ۱۱۷) تک اس پر دال ہے۔ اور ان کے لیے سفارش بھی کرنی منظور ہے جیسا کہ ضمناً اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (مائدہ ۵۔ ۱۱۸) سے مفہوم ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سفارش کے مقام مشفوع لہٗ کے جرائم کی تصریح مقتضےٰ مقام کے برخلاف ہے مع ہذا ان کے شرک کرنے نہ کرنے سے سوال ہی نہ تھا بلکہ سوال صرف اتنا ہی تھا کہ کیا تُو نے اُن کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خُدا بنا لو پس جب کہ سوال ہی اس سے نہیں۔ اور مسیح کا بالتصریح ذکر کرنا مقتضےٰ مقام شفاعت کے برخلاف بھی ہے تو مسیح کو کیا ضرورت ہے کہ اس کا ذکر کرے۔

الغرض قادیانی وامروہی صاحبان کا خیال سب آیات و احادیث کے متعلق چار کونسلی ہے۔ علمی لیاقت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اور اسی بناء فاسد سے اُنھوں نے امام بُخاریؒ کی حدیث ابنِ عباسؓ میں "قال" کے ماضی ہونے سے یہ اعتقاد کر لیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم اور عیسےٰ بن مریم دونوں "توفّی" کے اثر سے متاثر ہو گئے ہیں۔ چنانچہ خطبۂ صدیقی مذکورہ بالا سے بھی ساری اُمت سے الگ بوجہ جہالت اُلٹا مضمون سمجھ لیا۔ اور اس اعتقاد پر جہالت کا منشا "توفّی" کا اطلاق مشترک طور پر بھی ہے۔ میں کہتا ہُوں یہ اُن کے خیال میں نہیں آیا کہ جیسا کہ سورہ زُمر کی آیت اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ (زمر۔ آیت ۴۲) میں "انفس" کے اُوپر ایک ہی طور پر اطلاق "توفّی" کا ہوا ہے لیکن نفوس مائتہ یعنی مرنے والوں کے "توفّی" اور ہے اور نفوسِ نائمہ کی "توفّی" اور ہے۔ اسی طرح اِس حدیث میں بھی توزیع ہے۔ کیونکہ ہر ایک کے حالات خاصہ توزیع کو تقاضہ کرتے ہیں۔

اب ناظرین کی توجہ اس طرف دِلائی جاتی ہے کہ مکتوب عربی وغیرہ تصانیف میں قادیانی صاحب فرماتے ہیں کہ تم اگر حسرت سے مر بھی جاؤ تب بھی "توفّی" کا معنی بغیر موت کے نہ بتا سکو گے۔ لیجیے صاحب "توفّی" کے معانی کُتبِ لُغت سے سُنیئے:۔

۱۔ ایک چیز کو بالتمام پکڑنا۔ لسان العرب میں ہے۔ توفیت المال منه واستوفیته اذا اخذته کله۔

۲۔ پُوری گنتی کرنا۔ لسان العرب میں ہے۔ توفیت عدد القوم اذا عددتهم کلهم ومن ذلك قوله عزوجل اَللّٰهُ (يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا) ای يستوفي عدد آجالهم في الدنيا وقيل يستوفي تمام عددهم الى يوم القيمة واما توفى النائم فهو استيفاء وقت عقله وتميزه الى ان نام۔ اور صاحب تاج العروس نے اس کی شہادت میں لکھا ہے۔ وانشد ابو عبیدة لمنظور الوبری العنبری ؎

ان بنی الادرد لیسو من احدٍ ولا توفاهم قریش فی العدد

ای لا تجعلهم قریش تمام عددهم ولا تستوفی بهم عددهم۔

۳۔ سوال کرنا۔ لسان العرب میں ہے۔ قال الزجاج فی قوله تعالیٰ (حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ اعراف آیت ۳۷) ای سألوهم ملائكة الموت عند المعاينة فيعترفون عند موتهم انهم كانوا كافرين۔

۴۔ عذاب دینا۔ قال الزجاج ویجوز ان یکون (حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ) ملٰئكة العذاب يتوفونهم عذابًا وهذا كما تقول قد قتلت فلانا بالعذاب وان لم يمت ودليل هذا القول قوله تعالیٰ (وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ ابراهيم۔ آیت ۱۷)

۵۔ نیند۔ جیسے کہ ابو نواس نے کہا ؎

فلما توفاہ رسول الکریٰ ودبت العینان فی الجفن

اور اسی معنے میں ہے هوالذی یتوفکم باللیل ۔ مجمع البحار میں ہے ۔ ای ینیمکم ۔ اس آیت کریمہ میں بعینہٖ مرزا صاحب کے سوال کا جواب موجود ہے ۔ کیونکہ فاعل اللہ ہے اور مفعول ذی الروح انسان، حالانکہ موت کا معنے مراد نہیں ۔ اسی طرح اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا میں بھی ۔ بلکہ بمعنے قبض کے ہے ۔ اس آیت نے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ توفّی اور چیز ہے اور موت اور چیز اور نیند اور چیز ۔

۶۔ مجازاً میّت پر بعد تحقّق موت کے بولا جاتا ہے ۔ تاج العروس ومن المجاز ادرکته الوفاة ای الموت والمنية وتوفی فلان اذا مات وتوفاه الله عزوجل اذا قبض نفسه وفی الصحاح روحه ۔ مجمع البحار میں ہے ۔ وقد یکون الوفاة قبضا لیس بموت ۔

اگر کل تعریفات ت و ف ی پر یعنے شخصی وصنفی ونوعی نظر ڈالی جاوے تو صاف واضح ہو جاتا ہے کہ توفّی کے معنے حقیقی موت نہیں ۔ اس تحقیق سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہے کہ قال کو معنی یقول کے لینا امام بخاری کا مسلک ہے جس سے ان کو اجماعی عقیدہ اور احادیث نزول سے تطبیق دینی منظور ہے ۔ ورنہ بنا بر تحقیق مذکور متعلق بمعنے توفی اگر قال اپنے معنے حقیقی میں ہی لیا جاوے ۔ اور تنویع وفات اس حدیث میں بھی مثل آیت اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ الخ کی ملحوظ ہو تو بھی حدیث اقول کما قال العبد الصالح الخ اور اسی طرح آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ الخ ہرگز اجماعی عقیدہ کے برخلاف افادہ نہیں دیتی ۔ کیونکہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کا معنے فَلَمَّا قبضتنی ہوگا ۔

قولہ صفحہ ۳۴۔ ہم یہاں پر بحث نحوی متعلقہ کلمہ بل اور نیز ان اغلاط کو جو مؤلف سے اس جگہ پر صادر ہوئی ہیں تعرّض نہیں کرتے ۔

اقول ۔ اس مقام پر بھی جناب مولوی صاحب بہ تقلید امروہی، گکھڑ شریف و میرا شریف وحویلیاں وپشاور وکوہ مری وغیرہ مواضع میں بہت کچھ فرماتے رہے ۔ باوجود اس کے پھر عدم تعرّض کی وجہ یہ بیان کی کہ در صورت تعرّض کرنے کے لوگ مجھے مرزائی سمجھیں گے دونوں صاحبوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ بحر العلوم کا حوالہ جو کہ فائدہ جلیلہ میں لکھا ہوا ہے آپ اس کی طرف توجہ فرماویں ۔ دیکھو، و بل یکون فی الجملة للابطال والانتقال وما قیل بل هٰذه لیست بعاطفة بل ابتدائیه وذهب الیه ابن هشام من النحاة واختاره فی التحریر فممنوع لابد من اقامة دلیل علیه بل قام الدلیل علیٰ خلافه لانه یوجب الاشتراك فی العطف والابتداء وعدم الاشتراك خیر کما مر بل هو حقیقة فی الاعراض وهو متنوع تارة یکون لجعل الاول مسکوتا او مقررا لابطال الاول نفسه او عرضه هذا (بحر العلوم مسلم الثبوت ۔)

قولہ صفحہ ۳۵ مؤلف بتاوے کہ جسم مع الروح کا ذکر اس رکوع بلکہ اس کل سورہ میں بلکہ کل قرآن میں کسی جگہ آیا ہے ۔ ہاں البتہ مسیح عیسٰی بن مریم کا بالضرور مذکور ہوا ہے ۔

اقول ۔ مسیح عیسٰی بن مریم کا مذکور ہونا جس کو آپ نے تسلیم کیا ہے یہی مراد ہے جسم مع الروح سے " نہ لفظ جسم مع الروح کا ۔

قولہ ۔ سو اسی کا رفع درجات ذکر فرمایا گیا ۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے ۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (بقرہ ۔ آیت ۲۵۳) ایضاً قال اللہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (انعام ۔ ۱۶۵) ایضاً وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (اعراف ۔ آیت ۱۷۶) ایضاً وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ○ (مریم ۔ ۵۷) ایضاً يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ۔ آیت ۱۱) وغیرہ۔

اقول۔ اِن سب آیات میں کوئی قرینہ بالخصوص جسم عنصری مع الرُّوح لینے پر موجُود نہیں بخلاف ما نحن فیہ محل نزاع میں کیونکہ سیاق و سباق اور صلب و قتل قطعی طور پر قرینہ ہے عیسٰی بن مریم سے جسم عنصری لینے کے لیے۔

قولہٗ صفحہ ۳۶ مثل مصنّف مفردات راغب اصفہانی وغیرہ نے معنے رفع کے التقریب لکھے ہیں۔

اقول۔ یہ معنے وُہی معنے ہے جس کو قامُوس نے لکھا۔ اور یہاں پر بھی وُہی لغزش ہے جو قامُوس کی عبارت میں آپ لوگوں نے کھائی یعنی تقریب اعزاز کا معنے وہاں ہی ہوگا جہاں رفع کا صلہ الیٰ ہو لفظاً یا تقدیراً۔ نہ یہ کہ جہاں صلہ رفع کا الیٰ ہو۔ وہاں پر بلا تخلف معنے اعزاز ہی کا لیا جاوے اگرچہ قرینہ صارفہ بھی موجُود ہو۔

قولہ صفحہ ۳۷۔ لفظ "رفع" کو بھی مخالفین نے جو بل رفعہ اللہ میں رفع جسمانی سمجھ رکھا ہے اسی قبیل سے ہے جو بیان کر چکا ہُوں یعنی یہ بڑی جہالت ہے کہ جو بعض جگہ پر معنی رفع کے رفع جسمی لیے گئے ہیں۔ تو ان کو علت مُوجبہ اس بات کا قرار دینا کہ رفع اللہ الیہ میں بھی رفع جسمی ہی مُراد ہے۔

اقول۔ جناب من کیا ہانکے جا رہے ہو۔ کس جگہ شمس الہدایت کے مصنّف نے رفع جسمی لینے کے لیے صرف یہی وجہ لکھی ہے کہ بعض مواقع میں رفع سے رفع جسمی کا مُراد ہونا علت مُوجبہ ہے رفع جسمی ہی کے لینے کے لیے ہر محل میں۔ اب تک نہیں سمجھے کہ رفع جسمی لینے کے لیے تو ماقبل بل اور مابعد اس کے تضاد کا ہونا، جو اُوپر بالتفصیل شمس الہدایت میں لکھا گیا ہے، قطعی دلیل اور بُرہان قاطع ہے۔ آپ نے بحوالہ توراۃ جو تضاد کا تحقق رفع اعزاز و تکریم کی صُورت میں لکھا تھا اُس کا تار و پود کس طرح پبلک کے سامنے اُکھاڑ کر رکھ گیا ہے۔ بلکہ منقول و معقول دونوں کی قلعی کھُل گئی ہے۔ الغرض جو کچھ آپ نے تغیّر و تبدل شمس الہدایت کے قوانین میں بحسب زعم خود اثباتاً للمدّعیٰ یا تردیداً للقضیۃ کیا۔ اس میں آپ کی غلطی اور جہالت روز روشن کی طرح ناظرین پر ظاہر ہو چکی ہے۔

قولہ صفحہ ۳۷ منہیہ میں آپ لکھتے ہیں۔ یہ سب محاورات جو مؤلّف نے اِس جگہ پر ذکر کیے ہیں کسی میں رفع جسمی نہیں ہے بلکہ رفع رُوحانی ہے۔ فھٰذہ المحاورات دلیل لنا لا لکم وعلیکم لا علینا۔ ۱۲ منہ

اقول۔ مِن جُملہ اُن محاورات کے جو شمس الہدایت میں لکھے ہُوئے ہیں۔

ایک تو یہ ہے فرفعہ الی یدہ ای رفعہ الی غایۃ طول یدہ لیراہ للناس فیفطرون مجمع البحار یعنی اس پانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُوپر اٹھایا۔ تاکہ لوگ دیکھ کر افطار کریں۔ حضرت جی اب فرمائیے کہ اس پانی کی رُوح کو آپؐ نے اُٹھا کر لوگوں کے سامنے دکھلایا، یا خود اس پانی کو۔

دُوسرا محاورہ۔ یرفع الحدیث الی عثمان۔

تیسرا۔ یرفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

چوتھا۔ یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النھار ای الی خزائنہ لیضبط الی یوم الجزاء مجمع البحار۔ مُطلق اعمال انسان کے لیے، خواہ وُہ ذکر و تسبیح ہوں یا غیر اُن کے، حق سُبحانہٗ و تعالیٰ بحسب تفاوت مراتب نیّۃ العامل صُورتیں اور شکلیں پیدا کر دیتا ہے۔ اور ان اشکال کے لیے ایک جسم ہوتا ہے اور ایک رُوح۔ چُنانچہ حضرت شیخ قدس سرّہٗ تلویحات و اسرار اقطاب کے بیان میں فرماتے ہیں۔ واما الحروف اللفظیۃ فانھا تتشکل فی الھواء ولھٰذا تتصل بالسمع علی صورۃ ما نطق المتکلم فاذا تشکلت فی الھوا قامت بھا ارواحھا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ثم بعد ذالک تلتحق بسائر الامم فیکون شغلھا

تسبیح ربها ویصعد علوا الیه ویصعد الکلم الطیب وھو عین شکل الکلمۃ من حیث ماھی شکل مسبّحٌ للّٰہ تعالیٰ۔

شاید آپ نے لفظ جسم کو خاص اِنسان ہی کے لیے سمجھ رکھا ہے لہٰذا منہیہ میں لکھ دیا کہ (ان محاورات میں رفع جسمی نہیں، بلکہ رفع رُوحانی ہے) رہا حدیث کا رفع الیٰ عثمان یا الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم سو اِس مقام پر مرفوع چُونکہ حدیث ہے، اور اس کے لیے حسبِ بیانِ مذکور شیخ کے جسم بھی ہے لہٰذا رفع جسمانی متحقق ہے۔ صرف رفع درصورتِ اِنتساب ہوگا۔ الغرض بہرکیف رفع جسمانی ہی ہوا۔ اور ایسا ہی اعمال کے لیے بھی جسم، حُسن یا قبح مع الرّوح ہونا بحسبِ اِختلاف النیّۃ والہمّۃ، جیسا کہ حضرت شیخ فتوحات میں لکھتے ہیں، ثابت ہے۔ اگر آپ کتاب سبقاً ہی پڑھ لیتے تو اتنا تکلف ہم کو بھی ہر ہر فقرہ میں نہ اُٹھانا پڑتا۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۳۸ کہ وُہ تو (یعنی رفع) جسمانی ہو ہی نہیں سکتا۔

اقول ۔ ہو سکتا ہے۔ چُنانچہ اُوپر لکھا گیا ہے۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۴۰ کیونکہ ایسے معنے (رفع جسمی) کرنے میں نہ اصل واقعہ کو خیال کیا گیا ہے اور نہ مابہ النزاع کا لحاظ ہوا ہے اور نہ رفع الی اللّٰہ کی طرف اِلتفات کیا گیا ہے۔ اور نہ اِس طولِ کلام کی طرف توجہ کی گئی ہے کہ یہ طوالت کیوں ہے جو ماقتلوہ و ما صلبوہ سے شروع ہو کر ویکون علیھم شھیدا پر بحث ختم ہُوئی۔

اقول ۔ رفع جسمی کے معنے لینے میں سب امُورِ مذکُورہ ملحوظ ہیں سنیئے دونوں فریق یہُود و نصاریٰ مسیح کے مقتول ہونے پر متفق تھے گو اُن کے اغراض مختلف تھے یہُود کی غرض تو مُوجب تعلیم تورایت اثبات ملعُونیت تھی اور عیسائیوں کی کفارۂ گناہ، اِس کا بیان ذکر نہیں۔ اصل واقعہ صلیبی اگر واقعی ہے تو یہ نتائج زعمی ہر ایک نکال سکتا ہے۔ اور اگر سرے سے قتل صلیبی ہی متحقق نہیں ہُوئی تو اس کی عدم وقوع کے بیان سے ان نتائج و اغراض کا اِنتفا۔ اور اُڑجانا خود ہی ظاہر ہے۔ واضح ہو کہ اگر قتل صلیبی فی الواقع پایا جاتا تو قتل کی نفی ماقتلوہ سے ہرگز صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ کذب لازم آتا ہے۔ بلکہ تردید میں اغراض کی طرف توجہ ضروری تھی۔ ماکان المسیح ملعونًا او کفارۃً کما زعموا ونحوہٗ کہنا چاہیئے تھا۔ ایسا ہی اگر صلیب پر چڑھانا بغیر قتل کے واقعی ہوتا جیسا کہ مرزا صاحب خیال کرتے ہیں اور ماصلبوہ کی تاویل اِس طور پر لکھتے ہیں کہ چُونکہ صلیب پر چڑھانے کی غرض یعنی قتل حاصل نہ ہُوئی تو گویا صلیب پر چڑھانا ہی نہ ہُوا۔ تو اِس صُورت میں صدرِ کلام یعنی (وقولھو) کے واخذھو ورفعھوالمسیح علی الصلیب کہنا چاہیئے تھا۔ اِس لیے کہ بہ نسبت غلط بیانی کے، ایذا رسانی خصُوصاً جو اپنی طرف سے گویا مار ہی ڈالنا ہو، بڑا جرم سنگین اور بمقتضائے مقام واجب الذکر ہے۔ صدرِ کلام کو بھی رہنے دیجئے یہ تاویل صریح آیت یعنی وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیۡۤ اِسْرَآءِیۡلَ عَنۡکَ (مائدہ۔ ۱۱۰) کے برخلاف ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللّٰہ تعالیٰ نے مِن جُملہ ان انعامات کے جو مسیح پر کیے گئے ہیں اور اس آیت کے ماقبل مذکور ہیں ایک یہ انعام بھی بیان فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک رکھا ہے۔ اور تم کو اُن کی ایذاء سے بچالیا۔ بمُوجب زعم مرزا صاحب کے انعام یہ ہوا کہ تم کو گلی کُوچہ میں مخالفوں کے ہاتھ میں خُوب پٹوا کر اور رُسوا کر کے صلیب پر چڑھا دیا۔ واہ رے مرزا صاحب واہ! اگر مسیح قادیانی اِنھیں حقائق و اسرارِ قرآنی کو اپنے ساتھ لایا ہے تو اسی کو مُبارک ہوں خُدا کسی مسلمان کے نصیب نہ کرے ہم پھر آیت کے ترجمہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اللّٰہ تعالیٰ یہُود و نصاریٰ کی غلط بیانی کی تردید میں فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوۡہُ وَمَا صَلَبُوۡہُ وَلٰکِنۡ شُبِّہَ لَہُمۡ (نساء۔ آیت ۱۵۷) حالانکہ نہ اُنھوں نے اس کو قتل کیا اور نہ سُولی دیا۔ لیکن وُہ اُن کے سامنے مُشتبہ کیا گیا کہ وُہ مقتول مسیح کا شبیہ سمجھا گیا۔ چنانچہ ہر دو محاورہ قامُوس میں موجود ہیں: وَاِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ ؕ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ (نساء۔ ۱۵۷) جو لوگ اس امر میں قرآن

کے بیان کے مخالف ہیں وُہ اس واقعہ سے بے خبری میں ہیں۔ اس دعویٰ کی اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ ہاں اٹکلوں اور خیالوں کے تابع ہیں۔ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ اُنھوں نے ہرگز اس کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے پاس اُس اُس کو اُٹھا لیا۔ اور ہمارے اس اُٹھانے کو کوئی شخص مشکل اور بعید از قدرت ہماری کے نہ سمجھے وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (نساء - آیت ۱۵۸) اور خدا غالب ہے حکمت والا۔

ناظرین کے خیال میں آگیا ہوگا کہ یہ معنے جن پر آج تک اہل اسلام کا عقیدہ ہے اور مفسرین نے بھی بغیر مرزا صاحب کے یہی سمجھا اور لکھا ہے کس طرح قرآن مجید کی نظم سے صاف صاف ثابت ہے۔ اور سب آیات ایک دُوسرے سے چسپاں ہو جاتی ہیں بخلاف اس معنے کے جو مرزا صاحب اور اتباعہ نے لیا ہے یعنی رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رفع سے مُراد رفع درجات ہے۔ کیونکہ آیت کے تمام الفاظ بھی اس تقدیر پر درُست اور چسپاں نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ الفاظ کا بولنا تو اس جگہ پر مناسب ہوتا ہے جہاں کہیں مشکل امر کو سہل بتلانا منظور ہو۔ اور رفع درجات نیک آدمی خصوصاً انبیاء کے لیے مشکل اور انہونا نہیں سمجھا جاتا بخلاف رفع جسم بجسدہ العنصری کے، کہ یہ ایک انوکھا واقعہ ہے۔ اور نیز رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ پر اس وعدہ کا تحقق ہے۔ جو يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ (آل عمران ۵۵) میں کیا گیا تھا۔ اس کو مرزا صاحب بھی مانتے ہیں (دیکھو مباحثہ دہلی) تو بالضرور یہ رفع درجات مغائر ہوگا اس رفع درجات کے جو مسیح کو یوم ولادت سے لے کر عمر بھر شامل رہا حتیٰ کہ وعدۂ مذکور کے وقت بھی، کیونکہ وعدہ اُس امر کا دیا جاتا ہے جو کہ موعُود لہ کو حاصل نہ ہو۔ لہٰذا ماضویت رفعہ اللّٰہ الیہ کی بہ نسبت قتل زعمی کے نہ ٹھہری۔ فظہر بطلان مازعم الامروہی۔ اور جب ہم نے محاورات قرآنیہ وغیرہ کو تتبع کیا تو ایسا کہیں نہ ملا کہ تحقق مضمون اس جملہ کا جو بصورت ماضی مابعد بل کے واقع ہو، متاخر ہو اس جملہ کے تحقق سے جو ماقبل بل کے واقع ہوا ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ مسیح کی موت طبعی کا تحقق مع لازم اپنے رفع درجات کے، بعد از واقع قتل صلیبی، جیسا کہ مزعوم مرزا صاحب کا ہے مخالف ہے بیان قرآن سے۔ نیز یہ معنی مخالف ہے ارجاع ضمیر موتہ کو لیؤمنن بہ قبل موتہ میں مسیح کی طرف، حالانکہ مرزا صاحب کے پیر و مُرشد مولوی نُور الدین صاحب نے موتہ کی ضمیر کو مسیح کی طرف باقی ضمائر کی طرح راجع کیا ہے (دیکھو فصل الکتاب لمقدمۃ اہل الکتاب جلد ۲ صفحہ ۸۰) مابعد کی آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (نساء-۱۵۹) کا ترجمہ جو مولوی نور الدین صاحب نے کیا ہے اور جو مُطابق ہے ہماری رفع جسمی کی تقدیر کو، وُہ یہ ہے۔ "اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا اُوپر ان کے گواہ۔" یہ ترجمہ صراحتاً بتلا رہا ہے کہ مرزا صاحب کا مطلب وقولھم انا قتلنا الخ سے لے کر شھیدا تک سارا ہی غلط ہے۔ کیونکہ مولوی نُور الدین صاحب نے تمام ضمیریں مسیح کی طرف ہی پھیری ہیں۔ جو شخص قیامت میں گواہ ہوگا۔ اُسی کے ساتھ اُس کی موت سے پہلے اہل کتاب ایمان لاویں گے اور عیسائیوں پر قیامت کے دن مسیح گواہ ہوں گے۔ پس گویا مرزا صاحب ہی کے کلام سے ثابت ہوگیا کہ مسیح علیہ السلام فوت نہیں ہُوئے۔ کیونکہ مولوی صاحب اور مرزا صاحب باعث فناء کامل جو مولوی صاحب کو مرزا صاحب میں ہے (یا بالعکس کہو) ایک ہی ہیں۔ جناب امروہی صاحب اب فرمایئے اس طوالت کا وما قتلوہ سے لے کر شھیدا تک کچھ پتہ ملا اور مابہ النزاع اور اصل واقعہ اور رفع الی اللّٰہ کا لحاظ ہے یا نہیں۔

قوله ۔ تو پھر اثر ابن عبّاس وغیرہ دربارہ مرفوع ہونے جسم مسیح کے جو روایات اسرائیلیات سے ہے بمقابلہ ادلہ مذکورہ ووجوہ مزبُورہ کے کیوں کر قابل قبُول ہو سکتا ہے۔

اقول ۔ کیوں نہیں ہو سکتا جب آپ کی ادلّہ مذکُورہ و وجُوہ مزبُورہ ہباءً منثورا ہو کر اُڑ گئیں۔ رہا یہ امر اثر ابن عبّاس کا جسے آپ نے اسرائیلیات سے ٹھہرایا ہے اس کے متعلق سُنیئے قبل از واقعہ صلیب مسیح کے زندہ بجسدہ العنصری اُٹھایا جانے کا کوئی اہل کتاب

ہیں سے قائل نہیں تو بالضرور ابن عباسؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سُنا ہوگا کیونکہ کئی دفعہ ابن عباس وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرآن مجید من اولہ الی آخرہ سُنایا اور فرماتے ہیں کہ وُہ ہر دفعہ ایک آیت میں اِستفسار کیا کرتے تھے بغیر تحقیق کے آگے نہیں جاتے تھے۔ دیکھو مقدمۂ تفسیر ابنِ کثیرؒ۔ اور چُونکہ یہ مضمُون اجتہادی بھی نہیں یعنی ابن عباسؓ اپنے قیاس سے یہ خبر نہیں دے سکتے تو لامحالہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا (دیکھو امروہی صاحب کی تصنیف مسک العارف صفحہ ۲۱۷ جس میں مخالفت قیاس کو دلیل مرفوعیت حدیث کی بحوالہ کتب اصُول مسلم کرتے ہیں) اور یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ ابن عباسؓ کے اثر کا مضمون بالکل مُطابق ہے آیاتِ مذکُورہ کے بلکہ بغیر مضمون اِس اثر کے کوئی مضمُون آپ کی نرالی تفسیر کا مطابق ہی نہیں ہوتا۔ نیز واضح ہو کہ جسم عنصری کا اُٹھایا جانا کوئی محال امر نہیں۔ اس کے واقعات ہماری اسی کتاب میں جو اُوپر گزر چکے ہیں بحوالہ شرح الصدُور ملاحظہ فرماویں۔ اور معراجِ جسمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جس پر سب اہل کشف وشہُود متفق ہیں، بڑی قوی نظیر ہے۔ اِستبعاد رفع جسمی کے لیے

قولہ صفحہ ۳۸ سطر ۱۷۔ اور ہم یہ کب کہتے ہیں کہ جہاں پر رفع کا صلہ اِلی ہو بالضرور رفع منزلت بغیر رفع جسمی کے مدلُول لفظ رفع کا ہوگا۔

اقول۔ یہ آپ کے نبی بھائی نے قولِ جمیل کے صفحہ ۶۰ سطر ۸ میں لکھا ہے۔ اور نیز اِس مقام میں صلہ بھی کلمہ الی کے ساتھ واقع ہے جس سے صریح قربت کے معنے ہی مُراد ہیں انتہٰی (قربت کے معنے ہی میں جو ہیؔ ہے وُہ حصر کے لیے ہے) یعنی یہی معنے قربت کا مُراد ہوگا نہ غیر اس کا۔

قولہ صفحہ ۳۸۔ الغرض صلہ رفع الی اللہ مع اوصافِ مذکُورہ اور ادلّہ مزبُورہ کے قرینہ صارفہ ارادہ معنی رفع جسمی سے ہے۔

اقول۔ ادلّہ مزبُورہ کا حال ناظرین کو معلوم ہوچکا ہے۔

قولہ صفحہ ۳۹ میں اِس عرفیہ عامہ کو آپ مطلقہ عامہ کیوں کر بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ قضیّہ کہ (جس جگہ پر رفع اِلی اللہ مع اوصاف مذکورٌہ کے ہو اس جگہ معنی رفعتِ منزل کے ہی ہوں گے بالدوام) قضیّہ عرفیہ عامہ ہے نہ مُطلقہ عامہ۔

اقول۔ سُنیئے حضرت قضیّہ یہاں پر یہ ہے[1] الرفع المستعمل بالی یدل علی رفع المنزلۃ۔ یا یُوں کہیئے الرفع المستعمل بالی یراد منہ رفع المنزلۃ یعنی لفظ"رفع" جس کا صلہ "اِلیٰ" ہو، دلالت کرتا ہے رفع منزلت پر، یا مُراد اُس سے رفع منزلت ہوتا ہے "رفع" مستعمل بالی کے وجُود کے متعدّدہ اوقات میں سے بعض وُہ اوقات ہیں جن میں دلالت یا ارادہ مذکُورہ پائے جاتے ہیں۔ اور بعض وُہ اوقات ہیں جن میں مُطابقت باصل واقعہ سیاق وسباق پائی جاوے۔ اور انہی متعددہ اوقات میں سے بعض وُہ اوقات ہیں جن میں دلالت یا ارادہ مذکُورہ متحقق نہیں ہوتے یعنی وُہ اوقات جن میں مُطابقت مذکُورہ متحقق نہ ہو۔ بعد اِس تمہید کے ادنےٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ قضیّہ مذکُورہ (الرفع المستعمل بالی یدل علی رفع المنزلۃ الخ) مطلقہ عامہ ہے نہ عرفیہ عامہ۔ کیونکہ مطلقہ عامہ اسی قضیّہ سے عبارت ہے جس میں حکم بالثبُوت یا بالسلب فی وقت من اوقات وجُود الذات کیا جاوے وما نحن فیہ میں ذاتِ موضوُع رفع ہے جو مستعمل بکلمہ الیٰ ہو۔ اور مُطابقت باصل الواقعہ یا عدم مطابقت باصل الواقعہ کے اوقات وجُود الذّات موضوع کے اوقات میں سے ہیں۔ اور عرفیہ عامّہ اس لیے نہیں ہوسکتا کہ عُرفیہ عامہ میں حکم بدوام التبُوت یا بدوام السلب بشرط وصف الموضوُع کیا جاتا ہے۔ مُراد اس وصف الموضوُع

---

[1] امروہی صاحب، اپنی ہی عبارت صفحہ ۳۸ سطر ۱۵ یعنی (کہ لفظ رفع کا ایسی حالت کذائی میں معنے مذکُور میں اِستعمال ہوتا ہے) یا عبارت اُسی صفحہ کی سطر ۲۲ کو ۲۳ تک مُلاحظہ کرو۔ ۱۲ منہ

سے وصف عُنوانی موضُوع کی ہے یعنی جس وصف کو تعبیر ٹھہرایا جاوے۔ ذات موضوع کے لیے۔ جیسا کہ کل کاتب متحرک الاصابع بالدوام مادام کاتبا۔ اِس میں وصفِ کاتب عنوان ٹھہرایا گیا ہے ذات موضُوع سے۔ اور ظاہر ہے کہ قضیہ مذکُورۃ الرفع المستعمل الخ میں وصف مطابقت یا عدم مطابقت کو عنوان موضوع نہیں ٹھہرایا گیا۔ اور قید (مع اوصاف مذکُورہ) آپ کا حاشیہ ہے۔ ہمارے مُخاطب مرزا صاحب اور مُصنّف قولِ جمیل نے صرف (الی) کے صلہ واقعہ ہونے کو ملحُوظ رکھا ہے جس کا مآل (الرفع المستعمل بالی یدل علی رفع المنزلة) ہی کی طرف ہے دیکھو عبارت منقولہ قولِ جمیل صفحہ ۶۰ سطر ۸ کی جو اُوپر لکھی گئی ہے۔ اور ازالہ اور آپ کا حاشیہ بھی بعد مُلاحظہ تردید متعلق بہ تحقّق اوصافِ مذکُورہ جو ناظرین کے پیشِ نظر کی گئی ہے، ھباء منبثا ہوگیا ہے۔ قطبی پڑھنے والے طلبہ، دیکھو حضرت امروہی صاحب کا نرالا منطق کہ اس جگہ پر دائمہ مطلقہ کو عرفیہ عامہ بنا رہے ہیں۔

قولہ صفحہ ۳۹ سطر ۴ دیکھو حضرت پیر صاحب کا منطق کہ اِس جگہ پر مطلقہ عامہ اور محصُورہ کلیہ میں تقابل سمجھ رکھا ہے کیا مُطلقہ عامہ محصُورہ کلیہ نہیں ہوسکتا اور نیز بالعکس۔

اقول حضرتِ من سُنیئے۔ بیت ؎

فہم سخن گر نہ کُنند مستمع　　قوتِ طبع از متکلم مجوی

شمسُ الھدایت کی عبارت (مطلقہ عامہ کو محصُورہ کلیہ سمجھ رکھا ہے) کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں نے اپنے مُدّعٰی کے اثبات میں صرف کلیۃ کبریٰ پر، جو شرط ہے شکل اوّل میں، اِکتفاء کی۔ چاہیئے تھا کہ دوام اطلاق یا عُرفیہ عامہ ہونا اس کا بھی ثابت کرتے تصویر دعوٰی (رفعہ اللہ الیہ) سے مُراد رفع منزلت ہے۔ دائمًا دلیل اِس لیے کہ یہ رفعؑ مستعمل بالیٰ ہے۔ اور جو رفعؑ مستعمل بالیٰ ہو مُراد اس سے رفع منزلت ہوا کرتا ہے۔ (اِعتراض شمسُ الھدایت) اِس کبرٰے میں صرف کلیّت پر نازاں ہونا جہالت ہے۔ کیونکہ اگر کبرٰے کو مطلقہ عامہ ٹھہرایا جاوے تو نتیجہ بھی مطلقہ عامہ ہی نکلا یعنی رفع مستعمل بالیٰ مُراد اس سے رفع منزلت ہوتا ہے۔ فی وقت من اوقات وجود الذات اے وقت المطابقة باصل الواقعة والسیاق والسباق۔ اور مدعٰی یہ تھا (رفعہ اللہ سے مُراد رفع منزلت ہوتا ہے دائمًا) اور اگر کبرٰے فرضی طور پر عُرفیہ عامہ مانا جاوے تو حدا وسط مکرر نہیں ہوتی کیونکہ صغرٰی میں محمُول رفع مستعمل بالیٰ ہے مطلقا، اور کبرٰے میں موضوع رفع مقیّد بالاوصاف ہے پس بوجہ عدم تکرار اوسط کے دلیل منتج مطلوب نہ ہُوئی۔ اور آپ کا سوال ذیل (کیا مطلقہ عامہ محصُورہ کلیّہ نہیں ہوسکتا) ہاں صاحب نہیں ہوسکتا درصُورتیکہ مُطلقہ عامہ مُہملہ ہو یا دائمہ مُطلقہ۔

سوال

صُغریٰ میں بھی محمُول رفع مستعمل بالیٰ موصُوف بالاوصاف المذکُورہ ہے۔

جواب

ہرگز نہیں کیونکہ اثر ابن عبّاسؓ کا جو حکم مرفوع میں ہے۔ اور آیات کا سیاق اس پر شاہد ہیں کہ درصُورت مُراد ہونے رفع منزلت کے علاوہ نہ ہونے مطابقۃ لاصل الواقعہ کے کئی مفاسد لازم آتے ہیں جو اُوپر آیات کے ترجمہ میں بیان کی گئی ہیں۔ خُلاصہ مطلب شمسُ الھدایت کی عبارت کا یہ ہُوا کہ قول مذکُور جو فی الواقعہ مُطلقہ عامہ اور مُخالف ان کے مُدعٰی کا ہے، لاختلاف جہتی الاطلاق العام والدوام، صرف اس کے محصُورہ کلیہ ہونے پر خوش ہو رہے ہیں۔ حالانکہ جب تلک اس کا عُرفیہ عامہ ہونا مع کلیتھا اور پھر بعد ازاں حدِ اوسط کا تکرار کسی قابل الاعتبار

دلیل سے ثابت نہ کریں۔ صرف کلّیت ان کے لیے مفید نہیں ہوسکتی۔ یا مدعیٰ کو بھی مطلقہ عامہ ٹھہرا کر مراد وقت من اوقات الذات سے بالخصوص وُہی وقت الاوصاف لیا جاوے اور پھر صغریٰ میں بھی تحقق الاوصاف دلیل معقول سے ثابت کر دیا جاوے تو بھی اُن کا مُدّعا حاصل ہوسکتا ہے۔ الغرض قضیہ کو خواہ مطلقہ عامہ بنادیں یا عُرفیہ عامہ، بہرکیف پھر بھی بغیر اس کے کہ اوصاف کا تحقق صغریٰ میں ثابت کر دیا جاوے قیاس مذکور ان کے مُدعا کے لیے منتج نہ ہوگا۔ اور ناظرین پر ظاہر ہوچکا ہے کہ تحقق اوصاف کے لیے جتنی کاروائی امروہی صاحب نے کی تھی وُہ سب نصُوصِ قاطعہ اور براہینِ ساطعہ سے ہباءً منثوراً ہوگئی۔

بیانِ واقعی۔ اِس میں شک نہیں کہ شمس الہدایت تھوڑے دنوں میں فاضلہ اوقات میں لکھی گئی۔ اور چونکہ بعض اوقات کاپی نویس کو استعمال شدہ کاغذات پر مضامین لکھ دیئے جاتے تھے لہٰذا کاتب کو بعض کلمات میں اشتباہ ہوجاتا تھا کیونکہ لکھے ہُوئے کاغذوں پر لکھنا ہی ظاہر ہے کہ مُوجبِ اشتباہ ہوتا ہے خصُوصاً جب کہ کاپی نویس علم بھی نہ رکھتا ہو۔ مسودہ میں پہلی عبارت اِس طرح پر ہے (مطلقہ عامہ کو دائمہ مطلقہ اور مُہملہ کو محصُورہ کلیہ سمجھ لیا ہے) کاپی نویس چُونکہ منطق کے مصطلحات سے واقف نہ تھا۔ اور کاغذ بھی مُوجبِ اشتباہ تھا۔ لہٰذا نقل کرتے وقت اُس نے عبارتِ مذکُورہ سے صرف مطلقہ عامہ اور محصُورہ کلیہ لکھا اور لفظ مُہملہ اور ایسا ہی دائمہ مطلقہ دونوں نقل میں رہ گئے۔

قولہ صفحہ ۳۹ سطر ۱۔ اور مؤلف رسالہ کی یہ بڑی غلطی ہے کہ رفع جسمی اور رفع بحسب الدرجہ میں نسبت تساوی کی سمجھ لی ہے حالانکہ اِن دونوں میں اگر ہم رعایت مؤلف کی کریں تو عام خاص من وجہ کی نسبت ان میں مان سکتے ہیں۔ مگر یہاں پر تو بوجوہ مذکورہ سوا رفع بحسب القدر کے رفع جسمی ہو ہی نہیں سکتا۔

اقول۔ ارے خُدا کے بندے کبھی تو سچ بولا کرو۔ ہم نے کس جگہ رفع جسمی اور رفع بحسب الدرجہ میں نسبت تساوی لکھی ہے، بلکہ صِرف اِستلزام کا رفع بحسب المرتبہ کو یا اجتماع دونوں کا مانحن فیہ یعنی مادہ مسیح میں لکھا ہے کیا آپ کے نزدیک اِستلزام اور اجتماع میں تساوی ہے شمس الہدایت کی عبارت یہ ہے (حالانکہ مانحن فیہ میں تو رفع جسمی کی صُورت میں رفع بحسب القدر بالاولیٰ وبالاحسن معلوم ہوتا ہے صفحہ ۱۱ سطر ۱۸) اور آپ نے جو ہماری رعایت فرما کر عمُوم وخصُوص من وجہ کہا ہے بالکل لغو ہے۔ کیونکہ رفع جسمی سے مُراد تو وُہ رفع ہے جو مدلُول ہے رفعہ اللہ الیہ کا یعنی رفع جسم مسیح کا بذریعہ ملائکہ کے آسمان کی طرف۔ اور ظاہر ہے کہ اِس رفع جسمی اور رفع بحسب الدرجہ میں عمُوم وخصُوص مطلق ہے نہ من وجہ۔

قولہ صفحہ ۳۹ و ۱۹ سطر ۱۲ میں آپ لکھ چکے ہیں کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کو قیاس يَآاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً پر کرنا بے جا ہے۔ اور اب دونوں کو متساوق فی المعنے فرماتے ہیں ھٰذا شیئ عجیب ولنعم ما قیل دروغ گوئے را حافظہ نباشد۔

اقول۔ ہم نے تو الی اللہ اور الی الرب ایسا ہی الی السماء کو متساوق فی المعنیٰ قرار دیا ہے۔ کودن طالب علم بھی اِس مضمون کو شمس الہدایت کی عبارت سے سمجھ سکتا ہے۔ عبارت یہ ہے (خُدا کی طرف مرفوُع ہونا یا رُجوع ہونا یا چڑھ جانا اس کی صورت یہی ہے کہ آسمان کو جو محل عباد مکرمین کا ہے قرارگاہ ان کی بنائی جاوے) لفظ (خُدا کی طرف) عبارت مذکُور میں مطمح نظر ہے۔ اور معنی حرفی چُونکہ بغیر اِنضمام متعلق کے مستفاد صرف حرف سے نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا رفع اور رجُوع اور صعُود کا ذکر بھی ضروری کیا گیا ہے۔ کاش اِسم فعل حرف کی تعریف ہی بخوبی سمجھ لی ہوتی تو نہ آپ ایسے رکیکہ اعتراضات فرماتے نہ ہم کو ان کی تردید میں تضیع اوقات کرنی پڑتی۔ اور بل رفعہ اللہ الیہ کا قیاس یا ایتھا النفس الخ پر بے جا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ متعلق رفع کا یعنی مرفوُع جسم عیسوی ہے۔ بدلیل سباق آے وما قتلوہ

بخلاف یاایتھاالنفس میں کہ منادیٰ نفس ہے اَور راجعی کی ضمیر سے مُراد یہی نفس ہے کہ اَور کوئی قرینہ جسم کی مُراد لینے پر نہیں الحاصل (یاایتھاالنفس الخ) میں محلِ بحث نفس ہے۔ اَور (بل رفعه الله الیه) میں جسم۔ اور یہ مطلب نہیں کہ (الی ربك) اور (الیه) کا ایک دُوسرے پر قیاس مع الفارق ہے تاکہ مخالفت بین القولین کا اِلزام عائد ہو۔ اسی طرح (الی الله) اور (الی الرب) اور (الی السمآء) کو متساوق ٹھہرایا گیا ہے جن کے عدم تساوق کا ذکر کہیں نہیں۔ اور رفع اَور رجُوع کو متخالف ٹھہرایا گیا ہے جن کے تساوق کا کہیں ذِکر نہیں کیا گیا۔ ولنعوماقیل ؎

وکم من عائب قولاً صحیحاً وآفته من الفهم السقیم

ایسے مسیح کو ایسا ہی عالم چاہیئے۔

قولهٗ صفحہ ۴۰ مؤلف کو یہ بڑی غلطی ہوتی ہے کہ رفع جسمی کو رفع الی اللہ سمجھ لیا۔

اقول۔ رفع الی اللہ سے رفع جسمی کا مستفاد ہونا مدلّل ہو چکا ہے۔ دیکھو آیت بل رفعه الله الیه کے متعلق فائدہ جلیلہ، نیز محاورہ، حدیث شریف اور عام عربی زبان کا بھی ثبُوت دیا گیا ہے۔ شیخ اکبرؒ وغیرہ اہل لسان نے بھی رفع جسمی ہی لیا ہے اَور چند عجمیوں کی مخالفت قابلِ اعتبار نہیں۔ دیکھو اصول عشرہ۔ آپ نے چونکہ شمس الہدایت سبقاً کسی عالم سے نہیں پڑھی تھی۔ لہٰذا چند جہالات ظاہر کرنے میں معذُور تھے۔ اَب اس تشریح کو ملاحظہ فرمایئے۔

قوله۔ اَور پھر دیکھو اللہ تعالیٰ ایک بُت پرست کی نسبت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ظن بد رکھتا ہے۔ فرماتا ہے کہ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ۝ (حج۔ آیت ۱۵) اِس آیت میں لفظ الی السمآء کا موجُود ہے تو وُہ کافر سُوء ظن اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھنے والا اس وجہ سے کہ سماء کی طرف بحکم فلیمدد بسبب الی السمآء مرفُوع ہو آپ کے نزدیک کیا مرفُوع الدرجات ہو سکتا ہے کلا وحاشا۔

اقول شمس الہدایت کی عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ مقرب اَور عبد صالح کے بارہ میں رفع جسمی رفع درجات کو مستلزم ہے جیسا کہ آیت محل بحث میں عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا ذِکر ہے۔ صحیح بُخاری میں عامر بن فہیرہ کا بیر معونہ کے دن مقتول ہونے کے بعد بجسدہ العنصری مرفُوع السمآء ہونا ملاحظہ فرماویں جس کے بارہ میں عائشہؓ فرماتی ہیں۔ رفع عامر بن فهیرة الی السمآء فلوتوجد جثته یرون ان الملائکته وارته۔ ایسا ہی خبیب بن عدی کا ممن وارته الملائکة ہونا وغیرہ وغیرہ۔ شرح الصدور صفحہ ۱۰۴:

الغرض اِستلزام رفع جسمی علی السمآء اَور رفع درجات میں درمادہ عبد صالح مُراد ہے جس پر سوق آیت رفع صراحتاً دال ہے۔ تو پھر آیت مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ الخ مادہ نقض کس طرح ہو سکتی ہے۔ واہ رے مولوی امروہی صاحب کہاں کی کہاں لگا دی۔

قولهٗ بلکہ صعُود علی السماء اَور نیز نزُول آسمان سے قرآن مجید میں فی محل الذم بیان فرمایا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ الخ (انعام۔ ۱۲۶) ایضاً قال تعالیٰ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ الخ (حج۔ آیت ۳۱) اگر الی اللہ کو الی السمآء بھی آپ کی خاطر سے مان لیا جاوے تو اس تحریف سے رفع بحسب الدرجات کب حاصل ہو سکتا ہے کما مر۔

اقول۔ یہ آیت بھی کسی مقرب اَور صالح بندہ کے حق میں نہیں۔ قولهٗ تعالیٰ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ آیت گمراہ شخص کے بارہ میں ہے جیسے کہ آیت ثالثہ یعنی ومن یشرك الخ مشرک کے بارہ میں ہے۔ اَور آیت بل رفعه الله الیه بشرطیکہ موضوع اس کا زیر لحاظ رکھا جاوے اَور شہادت سیاق و سباق لی جاوے۔ اَور اصل واقع بھی جس کا ثبوت اثر صحیح ابن عباسؓ سے

ہو چکا ہے ملحوظ ہو، تو ایسے مواد میں دفع الی السّماء بے شک رفع درجات کو مستلزم ہوتا ہے۔ رہے وُہ استنباطات جن سے نئے مفسّرین نے، ماشاء اللہ نظرِ بد دُور، اسلام کو بزعمِ خود ممنُون فرمایا ہے، چُونکہ قرآنِ کریم کے معارض ہیں لہٰذا بنا برمذہب با اُصول محققین کے، جن کا مسلک تقدیم الکتاب والسّنۃ علی رائے الفلاسفہ کا ہے، مردُود ٹھہریں گے۔ جس مسلمان کا ایمان ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ پر ہے وُہ کب نرالے مفسّرین کے دام میں پھنستا ہے۔ سچ اَور بجا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا پاک فرمان یمرقون من الدین کما یمرق الخ اہلِ اسلام کو وُہی تفسیر اَور استنباط مقبُول ہو سکتے ہیں جو مُطابق ہوں کلامِ باری کے، بعد رعایت قواعدِ عربیہ واصولِ ادبیہ کے۔ واِلّا اہلِ اسلام کلامِ الٰہی کو بعد اس کے کہ تحقق اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مِنۡ رَّبِّہٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ (بقرہ۔ آیت ۲۸۵) کا ہو چکا ہو، الحمد للہ علیٰ ذالک، کس طرح ترک کر دیں۔ اَور چند جہلاء زعمی مولویوں کا اتباع، جو مصداق یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ (توبہ۔۳۲) کا ہو رہے ہیں، اختیار کریں۔ الغرض جب کہ قرآنِ کریم حق کے ساتھ اُسی تبارک وتعالےٰ نے اُتارا۔ اَور اُسی نے اس کا بیان پاک زبان وحی ترجمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے حسب الحکم بما اراك الله کے کروایا۔ تو پھر یہ کتاب اَور بیان پاک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا باہم کیوں کر متعارض ہو سکتے ہیں تاکہ تاویلات وتحریفاتِ مخترعہ گروہِ قادیانی کی سُنی جاویں مُسلمانو، یہ کب ہو سکتا ہے کہ جب حسب قولہٖ تعالیٰ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىکَ اللّٰہُ ؕ وَلَا تَکُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا ﴿ۙ (النساء۔ آیت ۱۰۵)

اَور وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَہُمُ الَّذِی اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ ۙ وَہُدًی وَّرَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿ (نحل آیت ۶۴)

اَور وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ وَلَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿ (نحل۔ آیت ۴۴)

اَور حسبِ فرمانِ نبویؐ قال صلی اللہ علیہ وسلّم الا وانی اوتیت القرآن ومثله معه یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو لوگوں کے تنازعات کے فیصلہ کرنے کا حکم ہوا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم العیاذ باللہ اس کتاب یعنی قرآنِ کریم کے معنی کو نہ سمجھے ہوں اَور وُہ نرالی سمجھ قادیانی اَور اس کے دو تین حواریوں کے لیے امانت رکھی ہو۔ نعوذ باللہ من هذه العقیدة الواهیة مُسلمانو یاد رکھو کہ حسب وعدہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿ (الحجر۔۹) کہ جب تیرہ سو سال بعد قادیانی اَور اُس کی ذُرّیت نے ایسی گڑبڑ مچائی جس سے پناہ بخُدا، تو اس گڑبڑ کے رفع کرنے کے لیے بحسب سُنّت اللہ صدی کے سر پر ایسے مجدد ظاہر ہُوئے، اس گڑبڑ کو ہباءً منبثاً کر دیا۔ وُہ مجددِ دین کون ہیں یہی عُلماء اسلام شکر اللہ سعیہم جنھوں نے قادیانی کو بمعہ اس کے ذرّیت کے گھر تک پہنچایا۔ فسبحان من خلقه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واجمله واکمله وادّبه واحسن تادیبه ثم ایّد دینه بعد وفاته صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باستخلاف خلفائه الراشدین المهدیین وجدّد دینه ببعث المجددین المهدیین الی یوم الدین۔

قولہ۔ بقرینۃ وما قتلوہ وما صلبوہ کے قتل سے مُراد قتل بالصلیب ہے جو تم کو بھی مسلم ہے اَور حسبِ احکام توریت اَور زعمِ یہُود مُوجبِ لعنت ہے کما مرّ پس ملعُونیّت اَور مرفُوعیت بحسب الدّرجات آپس میں متضاد ہیں۔ جیسا کہ ثابت کیا گیا۔ انتہیٰ۔

اقول۔ کیا خاک ثابت کیا۔ اُوپر لکھ چُکا ہوں کہ کتاب استثناء کی تئیسویں آیت کا یہ مطلب نہیں کہ بے گناہ بھی اگر بذریعہ صلیب قتل کیا جاوے تو ملعُون ہوگا بلکہ بائیسویں آیت میں صراحۃً مُجرم کا ذکر ہے، اَور مسیح بن مریم کا بحسب زعمِ یہُود مُجرم ہونا تحقق تضاد میں مفید نہیں کیونکہ تضاد کا وجُود حسب علمُ المتکلّم بھی ہونا چاہیے جس کے کلام میں "بل" کا کلمہ واقع ہے تاکہ قصر قلب کے رُو سے

تحقق وصف مزعوم مخاطب کا متصور نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ مسیح خدائے عزوجل کے ہاں بے گناہ ہے۔ ناظرین عبارات توارت کی پہلے نقل کی گئی ہے ملاحظہ فرماویں سُبحان اللہ نقل اور استنباط دونوں ماشاء اللہ صداقت اور لیاقت سے مالامال ہیں۔

قولہ: صفحہ ۴۲ ہر نبی کا رفع بحسب الدرجات اُسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے جس وقت سے کہ وُہ درجات نبوت پر مشرف ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے یوم ولادت سے ہی کمالات و درجات کی ترقی شروع ہو جاتی ہے۔ اس رفع کا زمانہ الی یوم الحشر ممتد ہوتا ہے۔ لہٰذا ماضویت رفع کی بہ نسبت ماقبل کلمہ "بل" کے بخوبی ثابت ہے۔ الخ

اقول۔ اتنا بھی شعور نہیں کہ آیت بل رفعه الله اليه میں ذکر تحقق اس رفع کا ہے جس کا پہلے وعدہ دیا گیا تھا بقولہ تعالیٰ يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ الخ اور ظاہر ہے کہ وعدہ دینے کے وقت جیسا کہ توفی کا تحقق نہیں تھا ایسا ہی رفع موعود کا بھی ہونا چاہیے۔ وعدہ اُسی چیز کا دیا جاتا ہے جو کہ وہ موعود لہ کے پاس موجود نہ ہو۔ جیسا کہ توفی موجود ہونے کے ساتھ وقت وعدہ دینے کے تم بھی قائل ہو۔ کہاں یہ رفع موعود بہ اور کہاں مطلق رفع درجات۔ چہ خوش گفت سعدی در زرادی

الا یا ایہا الساقی اَدر کاساً وناولہا[1]

اور جب رفع بحسب الدرجہ موعود بہ خاص بما بعد الموت مُراد ٹھہرا تو ماضویت رفع کی بہ نسبت ماقبل بل یعنی قتل کے کیسے ہُوئی کیونکہ آپ کے خانہ زاد مذہب میں تو مسیح بعد واقعہ صلیبی کے مرا ہے۔

قولہ: صفحہ ۴۵ تعجب ہے کہ مؤلف صاحب ہمارے مقابلہ میں تو حضرت عیسےٰ کے کمالات اور معجزات بڑے زور وشور سے سب کچھ بیان کرتے ہیں لیکن اس مقام میں تمام رفع درجاتِ عیسوی کو جو وقت ولادت سے بتدریج تا آخر عُمر اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام پاک میں بیان فرمائے ہیں سب نسیاً منسیا کر دیئے۔ مثلاً اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الخ (مائدہ ۵۔ آیت ۱۱۰) یہ نہیں کہ بعد وفات کے ہی رفع درجات ہوتا ہو جیسا کہ مؤلف کو دھوکا ہوا ہے۔ انتہیٰ

اقول۔ آپ کی بھولی بھالی جماعت اور نرالا نبی اگر جاہل ہیں تو سارا جہان تو جاہل نہیں۔ ابھی اُوپر ثابت ہو چکا ہے کہ رفع موعود بہ کا تحقق بروقت ایعاد ممکن نہیں۔ کیونکہ نعمتِ موجودہ کا وعدہ دینا قول بالمتضادین ہے۔ اب معلوم ہوا کہ بل رفعه الله اليه میں جس رفع کا تحقق مذکور ہے وُہ رفع مغائر ہے اس رفع درجات سے جس کا ذکر آیت اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ الخ میں کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بغیر رفع جسمی کے کوئی فرد رفع کا مغائر افراد رفع الدرجہ مذکورہ فی الآیات المسطورہ کے نہیں جس کے لینے سے ماضویت بھی ملحوظ رہے پس ثابت ہوا کہ رفع سے مُراد بل رفعه الله اليه میں رفع جسمی ہے نہ رفع بحسب الدرجہ۔ آگے رہا انکارِ معجزات مذکورہ فی الآیات المسطورہ کا۔ سو ناظرین پر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ بل رفعه الله اليه سے رفع بحسب الدرجات مُراد نہ ہونے سے باقی معجزات و درجات مذکورہ فی الآیات المسطورہ کا انکار نہیں آتا۔ بلکہ خود رفع جسمی بعد الموت بھی مستلزم ہے رفع الدرجہ کو، جیسا کہ عامر بن فہیرہ و خبیب بن عدی کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور وُہ آیات واذ ایدتك بروح القدس الخ فی نفسہا معجزات اور رفع الدرجات

---

[1] یہ مصرعہ دیوان حافظ کی پہلی غزل کا ہے۔ اور زرادی علم صرف کی کتاب ہے جو حضرت سعدیؒ کی تصنیف نہیں۔ یہ ایک مثل مشہور ہے خلافِ واقعہ کی جس سے مقصد امروہی صاحب پر طنز ہے کہ وُہ بھی اسی قسم کی خلافِ واقعہ باتیں ہانکتے ہیں۔ ۱۲۔ فیض

پردال ہیں اَور سب اہلِ اِسلام کے مومن بھائی بھی قائل ہیں بخلافِ مرزا صاحب اَور متبعین اُن کے ، کیونکہ اِس اِنکار سے مرزا صاحب کی تالیفات مثل ازالۂ اَوہام اَور ایّام الصّلح وغیرہ وغیرہ بھری ہُوئی ہیں ۔کسی معجزہ کو مسمریزم اَور کِسی کا ماوّل بتاویل آئل اِلی التحریف، جیساکہ تحی الموتیٰ میں ۔اَور کسی سے صاف اِنکار مثل (مسیح بن مریم کو یُوسف نجّار کا بیٹا کہنا وغیرہ وغیرہ) پس ثابت ہُوا کہ معجزات کے مُنکر آپ ہی کے نئے پیغمبر اَور نرالے مفسّر ہیں ۔اَور یہ بھی معلوم ہُوا کہ آپ اُن سے الگ ہیں ۔مگر اِس مقام میں آپ سے (کلمۃ حق ارید بھا الباطل) کے طور پر اقرار بالمعجزات صادر ہوگیا ورنہ آپ اوّل نمبر ہیں ۔

قولہٗ ۔صفحہ ۴۶ ۔آگے رہا اثر ابنِ عبّاس سو چُونکہ وُہ معارض ہے کلامِ الٰہی کے مضمُونِ مُراد سے لہٰذا حسب الحکم قواعدِ تعدیل و ترجیح ادلّہ کے قابلِ قبُول نہیں ۔

اقول ۔اثر ابنِ عبّاس چُونکہ بہ اسنادِ صحیح حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے شمسُ الہدایت میں نقل کیا گیا ہے اَور نیز مؤیّد ہے مضمُون مُراد من الآیۃ یعنی بل رفعه الله الیه کو ۔جیساکہ ابھی ثابت ہوچکا ہے کہ رفع موعُود بہ جس کو مغائرت باقی رفع الدرجات سے بوجہ تحقّق و وجُود اُن کے اَور نہ موجُود ہونے اس کے بروقت ایعاد یعنی وعدہ دینے کے ضرُوری ہے، وُہ بغیر رفع جسمی کے ممکن ہی نہیں ۔اَور رفع خاص بحسب الدرجہ بعد الموت کے اِحتمال کو ہونا ماضویّت کا بہ نسبت ماقبل بل کے مانع ہے ۔کیونکہ مستلزم ہے عدم تاخّر رفع کو واقعہ صلیبی سے ۔اَور یہ خلاف ہے مذہب قادیانی کے ۔ناظرین پر ظاہر ہوگیا ہے کہ اِس نرالے نبی اَور نئے مفسّر کا کوئی فقرہ بسبب جہالت یا افتراء کے قابلِ قبُول نہیں ۔

قولہٗ ۔صفحہ ۴۶ ۔علاوہ یہ کہ اِس کے متن میں بھی خُود ایک قسم کا اِضطراب ہے کما سیجیئ

اقول ۔نہیں بلکہ آپ کے ادراک میں فساد ہے کما سیظهر انشاء الله تعالیٰ

قولہٗ ۔صفحہ ۴۶ سطر ۱۸ ۔اَور نیز معارض ہے خود ابنِ عباس کے اس اثر کے جو صحیح البُخاری میں ہے جس میں متوفیك کے معنی ممیتك لکھے ہیں ۔

اقول ۔معارض جب ہو کہ ابنِ عبّاس قائل بہ تقدیم و تاخیر متوفیك ورافعك میں نہ ہو ۔یا کہ شواہد تقدیم و تاخیر کے قرآنِ کریم میں بکثرت موجُود نہ ہوں ، یا متوفیك دال ہو تحقّق وفات پر ۔واذلیس فلیس کما مر مفصّلاً ۔لہٰذا امام ہمام بخاری باوجُود علم اس اثر کے اسی مسیح بن مریم کے نزُول کا قائل ہے بشہادت تراجم فتدبّر بلکہ مع عدم معارضہ مذکورہ اثر مذکور معاضد ہے ابنِ عبّاس کے اُن آثار کو، جن کو محدّثین نے نزُولِ مسیح کے بارہ میں نقل کیا ہے ۔اَور شمسُ الہدایت میں مذکُور ہیں ۔

قولہٗ ۔صفحہ ایضاً ۔اَور نیز مخالف ہے اُن احادیثِ صحیح بخاری کے جن میں کما قال العبد الصالح فرمایا گیا ہے جس کی تفصیل آئندہ اِنشاء اللہ تعالیٰ آوے گی ۔پس بمقابلہ ان اربعہ متناسبہ کے اثر ابنِ عبّاس کا مؤلّف کو کیوں کر مفید ہوسکتا ہے ۔شعر ؎

وهذا الحق لیس به خفاء   فدعنی عن اسآت الطریق   انتہیٰ

اقول ۔اَور نیز موافق ہے ان احادیث صحیح بُخاری کے جن میں کما قال العبد الصالح فرمایا گیا ہے کما عرفت فی بیان الاجماع علی الرفع والنزول الجسمیین وستعرف ۔پس باوجود ان اربعہ متعاضدہ کے استبعادِ عقلی رفع جسمی میں مؤلّف کو کس طرح مذبذب بما قال اللہ تعالیٰ و قال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کر سکتا ہے ۔

قولہٗ ۔صفحہ ۴۷ ۔اب کہاں ہے فقدان محکی عنہا جس کو مستلزم وقوعِ کذب کا آیتہ میں آپ نے فرمایا تھا والعیاذ باللہ ۔

اقول ۔اب وہاں ہی رہا فقدان محکی عنہا کا جو بر تقدیر تقدم رفع رُوحانی کے واقعہ صلیبی پر لازم تھا ۔خلاصہ یہ ہے کہ بل رفعه

اللہ الیہ سے رفع بحسب الدرجہ والعزت تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ خود مؤلف بھی اقرار کر چکا ہے کہ نبی کا رفع بحسب الدرجات اُسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے جس وقت سے کہ وُہ درجاتِ نبوت پر مشرف ہوتا ہے الخ تو بحسب اقرار اس کے رفع بحسب الدرجات چُوں کہ مسیح بن مریمؑ میں در وقتِ وعدہ اور اطمینان فرمانے کے بقولہ تعالیٰ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ موجود ہے لہٰذا وُہ رفع لینا چاہیئے جو بروقت ایعاد مذکور کے موجود نہ ہو اور وُہ ہے رفع جسمی۔ نیز تضاد ماقبل اور مابعد بل" میں جو مقتضی ہے قصہ قلب کا۔ رفع جسمی ہی کی صُورت میں محقق ہے۔ لہٰذا رفع جسمی کا مُراد ہونا ضروری ہے۔ اور جب ماضویت رفع کے بہ نسبت قتل کے آپ کو مسلم ہے تو رفع رُوحانی کا واقعہ قتل سے پہلے ہونا آیۃ کا مفاد ٹھہرا۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی بشر اس کا قائل نہیں تو محکی عنہ کے انتفا میں آپ کو کیا کلام ہے؟ سال کے بعد آپ کے امام ہمام کا معہ اپنی ساری ذُرّیت کے یہ جواب دینا کہ "بشہادت تیسویں آیت کتاب استثناء کے مقتول صلیبی ملعُون ہوتا ہے پس تضاد درصُورت رفع رُوحانی کے بھی متحقق ہے۔" طالب علموں نے بھی ہباءً منثوراً کی طرح اُڑا دیا کیونکہ وُہ آیت مجرم کے بارہ میں ہے جس کا صریح ذکر بائیسویں آیت میں موجود ہے۔ اور مسیح گو کہ بحسب زعم یہود مجرم تھا۔ مگر تضاد کا تحقق چُونکہ در علم متکلم بکلام قصری بھی ہونا چاہیئے لیتصور عکس مایزعم المخاطب اور ما نحن فیہ میں وُہ کون ہے؟ وُہ ہے حق سُبحانہٗ و تعالیٰ۔ کیونکہ وُہ وَمَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًۢا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ سے تردید فرما رہا ہے یہود کے اس قول کی جو پہلے مذکور ہو چکا ہے یعنی اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ ؕ اور خدائے عزّوجل کے ہاں چُونکہ مسیح مجرم نہیں لہٰذا تضاد بھی فی علم الباری متحقق نہ ہوا۔ الحاصل بر تقدیر ارادہ رفع رُوحانی کے بل رفعہ اللہ الیہ سے تحقق رفع رُوحانی کا یا تو قبل از واقعہ صلیبی ہوگا یا عین صلیب یا بعد اس کے۔ پہلی شق کا قائل چُونکہ کوئی بشر اہلِ اسلام وغیرہ سے نہیں تو ظاہر ہے کہ حکایت بل رفعہ اللہ الیہ کا محکی عنہ مفقود اور معدُوم ہوا۔ دُوسری شق کے آپ قائل نہیں ہیں۔ تیسری شق کو جس کے نئے نبی یعنی مرزا صاحب بمعہ نزلائے مفترین امروہی وغیرہ کے قائل ہیں یعنی وفات مسیح بعد از واقعہ صلیب۔ اسے وُہی تضاد کا مسئلہ اور محاورہ قرآنیہ یعنی ماضویت رفع کی بہ نسبت قتل کے، جو آپ کو بھی مسلم ہے۔ اُڑا دیتے ہیں۔ جیسا کہ رفع درجاتِ خاص بعد الموت کو بھی بعد مُلاحظہ اس تقدیر کے۔ ناظرین برائے خُدا ذرا امروہی صاحب سے دریافت فرماویں کہ اُس نے محکی عنہ کا کب جواب دیا۔ جواب تو بجائے خود رہا پہلے یہ تو بتایئے کہ اُس نے اس شق کو کب لیا ہے اور اس کے مسلک (یعنی تحقق وفات بعد از واقعہ صلیب) کو کیا تعلق ہے فقدان محکی عنہ سے۔ بعد اس کے دریافت فرمانے کے ناظرین پر واضح ہوگا بلکہ ہو گیا ہے کہ وُہ فقط بھولی بھالی جماعت کے خوش کرنے کے لیے اور روپیہ ہضم کرنے کو ایسے بڑ مار دیتا ہے جو نہ زمین پر ہوتی ہیں نہ آسمان پر۔ ہاں چند حمقاء اُردو خوان صرف آیات و احادیث لکھے ہُوئے دیکھ کر جن کو کوئی ربط مقام سے نہیں ہوتا۔ آفرین آفرین کہہ دیتے ہیں۔ ناظرین ان کی کوئی تحریر قابلِ توجہ اہل علم و اہل تحقیق کے نہیں۔ کیونکہ وُہ خود ہی اپنے بطلان اور مؤلف کی جہالت پر شہادت دیتی ہے۔ مگر بوجہ اصرار بعض احباب کے امروہی کی کتاب کے جواب لکھنے پر تضیع اوقات کی جا رہی ہے۔

قولہ صفحہ ۴۷ پس مؤلف نے اس حاشیہ میں جس قدر بناء فاسد علی الفاسد کیا تھا اُس کا سب تار و پود اُکھڑ گیا۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ اور جب کہ آیت مذکورہ سے منصوبہ یہود کا باطل ہوا۔ اور رفع جسمی مسیح بھی ہباءً منثوراً ہو گیا پس آیت متوفیك اور فلما توفیتنی بلا تقدیم و تاخیر جو ایک قسم کی تحریف ہے اپنے اصلی معنے پر بحال رہے جو حضرت ابن عباس سے صحیح بُخاری میں مروی ہُوئے ہیں اور جو رسُولِ مقبُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے اُسی صحیح بُخاری میں حدیث کما قال العبد الصالح کے سیاق میں مروی ہیں۔ الحمد للہ مخالفین کی تحریف سے کلام محفُوظ و مصئون رہا۔ صدق اللہ تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ پس ہماری طرف سے جو اشتہار ایک ہزار روپیہ کا مدّت دس سال سے اس بارہ میں شائع ہو رہا تھا کہ جو کوئی مخالف

معنی توفاہ اللہ کے سوا قبض اللہ روحہ کے کتاب وسُنّت ومحاورہ عرب اُور امثال عرب سے نکال دیوے۔ سو اَب تک تمام مخالفین اِس کاروائی میں ناکام اُور عاجز ہیں۔ الحمدللہ انتہیٰ۔

اقول۔ ناظرین پر واضح ہوچکا ہے کہ ہم نے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے قطعی طور پر رفع جسمی ثابت کر دیا ہے اُور احتمال رفع رُوحانی کا ہباءً منثوراً کی طرح ہوگیا جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اُور آپ کے بے ربط مضامینِ سخیفہ کی قلعی کھُل گئی۔ رہا تقدیم و تاخیر اُور حدیث کما قال العبد الصالح اُور معنی توفّی کے، سو وُہ بھی عنقریب آویں گے۔ اُور اِشتہار بازی جو نئے پیغمبر نے مع اِتباع کے طرزِ جدید عوام کو دھوکا دینے اُور سونے کی مچھلی پھنسانے کے لیے دامِ تزویر بنا رکھا ہے۔ بھلا اہلِ عقل و دیانت کب اِس دھوکے میں آتے ہیں۔ الحمدللہ کہ سینکڑوں پھنسے ہُوئے بھی تائب ہوگئے اُور ہوویں گے۔ اِس مقام میں بھی ذِکر تقدیم تاخیر کا جو ابنِ عبّاس سے مروی ہے اُور جسے امروہی صاحب تحریف تصوّر کرتے ہیں مختصر طور پر ضروری ہے۔

ناظرین پر واضح ہو کہ (متوفيك ورافعك) کے متعلق مرزا صاحب معہ اِتباع کے واہی اِعتراض کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ متوفيك لفظ جو پہلے ہے اُس کا معنی پیچھے کیوں لیا جاتا ہے۔ کہیں اِس تاخیر کو تحریفِ یہُود بتلایا ہے۔ کہیں فعلِ شیطانی کہا ہے۔ جب ابنِ عبّاسؓ جیسے جلیل القدر بھی اِن دریدہ دہنوں سے نہیں بچے۔ تو پھر اُور کسی کو شکایت کرنے کا منصب ہی کیا ہے۔ دیکھو شمسِ بازغہ متعلق وانه لعلم للساعة کے۔

اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ناظرین کُتبِ اصول و معانی کو مُلاحظہ فرمائیے کہ واؤ کا حرف ترتیب کے لیے نہیں ہوتا یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو پہلے ذِکر کیا جاوے واقعہ میں اس کا موجود ہونا بھی پہلے ہی ضرور ہو۔ دیکھو۔ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (روم۔ ۳۱) اِس آیت میں پہلے نماز کا ذِکر ہے بعد اُس کے دفعِ شرک کا۔ تو بقول مرزا صاحب چاہیئے کہ نماز پہلے ادا کرے اُور اس کے بعد شرک چھوڑے۔ اگر پہلے شرک چھوڑ دے گا تو حسبِ اِجتہاد مرزا صاحب قرآن کے برخلاف ہوگا۔

دُوسری آیت اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ جس شخص مالدار پر سال گذر چکا ہو۔ تو بحسب قول مرزا صاحب اگر وُہ نماز سے پہلے زکوٰۃ دیوے تو مخالفِ قرآن ہوگا جس کا کوئی قائل نہیں۔

اِسی طرح تیسری آیت دیکھیں (رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ) اُور دُوسری جگہ بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى فرمایا گیا یہ جادوگروں کے مقولہ کا بیان ہے۔ اُور ظاہر ہے کہ اُنھوں نے ایک طور پر کہا ہوگا، یا تو پہلے مُوسیٰ اُور بعد اس کے ہارُون یا بالعکس بحسبِ قول مرزا صاحب ضرُور ہے کہ ایک آیت کو ان دونوں میں سے کاذب ٹھہرایا جاوے۔ والعیاذ باللہ۔ علاوہ اس کے کئی ایک مقام پر پہلے انبیاء کا ذِکر پیچھے ہوا ہے اُور پچھلوں کا پہلے۔ چنانچہ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ۔ (شوریٰ۔ آیت ۳)

اِن آیات سے معلُوم ہوگیا ہوگا کہ قادیانی کا زعم بالکل غلط اُور دھوکا بازی ہے۔ جب واؤ کا ترتیب کے لیے ہونا ضروری نہ ٹھہرا بلکہ محض جمعیت یعنی دو امروں کے محقّق ہونے پر دلالت کرتی ہے تو متوفيك کے معنی رافعك سے پیچھے موجود ہونے میں کون سی قباحت اُور تحریف ہوگی۔ اِس ہماری تقریر کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اَے عیسیٰ میں ہی تجھ سے یہ سب معاملات قیامت تک کروں گا۔ رہا یہ کہ پہلے کون ہوگا اور پیچھے کون اس کا ذکر نہیں۔ اس کو دُوسری آیت نے بیان کر دیا۔ کہ رفع ہوچکا ہے۔ اُور توفّی آئندہ ہوگی۔ پھر یہ سوال کہ کلام خداعزّوجل کا نہایت فصیح و بلیغ ہے۔ اس کا کیا سبب ہے کہ متوفّی کو پہلے لائے ہیں۔ آخر بلا وجہ تو نہیں اِس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کو بہ تقاضاء بشرّیت یہُود سے ہر وقت خوف رہتا تھا۔ ان کی تسلّی کے لیے اس لفظ کو پہلے فرمایا یعنی اَے عیسیٰؑ میں ہی تجھے طبعی موت سے ماروں گا۔ یہ نہ ہوگا کہ تیرے دُشمن تجھے کچھ تکلیف پہنچا سکیں۔ محاورہ ہے کہ تسلّی بخش کلام پہلے بولا جاتا ہے چُنانچہ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے عَفَی اللّٰہُ عَنْکَ پہلے لاکر لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ کو پیچھے فرمایا۔

قولہٗ ۔صفحہ ۴۸۔اصل کتاب میں بل کی نسبت جو آپ نے قواعد نحویہ کو بیان فرمایا۔انہی قواعد سے مقتضائے بَلْ نے اس رفع مسیح کے مسئلہ کی تمام مجیبوں اور بلوں کو سیدھا کر دیا۔

اقول ۔سب پر روز روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے کہ آپ نے بل رفعہ اللہ الیہ سے ۔رفع رُوحانی مُراد لینے میں سال بھر ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد تحقق تضاد کے لیے تیسویں آیت کو ورانہ ہاتھ مارا۔اور منع استلزام۔رفع جسمی رفع الدرجہ کے لیے کافی جبلی کو مادہ نقض ٹھہرایا۔جس پر نوعمر خوان طالب علم نے بھی قہقہے اُڑائے۔ مجھے اس موقعہ پر ایک طالب علم کی بات یاد آئی ۔ انسان اور حمار کے درمیان نسبت بتائیں جو ایک مشہور بات ہے ۔ اس پر اس نے اعتراض کیا کہ انسان اور حمار کے درمیان نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے ۔مادہ اجتماع کا یہ ہے کہ جب زید گدھے پر سوار ہو۔آپ کا نزالا منطق بھی اسی طالب علم کی منطق کی طرح موجزن ہے سُبحان اللہ پہاڑ کے اُوپر کافری بالارادہ حرکت وسکون کہاں اور ملائکہ کا اُٹھا کر لے جانا آسمان پر جو رفعہ اللہ الیہ کے مدلول کی کیفیت ہے وُہ کہاں ۔بیت ؎

بہت شور سُنتے تھے پہلو میں دل کا   جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

حضرت مرزاجی کی جماعت کو بلکہ تمام ہندوستان کو بدنام کر دیا۔مگر سچ کہا ہے ۔شعر ؎

ہر چہ برآدمی رسد ززباں   ہمہ از آفت زباں باشد

اگر وُہ متبحرین عُلماء کے حق میں ہرزہ سرائی نہ کرتے تو اتنی رُسوائی کیوں اُٹھاتے ۔اس سالانہ کارروائی کا تار و پود اُکھڑ گیا۔جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا ○ (بنی اسرائیل ـ آیت ۸۱)

قولہٗ ۔صفحہ ۴۸۔اور بے شک حضرت مسیح جو صلیب پر چڑھائے گئے تھے ۔اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل یا صلیب سے نجات دی۔

اقول ۔آپ اور آپ کے پیغمبر مسیح کو صلیب پر چڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ وَمَا صَلَبُوْہُ فرماتا ہے۔ذرا آنکھ کھول کر آیت وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَنْکَ (مائدہ ۱۱۰) اور ایسا ہی وَقَوْلِھِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ الیٰ اٰخرھا (نساء ـ ۱۵۷) کو ملاحظہ فرماویں ۔اب تو رو پیہ ہضم کرنے کے لیے یا صرف اتنی ہی لیاقتِ علمی کی بناء پر جو کچھ جی میں آتا ہے لکھتے جاتے ہو ۔ اور کم علم اُردُو خوانوں کو زہریلے مضامین سے جو بالکل کتاب وسُنّت اور رائے سلف صالحین اور غرض قائل سے اور علوم آلیہ کے برخلاف ہیں ، ہلاک کرتے ہو ۔مگر حشر کو کیا جواب دو گے ۔شعر ؎

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شب دیجور

قولہٗ ۔بعد سیر وسیاحت کے کشمیر خاص سری نگر میں دفن کیے گئے ۔دیکھو ایام الصّلح اور رازِ حقیقت انتہی

اقول ۔ارے بندے خُدا کے ایام الصّلح کا مؤلف یعنی مرزا صاحب تو خود ہی مدفن مسیح میں مذبذب ہے کسی کتاب میں بیت المقدس اور کسی میں سری نگر لکھتا ہے ۔ دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۴۷۳ پر لکھا ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل جا کر فوت ہو گیا۔اور اُدھر ایام الصلح میں لکھتا ہے کہ کشمیر خاص سری نگر میں فوت ہوا۔ اور ہر ایک کتاب کے الہامی ہونے کا مدعی ہے ۔پھر کیا کیا حیلے کیے گئے ہیں مخلصی عزیزجی سوداگر کشمیری جو ایک بڑا نامی اور نہایت متدیّن آدمی ہے ۔اس کا بیان کہ کشمیر میں مرزا صاحب کے بھیجے ہوئے کئی آدمی ایک مزار متبرک کے مجاورین کو روپیہ کا طمع دے کر دستخط کروانا چاہتے تھے کہ ہم اباً عن جدٍ (باپ دادا سے) سُنتے آئے ہیں کہ یہ مزار عیسیٰ کا ہے ۔مگر مجاوروں نے جھوٹ بولنا گوارا نہ کیا بلکہ اُن آدمیوں کو بے عزت کر کے نکالا جب مؤلف رازِ حقیقت ،

اَور ایامِ اَتقنع کا ایسے حیلہ سازی پر ہو تو بغیر شرارت کے اس سے کیا ظاہر ہوگا۔ اَور اس کے ایام، ایام التشریق کیوں نہ کہلائیں گے۔ آپ لوگوں کی حدیث دانی کہاں گئی۔ کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے لسانِ وحی ترجمان سے نہیں فرمایا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم لعن اللّٰہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد۔ کہ یہود اَور نصاریٰ کو اللہ لعنت کرے کہ اُنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے جب تم وفاتِ مسیح اَور پھر سری نگر میں اس کے مدفون ہونے کے قائل ہو تو بموجب حدیثِ مذکور چاہیئے تھا کہ یوزآسف کا مزار مسجودِ نصاریٰ ہو۔ ورنہ آپ کے پاک فرمان کا کذب العیاذ باللہ لازم آوے گا۔ اَور ظاہر ہے کہ آج تک کسی نصرانی وغیرہ کو اس نرالی مزار کا علم ہی نہیں۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۴۸۔ اِس صفحہ کی بیسویں سطر سے لے کر صفحہ ۶۱ تک مؤلّف شمسِ کاسفہ نے فائدہ جلیلہ کے ایک جملہ کو بھی نہیں توڑا۔ صرف تفریعات اَور اناجات نرالے بیان کیے یا متعلق بعضے آیات کے تفسیر لکھنے میں کمال دکھایا۔ جس پر لسان الوقت یہ شعر پڑھ رہی ہے۔

ھذی شکوک من غشاوۃ لیلھا — تصلی القلوب الی الطریق الاعوج

(یہ ایسے تاریک وسیاہ شکوک ہیں جو دِل کو ٹیڑھے راستہ پر لے جاتے ہیں)

فائدہ جلیلہ بمقابلہ فائدہ ذلیلہ۔

اقول ۔ فائدہ ذلیلہ کہنے کا آپ کو جب استحقاق تھا کہ اُس کے کسی ایک جُملہ کو بھی توڑتے۔ ایسا ہی (بمقابلہ) کہنا اُس وقت درست ہوتا کہ بالمقابل کوئی قواعد بیان فرماتے۔ بغیر ان دونوں صُورتوں کے ذلیل کہنا دلیل ہے اپنی ذِلّت ورُسوائی پر۔

قولہٗ ۔ کما قال تعالیٰ فی سیاق الایۃ ماقتلوہ وما صلبوہ۔ پس قرآن مجید سے ہی ثابت ہوا کہ یہود حضرت عیسیٰ کے قتل بالصلیب کے قائل تھے ورنہ کلمہ ماصلبوہ بالکل حشو ولغو ہوا جاتا ہے۔

اقول ۔ قرآن مجید سے ہی ثابت ہوا کہ فرقہ مرزائیہ بھی یہود کی طرح کاذب اَور دھوکے میں ہے۔ کیونکہ جس طرح قرآن مجید ماقتلوہ سے قتل کی نفی فرما رہا ہے ایسا ہی ماصلبوہ سے صلیب پر چڑھانے کو بھی خلافِ واقع ٹھہرا رہا ہے۔ اَور واضح ہو کہ صلب ماخوذ ہے صلیب سے، کما فی مجمع البحار ولسان العرب۔ جس کا معنی خون اَور چربی کا ہے۔ اَور سُولی پر چڑھانے اَور چار میخ کرنے سے بھی کیونکہ خون اَور چربی بہتی ہے۔ لہٰذا اُس شخص کو جو سُولی پر چڑھایا جاوے مصلوب کہا جاتا ہے۔ اَور یہ نہیں کہ مصلوب کا اطلاق قبل از مقتولیت نہیں ہوسکتا۔ ہاں سُولی پر چڑھانا بھی چُونکہ منجملہ اسبابِ قتل کے ہے اِس وجہ سے صلب کا اطلاق مسبّب یعنی قتل پر بھی مجاز مُرسل کے طور پر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔ الصّلب القتلۃ المعروفۃ الخ اَور روایت میں چُونکہ قتل صلیبی کی نفی پہلے وماقتلوہ سے ہوچکی ہے لہٰذا ماصلبوہ سے معنی قتل کا مجازی طور پر نہیں لے سکتے۔ ورنہ کلامِ الٰہی لغو ہوا جاتا ہے۔ الغرض اگر کل تصریحات ص ل ب پر نظر ڈالی جاوے۔ اَور ایسا ہی صلب کے ماخذ یعنی صلیب کو جو بمعنی چربی یا بمعنے سُولی کے ہے ملحوظ رکھا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ صُلب کا معنی سُولی پر چڑھانا اَور چار میخ کرنا ہے۔ اَور مرزا صاحب خود بھی ازالہ میں مسیح پر باوجُود زندہ اُتار لیے جانے کے اطلاق مصلوب کا کرتے ہیں۔ کما سیجیئ۔

قولہٗ ۔ اس کے علاوہ مؤلّف خود حسبِ قولِ یہود قتل بالصلیب کا قائل ہے۔

اقول ۔ معاذ اللہ دروغ گوئم بروئے تو کا معاملہ کیسے شروع کر دیا۔ ہمارا عقیدہ وُہی ہے جس کے سب اہلِ اسلام قائل ہیں۔ یعنی مسیح علیٰ نبیّنا وعلیہ السّلام نہ مقتول ہُوئے نہ صلیب پر دیئے گئے۔ اِصلاح بجائے عبارتِ مذکورہ کے یُوں کہو (اس کے علاوہ مؤلّف خود قتل بالصّلیب کو یہود کا مزعوم ٹھہراتا ہے)

قولہ - پس اگر مانحن فیہ میں ایک ذرہ بھر بھی غور کرتا تو مقصود ہمارا مندرجہ آیت اس کے پاس موجود تھا۔ اور مقتضائے کلمہ بل جس کو مؤلف نے بقواعد نحویہ ثابت کیا ہے۔ اس سے ہمارا ہی مطلب ثابت ہوتا ہے۔ لاغیر ولنعم ما قیل ؎

قد یرحل المرء لمطلوبہ والسبب المطلوب فی الراحل

اقول - دعوئے بے دلیل کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ کوئی اہل تحقیق ایسا نہ ہوگا جو آپ کے لاف آمودہ تقریرات پڑھ کر سے ہی نہ تھوکے۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ رفع روحانی کی تقدیر کے شقوق ثلثہ پر جو احتمالات وارد کیے گئے ہیں ان کا دفعیہ کرنے کے بعد فرماتے (اس سے ہمارا ہی مطلب ثابت ہوتا ہے) ایسا ہی رفع روحانی اور مقتولیت میں مادہ افتراق کو ثابت فرما کر بعد ازاں لاغیر کہتے اصلاح (مندرجہ آیت) لفظ مندرجہ میں تانیث کیسے؟ موصوف اس کا تو مذکر ہے یعنی مقصود) پس بجائے (مندرجہ) کے مندرج چاہیئے۔ شعر ؎

کفی حزناً بانک مقیم ببلدۃ والمعنی باخری مالک الیہ وصول

ترجمہ - یہی تو غم ہے کہ تُو ایک شہر میں ہے اور معنی دُوسرے شہر میں جہاں تیری رسائی مشکل ہے۔

قولہ - پس مقصود یہود کا قتل بالصلیب سے حضرت عیسیٰ کی ملعونیت ثابت کرنی ہے۔ لاغیر۔ پس جس طرح پر نفی علت سے نفی معلول کی جاتی ہے۔ اُسی طرح پر حضرت عیسیٰ کی ملعونیت کو جو معلول قتل بالصلیب کی ہے نفی علت کر کر جو قتل بالصلیب ہے نفی فرمایا۔

اقول - بائیسویں اور تیئسویں ہر دو آیات سے جو پہلے ہم کتاب استشناء سے نقل کر چکے ہیں روز روشن کی طرح ظاہر ہو چکا ہے۔ کہ جس شخص سے جرم صادر ہو اور وہ شخص بذریعہ صلیب قتل کیا جاوے، خُدا کے ہاں ملعون ہوتا ہے۔ بناء برآں قتل صلیبی مجرم کی ملعونیت کے لیے علت ٹھہرے گی نہ غیر مجرم کی۔ بلکہ وُہ شہادت کی طرح موجب رفع درجات عنداللہ ہوگی۔ اس مضمون سے صاف ثابت ہوا کہ آپ کا یہ زعم (پس جس طرح پر نفی علت سے نفی معلول الخ) بالکل خلاف واقعہ اور یہود کی رنگت سے رنگین ہے۔ خدارا قرآن کریم کی تفسیر ایسے بیہودہ زعمات پر مبنیٰ نہ کریں۔ خُدا کے بندے اگر اللہ تعالیٰ کو نفی علت کے طور پر نفی معلول کرنا منظور ہوتی۔ تو وما قتلوہ و ماصلبوہ سے ہرگز ہرگز مضمون بالا ادا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نظم مذکور علاوہ نہ ادا کرنے معنے مُراد کے، موہم ہو جاتی ہے مضمون غیر مُراد کی طرف یعنی غیر مجرم کے قتل اور صلب کو علت لعن ٹھہرایا۔ بلکہ اس تقدیر پر یُوں فرمانا ضروری تھا۔ وما کان عیسیٰ مجرماً حتی یکون قتلہ بالصلیب سبباً للعنہ اومایؤدی معناہ۔ اب سُنیئے حق سُبحانہ وتعالیٰ کو چُونکہ رفع اختلاف بین الیہود و النصاریٰ بل بینہم والمسلمین منظور تھا تو اس اختلاف کو اصل واقعہ کے بیان کے ضمن میں رفع فرمایا۔ ماقتلوہ یعنی یہود نے مسیح کو قتل نہیں کیا۔ یہ کہنا اُن کا کہ انا قتلنا المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ (ہم نے قتل کر ڈالا مسیح کو) خلاف واقعہ ہے۔ رہا یہ احتمال کہ صلیب پر چڑھایا گیا ہو بغیر قتل کے جیسا کہ قادیانی اور اُس کی ذُریت کا عقیدہ ہے تو اس احتمال کی تردید فرمائی وماصلبوہ سے (اور نہ سُولی دیا اس کو) معلوم ہوا کہ جس طرح ماقتلوہ مستقل طور پر یہود کے اس زعم کی تردید و تکذیب ہے کہ ہم نے مسیح کو قتل کیا۔ اُسی طرح ماصلبوہ بھی بالاستقلال مکذب ہے یہود کے اس زعم کا، کہ مصلوب یعنی جو سُولی دیا گیا وُہ مسیح ہی تھا۔ الحاصل اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ مقتول و مصلوب مسیح نہ تھا۔ اب بالطبع یہ وہم پیدا ہوا کہ یہود و نصاریٰ کا چشم دید بیان ہے کہ ایک شخص سُولی پر دیا گیا۔ اور اسی تعدمہ سے مر بھی گیا۔ جس کو وُہ دونوں اپنے زعم میں مسیح خیال کرتے تھے۔ وُہ شخص اگر مسیح نہیں تھا تو کون تھا۔ اس وہم کے دفع کے لیے اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ، لیکن وُہ مقتول و مصلوب مسیح کا ہم شکل بنایا گیا۔ اور اُن کے سامنے سوق آیۃ سے ہی

معلوم ہوگیا کہ نفسِ قتل اور صلب میں کلام نہیں ۔ نہ تو یہود کی آرزو مسیح کے بغیر کسی اور شخص کو قتل کرنے کی تھی اور نہ اللہ جل شانہٗ نفسِ قتل اور صلب کی نفی فرماتا ہے ۔ بلکہ جو امر کہ یہود کی نظر کا نشانہ تھا یعنی مسیح کا قتل ، اسی امر کی تردید اللہ جل شانہٗ نے فرمائی آیت سے شاہد اس کا یہ ہے کہ یہود نے اپنے مقولہ انا قتلنا المسیح عیسٰی بن مریم رسول اللہ میں مقتول کا بیان بڑے اہتمام اور تکرار سے کیا یعنی الفاظ مسیح اور عیسٰی اور رسول اللہ سے جس سے مطلب ان کا یہ تھا کہ لو جی ہماری مراد پوری ہوگئی ۔ جس کے اتمام اور پورا کرنے کے لیے چار چیزوں کا ہونا ضروری تھا ۔ ایک علتِ فاعلیہ یعنی یہود ، دوسری مادیہ یعنی مسیح ، تیسری علتِ صوریہ یعنی ہیئت حاصلہ عند القتل ، چوتھی علتِ غائیہ جو باعثہ علی القتل تھی یعنی اظہار اس امر کا کہ مسیح اپنی نبوت کے دعوی میں کاذب تھا ۔ والا بذریعہ صلیب مقتول نہ ہوتا ۔ کیونکہ مقتول بذریعہ صلیب عند اللہ ملعون ہوتا ہے ۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی تردید کا محل بھی وہی ہوگا جو یہود کے ہاں مہتم بالشان تھا ۔ لہٰذا وما قتلوہ وما صلبوہ بضمیر منصوب متصل فرمایا ۔ نہ صرف وما قتلوہ وما صلبوہ یعنی مسیح کو تو انھوں نے نہ قتل کیا اور نہ سولی دیا ۔ یہ اُن کی غلط بیانی ہے کہ انا قتلنا المسیح کہتے ہیں الخ اس لیے حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے یہود کی سلک جرائم میں وقولھم انا قتلنا اگر فی الواقع مسیح مقتول بذریعہ صلیب ہوتا ۔ یا صرف سولی پر ہی دیا جاتا تو بیان سلک جرائم میں یہود کے یوں چاہیئے تھا ۔ وقتلھم او صلبھم المسیح الخ کیونکہ غلط بیانی سے ایذا ہی جاری جرم ہے تو بمقتضائے مقام اس جرم کا ذکر ضروری تھا ۔ باقی تفسیر متعلق آیات آئندہ کے عنقریب آئے گی ۔ ناظرین انصاف فرماویں کہ قرآن کریم کا محرف کون ہے ۔

قولہ صفحہ ۱۵ سطر ۱ چونکہ ہم نے یہ التزام کیا ہے کہ حتی الامکان مؤلف ہی کی عبارت اور اس کے مسلّمات سے اس کا تعاقب کر کر رد کرتے ہیں اور اکثر بالمعارضہ جواب دیتے ہیں اور اسی کی عبارت کا رنگ ہماری عبارت میں کلون الماء فی الاناء ہو جاتا ہے ۔

اقول ۔ اس التزام کی وجہ گو کہ امروہی صاحب مارے شرم کے بیان نہیں فرماتے ۔ مگر تاڑنے والے تو تاڑ گئے ہیں ۔ اور اس وجہ کا ثبوت بھی ہم کو ان کے مصاحبوں سے حلفی بیان کے ساتھ پہنچ چکا ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ امروہی صاحب نے کلمہ طیبہ کے سوال اور ایسا ہی فائدہ جلیلہ اور رفع الیہ کی تشریح میں چونکہ شمس الہدایت کی عبارت سمجھنے پر قدرت نہیں پائی ۔ لہٰذا طوطی کی طرح وہی الفاظ بعینہا بانکے جارہے ہیں ۔ کلمہ طیبہ کی بحث میں تو صاف طور پر اُن کے اپنے کلام سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ طلب کلام کو نہیں پہنچے ۔

قولہ ۔ خواہ مؤلف کی عبارات اور الفاظ بے محاورہ اور غیر لائقہ ہی ہوں ۔ ہم بھی وہی الفاظ اور عبارات نقل کر دیتے ہیں تاکہ طریق معارضہ بالقلب سے جو جواب دندان شکن ہوتا ہے مؤلف پر حجت ہو جاوے ۔

اقول ۔ امروہی صاحب کے الفاظ و عبارات بے محاورہ بلکہ دال بر معنی غیر مراد جن کی اصلاح اس کتاب میں کی جاتی ہے بیلک پر ظاہر ہوگئی ہیں اور ہوتی جائیں گی ۔ آپ کے مضامین کی غلطی اس قدر تھوڑی نہیں کہ ہم کو ایک جگہ دم لینے دیں تاکہ ہم آپ کی عبارات کی اصلاح کرتے چلیں ۔ خود غلط ، املا غلط ، انشا غلط کا معاملہ ہے ۔ جواب دندان شکن تو بجائے خود رہا ابھی تک تو دندان لگن بھی عطا نہیں فرمایا ۔ اور یاد رکھو کہ ہرگز نہ دے سکو گے ۔

قولہ صفحہ ۱۵ ۔ چنانچہ اس جگہ پر ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ لفظ متکلم بلیغ کا ، شان میں اللہ تعالیٰ کے ، کیسا ایک لفظ رکیک اور گستاخانہ ہے ۔ علی ہذا القیاس اکثر عبارات بالکل بے محاورہ اور قواعد زبان اردو کے محض خلاف ہیں ہم کہاں تک اس کی اصلاح کرتے ۔ کتاب و سنت میں اللہ تعالیٰ کے لیے متکلم بلیغ اطلاق کہیں نہیں آیا وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (اعراف ۔ ۱۸)

اقول ۔ امروہی صاحب ذرا یہ تو فرماویں کہ :۔

۱۔ آپ نے جو واجب الوجود لذاتہٖ کا اطلاق اپنی کتاب شمسِ بازغہ کے صفحہ ۴۲ سطر گیارھویں میں کیا ہے ایسا ہی اسی کتاب کا صفحہ ۲۳ سطر ۱۶ ملاحظہ ہو۔ آپ مُلحد کیوں بن گئے کہیں کتاب و سُنّت میں اس کا پتہ بتلا دیں۔

۲۔ پھر معرُوض ہے کہ اگر متکلم بلیغ کے اطلاق سے اِنسان مُلحد ہو جاتا ہے تو آپ نے اسی صفحہ ۱۵ کی پہلی سطر میں کیوں دانستہ اِلحاد اختیار کیا۔ آپ کا یہ کہنا "نقل کُفر کُفر نہ باشد" اس جگہ مُفید نہیں ہو سکتا کیونکہ مُجیب ہیں اور بعنوان عبارت مذکور جواب دے رہے ہیں اس کو محض نقل نہیں کہہ سکتے۔

۳۔ سہ بارہ عرض کرتا ہُوں کہ اسماء الٰہیہ کا توقیفی یا غیر توقیفی ہونا ایک مسئلہ مختلف فیھا بین المسلمین چلا آتا ہے یعنی دونوں فریق اِسلام سے خارج نہیں۔ تو پھر آپ نے بے موقع آیت مذکورہ مُسلمانوں کو مُلحد بنانے کے لیے کیوں پڑھ دی۔ کیا آپ کے عندیہ میں غیر توقیفی کے قائلین سب مُلحد ہیں۔

۴۔ چوتھی دفعہ مکلف ہُوں کہ آپ اسماء حُسنٰی کو اِنہی نودنہ نام میں منحصر سمجھتے ہیں۔ یہ آپ کا زعم غلط ہے۔ حدیث صحیح جو بروایت عبداللہ بن مسعُود مسند امام احمد میں مذکور ہے جس میں اسئلك بكل اسم هو لك سميت به نفسك وانزلته في كتابك او علمته احدا من خلقك او استاثرت به في علم الغيب عندك الخ موجُود ہے ملاحظہ ہو۔ ترمذی کی شرح احوذی پر بھی نظر ڈالیں۔ اور نہ سہی تو شرح مواقف عبارت مسطورہ ذیل پر نظر ڈالی ہوتی۔ وانما قال في المشهور اذ قد ورد التوقيف فيها۔

۵۔ پانچویں مرتبہ معرُوض ہے کہ آیت کے معنی میں ابنِ عبّاسؓ فرماتے ہیں۔ يلحدون في اسمائه اشتقوا اللات من الله والعزى من العزيز تفسیر ابن کثیر و جلالین وغیرہ تفاسیر معتبرہ مُلاحظہ ہوں۔

۶۔ چھٹی دفعہ معرُوض ہے کہ متکلم کے لفظ کا جواز اطلاق سید محقق شرح مواقف کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ وشاع في عبارات العلماء المريد المتكلم الموجود بالذات الخ یہ جواز بھی مبنی ہے عدم انحصار في تسعة وتسعين پر۔

قولہٗ صفحہ ۱۵۔ اب اصل کلام کی طرف رجُوع کی جاتی ہے کہ اوّلاً فرمایا کہ وما قتلوه وما صلبوه اب سامع کو یہ وہم پیدا ہوا کہ حضرت عیسٰیؑ باتفاق فریقین یہُود و نصاریٰ کے صلیب پر تو چڑھائے گئے تھے۔ پھر ماصلبوہ کہنا کیونکر دُرست ہوا کیونکہ صلیب پر چڑھایا جانا اُن کا ایک ایسا تاریخی واقعہ تھا جس سے اکثر اہلِ اسلام بھی اِنکار نہ کر سکے۔ ہاں ان لوگوں نے اس تاریخی واقعہ کی یہ تاویل کی کہ حضرت عیسٰیؑ کی شبیہ کَاَنَّہٗ ھُوَ صلیب پر چڑھائی گئی تھی نہ حضرت عیسٰی۔ چُونکہ قرآن مجید رفع اختلاف بین الیہُود والنصاریٰ و نیز بنا بر رفع نزاعات واقعہ بین المسلمین اِلیٰ یوم القیامۃ نازل ہوا ہے۔ لہٰذا اس اِختلاف کو بھی کلام الٰہی نے خود ہی رفع فرمایا ولکن شبہ لهم ظاہر ہے کہ حرف لکن واسطے اِستدراک کے آتا ہے یعنی واسطے دفع کرنے اس وہم کے جو کلام سابق سے سامع کو پیدا ہوتا ہے۔ قامُوس میں لکھا ہے۔ ولكن ساكنة النون ضربان مخففة من الثقيلة وهي حرف ابتداء لا يعمل خلافا للاخفش ويونس فان وليها كلام فهي حرف ابتداء لمجرد افادة الاستدراك وليست عاطفة۔

اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ کلامِ سابق سے کیا وہم پیدا ہوا جس کو لکن کے ساتھ دفع کیا گیا جب ہم کلامِ سابق پر نظر کرتے ہیں تو کوئی اور وہم پیدا ہی نہیں ہوتا بجز اس کے کہ حضرت عیسٰیؑ سُولی سے ضرور قتل کیے گئے تھے۔ کیونکہ یہُود و نصاریٰ ابتداء سے لے کر آج تک اسی امر پر متفق ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ سُولی پر قتل کیے گئے۔ اب اس وہم کے دفع کے واسطے جو کلام سابق ماقتلوہ وما صلبوہ سے پیدا ہوا بحرفِ اِستدراک لکن کے دفع کیا گیا کہ ہاں حضرت عیسٰیؑ صلیب پر چڑھائے گئے تھے۔ اور یہ صلیب پر چڑھایا جانا مشابہ قتل

بالصّلیب کے ہے اسی واسطے بحرفِ لکن فرمایا گیا ہے یعنی ولکن حضرت عیسٰیؑ مشابہ یا مشبّہ مقتول الصلیب یہود کے لیے کیے گئے۔

اقول۔ (اس وہم کے دفع کے واسطے) کہہ کر پھر (بحرفِ استدراک لکن کے دفع کیا گیا) کہنا کیسی فصاحت ہے سُبحان اللہ!

اصلاح: اَب اِس وہم کو جو کلامِ ماسبق ماقتلوہ وماصلبوہ سے پیدا ہوا۔ بحرفِ استدراک لکن کے دفع کیا گیا ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ نئی تفسیر بالکل تحریف اور غلط اور مخالف ہے آیاتِ قرآنیہ کے۔

اوّل تو ان جُہلاء نے صلیب پر چڑھانا حضرت عیسٰیؑ کا مسلّم رکھا باوجود اس کے کہ اللہ جل شانہٗ مستقل طور پر وماصلبوہ فرماتا ہے یعنی مسیح کو صلیب پر یہود نے نہیں چڑھایا۔

دُوسرا اگر مسیح کو یہود نے صلیب پر چڑھایا تو اللہ تعالیٰ پہلے سلکِ جرائم یہود کے بیان میں کما قال فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ الخ (النساء - ۱۵۵/۱۵۶) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ الخ (النساء - ۱۵۶/۱۵۸) صرف وَقَوْلِهِمْ فرما کر غلط بیانی ہی کو من جملہ جرائم شمار کرتا ہے مقتضٰی مقام کا یہ تھا کہ ان کی ایذا رسانی کو بھی ضروری ذکر کیا جاتا یعنی (وصلبھم المسیح) تاکہ یہود کے مردود وملعون ہونے کے اسباب کا سلسلہ نامکمل نہ رہتا اور سبب قوی واجب الذکر کو ترک کرنا خلافِ بلاغت ہے۔

تیسرا صلیبی اعتقاد صرف وَمَا صَلَبُوْهُ کے ہی مخالف نہیں بلکہ صریح آیت دُوسرے مقام میں اس عقیدہ کی تردید فرما رہی ہے دیکھو سُورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ درضمن ذکرِ نعماء بنے کے جو مسیح اور اُس کی والدہ پر عطا کی تھیں فرماتا ہے۔ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ۔ (مائدہ ۵ - آیت ۱۱۰) یعنی من جملہ میری نعمتوں کے جو تیرے پر فیضان کی ہیں ایک نعمت یہی ہے یاد کر جب کہ روک رکھا تھا ہم نے بنی اسرائیل کو تجھ سے یعنی تم کو ان کی ایذاء سے بچا لیا تھا۔ اگر واقعہ صلیبی مزعومہ مرزائیہ بہ تقلید یہود ونصاریٰ واقعی تھا تو پھر كَفَفْتُ فرمانا کاذب ہوا جاتا ہے۔ ایسا ہی اِس آیت کے اِبتداء میں اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ فرمانا بے جا ہوگا۔

چوتھا۔ بناء برتقدیر مذکور مسیح کو بروقت مشورہ کرنے یہود کے ایذا رسانی کے بارہ میں اللہ جل شانہٗ کی اطمینان دہی کما قال اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ الخ العیاذ باللہ دھوکہ بازی ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اس کا ثمرہ تو یہ نکلا کہ یہود کے ہاتھوں پکڑوا کر صلیب دلا دینے کے بعد تیرا دم نہ نکلنے دُوں گا اور تجھے مشابہ بالمقتول بناؤں گا۔ کیا اطمینان دہی اسی کا نام ہے؟

پانچواں۔ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۢ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ یہ آیت بعد ملاحظہ فائدہ جلیلہ شمس الہدایت کے نصِ قطعی ہے رفع جسمی پر، جو منافی ہے صلیبی اعتقاد کو۔

چھٹا۔ آج تک کسی حدیث یا قولِ صحابی یا تابعی سے تسلیم صلیبی واقعہ ثابت نہیں۔ بلکہ سب اہلِ اسلام اس اعتقاد سے علیحدہ ہی رہے ہیں۔ وجہ اس کی بغیر اس کے کوئی نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم وصحابہؓ وسائر اہلِ اسلام نے الی یومنا ھذا قرآن کریم کی شہادت کو یعنی وَمَا صَلَبُوْهُ ایسا ہی بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کو پیش نظر رکھ کر یہود ونصاریٰ کی روایات کو پس پُشت پھینک دیا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم باوجود اس کے کہ بلغ ما انزل الیك اور ایسا ہی اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا (النساء - آیت ۱۰۵) اور نیز وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (نحل - ۶۴) ایضاً قال تعالیٰ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (نحل - ۴۴) ایضاً قال تعالیٰ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ کے ساتھ مامور ومُبشّر

ہوکران معانی سے کیسے بے خبر رہے ہوں گے۔ ہرگز ممکن نہیں۔ اِس سے صاف ثابت ہے کہ یہ نئی تفسیر بالکل تحریف اَور خلافِ محاورۂ عرب ہے۔ اَور لسان العرب کا قول (الصلب القتلة المعروفة) معنی مجازی کا بیان ہے۔ چُونکہ صلیب پر چڑھانا اَور خُون اَور چربی وغیرہ کا نکلنا مِن جُملہ اسبابِ قتل کے ہے۔ لہٰذا صلب کا اطلاق قتل پر مجاز مستعار کے طور پر ہُوا۔ کیونکہ صلب کا ماخذ صلیب ہے بمعنے خون و چربی کے یا بمعنے سُولی کے نہ قتل۔

قولہٗ صفحہ ۵۲۔ اَور جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ کے شبیہ سُولی پر قتل کیے گئے تھے۔ لہٰذا یہ وہم پیدا ہُوا کہ خود حضرت عیسٰیؑ مقتول بالصّلیب ہُوئے۔

اقول۔ یہ کیسا خبط ہے اَور (لہٰذا یہ وہم پیدا ہُوا الخ) کیسا بے ربط ہے ماقبل سے۔ بھلا یہ کہنا کہ حضرت عیسٰیؑ کے شبیہ سُولی پر قتل کیے گئے تھے یہ مضمُون کس طرح منشاءِ وہم ہو سکتا ہے۔ اِس کے لیے خود حضرت عیسٰیؑ مقتول بالصلیب ہُوئے۔ اِبندے خُدا کے اِس کا منشاء کہ خود حضرت عیسٰیؑ مقتول بالصلیب ہُوئے کلامِ سابق ہے یعنی وما قتلوہ وما صلبوہ۔ کیونکہ جب حضرت عیسٰی باتفاق فریقین یہُود و نصارٰی صلیب پر چڑھائے گئے تھے بلکہ بزعم ان کے مقتول بھی ہو گئے تو پھر نفی قتل و صلب کی کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ اِس وہم کو اللہ تعالیٰ نے و لکن شبہ لھم سے دفع فرمایا یعنی واقعہ صلیبی جو ایک واقعاتِ مشاہیر میں سے ہے اس کی نفی نہیں کی گئی قتل اَور صلب تو متحقق ہُوا۔ مگر وُہ مقتول و مصلُوب مسیح نہ تھا بلکہ اس کا شبیہ تھا۔

قولہٗ۔ مگر اِس صُورت میں اِستدراک جو مقتضائے حرف لکن کا ہے کب ٹھیک ہوتا ہے۔ کیونکہ لکن کے سابق میں کہاں مذکُور ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کے شبیہ مقتول بالصلیب ہُوتے۔ جس سے یہ وہم پیدا ہو۔ تاکہ خود حضرت عیسٰیؑ مقتول بالصّلیب ہو گئے ہیں۔ پھر لکن کے ساتھ کونسا وہم ناشی عن الکلام دفع کیا گیا۔

اقول۔ دماغ کے فساد کا معالجہ کرو اکر بعد ازاں تفسیر لکھیں۔ آپ فرماتے ہیں (کہ سابق میں کہاں مذکُور ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کے شبیہ مقتول بالصّلیب ہُوتے) خُدا کے بندے یہ مضمُون کہ حضرت عیسٰیؑ کے شبیہ مقتول بالصّلیب ہُوئے یہ تو مدخول حرف لکن کا ہے جس سے دفع وہم ناشی عن الکلام السابق کا کیا گیا ہے۔ اگر یہ دفعیہ پہلے ہی مذکور ہو تو پھر وہم بھی قبل از لکن مدفوع ہو جاوے۔ ہدایۃ النحو پڑھنے والے بھی جانتے ہیں کہ لکن کے اِستعمال میں چار چیز کا ہونا ضروری ہے۔ ایک کلام سابق۔ دُوسرا وہم ناشی عنہ۔ تیسرا دفع وہم جو مدلُول ہے لکن کا۔ چوتھا وُہ مضمون جس سے وہم سابق دفع کیا جائے جو دائمًا لکن کے بعد ہی ہُوا کرتا ہے ولکن شبہ لھم میں ایک تو کلام سابق ہے وُہ ہے وما قتلوہ وما صلبوہ، دُوسرا وہم ناشی جو اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ تیسرا لکن، چوتھا ما یدفع بہ الوھم یعنی شبہ لھم کا مضمون۔

ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ امروہی صاحب شمس بازغہ لکھنے کے ایّام میں بوجہ اس کے کہ حق کے مقابلہ میں کھڑے ہو کر تحریف کر رہے ہیں مخبُوط الحواس والعقل ہو گئے ہیں یا اُن کا کمالِ علمی یہی کچھ ہے جو نئے نئے رنگ دِکھلا رہا ہے۔ کاش اگر کسی محقق عالم سے شمس الہدایت کو پڑھ لیتے تو اِس رُسوائی سے محفوظ رہتے۔

قولہٗ۔ معہذا منشاءِ وہم کو تو پھر لکن کے بعد بھی ذکر کیا گیا۔ جس سے وُہ وہم اَور قوی ہو گیا۔ اِندریں صُورت حرف لکن جو دفع وہم ناشی عن الکلام السابق کے واسطے آتا ہے۔ محض لغو اَور حشو ہُوا جاتا ہے۔ تعالیٰ کلامہ تعالیٰ عن ذالك علوا كبيرا اِس صُورت میں عبارت یُوں ہونی چاہیئے تھی کہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن قتلوا وصلبوا شبیہ عیسٰیؑ فلھذا شبہ لھم واین ھذا من ذالك۔

اقول ۔ منشاء وہم کا ماقتلوہ وماصلبوہ ہے جو لکن کے ماقبل مذکور ہے۔ لہٰذا آپ کی عبارت معہذا سے لے کر ہوا جاتا ہے تک محض لغو اور حشو ہے۔ سبحان اللہ اس لیاقت سے اللہ کو اصلاح دے رہے ہیں۔ فصیح صاحب (ولکن شبہ لھو) کے جملہ سے وُہی مضمون ادا کیا گیا ہے جس پر آپ کی دو سطریں دال ہیں یعنی ولکن شبہ لھو المقتول بالمسیح۔ قرآن کریم اگر آپ کی اصلاح کے مُطابق ہوتا تو معجز کس طرح ہو سکتا تھا۔

قولہٗ ۔ ہاں جو معنے آیت کے ہم لیتے ہیں اس میں یہ سب امُور یعنی استدراک اور پیدا ہونا وہم کا کلام سابق سے اور دفع کرنا اس کا لکن سے وغیرہ وغیرہ سب متحقق ہو جاتے ہیں یعنی ماصلبوہ سے یہ وہم پیدا ہوا کہ حضرت عیسیٰ کا مقتول بالصلیب ہونا تو یہُود و نصاریٰ کا آج تک اتفاقی مسئلہ ہے۔ پھر ماصلبوہ کیوں کر درُست ہو سکتا ہے۔ جواب دیا گیا ولکن شبہ لھو یعنی ولکن حضرت عیسیٰ صلبوہ کے مضمون سے مشبّہ اور مشابہ کیے گئے یعنی صلیب پر چڑھائے گئے اور پھر جلد تر زندہ اُتار لیے گئے۔ اس شبہ سے کہ مقتول بالصلیب ہو چکے۔

اقول ۔ سب اہلِ اسلام وہم ناشی من الکلام السابق یہی ٹھہراتے ہیں جو ماقتلوہ وماصلبوہ سے پیدا ہوتا ہے۔ آپ کا اور سب اہلِ اسلام کا تخالف ولکن شبہ لھو کی تفسیر میں ہے حسب تفسیر آپ کے وماصلبوہ کاذب ہو گیا۔ الغرض آپ کی تفسیر وماصلبوہ کو کاذب یا محرّف ٹھہراتی ہے۔ اور نیز اس تقدیر پر وماصلبوہ جو مستقل طور پر نفی سُولی چڑھانے کی کر رہا ہے لغو ٹھہرتا ہے علاوہ اس کے حضرت عیسیٰ صلبوہ کے مضمون سے مشبّہ کیے گئے ہیں۔ یہ اور نرالی تفسیر ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ مشبّہ بالمقتول والمصلوب معاً ٹھہرائے جائیں گے یا صرف مقتولؔ سے یا فقط مصلوبؔ سے۔ پہلی اور تیسری تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مسیح مصلوب نہ ہوا ہو۔ جیسا کہ مقتول نہیں بلکہ مشبّہ ان دونوں سے ہو۔ اور یہ خلاف ہے مزعُوم تمہارے کے۔ کیونکہ تم مصلوب ہونا مسیح کا یہُود و نصاریٰ کی طرح واقعی سمجھتے ہو۔ اور بر تقدیر ثانی علاوہ مخل ہونے کے فہم مُراد میں ترجیح بلا مرجح ہو گی۔ اور نیز صلبوہ کے مضمون کو مشبّہ بہ کہنا سراسر جہالت ہے کیونکہ تشبیہ عبارت ہے تشریک امرٍ بامرٍ فی وصف سے۔ ایک امر تو حضرت عیسےٰ ہوا۔ اور دُوسرا صلبوہ کا مضمون یعنی صلب یہُود المسیح۔ اب فرمائیے اگر عیسیٰ علیہ السلام وصف صلب کے ساتھ جو معنی مصدری ہے۔ تشبیہ دیئے گئے تو پھر حضرت عیسےٰ اور وصف مذکور کس وصف میں شریک ہُوئے۔ بیّنوا توجروا۔

قولہٗ ۔ ان معنوں میں علاوہ محاسن مذکورہ کے معنی تشبیہ جو باب تفعیل سے ہے وُہ بھی ٹھیک ہو گئے۔ اور مرجع ضمیر شُبّہ کا بھی کلام سابق میں عیسیٰ مذکور ہے اور مشبّہ بہ یعنی مضمون قتلوہ وصلبوہ بھی مذکور ہے۔ الحمد للہ کہ الفاظ قرآن مجید سے ہی سب امُور کا فیصلہ ہو گیا۔

اقول ۔ ان معنوں میں علاوہ مفاسد مذکورہ کے معنی شبہ کے بھی ٹھیک نہیں ہوتے کیونکہ الحمد سے والناس تک بلکہ محاورہ عرب وغیرہ میں کبھی کوئی جملہ یا مضمون اس کا مشبّہ بہ کسی شخص کے لیے نہیں ٹھہرایا گیا۔ اور نہ معنی تشبیہ کا صادق آتا ہے چنانچہ ابھی اُوپر ثابت ہو چکا ہے۔ الحمد للہ کہ نظم قرآن مجید سے ہی تمہاری تفسیر کا محرّف ہونا ظاہر ہو گیا۔ اہل اسلام کی تفسیر پر مشبّہ بہ یعنی عیسیٰ کا مذکور ہونا تو ظاہر ہے۔ اور مشبّہ یعنی مصلوب بھی مذکور ہے حکماً کیونکہ جب ماقتلوہ وماصلبوہ سے یہ وہم پیدا ہوا کہ مصلوب اگر مسیح نہیں تو اور کون تھا۔ تو بحر حال کوئی شخص تو مصلوب مذکورہ بھی ہوا ہوگا۔ لہٰذا مصلوب کالمذکور ٹھہرا۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۵ و ۶ تک سوال میں طلب کا ماحصل ۱۔ وُہ شخص جس پر عیسیٰ کی شبیہ ڈالی گئی اُس کے متعلق چند سوال

۱۔ وُہ کون تھا۔

۲۔ اُس کا نام کیا تھا

۳۔ اُس کا کوئی خاندان دُنیا میں موجُود تھا یا نہیں؟ بشق اوّل اس کا ماتم کیا گیا یا نہیں، یا کچھ جُستجو بھی اس کی کی گئی یا نہیں۔ بصُورتِ ثانی نہایت بعید از عقل ہے کہ ایک شخص تو سُولی سے بچ جاوے اور ایسے سنگین مقدمہ میں دُوسرا شخص غیر مجرم سُولی دیا جاوے اور ایسے حواری کا ذکر نہ انجیل نہ کسی تاریخی کتاب میں لکھا جاوے۔

۴۔ مریم علیہا السّلام صلیب کے نیچے بیٹھ کر ماتم کرے اور اللہ تعالیٰ اس کو بذریعہ الہام یا کسی حواری کے مسیح کے آسمان پر لے جانے سے مطلع نہ کرے۔ جیسے مُوسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کو لَاتَخَافِیْ وَلَاتَحْزَنِیْ سے تسلی بخشی تھی اور مریم علیہا السّلام کو وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۝ (مریم۔ ۳۳) بھی بھُول گیا۔ جو عیسیٰ علیہ السّلام نے ان کو طفولیت میں پڑھا دیا تھا۔

۵۔ اور کیا یہ شخص حضرت عیسیٰؑ کا کفّارہ بن گیا تھا جیسا کہ عیسائی اس کو مقتول بالصّلیب ٹھہرا کر سب عیسائیوں کا کفّارہ قرار دیتے ہیں۔

اقول۔ جواب

پہلے آپ اور آپ کے پیغمبر جن کا فرض منصب ہے شُبہات کا نکالنا ذرا یہ تو فرماویں کہ بحسب عقیدہ آپ لوگوں کے مسیح سُولی پر بھی دیا گیا اور اس کو تازیانے بھی لگائے گئے۔ اور جس قدر گالیاں سُننا اور طمانچے کھانا اور ہنسی اور ٹھٹھے اُڑائے جانا اس کے حق میں مقدر تھا، سب اُس نے دیکھا۔ دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۳۸۷ سے صفحہ ۳۸۴ تک اور پلاطوس کی عورت کو بذریعہ خواب سمجھایا گیا کہ یہ شخص راست باز ہے اور اس کا قتل کرنا مُوجب تباہی پلاطوس کا ہے۔ دیکھو ازالہ صفحہ مذکُورہ۔ اور مسیح کا (ایلی ایلی لماسبقتنی) چلّا چلّا کر پکارنا بھی انجیلوں میں مندرج ہے۔ ان عقاید کے متعلق گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو سب کچھ کیا کہ مسیح کو رُوح القدُس سے تائید فرمائی اور احیاء موتیٰ اور ابراء اکمہ وغیرہ وغیرہ معجزات مزید برآں پہلے سے مسیح کو تسلّی و دلاسا بھی فرمایا تھا کما قال عزمن قائل یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ لیکن اس سے اِس قدر نہ ہو سکا کہ حسب وعدہ اپنے کے مسیح کو یہُودیوں کے تازیانے لگانے اور کُوچہ بکُوچہ رُسوا کرنے اور سُولی پر دینے سے بچا سکے؟ اور مریم صلیب کے نیچے ماتم کرے۔ جیسا کہ آپ کی انجیلوں میں موجُود ہے حضرت مریم کو وُہ بھی یاد نہ رہا۔ جو حضرت عیسیٰ نے طفولیت میں اس کو پڑھا دیا تھا کہ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا اور پھر بڑی تعجب کی بات ہے کہ پلاطوس کی عورت کو تو بذریعہ کشف منامی اطلاع دی جاوے اور مریم علیہا السّلام محروم رہ جاویں۔ مُوسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کے ہم پلّہ ہونے کی شکایت نہ سہی مگر پلاطوس یہُودی کی بیوی جیسی بھی نہ ہو۔ پھر گزارش ہے کہ پلاطوس کی بیوی نے بھی حضرت مریم کو آگاہ نہ کیا اور نہ سمجھایا کہ تم کیوں روتی ہو۔ حضرت عیسیٰؑ کو تو اللہ تعالیٰ نے مرنے نہیں دیا کیونکہ پلاطوس کو میں نے آگاہ کر دیا تھا کہ تمھاری بلاکت مسیح کے مقتول ہونے میں ہے۔ سو وُہ حسب ہدایت میری کے سپاہیوں کو سمجھا کر ضرُور زندہ ہی مسیح کو اُتروائے گا۔ پھر گزارش ہے کہ مسیح کو باوجود اس کے کہ انبیاء اُولوالعزم میں سے تھے اور پہلے سے اطمینان بھی دیا گیا تھا پھر کیوں چلّا چلّا کر (ایلی ایلی لماسبقتنی) پکارتے رہے۔ ہاں شاید اس لیے کہ میرے خدا نے العیاذ باللہ میرے ساتھ دھوکا کیا۔ پھر گزارش ہے اور یہ سب سے حیرت انگیز بات ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو اپنا وعدہ بھُول گیا تھا یا قدرتِ خُداوندی العیاذ باللہ باقی نہ رہی تھی۔ پھر گزارش ہے کہ یہ بھی معلُوم نہ ہوا کہ پلاطوس کی بیوی کا نام کیا تھا۔ یا اُس کے سپاہیوں کے نام معہ آباء و اُمّہات کیا تھے۔ اگر معلوم النسب والاسم تھے تو کسی انجیل یا کسی تاریخی کتاب نے کیوں نہیں لکھے۔ اور اگر مجہُول النسب والاسم تھے تو اندریں صُورت یک نہ شُد دو شُد بلکہ سہ شُد۔ بلکہ یہ لوگ تو حضرت عیسےٰؑ سے بھی بڑھ گئے۔ کیوں کہ حضرت

عیسیٰ کے اگر باپ نہیں تھے والدہ تو تھیں۔ اَور اُن اشخاص کے نہ ماں نہ باپ۔ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔ عیسائی تو ایک مسیح کو بدرجۂ اُلوہیت پہنچاتے ہیں۔ اَور ان روایات اسرائیلیہ پر ایمان لانے والے تو بہتیروں کو خُدا مانتے ہوں گے۔ ہم حیران ہیں کہ ان دونوں میں سے کِس کو کاذب اَور کِس کو صادق سمجھیں۔ ع

شُد پریشاں خواب من از کثرتِ تعبیر ہا

اگر حضرت امروہی صاحب کہیں کہ روایات مسطورہ اسرائیلیات میں سے ہیں۔ توجواباً عرض ہے کہ اگر آپ کے نزدیک یہ روایات قابلِ اعتبار نہیں تو آپ نے اَور آپ کے پیغمبر نے کس واسطے اپنی تصانیف اِنہی روایات سے بھر دیں۔ اَور انہی پر اعتماد کر کے نصُوص صریحہ کو سلام کہا اَور سب صحابہ و عُلماءِ اسلام سے الگ ہُوئے۔

تحقیقی جواب

مسیح کے مصلُوب و مقتول ہونے کو چُونکہ قرآن شریف نے صریح لفظوں میں رد کر دیا ہے۔ اِسی لیے آج تک ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ کے ساتھ ایمان رکھنے والے، اخبار نصاریٰ و یہُود کو بدلیل وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ خلافِ واقعہ خیال کرتے چلے آئے ہیں۔ اس زمانہ میں مرزا صاحب نے بہ تقلیدِ یہُود و نصاریٰ کے، واقعہ صلیبی کو واقعی خیال کر کے قرآن کریم کی صریح آیات میں رد و بدل کر دیا۔ یہُود کا اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ میں مفعُول کو ذکر بدیں اصرار و تکرار کرنا، اَور پھر تردید میں بقولہ تعالیٰ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ بھی اسی مفعُول پر وقوعِ قتل و صلب سے نفی کرنا، صاف دلالت کر رہے ہیں اس پر کہ مقصُود تردید اَور مردُود دونوں میں سلب یا ایجاب نسبت وقوعیہ کا ہے یعنی مسیح کا مقتول و مصلُوب ہونا یا نہ ہونا محلِ بحث ہے۔ نہ نسبتِ صدُوریہ یعنی صرف صدُورِ قتل و صلب میں کلام نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ یہُود کا مطلب صرف یہی ہو کہ ہم سے قتل و صلب صادر ہو گیا ہے۔ خواہ کسی شخص کو ہم نے مقتول و مصلُوب کیا ہو اَور بالخصُوص مسیح مدِّنظر نہ ہو۔ ایسا ہی تردید میں بھی اذا تقرر ھذا۔ تو جب وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ نے قتل یا صلب کے مسیح پر واقع ہونے کی نفی کی۔ اَور یہ ظاہر اَور سب گروہ کا اتفاقی ہے کہ ضرُور کوئی شخص تو مقتول و مصلُوب ہُوا ہے۔ پس مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کے بعد گویا وُہ شخص بلحاظ مضمون سابق مذکُور ٹھہرا۔ لہٰذا وَلٰكِنْ شُبِّهَ میں ضمیر نائب عن الفاعل کا مرجع وُہی شخص ٹھہرایا گیا۔ جیسا کہ جلالین وغیرہ میں ہے۔ یا (لھم) کو نائب عن الفاعل کہا جاوے جیسا کہ دُوسرا محاورہ ہے قامُوس میں۔ بعد اس تشریح کے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مسلمان کو حسب ہدایت ان آیات کے یہ اعتقاد ضرُوری ہے کہ مسیح مقتول و مصلُوب نہیں ہُوا بلکہ وُہ کوئی اَور شخص تھا۔ رہا یہ کہ وُہ کون تھا۔ کیا نام رکھتا تھا۔ اُس کے والدین کا کیا نام تھا۔ سو آیت وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ کی غرض کو اس سے کُچھ تعلق اَور لگاؤ نہیں۔ لہٰذا قرآن کریم اس کے درپے نہیں ہُوا۔ تو پھر ہم کو کیا ضرُورت پڑی ہے کہ اُس شخص کے متلاشی بنیں۔ ہاں ایسی تلاش میں اُن لوگوں کا ہونا ضرُوری ہے جو اہلِ کتاب کی روایات مندرجہ کتبِ محرّفہ مخالفہ لکتاب اللہ کے ساتھ ایمان رکھتے ہوں اور نہ صرف اس پر قانع ہوں بلکہ ان روایات کو کتاب اللہ پر ترجیح دے کر کلام اللہ کو ان کی طرف لے جاویں۔ قال اللہ تعالیٰ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ (الذّٰریٰت ۱۰۔ ۱۱) یعنی اٹکل کے تُکّے چلانے والے قتل کیے جاویں جو غفلت میں بھُولے ہُوئے ہیں۔ بیت ؎

لاہور سے محبّت مُلتاں بتاتے ہو ۔۔۔ کابل پڑی ہے تم تو پشاور کو جاتے ہو

اثر ابن عباسؓ جو باسناد صحیح شمس الھدایت میں مسطُور ہے جس کی صحت کو بڑے بڑے فحول نے اہل حدیث سے مثل حافظ

ابن کثیر وغیرہ نے قبول کیا ہے۔ مؤید اور مشرح ہے اسی مضمون قرآن کا جیسا کہ آج تک مفسرین شکر اللہ سعیہم لکھتے چلے آئے ہیں۔ اور اس اثرہ مضمون چونکہ قیاسی نہیں لہٰذا یہ حکم مرفوع میں ہوگا۔ کما هو المنقح فی اصول الحدیث۔ اور چونکہ یہود و نصاریٰ بالاتفاق مسیح کو مقتول بالتصلیب مانتے ہیں۔ تو قبل از قتل مسیح وسالم آسمان کی طرف اٹھایا جانا جیسا کہ وہ مضمون ہے اس اثرہ، ان کے معتقدات سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بعض ان کے قائل اور راوی ہوں بھی اور یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ ابن عباسؓ نے انہی سے سُنا ہے تو پھر بھی ابن عباسؓ کا اس مضمون کو قبول کرنا۔ جو اُن کے بیان بغیر التردید سے پایا جاتا ہے، دلیل ہے اس پر کہ یہ کتاب اللہ کی کسی آیت کے برخلاف نہیں۔ مسلمانو خوب یاد رکھو اور غور کرو کہ مسیح کا مقتول بالتصلیب ہونا یا صرف مصلوب ہی ہونا یہود و نصاریٰ و اتباعہم کا عقیدہ ہے۔ اور برخلاف ہے صریح آیت وما قتلوه وما صلبوه کے۔ آج تک سب مفسرین نے یہی لکھا ہے۔ مرزا صاحب نے آیات قرآنیہ کو اناجیل کے مطابق کرنا چاہا۔ یہ ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

اب ہم ناظرین کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ امروہی صاحب نے صفحہ ۶۰ تک جو کچھ لکھا ہے خلاصہ اس کا دو ہی باتیں ہیں۔ ایک تو جواب اس سوال کا جو کلمہ طیبہ کے متعلق۔ دوسرا بل رفعه الله اليه سے بلحاظ ہمارے فائدہ جلیلہ کے۔ وفات جسمی مسیح کا ثابت کرنا۔ جواب کا حال تو عرصہ سے چار ورق میں شائع ہو چکا تھا جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام علماء متبحرین نے جن کو ان چار ورق دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہی کلمہ کہا کہ واقعی امروہی صاحب نے اس جواب میں اپنا جہل مرکب خوب ثابت کر دکھایا ہے۔

دوسرے کے متعلق گزارش ہے کہ اس میں امروہی صاحب نے بل کے ماقبل یعنی قتل صلیبی اور مابعد یعنی رفع اعزازی میں تضاد، حسب قواعد مرقومہ فائدہ جلیلہ کے ثابت کیا ہے۔ اس پر ہماری تردید کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ تورات کے حکم کے مطابق صرف اس مقتول بالتصلیب کی ملعونیت ثابت ہے جو کہ مجرم ہو۔ اور مسیح علم باری میں بے گناہ ہے۔ لہٰذا بل کے ماقبل اور مابعد میں برتقدیر مذکور تضاد فی علم باری نہیں، اور رفع جسمی کی تقدیر پر تضاد فی الواقعہ و فی علم الباری متحقق ہے۔ بناءً علیہ جو کچھ امروہی صاحب نے صفحہ ۶۰ میں لکھا ہے اس کے مستحق ہم ٹھہرے۔ یعنی جب آیت بل رفعه الله اليه کی نص قطعی ٹھہری حیوٰۃ مسیح میں، تو ہم نے جو کچھ فائدہ جلیلہ کے آخر میں تفریعات لکھی تھیں وہی درست رہیں۔ سُبحان اللہ والحمد للہ۔ "لا" کے شکنجہ اور "بل" کے بلوں نے مخالفین کے تمام بل اور کجیوں کو سیدھا کر دیا۔ لکن مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؞

قولہٗ۔ اسی صفحہ ۶۰ میں۔ اور یہی آیت قرینہ ہے۔ حدیث لو کان موسٰی و عیسٰی حیین الخ جس کی صحت صاحب فتوحات کو مسلّم ہے۔ حیات سے حیات فی الارض مُراد لینے پر۔

اقول۔ صاحب فتوحات نے چونکہ فتوحات ہی میں حیات مسیح کی تصریح کئی مقامات پر کر دی۔ جیسا کہ اس تکملہ میں مذکور ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صاحب فتوحات وغیرہ اہل اسلام کو جو متفق ہیں حیات مسیح پر مضر نہیں۔

ناظرین! اس جگہ امروہی صاحب کی علمی لیاقت کا خیال فرماویں۔ اس قول میں آپ نے بل رفعه الله اليه کو مطابق زعم اپنے کے قرینہ ٹھہرایا ہے حیوٰۃ سے حیوٰۃ فی الارض مُراد لینے کے لیے۔ اور ظاہر ہے کہ جب حدیث مذکور میں لفظ حیین کو مقید بحیوٰۃ فی الارض ٹھہرایا تو بمقتضائے کلمہ لو کے اتباع موسیٰؑ و عیسیٰؑ کا شرع محمدی کے لیے منتفی ہوا۔ اس لیے کہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ زندہ فی الارض نہیں تو حدیث مذکور سے صرف یہی مفہوم ہوا کہ عیسٰی علیہ السلام بروقت بولنے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حدیث کو زندہ زمین پر موجود نہ تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آسمان پر بھی زندہ نہ ہوں۔ "فی الارض" کی قید تو اس حدیث میں قائلین بحیوٰۃ المسیح لگاتے ہیں۔ جیسا کہ فائدہ جلیلہ میں اس کا یہی مقصود ہے۔ قائلین بوفات المسیح تو اس حدیث میں "حیین" کو مطلق چھوڑتے ہیں تاکہ مطلق حیوٰۃ کا انتفا ہو

جاوے۔ سُبحان اللہ ماشاء اللہ نظر بد دُور۔

قولہٗ ۔ اسی صفحہ ۶۰ میں "جسم کثیف کے اُٹھایا جانے کو بعید سمجھا" من جملہ مؤیدات اپنی سے شمار کرتے ہیں۔

اقول ۔ رفع جسمی کے کئی ایک واقعات پہلے علامہ سیُوطی کی کتاب سے نقل کیے گئے ہیں۔ عقل اگر بعید جانتا ہے تو جسم کثیف کے بالطبع جانے کو بلندی کی طرف، نہ یہ کہ اگر جسم ثقیل کو کوئی بالقسر یعنی حرکت طبعی وارادی کے اُوپر لے جاوے تو نہیں کہا جا سکتا۔ یہ استبعاد صرف قادیان ہی میں محصُور ہے۔ معراجِ جسمانی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس استبعاد کو قادیان تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۶۱۔ اِس تفسیر و تقریر سے جو صراحۃً۔

اقول ۔ قولہٗ تعالیٰ ماصلبوہ صراحۃً یہوُد و نصاریٰ کا مع اتباعہما مکذّب ہے۔ کیونکہ یہ صراحۃً مسیح کے مصلوب ہونے کی نفی کر رہا ہے۔ لہٰذا مضمون اناجیل سے مُطابقت نہیں رکھتا۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۶۱۔ اور حضرتِ اقدس نے صفحہ ۳۸۷ سے صفحہ ۳۸۲ کہیں تحریر نہیں فرمایا کہ معنی صلب کے ہڈی توڑنی ہے۔ صرف مضمون ہڈی نہ توڑے جانے کا نقل کیا ہے۔

اقول ۔ سیّد احمد صاحب اور مرزا صاحب اور مصنّف تفسیر حضرت شاہی تینوں اس پر متفق ہیں کہ مسیح سُولی دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان کو وماصلبوہ کے معنی میں گڑبڑ کرنا ضروری ہوّا خواہ معنی صلب کے لُغۃً ہڈی توڑنا کہیں یا نہ۔ مرزا صاحب نے تو وُہی راستہ لیا جو امروہی صاحب نے ذکر کیا ہے۔ مرزا صاحب ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۸۷ سطر چوتھی میں لکھتے ہیں۔ منشاء ماصلبوہ کے لفظ سے یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسیح صلیب پر چڑھایا نہیں گیا بلکہ منشاء یہ ہے کہ جو صلیب پر چڑھنے کا اصل مدعا تھا یعنی قتل کرنا، اُس سے خدائے تعالیٰ نے مسیح کو محفوظ رکھا اور مصنّف تفسیر حضرت شاہی نے تو معنی صلب کا ہڈی توڑنا لکھا ہے۔ اس تفسیر کا صفحہ ۹۱ ملاحظہ ہو۔ نیز سیّد احمد صاحب کی تفسیر بھی اَب سُنیئے۔ اس سے شمس الہدایت کی عبارت کا مطلب اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ عبارت اِس کی یہ ہے :-

اس تفسیر سے جو نظم قرآنی سے سمجھی جاتی ہے ظاہر ہوگیا ہے کہ سیّد احمد صاحب اور مرزا صاحب اور مصنّف تفسیر حضرت شاہی کو ماصلبوہ کے معنی میں جو اِن صاحبان نے روایات اناجیل کے ملاحظہ سے لیا ہے سخت دھوکا ہوّا۔ میں پھر کہتا ہُوں کہ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ تینوں صاحبان کو ماصلبوہ کے معنے میں سخت دھوکا ہُوا۔ یعنی صلب کے معنی سُولی پر چڑھانا اُن کو چھوڑنا پڑا۔ جیسا کہ ابھی جو ازالہ اَوہام کی عبارت نقل کی گئی ہے اُس سے صاف ظاہر ہے شمس الہدایت کی عبارت (کہتے ہیں ماصلبوہ یعنی یہوُد نے مسیح کی ہڈی کو نہ توڑا) متعلق ہے تفسیر حضرت شاہی سے، جو مرجع قریب ہے اُن کی یعنی سیّد احمد کی تفسیر کو صفحہ ۹۱ پر ملاحظہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنھوں نے صلیب کا معنی ہڈی توڑنے کا لیا ہے۔ اور عبارت قامُوس مسطُورہ شمس الہدایت کے ساتھ استشہاد بھی پکڑا ہے۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۶۱۔ حاصل مطلب دونوں جُملوں کا ماقتلوہ و ماصلبوہ قتل بالصلیب ہی ہے۔

اقول ۔ حاصل مطلب ماقتلوہ کا قتل بالصلیب کی نفی، اور وماصلبوہ کا سُولی پر چڑھانے کی نفی، جیسا کہ اُوپر مکرّر لکھ چکا ہُوں۔ ناظرین صفحہ ۶۱ کو صفحہ ۶۲ کے نصف تک مُلاحظہ فرمادیں جس کو ادنیٰ طالب العلم بھی برعایت ہمارے بعض مضامین مسطُورہ بالا کے جو اس تکملہ میں مکرّر لکھے گئے ہیں۔ تردید کر سکتا ہے۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۶۲۔ مؤلف صاحب اس کا فیصلہ کریں کہ جب مرجع ضمیر ماقتلوہ کا آپ کے نزدیک جسم مع الرّوح ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کے عندیہ میں جسم کے ساتھ رُوح بھی قتل ہو جاتی ہے۔

اقول سبحان اللہ مکہ ہو تو ایسا ہو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ زید و عمرو بکر کا مسمّٰی جسم مع الرّوح ہے اور درصورت مفعول واقع ہونے ان کے اگر فعل افعال حسّیہ میں سے ہوا تو متعلق اس کا صرف بدن ہوگا۔ زید قتلت زیدًا احسست زیدًا۔ اور اگر افعال قلوب میں سے ہوا تو متعلق اس کا صرف رُوح ہوگا۔ علمت زیدا افھمت بکرا۔ جسم مع الرّوح کو مرجع کہنے کا معنے یہ ہے کہ متعلق قتل کا جسم ہے درحالیکہ مقارن مع الرُّوح ہے۔ نہ یہ کہ جسم بھی متعلق قتل کا ہے اور رُوح بھی۔ امروہی صاحب نے اس صفحہ ۶۲ سے صفحہ ۶۳ کے نصف تک بجائے اس کے کہ اپنی جہالت پر متاسّف ہوکر رو دیں، اُلٹا تمسخر سے کام لیا ہے ؎

اللہ رے ایسے علم پہ یہ بے نیازیاں　　　کیا جہل سے ہی آپ کا پُتلا بنا نہیں

آپ جس کو مرجع ضمائر مانتے ہیں، یعنی عیسیٰ بن مریم، وُہی مُراد ہے جسم مع الرُّوح سے۔ رفع درجات کا ذکر پہلے مفصّل ہوچکا ہے بل احیاء کے ماقبل قتل کی نفی نہیں بلکہ اثبات اس کا ہے لہٰذا یہ حیاتِ جسمانی کا افادہ نہیں کرسکے۔ افسوس کہ امروہی صاحب نے ناحق اس کُوچۂ علمی میں قدم رکھا اور اپنے معتقدین کے رُوبرو اپنے فہم سقیم سے ان کو نادم ہونا پڑا۔ وکم من عائب قولا صحیحا و آفتہ من الفھم السقیم۔

قولہ صفحہ ۶۳۔ ان کے اس قول کی صرف یہی وجہ تھی کہ حضرت عیسیٰ کے قتل بالصلیب میں اُنھوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کُوچہ بہ کُوچہ رُسوا کیا۔ الخ

اقول۔ ناظرینِ خدارا انصاف۔ شمس الھدایت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر قتل کرنا مسیح کا اور صلیب پر چڑھانا اُن کا واقعی ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہود کے جرائم سُولی پر چڑھانے اور ایسا ہی قتل کرنے کو ذکر فرماتا جب ایسا نہیں کیا۔ یعنی بجائے وقولھم انا قتلنا کی بجائے وقتلھم وصلبھم نہیں فرمایا۔ اور قولھم کو زیادہ کر دیا تو معلوم ہوا کہ یہود کا جُرم اس مقام پر صرف غلط بیانی ہی تھی۔ اس کے جواب میں امروہی صاحب فرماتے ہیں "اُن کے قول کی صرف یہی وجہ تھی" الخ۔ کیا یہود کے قول اور ان کے انا قتلنا المسیح الخ کہنے کی وجہ آپ لوگوں سے دریافت کی گئی ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ دریافت تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قولھم کو کیوں بڑھایا اور وصلبھم نہ فرمایا۔ اور باوجود اس کے کہ حسبِ زعم تمھارے وُہ صلیب پر چڑھائے گئے تھے، اس سنگین جرم کو کیوں ذکر نہیں فرمایا۔ اور صرف (قولھم) غلط بیانی پر اکتفا کی۔ اَب ماشاء اللہ امروہی صاحب کو علمیّت کا بڑا زور ہوتا جاتا ہے۔ ابھی تو صفحہ ۱۴ شمس الھدایت کے تک پہنچے ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۶۵ کا حاصل: آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ تدبیر کی کہ غارِ ثور کے مصائب اور آفاتِ سفرِ راہِ مدینہ وغیرہ وغیرہ ان پر اور ان کے یارِ غار پر نازل فرمائیں۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے لیے بلاکُلفت چھت کو پھاڑ کر ایک دریچہ بھی بنا دیا۔ گویا مؤلف صاحب اپنی زبانِ حال سے یہ شعر پڑھ رہا ہے۔ شعر ؎

فسبحان اللہ من خصّ المسیح براحۃٍ　　　لیغبطہ فیھا الذی ھو افضل

اقول۔ یہ دھوکا اور فریب ایسا ہے جیسا کہ مثلاً کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ نے مُوسیٰؑ اور اُن کے تابعین کو تو دریا کو چیر کر پار چڑھا دیا۔ اور اُن کے مخالفین کو دریا میں غرق کر دیا، مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے کسی غزوہ میں ایسی تدبیر نہ کی کہ آپ کو (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) مع اصحابؓ کرام کوئی صدمہ نہ پہنچتا۔ اور مخالفین کو بجائے دریا کے زمین میں ہی خسف کر دیتا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کرام کو کفّار کے ہاتھ سے بڑے بڑے صدمات پہنچے۔ پس جو شخص ان آیاتِ قرآنیہ کے ساتھ (جن میں آلِ فرعون کے غرق کرنے کا اور مُوسیٰ علیہ السّلام کی نجات پانے کا دریا سے ذِکر ہے) ایمان رکھتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ (بقرہ ۶۔ آیت ۵۰) وُہ شخص زبانِ حال سے یہ شعر پڑھ رہا ہے۔ شعر ؎

فسبحان اللہ من خصّ موسٰی براحۃٍ　　لیغبط فیہا من ھو افضل

بھلا امروہی صاحب ہم تو ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ پڑھتے جائیں اور آپ بظاہر محبّوں کی صورت میں ہو کر، در پردہ تحریف کرتے ہوئے عاشقانہ اشعار پڑھتے جائیں۔ مگر تاڑنے والے تو تاڑ چکے ہیں۔

قولہٗ۔ امروہی صاحب صفحہ ۶۵ میں بڑی طیش میں آکر لکھتے ہیں۔ (ہاں مجھے یاد آگیا کیوں کر یہ فرق نہ ہوتا۔ کہاں حضرت عیسٰی خدا کے اکلوتے بیٹے صفاتِ بشریت سے مبرّا اور کُجا محمد رسول اللہ عبدہٗ و رسولہٗ ایک خاکی نژاد انسان ونعوذ باللہ من ھٰذہ القول مثل البول تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ و تنشق الارض و تخر الجبال ان دعوا للرحمٰن ولدا کلا وحاشا۔ اے مؤلف تم عیسائیوں کے شریک ہو کر وُہ شعر پڑھتے جاؤ۔ ہم تو یہ شعر پڑھتے ہیں۔ الخ)

اقول۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ کہاں شمس الھدایت میں عیسٰی بن مریم خدا کا اکلوتا بیٹا لکھا ہوا ہے۔ بلکہ آپ نے خود ہی مسیح کے آسمان پر چڑھائے جانے اور سکونت فی السماء کو موجب الوہیت ٹھہرا کر یہ نتیجہ نکالا۔ اور آپ کے عندیہ کو لازم طبعی ہے کہ سب ملائکہ العیاذ باللہ آلھہ بن جائیں۔ یا تو اس عندیہ سے توبہ کرو یا الوھیۃ من فی السمٰوٰت من المخلوق کا العیاذ باللہ اقرار کرو جو مقتضٰی بالطبع ہے تمہارے عندیہ کا۔ اب فرمائیے کہ آپ کے عندیہ کے مطابق سب ملائکہ خُدا کے اکلوتے بیٹے بنے یا نہ؟ شعر ؎

وفی کفۃ میزاننا لک عبرۃ　　وانت لسان فیہ ان کنت تعقل

اذا رجحت احدھما طاش اختہا　　وانت لما فیہا تمیل و تسفل

آپ نے ہمارے اس مضمون پر جو ایک منصوصی امر اور اجماعی عقیدہ ہے حاشیہ لگایا اور مسیح کو بوجہ سکونت علی السماء کے حیّ و قیوم ٹھہرایا۔ اور سب لوگوں پر جن کا یہ عقیدہ ہے کہ ملائکہ کی قرارگاہ آسمان ہے اِلزام لگایا پس تمہارے عندیہ کے مطابق سب ملائکہ حیّ و قیوم ٹھہریں گے۔ جس کا طبعی مقتضٰی یہ ہے کہ الملائکۃ بنات اللہ او ابناء اللہ واقعی ٹھہرے۔ اب فرمائیے ان دعوا للرحمٰن ولدا کے قائل آپ ہوئے یا کوئی اور۔ اور المسیح ابن اللہ اور الیسا ہی عزیر ابن اللہ کے قائلین کا ہم نوا کون ہوا۔ شمس الھدایت کی عبارت صفحہ ۱۵ میں دیکھو جس سے ثابت ہے مسیح کا بارگاہِ الٰہی میں رونا اس دولت کے لیے کہ میں سرورِ عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خدّام میں سے ہوجاؤں کیا اس سے بجائے اس کے کہ افضلیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت ہے۔ آپ نے اُلٹا نتیجہ نکال لیا۔ اور مسیح کے لیے تشبیہ بالملائکہ کہنے پر صفحہ ۶۶ میں کیا کیا ہرزہ سرائی کی۔ کیا فتوحات کا باب ۵۵۷ تمہاری نظر سے نہیں گزرا جس میں (من کرامۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی ربہ ان جعل من امتہ رسولا تؤانہ اختص من الرسل من بعد نسبتہ من البشر فکان نصفہ الاخر روحا مطھرۃ الخ) لکھا ہوا ہے۔ حضرت شیخ تو مسیح کے لیے تشبّہ بالملائکہ جُداگانہ ہونے سے نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وُہ شان عالی ہے کہ آپ کی اُمّت سے ہوگا وُہ پیغمبر جو ملائکہ کے ساتھ جُداگانہ تشبیہ رکھتا ہے۔

قولہٗ۔ اسی صفحہ ۶۶ میں (نفخ رُوح القدس مریم کے گریبان میں) اس پر طعن کیا ہے۔ پھر لکھتا ہے۔ "ہاں ہدیۃ الرسول کے ردّ میں انشاء اللہ تعالیٰ ان اغلاط کی خبر لی جاوے گی"۔

---

[1] ناظرین کو معلوم ہو نفخ رُوح القدس والے مسئلہ میں اس کے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ مصنّف شمس الھدایت نے نفخ رُوح القدس مریم کے گریبان میں جو لکھا ہے یہ خلاف ہے اس آیت سے (وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا) تحریم۔ آیت ۱۲۔ جس سے نفخ رُوح القدس کا گریبان میں معلوم نہیں ہوتا بلکہ فی الفرج مفہوم ہوتا ہے۔

اقول - اجی اپنے ہی مُنہ میاں مٹھّو صاحب! آپ کی خبر تو پہلے ہی سے لے لی گئی ہے تو اب آپ کیا خبر لیں گے خاک؟ قرآن مجید سے نفخ فی الفرج بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آیت مذکورہ سے۔ اور نفخ فی مریم بھی۔ جیسا کہ فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا۔ اب مجھے اندیشہ ہے کہ امروہی صاحب دونوں آیتوں میں تناقض ٹھہرا کر جھٹ اذا تعارضا فتساقطا کا حکم حسب العادت نہ لگا دیویں۔ اور فرماویں کہ نفخ فی مریم اور نفخ فی الفرج کا مآل ایک ہی ہے یعنی نفخ فی فرج مریم ایک صورت ہے نفخ فی مریم کے لیے۔ تو جواب میں گذارش ہے کہ نفخ فی جیب مریم بھی ایک صورت ہے نفخ فی فرج مریم کے لیے یعنی رُوح القدس کا نفخ گریبان میں ہوا جس کا اثر فرج سے شکم میں پہنچا۔ دیکھو واخرج عبد الرزاق وعبد بن حمید وابن المنذر عن قتادہ فی قولہ تعالیٰ فنفخنا فیہ من روحنا قال فی جیبها۔ دُرِّ منثور۔

قولہ - امروہی صاحب کے صفحہ ۶۷ سے لے کر صفحہ ۹۷ تک چند سوالات (۱) اثر ابن عباس کی رُو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولاً حضرت عیسٰیؑ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اُٹھایا۔ بعد اس کے حضرت عیسٰی کی شبیہ ایک حواری پر ڈالی گئی۔

اقول - لعنۃ اللہ علی الکذبین۔ اس اثر کے اس فقرہ میں سوچو (فالقی علیہ شبہ عیسٰی ورفع عیسٰی من روزنۃ فی البیت) جس سے بحسب عندیہ تمہارے کے (کہ وجود خارجی مطابق وجُود ذکری کے ہوا کرتا ہے جیسا کہ متوفیك ورافعك میں) حواری پر شبیہ کا ڈالنا پہلے ہوا۔ بعد ازاں اُٹھایا جانا عیسٰی کا۔

قولہ صفحہ ۶۸۔ اور پھر یہود نے پکڑ کر اس شبیہ کو سُولی دی۔ تو ہم یہ دریافت کرتے ہیں کہ بعد اُٹھائے جانے حضرت عیسٰی کے آسمان پر اب اللہ تعالیٰ کو کون سی ضرورت پیش آئی کہ دُوسرے شخص پر شبیہ عیسٰی کی ڈال کر اُس کو سُولی پر قتل کرایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو حکیم مطلق ہے۔ اس کا تو کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

اقول - اس حکیم کے تو ایسے ہی کام ہوتے ہیں۔ کہ حواری کا کیا ذکر ہے، پیغمبر کو بھی باوجود اسے دشمنوں سے بچانے کا وعدہ فرما کر، اور من جملہ نعما کے بھی بقولہ واذ کففت بنی اسرائیل عنك کی بشارت دی، پھر انھیں دُشمنوں کے ہاتھ دے کر خُوب ذلیل کرا کر اخیر میں اُسے بچانے کے لیے اُن کے دلوں میں یہ شبہ ڈال دیا کہ اب یہ مر گیا ہو گا۔ اسے سُولی سے اُتار لینا چاہیئے (دیکھو ازالہ اوہام جلد اوّل متعلق وماصلبوہ کے اور اپنے شمس کا سفہ کو) اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کو جب آخر میں شبہ ڈالنے کی تدبیر سُوجھی تو اوّل ہی سے کیوں نہ مسیح کو ان کی ایذا سے بچا لیا تاکہ ایفائے وعدہ اور واذ کففت بنی اسرائیل عنك دونوں متحقق ہو جاتے۔ یہی آخر کا سُوجھا ہوا شبہ پہلے ہی سے اُن کے دِلوں میں ڈالا ہوتا۔ یا فاغشینٰھم کی طرح اُن کو نظر ہی نہ آتا۔ تاکہ حکیم مطلق پر صادق یا حکیمؔ کہلوانے میں کوئی نقص عائد نہ ہوتا۔ بلکہ امروہی صاحب سے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ پھر بھی۔ ع
"اے تیزیٔ طبع تو برمن بلاشُدی" کے مُطابق اعتراض کرنے سے باز نہ آتے۔

قولہ صفحہ ۶۸۔ بفرض محال اگر اس القار شبیہ کے قصّہ کو تسلیم کیا جاوے تو پھر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ آسمان پر نہیں چڑھائے گئے اور اسی زمین پر یہود سے پوشیدہ کیے گئے اور احتیاط کی گئی کہ ایک حواری پر شبہ کر دیا گیا تھا تاکہ یہود اس شبیہ کو قتل بالصلیب کر کے حضرت عیسٰی کے قتل کا خیال چھوڑ دیویں۔ مگر در صُورتے کہ حضرت عیسےٰ آسمان پر چڑھائے جاتے تو کیا مؤلف صاحب کے نزدیک تب بھی یہود کے ہاتھوں میں آسمان سے آسکتے تھے۔ بدیں[2] خیال اللہ تعالیٰ نے ایک حواری کو ان کے لیے کفارہ کر کے یہود

---

[1] یہ الزامی جواب ہے ۱۲ منہ

[2] قولہ (بدیں خیال اللہ تعالےٰ نے) امروہی صاحب کیا اللہ پر بھی خیال کنندہ کا اطلاق جائز ہے۔ ۱۲ منہ

کے منصوبہ قتل کو دفع کیا۔

اقول ۔بفرضِ محال سُولی پر چڑھانے والے قِصّہ کو جیسا کہ مرزا صاحب مع الاتباع کہتے ہیں کہ اخیر میں ان کے دِلوں میں شُبہ ڈالا گیا کہ مسیح مرگیا ہے۔ حالاں کہ وُہ فی الواقعہ زندہ تھا تسلیم بھی کیا جاوے تو پھر بھی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰی سُولی پر نہیں چڑھائے گئے۔ اَور نہ آخیر میں یہُود کے دلوں میں شبہ ڈال کر اُن کو بچایا گیا۔ بلکہ اُن کو آسمان پر چڑھایا گیا ہے۔ اَور یہ احتیاط کی گئی کہ ایک حواری پر شُبہ کر دیا گیا تھا۔ تاکہ یہُود اس شبیہ کو قتل بالصلیب کر کے ندامت بعد حسرت اُٹھائیں۔ مگر در صُورتے کہ حضرت عیسٰیؑ پہلے ہی سے دُشمنوں کے ہاتھوں میں نہ دیئے جاتے۔ اَور جو شبہ اخیر میں دُشمنوں کے دِلوں میں ان کے بچانے کے لیے ڈالا گیا تھا۔ اسی قسم کا پہلے ہی سے ڈالا جاتا کیونکہ فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ سُنّت اللہ کے برخلاف نہیں، تو کیا امروہی صاحب کے نزدیک تب بھی وُہ یہُود کے ہاتھوں میں آسکتے تھے؟ اَور بقول اُن کے بدیں سبب اللہ تعالٰی نے مسیح کو سُولی دِلا کر بعد ازاں اُن کے دِلوں میں شبہ موت کا ڈال کر مسیح کو پوشیدہ کر دیا۔

قولہٗ صفحہ ۶۸۔ اور پھر دُوسرا سوال یہ ہے کہ بعد قتل بالصّلیب ہونے کے اس شبیہ کی نعش کہاں دفن کی گئی؟

اقول ۔ ابھی تو آپ مسیح کی نعش کی تلاش میں ہیں۔ چُونکہ باوجُود نبی ہونے کے اس کے انبیاء اُولوالعزم میں سے اَب تک اِس کا پُختہ پتہ نہیں ملا تھا۔ وُہ شبیہ بے چارہ کس گنتی میں ہے۔ ہاں مسیح کی نعش کا اِلہامی پتہ پہلے گلیل[3] میں ملا تھا۔ مگر اس اِلہام کو دُوسرے اِلہام نے منسُوخ کر دیا جس سے کشمیر خاص سری نگر میں یوز آسف کے نام سے پتہ لگا ہے[4] پھر وہاں بھی دِقّت یہ ہے کہ مولوی نور احمد صاحب ساکن لکھو کھہ نے سب اہلِ کشمیر سے لکھوا لیا ہے کہ ہم اَباً عن جداً سُنتے چلے آئے ہیں کہ یہ کوئی اَور شخص تھا۔ اَور اِس مضمون کو اُنھوں نے مزیّن بالمواہیر بھی کروا لیا ہے۔ غالباً چھپوا کر شائع بھی کر دیں گے۔ قال اللہ تعالٰی قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ (الذّٰریٰت آیت ۱۰-۱۱) یعنی اٹکل کے تُکّے چلانے والے قتل کیے جاویں جو غفلت میں بھُولے ہُوئے ہیں۔ جنابِ من، خُدائی فیصلہ جو صریح لفظوں میں ہے۔ وَمَا صَلَبُوْهُ الخ اس کے چھوڑنے ہی سے تو یہ سرگردانی پیش آئی۔

قولہٗ صفحہ ۶۸۔ اگر آپ کے نزدیک اُسی قبر میں دفن کیے گئے جس میں سے عیسائیوں نے تیسرے روز نکالے۔ تو سوال یہ ہے کہ حضرت عیسٰی کا رفع آسمان پر اَور القاء شبہ حواریوں موجُودین نے بچشمِ خود دیکھا تھا۔ تو باوجُود معائنہ ان تماشہائے عجیب و غریب کے پھر اُس نعش شبیہ کو کس غرض سے قبر میں سے نکال لیا؟۔

اقول ۔ روایات اناجیل کے مُطابق جو ایک واقعہ ہُوا ہے۔ اُس میں ہُوئے شگافی یا دریافت اُن لوگوں سے کرنی چاہیئے جو کہ برخلاف آیاتِ قرآنِ کریم کے انہی روایات کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ہم کو تو قرآن کریم سے اِتنا ہی پتہ ملا کہ مسیح مقتول و مصلُوب نہیں ہُوا، کوئی اَور شخص تھا۔ رہا یہ کہ وُہ شخص کون تھا۔ کیا نام رکھتا تھا۔ لاش اُس کی کہاں ہے۔ اَور کس غرض سے نکالی گئی۔ سو ان امُور کے متعلق قرآن کریم اَور سُنّت نبویہ علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام نے کوئی بحث نہیں کی بغیر اثر ابن عباسؓ کے، سو وُہ بھی مجمل۔ لہٰذا ہم کو بھی ان

---

[1] کیونکہ مخالف ہے صریح آیت وماصلبوہ سے۔ ۱۲ منہ

[2] یہ کلام الزامی ہے۔ ۱۲ منہ

[3] دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۴۷۳

[4] دیکھو ایام الصّلح اَور انگریزی اشتہار ۲۴۔ جولائی ۱۸۹۸ء۔ ۱۲ منہ

اُمور سے کوئی غرض نہیں۔ ناظرین صفحہ سابقہ کا ہی تحقیقی جواب اسی کو خیال کریں جس کو پہلے بھی ہم ایک دو مرتبہ لکھ چکے ہیں۔ پھر گذارش ہے کہ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ شبیہ کی لاش کو انھیں حواریین نے نکالا جو بروقت القاء شبیہ اور اُٹھایا جانے مسیح کے موجود تھے۔ مسیح کو جنھوں نے نکالا تھا وُہ تو وُہی ہوں گے جو باتباعِ یہُود اس کو مسیح کی نعش تصوّر کرتے تھے۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ جو حواری اس کو کسی اَور شخص کی نعش خیال کرتے تھے۔ اُن کو کیا غرض تھی اس کے نکالنے کی۔ اگر کہا جاوے کہ دُوسروں کو اُنھوں نے چشم دید واقعہ القاء شبیہ و رفع علیٰ سے سے اطلاع دی ہوگی۔ اس کے جواب میں گذارش ہے کہ ایسی گڑبڑ میں جب تم لوگوں نے قرآنی فیصلہ چھوڑ دیا اَور یہُود کی خبروں کو معتبر سمجھا تو اتنا جمّ غفیر نصاریٰ کا جو باتباع یہُود کے مصلُوبیت کے قائل تھے۔ اگر دس پندرہ آدمی کی بات بمقابلہ ہزارہا کے نہ سُنیں تو جائے تعجب و محلِّ شکایت نہیں۔

قولہٗ صفحہ ۶۸ کے آخری سوال کا حاصل:۔ ابن عبّاس کے اثر میں تین مذہب ہیں:۔

۱۔ نصاریٰ یعقوبیہ کا جو اُلوہیّت مسیح کے قائل ہیں۔

۲۔ مذہب نسطوریہ کا جو ابنیّت کے قائل ہیں۔

۳۔ مذہب مسلمانوں کا جن کا یہ اعتقاد تھا کہ مسیح خدا کا بندہ اَور اُس کا رسُول ہے۔ جب تک اللہ نے چاہا ہم میں رہا۔ پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھالیا۔ امروہی صاحب[1] اَب یہ دریافت فرماتے ہیں کہ شمسُ الھدایت کے مؤلف کا مذہب ان مذاہب ثلاثہ میں سے کون سا ہے۔ اگر نسطوریہ یا یعقوبیہ کا ہے تو مسیح بوجہ اُلوہیّت یا ابنیّت آسمان پر اُٹھایا جاسکتا ہے۔ اَور اگر مُسلمانوں کی طرح اس کو بندہ سمجھتا ہے تو پھر باقی مُرسلین و مقرّبین کی طرح مسیح کا بھی رفع درجات ہی ہوگا۔

اقول۔ جواب ہمارا مذہب تو وُہی مذہب ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے لے کر آج تک مسلمانوں میں چلا آیا یعنی مسیح خُدا کا بندہ اور اس کا رسُول ہے۔ جس کو بعد چندے آسمان کی طرف اُٹھالیا۔ اَور پھر دوبارہ حسب ہدایت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وہ دُنیا میں اُتر کر فوت ہوگا۔ اَور نسطوریہ والا مذہب نہیں اَور ایسے ہی مؤلف سب اہلِ اسلام کی طرح ان لوگوں کے مذہب سے بھی بیزار ہے جو لوگ آسمان پر چڑھنے کو بھی اُلوہیّت یا ابنیّت کا مُوجب ٹھہراتے ہیں۔ جس کا مقتضےٰ بالطبع یہ ہے کہ سب فرشتے العیاذ باللہ یا خُدا ہوں یا خُدا کے لڑکے یا لڑکیاں۔ چونکہ اس مذہب والے لوگ یعقوبیہ و نسطوریہ سے بھی بہت ہی بڑھ گئے ہیں۔ لہٰذا موحدین اہلِ اسلام ان سے بیزار ہیں۔ توحید میں تو ایک آدھ شریک کی گنجائش بھی نہیں ہوسکتی، لکھوکھا شرکاء کیسے سما سکتے ہیں۔

اسی صفحہ ۶۹ میں امروہی صاحب بل رفعہ اللہ میں رفع رُوحانی ثابت کرنے کے لیے من تواضع للہ رفعہ اللہ اَور ایسا ہی اللّٰھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وارزقنی وارفعنی کو پیش کرتے ہیں۔ ناظرین خیال فرماسکتے ہیں کہ ہم نے کب کہا ہے کہ ہر جگہ رفع سے مُراد رفع جسمانی ہی ہوگا۔ ہمارا اَور سب اہلِ اسلام بلکہ سب اہلِ محاورہ کا بل رفعہ اللہ الیہ سے رفع جسمی لینے پر سیاق و سباق اَور قتل و صلب مدِّ نظر ہے۔ جیسا کہ پہلے مفصل بیان ہوچکا ہے۔ اَور فائدہ جلیلہ کے قوانین کے مطابق امروہی صاحب نے رفع رُوحانی کی تقدیر پر تضاد ثابت کیا تھا۔ سو وُہ بھی ناظرین معلوم کرچکے ہیں کہ ہباءً منثورا ہوگیا۔ اب ہم بار بار انہی مضامین کا ذکر مُناسب نہیں سمجھتے۔

---

[1] قادیانی و امروہی۔ ۱۲ منہ

پھر اسی صفحہ ۶۹ میں فرماتے ہیں "بعد دفع تعارضات و اضطرابات ہم اِس اثر کا جواب کافی و شافی دیویں گے اِنشاءاللہ تعالیٰ"

اقول - اِس سے صاف ظاہر ہے کہ امروہی صاحب نے اس جگہ تک اس اثر کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس کو انھوں نے بھی اپنی دانست میں کما ہُوَ فی الواقع ایسا کافی و شافی نہیں سمجھا۔ رہا اِضطراب و تعارض سو ان کی تقریر مع التردید ناظرین کو معلوم ہو چکی ہے۔ امروہی صاحب کا اِضطراب اَور تعارض بلکہ قادیانی مشن کا آیاتِ قرآنیہ میں آج تک مندفع نہیں ہُوا۔ اگر ہُوا تو اپنی من گھڑت وجُوہات سے جن کو تحریفات کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں۔ ولنعم ماقیل ۔ بیت ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ۔۔۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

قولہٗ صفحہ ۶۹ ۔ اَور تلبیساً حوالہ ابن جریر کا دیا ہے جو ہرگز مؤلف کے پاس نہیں ہے۔

اقول - تلبیساً ، یہ تلبیساً کیسے لکھ مارا ؟ کیا دھوکہ دینے کے لیے کہ ناظرین تو سمجھ چکے ہیں کہ جواب ندارد ۔ چلو اسی آڑ میں ذرا دم لے لیویں کہ یہ کتاب مؤلف کے پاس ہے یا نہیں ۔ بھلا صاحب آپ فرماویں کہ یہ اِلہام آپ کو کیسے مفید تعین ہُوا کہ کتاب مؤلف کے پاس نہیں ۔ بالفرض اگر ابن جریر مؤلف عفی عنہ کے پاس نہ بھی ہو تو ابن کثیر میں چونکہ ابن جریر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ تو کیا آپ حافظ ابن کثیر سے بھی دریافت فرماویں گے کہ آپ کے پاس ابن جریر ہے یا نہیں ۔ پہلی صُورت میں بہ سبب رفع ہو جانے اِعتماد کے بہ نسبت ثقات کے یہ تسلسل شاید اللہ جل شانہٗ تک پہنچے ۔ اَور دُوسری صُورت میں آپ کو بغیر جواب دینے کے نجات نہ ہو گی ۔ ایسا ہی مؤلف عفی عنہ کی نسبت بھی خیال فرماویں اَور جواب کی طرف توجہ کریں ۔ ہاں اگر آپ نے ابن جریر خرید کرنے کے لیے دریافت فرمائی ہے ۔ تو وُہ اَور بات ہے۔

قولہٗ صفحہ ۷۰ ۔ مؤلف صاحب نے متعدد جگہ نزول کو بعث و خرُوج کے ساتھ تعبیر کیا ہے ۔ دیکھو صفحہ ۳۳ سطر ۲۳ ۔ اَور صفحہ ۳۴ سطر ۴ وغیرہ کو کما مر سابقاً ۔

اقول - معلوم نہیں اس آڑ میں آپ نے کیوں جگہ لی ۔ جب قرآن کریم رفع الی السماء بحسب سیاق و سباق و محاورہ کے فرما رہا ہے ۔ اَور احادیث متواترہ فی نزُول المسیح بھی ظاہر کر رہی ہیں تو پھر بعث اَور خروج اَور ظہُور سب سے مُراد نزُول ہی ہو گا ۔ اَور عنقریب احادیث سے ہی یہ محاورہ ثابت کیا جاوے گا۔

قولہٗ صفحہ ۷۰ ۔ کتب نحویہ میں یہ مسئلہ مسلّمہ و اتفاقیہ لکھا ہُوا ہے کہ نون التاکید لایوکد الا مطلوبا والمطلوب لا یکون ماضیا ولا حالا ولا خبرا مستقبلا ۔ اَور آیت لیؤمنن بہ قبل موتہ میں "نون" تاکید موجُود ہے پس بمُوجب اس قاعدہ اتفاقیہ کے لیومنن جُملہ خبریہ نہ ہُوا ۔ بلکہ اِنشائیہ ہُوا ۔ تو پھر یہ آیت پیشین گوئی یعنی خبر مستقبل کیوں کر ہو سکتی ہے ۔ کُجا جُملہ اِنشائیہ اَور کُجا جُملہ خبریہ ۔ ع

بہ بیں تفاوت راہ از کُجا ست تا بکُجا

پس آپ نے جس قدر ایسے آثار یا اقوال مفسرین (جن میں آیت کو پیشین گوئی قرار دیا گیا ہے) یہاں پر وارد کیے ہیں ۔ وُہ سب بناء فاسد علی الفاسد ہیں ۔

اقول - کتب نحویہ میں یہ مسئلہ مسلّمہ اتفاقیہ لکھا ہُوا ہے کہ نون التاکید یوکد مستقبلاً فیہ معنی الطلب (رضی مضمونہ) واما فی المستقبل الذی ھو خبر محض فلا ید خل الا بعد ان ید خل علی اوّل الفعل ما ید ل علی التوکید ایضا کلام القسم نحو واللہ لاضربن (رضی صفحہ ۳۴۱) اَور آیت لیومنن بہ قبل موتہ میں چونکہ لام تو کید لیومنن کے اوّل موجُود ہے

لہذا آیت میں نون تاکید مستقبل میں جو خبر محض ہے یعنی یومنن لایا گیا بلکہ جواب قسم کا مثبت ہونے کی صورت میں نون تاکید کبھی منفک نہیں ہوتا۔ ولزمت فی مثبت القسم۔ کافیہ پس بموجب اس قاعدہ اتفاقیہ کے لیومنن جملہ خبریہ جواب ہُوا قسم مقدر کے لیے۔ چنانچہ شہاب حاشیہ بیضاوی صفحہ ۱۹۹ میں تحت اسی آیت کے لکھتا ہے۔ والتقدیر وما احد من اھل الکتاب الا واللہ لیؤمنن بہ۔ اور قاضی بیضاوی فرماتے ہیں فقولہ لیؤمنن جملۃ قسمیۃ وقعت صفۃ لاحد یعنی لیؤمنن جواب قسم کا جملہ خبریہ ہے مؤکدہ بالقسمیۃ الانشائیۃ۔ اس کا صفت واقع ہونا بلا تاویل صحیح ہے۔

ایسا ہی مولانا عبدالحکیمؒ (جملۃ قسمیۃ) پر لکھتے ہیں۔ انھا جملۃ خبریۃ موکدۃ بالقسمیۃ الانشائیۃ فیصح وقوعھا صفۃ بلا تاویل الخبریۃ والموصوف المقدر مبتداء مقدم الخبر۔ اسی احتمال (مقدم الخبر) کو قاضی بیضاوی اور صاحب کشاف نے اختیار کیا۔ گویا یہ آیت (وما منا الا لہ مقام معلوم) کی نظیر ٹھہرے۔

اور آیت میں دُوسرا احتمال بھی ہے کہ جار مجرور صفت ہو مبتدا محذوف کے لیے۔ اور قسم مع الجواب خبر ہو مبتدا کی۔ اگر کہا جاوے کہ قسم انشاء ہے پس خبر کیسے ہوگی؟ تو جواباً معرُوض ہے کہ قسم میں جُملہ قسمیہ یعنی اقسم باللہ مثلاً انشاء ہے۔ اور جواب قسم خبریہ۔ جیساکہ ابھی مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کی عبارت بیضاوی کے حاشیہ سے نقل کی گئی۔ (انھا جملۃ خبریۃ موکدۃ بالقسمیۃ الانشائیۃ)

اور اسی طرح شہاب حاشیہ بیضاوی بھی لکھتا ہے احدھما انہ صفۃ لمبتداء محذوف والقسم مع جوابہ خبر ولا یرد علیہ ان القسم انشاء لان المقصود بالخبر جوابہ وھو خبرٌ موکدٌ بالقسم۔ شہاب جلد ثالث صفحہ ۱۹۹ یعنی جواب قسم کا جُملہ خبریہ ہے مؤکدہ بالانشائیہ۔

امروہی صاحب، لیؤمنن کو انشائیہ کہنا نہ صرف جہالت ہی ہے بلکہ علاوہ جہالت کے گناہ کبیرہ بھی ہے۔ کیونکہ لیؤمنن در صورت طلب کے استعطاف ہوگا۔ اور تمنّٰی وعرض و استعطاف موہم ہیں نقص و ناتوانی کے، لہٰذا جناب باری کے شایان نہیں۔ الرابعۃ جواب القسم ویجاب بالطلب ویسمی استعطافا ویختص بالباء وبالخبر وھو القسم المتعارف (متن متین) اس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ قسم متعارف خبر محض ہے۔ اسی لیے تکملہ میں لکھتے ہیں (د اما فی دلالۃ القسم علی الطلب ففیہ تامل) شرح مأتہ عامل کے دُوسرے صفحہ پر باقسمیہ کی مثال میں لڑکوں کو ترکیب پڑھانے کے وقت سمجھایا جاتا ہے کہ فعل قسم یعنی اقسم باللہ جملہ انشائیہ ہے اور جواب قسم خبریہ ہے مؤکدہ بالانشائیہ۔ قیامت کے علامات میں سے ایک یہ بھی ظہوُر میں آئے گا کہ اس لیاقت والے لوگ بھی جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ فعل قسم انشائیہ ہوتا ہے یا جواب قسم، نرالے حقائق و معارف قرآنیہ بیان کرنے لگیں گے۔

ناظرین کو معلوم ہو کہ اصل مسئلہ نحویہ تو یہ ہے جو اُوپر لکھا گیا۔ امروہی صاحب کو دھوکہ لگنے کا سبب اب سُنیئے۔ ایک تو شرح مأتہ عامل وغیرہ کتب نحویہ آپ نے سرسری پڑھی ہیں۔ اور دُوسرا عبارت منقولہ کہ (نون التاکید لا یوکد الا مطلوباً والمطلوب لا یکون ماضیا ولا حالا ولا خبرا مستقبلا) کو نہیں سمجھے۔ یہ عبارت بھی مولانا عبدالحکیم صاحب نے تکملہ میں بیان فرمائی ہے جنھوں نے بیضاوی کے حاشیہ میں جواب قسم کو جُملہ خبریہ مؤکدہ بالانشائیہ لکھا ہے۔ اب امروہی صاحب اس عبارت کو لاہور میں جلسۂ فضلاء میں آ کر پڑھ بھی جاویں۔ اور آئندہ تفسیر نویسی سے توبہ کریں۔

قولہٗ ۔ اسی صفحہ ۷ میں اس کے بعد امروہی صاحب لکھتے ہیں "اور لیؤمنن کا جُملہ انشائیہ ہونا نہ خبریہ۔ تفاسیر ادبیہ مثل کشاف و بیضاوی وغیرہ کے بھی لکھا ہُوا ہے۔ جُملہ تفاسیر ادبیہ میں جُملہ قسمیہ لکھا ہے جو انشائیہ ہوتا ہے"۔

اقول ۔ ہاں صاحب مسلّم کہ قسمیہ لکھا ہے۔ مگر اس کے بعد کا فقرہ (جو انشائیہ ہوتا ہے) یہ آپ کا حاشیہ ہے۔ جناب عالی فعل

قسم انشائیہ ہوتا ہے نہ جواب قسم، جیسا کہ اُوپر لکھا گیا ہے۔ اَب ناظرین انصاف فرماویں کہ جُملہ تفاسیر ادبیہ کی طرف یہ منسوب کرنا (کہ انشائیہ ہے نہ خبریہ) کیسا ناپاک جھوٹ ہے یا کس درجہ کی جہالت ہے۔ میں بڑا متعجب ہُوں کہ امروہی صاحب نے لیؤمنن کو انشائیہ بنا کر بغیر اظہار جہالت مذکورہ کے کون سا فائدہ اُٹھایا۔ بالفرض اگر انشائیہ ہو تو قائلین بہ نزول المسیح کو کیا ضرر دیتا ہے۔ بر تقدیر ارجاع ضمیر (قبل موته) کے مسیح کی طرف پھر بھی ہمارا ہی مطلب ثابت ہے۔

قولہٗ صفحہ ۷۰۔ پس اگر آپ کو ان عیسٰی لویمت الٰہ کی تاویلِ ذیل منظور اور پسند ہے کہ حضرت عیسٰی سُولی سے نہیں مرے جو ملعُون ٹھہرتے بلکہ مرفوع الدرجات ہُوئے اَور بروزی طور پر قبل قیامت کے مبعُوث ہونے والے ہیں آخر تک فبہا۔ ہم کو یہ تاویل کب مُضِر ہے۔ ہم بھی اِس تاویل کو تسلیم کرتے ہیں۔ ورنہ خلافِ قواعدِ مسلّمہ نحویہ کے آیت کے معنی مزعُوم آپ کیوں کر کر سکتے ہیں۔

اقول ۔جب مُطابق کتاب اللہ کے ان عیسٰی لویمت الٰہ حدیث بھی حیاتِ مسیح پر شاہد ہے تو پھر ہم کو کون چیز باعث ہے تاویل یا یُوں کہو تحریفِ مذکُور پر۔ اَور آیت لیؤمنن به قبل موته کے انشائیہ یا خبریہ ہونے کو اس تاویل میں کیا دخل ہے فلیتأمل (ورنہ خلاف قواعد مسلّمہ نحویہ الخ) یہ عبارت بالکل لغو اَور غلط ہے لانتفاء الاستلزام المزعوم فتدبر۔ بہر حال دو بلاؤں میں سے آپ ایک بلا میں تو ضرور مبتلا ہوں گے۔ یا تو علماء کرام کی مجلس میں حاضر ہو کر (والمطلوب لا یکون ماضیا ولا حالا لا خبرا مستقبلا) کا مطلب پُوچھ لیں یا تفسیر نویسی اَور لاف زنی سے توبہ کریں۔

شعر

وفی کفتی میزاننا لك اسوة ولمن خلا قبلك ممن لا یعقل

اذا رجحت احدهما طاش اختها وانت لما فیها تمیل وتسفل

قولہٗ صفحہ ۷۱، کا حاصل عُلماء اہلِ اسلام نے مرزا صاحب کے بارہ میں جو کچھ فتوٰے دیا ہے۔ یہ علامت ہے مماثلتِ تامہ کی مابین مرزا صاحب اَور مسیح اسرائیلی کی۔

اقول ۔صرف ایک ہی وجہ کو بیان فرما کر آپ مماثلہ تامہ کس طرح ثابت کر سکتے ہیں۔ آپ بقیہ وجُوہات مماثلہ تامہ کیوں نہیں بیان فرماتے۔ یُوں کہنا چاہیئے:۔

۱۔ تکفیر و تکذیب عُلماء اسلام کی۔

۲۔ وصف حلم میں اس حد تک ہونا کہ گھر بیٹھے عُلماء کو موٹی قلم سے لکھنا "اے بدذات فرقہ مولویاں"۔

۳۔ اپنے مماثل یعنی مسیح اسرائیلی کو مکار و فریبی اَور زنا کار اَور کسبی عورتوں کی اَولاد میں سے کہنا۔ (دیکھو ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷)

۴۔ فقر و فاقہ و زُہد میں یہ کمال کہ بغیر مشک وعنبر و یاقوتین و پلاؤ زردہ قورمہ کے گذارا نہیں۔ اسی طور اعلیٰ درجہ کے زیورات و لباس گھر میں بھی مستعمل ہو رہے ہیں۔

۵۔ ترک دُنیا کا یہ حال کہ طرح طرح کے حیلوں سے چندہ جمع کرانا۔

۶۔ وصف خانہ بدوشی مسیح اسرائیلی کے برعکس گھر سے قدم باہر نہ رکھنا۔

۷۔ بجائے تجرید کے کئی نکاح کرنا۔ یہاں تک کہ آسمانوں پر بھی آپ کے نکاح کی دُھوم دھام ہُوئی۔

۸۔ حقائق و معارف قرآن کریم میں جو حال ہے وُہ آپ کے فاضل اجل کی تحریر سے ظاہر ہوتا جا رہا ہے۔ اُمّی

اب ناظرین کو پہلی وجہ مماثلہ تامہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں یعنی علماء کی تکفیر و تکذیب سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب مسیح اسرائیلی کی طرح ان تیروں کا نشانہ ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ابن صیاد و مسیلمہ کذاب و اسود عنسی وغیرہ وغیرہ مدعیان کذابین کی تکفیر و تکذیب نہیں کی گئی۔ تاریخ پر نظر ڈالو۔ لازم عام کو مماثلہ تامہ کا معیار بنانا آپ جیسے حواریوں کا کام ہے۔ ہاں مگر آپ بھی معذور ہیں (جس کا نمک کھایئے اُس کا گیت گایئے)

قولہٗ صفحہ ۱۷ کے آخیر سے صفحہ ۳۷ کے اوّل کا حاصل:- ابن عباسؓ کے اثر[1] میں اضطراب ہے۔ بدو وجہ

۱۔ جب حضرت عیسٰی آسمان پر چڑھائے گئے تو پھر حواری کو بذریعہ صلیب کے قتل کروانے کی کیا ضرورت رہی۔

۲۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ نہ حضرت عیسٰی کو ضرر پہنچتا اور نہ اُن کے یاروں میں سے کسی کو۔ کیا ایسے ہی قادر مطلق کو حامی و ناصر کہا جاتا ہے۔ کہ ایک مومن خالص جو خُدا کے دوست کا متبع ہو وُہ بذریعہ صلیب قتل کروا کر ملعون ٹھہرایا جاوے۔

اقول۔ بجواب[2] پہلے اضطراب کے گذارش ہے کہ آپ نے پُوری نقل کیوں نہیں کی۔ تاکہ ہماری طرف التجا ہی نہ رہتی تفسیر کبیر سے آپ شکوک و اضطراب کو نقل تو فرماتے ہیں مگر جواب کے وقت دجل سے کام لیتے ہیں۔ اسی اضطراب کو علّامہ رازیؒ اس عبارت سے بیان فرماتے ہیں۔ والاشکال الثالث انہ تعالٰی کان قادرًا علی تخلیصہ من اولئك الاعداء بان یرفعہ الی السمآء فما الفائدۃ فی القاء شبہہ علی غیرہ وھل فیہ الا القاء مسکین فی القتل من غیر فائدۃ الیہ تفسیر کبیر۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالٰی بذریعہ جبرائیل علیہ السلام یا خود ہی حضرت عیسٰیؑ کے کمالاتِ موہوبہ کے مطابق بلا واسطہ القاء شبہ کے ان کو بچا لیتا تو معجزہ حد الجاء تک پہنچ جاتا جس سے ایمان بالغیب جاتا رہتا یعنی ان کو مجبوری ایمان لانا پڑتا جب کہ کھلا کھلا نشان دیکھ لیتے۔ رہا یہ کہ القاء شبہ امکان وقوعی بھی رکھتا ہے یا نہیں۔ اور بر تقدیر وقوع منافی ہے حکمتِ الٰہیہ کو یا نہ۔ سو معروض ہے کہ تعینات و تشکلات جو عارض ہیں حقیقت جامعہ کو وُہ بمنزلہ لباسوں کے ہوتے ہیں۔ وُہی حقیقت ایک لباس کو اُتار کر دُوسرے کو پہن سکتی ہے۔ بحول اللہ وقوتہ تشریح اس کی شیخ عبد الوہاب شعرانی کی بعض تصانیف اور ایسے ہی فتوحاتِ مکیہ وغیرہ سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔ قطب العالم، سُلطان العاشقین و بُرہان المعشوقین حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصّہ مشہُور ہے کہ آپ کے ایک خادمِ بارگاہ کو جب ہنُود نے ایک ہندو کے مکان میں (جس میں وُہ بغرض مُلاقاتِ محبُوبہ جا گھُسا تھا) پکڑنے کا اِرادہ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اندر مکان میں اس محبوبہ کا شوہر ہے وُہ خادم نہیں۔ بعد اس کے ایک روز قطب العالم رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کو فرمایا کہ اَے فلاں میں تمھارے لیے کب تک ہندو بنوں گا۔ میرے سفید بالوں سے حیا کر۔ الغرض ایک شکل کا متشکل باشکالِ مختلفہ ہو جانا یا ایک ہی شخص کا ایک وقت میں متعددہ مکانوں میں موجُود ہونا نہ صرف امکان ہی رکھتا ہے بلکہ واقعاتِ مشہُودہ میں سے ہے۔ مع ہذا منافی حکمتِ الٰہیہ کے بھی نہیں۔ کیونکہ ایسے موقعہ میں جب کہ اعدا اپنے ذہن میں بھی خیال کر بیٹھے ہوں کہ گویا ہم کامیاب ہو گئے یعنی مدعا ہمارا قریب بحصُول ہے۔ اَب کوئی مانع فی ما بین نہیں تو اچانک ہی مدعا کا ہاتھ سے چلا جانا کس قدر مُوجب رُسوائی و ذلّت و ندامت کا ہوتا ہے خصوصاً جب کہ اس ناکامیابی کے ساتھ ساتھ دھوکہ بھی کھا چکے ہوں۔ کیونکہ اِس صُورت میں علاوہ ناکامیابی کے سفاہت اَور جہالت کا تمغہ بھی ملتا ہے۔ باقی رہا ایک مومن بے گناہ کا قتل ہونا، سو یہ کوئی نئی اَور اَنہونی بات نہیں۔ زمانہ قدیم سے اہلِ حق اَور اس کے دوست بھی، جن کے مقدر میں یہی ہوتا ہے شہادت پا کر جنّت کو سدھارتے

---

[1] اثرِ ابن عباسؓ پر امروہی کے جاہلانہ اعتراضات اَور گُستاخی۔ ۱۲ منہ

[2] ابن عباسؓ کی جانب سے امروہی کو جواب۔ ۱۲ منہ

رہے ہیں۔ اللہ قادر تھا کہ جنگِ اُحد یا بدر یا خیبر وغیرہ میں اپنے عدیم النظیر دوست صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی شانِ عالی سے اشعارِ ذیل کچھ پتہ دیتے ہیں، بغیر اس کے کہ کوئی مومن کامل متبع قتل کیا جاوے، فتح عطا فرما دیتا۔ مگر ان غزوات میں کئی مومن کامل شہید ہوئے۔ اشعار یہ ہیں:-

ابیات

(از قصیدہ بُردہ شریف)

فهو الذی تم معناه وصورته ثم اصطفاه حبیباً باریٔ النسم

منزّه عن شریك فی محاسنه فجوهر الحسن فیه غیر منقسم

دع ما ادعته النصاری فی نبیهم واحكم بما شئت مدحاً فیه واحتكم

فانسب الی ذاته ما شئت من شرف وانسب الی قدره ما شئت من عظم

فان فضل رسول الله لیس له حد فیعرب عنه ناطق بفم

فمبلغ العلم فیه انه بشر وانه خیر خلق الله كلهم

وكل آیٍ اتی الرسل الكرام بها فانما اتصلت من نوره بهم

اكرم بخلق نبیٍ زانه خلق بالحسن مشتمل بالبشر متّسم

كالزهر فی ترفٍ والبدر فی شرفٍ

والبحر فی كرم والدهر فی همم[1]

اور قتل بذریعہ صلیب بھی مثل سائر اسبابِ قتل کے، مومن بے گناہ کے لیے مُوجبِ قرب و عزّت ہے خُدا کے ہاں۔ اس کا مُوجبِ لعنت ہونا صرف مُجرم ہی کے لیے ہے۔ دیکھو آیت ۲۲۔ اور ۲۳ کتابِ استثنا میں۔ قادیانی مِشن میں مُطلق قتلِ صلیبی کو، خواہ بے گناہ مومن کے لیے ہو، مُوجبِ ملعُونیّت ٹھہرا کر نتائج فاسدہ لاتعد و لاتحصیٰ نکل رہے ہیں تو اِسلام غریب کا خُدا ہی حافظ۔

دُوسرے اضطراب کا تحقیقی جواب تو پہلے ہی جواب سے سمجھ لینا چاہیئے۔ صرف اِلزامی طور پر معرُوض ہے کہ چاہیئے تو یہ تھا کہ

---

[1] **خلاصہ ترجمہ اشعارِ عربیہ**

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت و صُورت بنا کر اللہ تعالیٰ نے اپنا حبیب بنایا۔ آپ اپنی خوُبیوں میں بے مثال ہیں۔ اَے مدّاحِ پیغمبر علیہ السّلام کی ذات کی طرف ہر وُہ شرف و عظمت بلا شبہ منسُوب کر جو ایسے شرک سے پاک ہو جیسا نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق دعوے کیا کہ وُہ ابن اللہ یا تیسرے خُدا یا خُدائی میں شریک تھے کیونکہ حضُور علیہ السّلام کا فضل و کمال ایسا محدُود نہیں جسے بیان کرنے والا اِحاطہ کر سکے۔ ہاں عوام کے لیے بس اِس قدر واضح ہے کہ آپ کامل بشر اَور ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ اَور جو معجزات بھی رُسل کرامؑ سے ظاہر ہُوئے آپؐ کے نوُر سے مُستفاد ہُوئے۔ غرض آپؐ کی صُورت کو آپؐ کی سیرت نے اَور بھی تابناک کر دیا۔ گویا آپؐ لطافت میں پھُول، شرف میں چودھویں کا چاند، جُود میں بحر اَور ہمّت میں ایک عظیم جہان ہیں۔

حضرت عیسیٰ کو بحسب وعدۂ الٰہیہ کے کوئی ضرر نہ پہنچا کہ پہلے سے تو دلاسا کا سلوک ہو چکا تھا۔ اور امتناناً واذ کففت بنی اسرائیل عنک بھی فرمایا گیا تھا۔ یہ کیسی مددِ الٰہی پہنچی کہ ایک پیارے دوست کو صلیب پر چڑھا کر ملعونیت کو باکثر الاجزاء ثابت کر دیا۔ صرف سر مُوئے سے بھی کم فرق رہ گیا ہوگا۔ کیوں کہ صلیبی قتل ملعونیت کا معیار جو ٹھہرے۔ کمی بیشی اس کے مطابق معیار کے ہونی چاہیئے کیا اسی پر امتنانا یہ بھی فرمایا گیا۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۝ (آل عمران۔ آیت ۵۴) کیا ایسے قادرِ مطلق کو حامی و ناصر کہا جاتا ہے کہ جو کسی ایسے دوست خالص کو سُولی سے قریں بہ قتل کرا دے۔ بلکہ مسیح کے صلیب پر چڑھ جانے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہودہی خیر الماکرین تھے۔ کہ اُن کی تدبیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اس کے خُدا دونوں پر غالب رہی۔

ناظرینِ رسالہ کے لیے ایک ضروری التماس ہے کہ وقت پڑھنے ہمارے رسالہ کے امروہی کے شمس کا سفہ کو بھی پاس رکھیں۔ مگر خبردار ایسی تحریف کو قیمتاً نہ لیویں۔ اُنکا فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَة والا نقصان نہ ہو ہم بھی چھپوا کر مُفت تقسیم کریں گے۔ حسبةً لله و دکفی باللّٰہ شہیداً۔ مُسلمان بھائیو! جو کچھ یہاں جواباً ترکی بہ ترکی لکھا جاتا ہے۔ بمقابلہ ان کی بے تہذیبیوں کے ہے۔ جو علماء کرام کے حق میں عرصہ سے شائع کرا دی ہیں۔ ورنہ ہم تو اس طریق کو بالکل ناپسند کرتے ہیں۔ مگر کیا کیا جاوے۔ سُنتے سُنتے جی جل رہا ہے۔ اگر صرف دُشنام بازی پر ہی صبر فرماتے تو بھی ہرگز بالمقابل کچھ نہ کہا جاتا۔ لیکن کتاب اللہ اور احادیث رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریف کا صدمہ نہیں اُٹھایا جاتا۔ ہاں اگر عوام کالانعام ان پر اعتبار کر کے دھوکا نہ کھاتے تو بھی کچھ ضرورت نہ تھی۔ مگر سب سے بڑا غضب تو یہ ہے کہ آنسو ٹپکتے ہُوئے رونی شکلیں بنائی ہُوئی جب سجدوں میں تلبیسی اُصول سُناتے ہیں۔ اور علاوہ بریں اُن کے حُسنِ اخلاق معاملات وعطیات میں (جس کو ترک الدین للدّنیا کہیئے یا ترک الدّنیا الاشاعۃ تحریف کتاب اللہ وسُنتِ رسُولہ سمجھیئے) تو جھٹ بے تمیز لوگ دام میں پھنس جاتے ہیں مثلاً جب وُہ کہتے ہیں کہ مومنو کتنا غضب ہے کہ ہمارے مولانا و بالفضل اولینا پیارے حبیب فخر الاولین والآخرین کو تو صرف ۶۳ سال عُمر شریف کے ملے اور مسیح اسرائیلی کو دو ہزار سال۔ اور ابھی معلوم نہیں کہ وُہ کب تک زندہ رہے۔ ہم محمدیوں کو اس کا بڑا افسوس ہے۔ اور مارے اس تمنا کے کہ معاملہ بالعکس ہوتا، کلیجے پھٹ رہے ہیں۔ ہمارا ایمان اور اخلاص یہ تقسیم کب گوارا کر سکتا ہے۔ "تو سُننے والے بودے ان کو کامل مُحبّ خیال کرتے ہیں۔ ناظرین آپ صرف اتنا ہی خیال رکھیں کہ درازیٔ عُمر اور ایسے ہی سکُونتِ آسمانوں کی اور بے پدر پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ یہ ہرگز مُوجب فضیلت کا نہیں۔ اُو پر افضل الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اس کے وجُوہ مفصلہ فتوحات وغیرہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ ہمارا یہ کہنا کہ عیسیٰ بن مریم بے پدر پیدا ہوا ہے یا یہ کہنا مثلاً کہ اُن کی والدہ کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اور اس نے واقعہ صدیقہ کا شرف پایا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ اس لیے نہیں کہ ہم کسی کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے افضل یا محبُوب تر خیال کرتے ہیں۔ یا ان اُمُور کو باعثِ فضیلت کُلیہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ محض اس خیال سے کہ اللہ جل شانہٗ نے اسی طور پر فرمایا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو مان کر ہم کو بھی فرمایا کہ اس کے ساتھ ایمان لاؤ۔ اب ہم اگر یہ کہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُحبّ ہیں۔ ہم یہ گوارہ نہیں کر سکتے کہ مسیح اسرائیلی کی والدہ کا نام تو قرآن میں بڑے زور سے لیا جاوے اور آپؐ کی والدہ ماجدہ کا کہیں خالی نام بھی نہ ہو تو اس خیال کا نتیجہ بجُز کُفر کے العیاذ باللہ اور کیا ہوگا۔ مومن کو پُوری توجہ اس طرف دینی چاہیئے کہ اللہ جل جلالہٗ

لے ہمارے رسالہ میں لاف آمودہ مضامین، فقرات و اشعار اکثر امروہی صاحب کے عنایت کیے ہُوئے ہیں جو ان پر بالقلب بعد ان کے اظہارِ جہالت کے وارد کیے جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

اُور رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں ۔ اگر کتاب اللہ اُور کتاب الرسُول کی مُراد سمجھنے میں بسبب اِختلاف محدث کے فتوُر ہو جاوے تو سلف صالحین کے اجماعی عقیدہ کو نہ چھوڑنا چاہیئے ۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ

پہلے لکھ چکا ہُوں ۔ اَب پھر یاد دِلاتا ہُوں کہ ہمارا اِیمان ماثبت بکتاب اللہ وسنت رسولہ کے ساتھ ضرُوری ہے کیونکہ اسی کے لِیے ہم مکلف بھی ہیں ۔ سو معلوم ہو کہ درصُورت وقوع اِختلاف کے خصُوصیات مور دہیں ۔ یا تعارض معلوم ہونے کے بین الروایات ہمارا مومن بہ قطعی طور پر قدرِ مشترک اُور صرف ماثبت بالنص ٹھہرے گا اُور خصُوصیاتِ متعارضہ کا مفاد ہمارا مومن بہ علی السبیل القطعیت نہیں ۔ ہاں بعد ملاحظہ ادلہ ترجیح و تعادل کے ایک روایت کو من بین الروایات المختلفہ علی سبیل الظنیۃ لے سکتے ہیں ۔ مانحن فیہ میں کتاب اللہ سے صرف اِتنا ہی یہُود کی تردید میں ثابت ہو سکتا ہے کہ مسیح نہ صرف یہ کہ مقتول ہی نہیں ہُوئے بلکہ علاوہ اس کے سُولی بھی نہیں دیئے گئے ۔ یہ مضمون ماقتلوہ اُور ماصلبوہ کے علیحدہ علیحدہ نازل ہونے سے معلوم ہوتا ہے ۔ ورنہ حسبِ زعم مصلُوب ہونے مسیح کے یہی کافی تھا کہ وماقتلوہ بالصلیب یا وماتوفی او مافات بالصلیب اُور اگر غرض یہُود کی اُور ان کے نتیجہ نکالنے کی نفی منظور ہوتی تو وماکان المسیح ملعونا او کفارۃ الی غیر ذلك ہوتا ۔ اُور یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص تو سُولی دیا گیا تھا ۔ کیوں کہ اگر مطلق قتل وصلب وقُوع میں نہ آتے تو صرف وماقتلوا وما صلبوا بغیر ہا ضمیر منصوب متصل کے ہونا چاہیئے تھا ۔ ماقتلوہ و ما صلبوہ مع الضمیر کہنے سے معلوم ہوا ۔ جیسا کہ یہُود کو (انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ) میں مفعُول فعل یعنی مسیح کا قتل کرنا مطمح نظر اُور مہتم بالشان ہو رہا ہے ۔ ایسا ہی اس کی تردید میں بھی ہا ضمیر منصُوب متصل جو راجع ہے مسیح کی طرف ، اس سے قتل اُور صُلب کی نفی مقصُود ہے ۔

اَب رہی تشریح اس کی کہ وُہ مصلُوب اُور مقتُول کون تھا وغیرہ وغیرہ ، اس کی طرف کتاب اللہ کی ، بسبب اجنبی ہونے اس کے ماسبق لاجلہ الکلام سے ، چُونکہ توجہ نہیں ۔ لہٰذا ہم بھی مکلف بالایمان علی سبیل القطعیت والخصوص نہیں ہیں ۔ اگر کسی اثر وغیرہ سے ہم کو کچھ پتہ مِلا تو ہم بخیال اس کے کہ عبداللہ بن عباس رضؓ نے جن کو افقہ الناس اُور حبر ہذہ الاُمّت کا لقب ہے ، اِس اثر کو بلا اِنکار روایت فرمایا ہے اُور کوئی مضمُون اس کا مفاد نص سے برخلاف بھی نہیں ، اِس اثر کو مؤید ٹھہرا سکتے ہیں بخلافِ بیان یہُود و نصاریٰ کے ۔ کہ وُہ بیان اناجیل کا صریح ماصلبوہ کے اُور ایسا ہی دُوسری آیت واذ کففت الخ کے برخلاف ہے ۔

باقی رہا مسیح کا بحفاظت اُٹھایا جانا ، سو وُہ نص قطعی اُور اجماع سے ثابت ہے ۔ دیکھو تفسیر فتح البیان وغیرہ جو اِسی رسالہ کے اوّل مفصل گزر چکا ہے ۔ روایاتِ متعارضہ فی نزُول المسیح کی ہر ایک خصُوصیت کو ہم قطعی خیال نہیں کرتے تاکہ ہم پر ثبوُت لازم ہو ۔ ہماری غرض آیت کے قطعی مفاد اُور روایاتِ متعارضہ کے مشترک قرار داد سے ہے یعنی اُسی مسیح اِسرائیلی کا نزُول نہ مثیل اس کے کا ۔ اب اگر تعارض فیما بین الخصُوصیات کسی خصُوصیت کو بالفرض ساقط بھی کر دے تو ہمارا کیا نقصان کیونکہ وُہ امرِ مشترک تو ثابت ہی ہے ۔ اُور سب احادیث کا صرف اسی قدرِ مشترک میں تواتر ہے ۔ معہذا ہم کہتے ہیں کہ اِن احادیث میں کوئی ایسا تعارض نہیں جس کو علامہ سیُوطیؒ وغیرہ نے رفع نہ کیا ہو ۔ چنانچہ ہر ایک اپنے اپنے محل میں معلوم ہوتا جائے گا ۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۳۷ ۔ ثالثاً کلام الٰہی جو اس قصّۂ مسیح کو آغاز سے بیان فرماتے ہیں ۔ اس کی نظمِ عبارت یہ ہے ۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ (آل عمران ۔ آیت ۵۲) اس آیت میں القاء شبیہ کا کہیں نام ونشان نہیں کیونکہ یُوں نہیں فرمایا گیا کہ قال لاصحابہ ایکم یلقی علیہ شبھی الخ

اقول ۔ ایسا ہی سُولی چڑھانے کا نام ونشان کہیں نہیں ۔ کیونکہ یُوں نہیں فرمایا گیا کہ قال لاصحابہ ایکم یصلب مکانی

پھر کیا وجہ ہے کہ اس جگہ القاء شبہ کا ذکر نہ کرنا تو ابن عباسؓ کے اثر کو مصنوعی اور جعلی بنا دے، اور سُولی چڑھانے کا عدم ذکر قصۂ صلیب کو جھوٹا نہ بنا دے۔ رہا ذکر القاء شبہ کا جو ایک عجائباتِ قدرت سے ہے سو اس کا ذکر اجمالی ولکن شبہ لھم میں آگیا۔

قولہٗ صفحہ ۴۷۔ رابعاً حواریوں کا جواب بھی اس قصّہ کی نفی کرتا ہے۔ اگر کاش حواری لوگ جواب میں بجائے نحن انصار اللہ کے نحن مستعدون لالقاء شبھك علینا لئلا تقتل بالصلیب ونحن نقتل عوضك کہہ دیتے تو بھی اس قصّہ کی کچھ اصل معلوم یا مفہوم ہو جاتی۔ پھر کیا وجہ کہ اللہ تعالٰے نے اس قصّۂ حضرت عیسٰیؑ کو آغاز سے آخر تک بیان فرمایا۔ اور وُہ طرزِ بیان اختیار کیا جس میں القاء شبہ کا کہیں پتہ اور نشان نہیں بلکہ نفی القاء شُبہ کی ہوتی ہے۔

اقول۔ حواریوں کا جواب بھی سُولی پر چڑھائے جانے کی نفی کرتا ہے۔ کاش[1] اگر حواری لوگ جواب میں بجائے نحن انصار اللہ کے نحن مستعدون لکفّ الیھود عنك حین یریدون صلبك ولینصرن اللہ لنا اذ قال اللہ یٰعیسٰے انی متوفیك من غیران یأخذك الیھود ویصلبوك وایضًا بشّرنا بقولہ۔ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ (آل عمران۔ آیت ۵۵) کہہ دیتے تو بھی اس واقعۂ صلیبی کی کچھ اصل معلوم یا مفہوم ہو جاتی۔ پھر کیا وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصّۂ حضرت عیسٰیؑ کو آغاز سے آخر تک بیان فرمایا۔ اور وُہ طرزِ بیان اختیار کیا جس میں واقعۂ صلیبی کے وقوع کا کہیں پتہ ونشان نہیں۔ بلکہ وما صلبوہ سے صلیب پر چڑھانے کی نفی ہوتی ہے۔

تفسیر سُنیے۔ (فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ) استشعر منھم التصمیم علی الکفر (قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ) قال مجاھد ای من یتبعنی الی اللہ والظاھر انہ اراد من انصاری فی الدعوۃ الی اللہ کما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی مواسم الحج قبل ان یھاجر من رجل یؤوینی حتے ابلغ کلام ربی فان قریشًا قد منعونی ان ابلغ کلام ربی حتی وجد الانصار فآووہ ونصروہ وھکذا عیسٰی بن مریم علیہ السلام انتدب لہ طائفۃ من بنی اسرائیل فآمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ ولھذا قال اللہ تعالٰی مخبرًا عنھم (قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝) (آل عمران۔ آیت ۵۲۔۵۳) ابن کثیر۔

مختصر یہی تفسیر ہے مجاہد کی جو ابن عباسؓ کے شاگرد تھے جنھوں نے تین مرتبہ قرآن مجید الحمد سے والناس تک ابن عباسؓ سے پڑھا۔ اور ہر آیت میں نہایت غور وتحقیق فرماتے تھے۔ دیکھو مقدمہ تفسیر ابن کثیر، اس مقام میں۔

قولہٗ۔ صفحہ ۵۰۔ برادر وہی صاحب نے وُہی خیالات اپنے جو کئی دفعہ لکھ کر اُن کی تردید کی گئی ہے۔ عبارت عربی میں لکھے ہیں۔ جو بالکل برخلاف ہیں ابن عباس کی تفسیر سے۔ اور علاوہ اس مخالفت کے آیاتِ صریحہ بھی اس کی تکذیب بیان فرما رہی ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ الحاصل اس قصّہ میں جو کچھ مفسرین نے بلا تحقیق وتنقیح تفاسیر میں لکھا ہے اس میں اس قدر مفاسد بھرے ہُوئے ہیں کہ ان کے شمار کے لیے ایک بڑا دفتر درکار ہے۔

اقول۔ مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے صحابہؓ سے باسنادِ صحیح لکھا ہے۔ اور کوئی مضمون برخلاف آیاتِ کریمہ کے نہیں بخلاف تمہارے مضامین کے جو آیاتِ صریحہ کے برخلاف ہیں۔

---

[1] اس میں اصلاح عبارت کی طرف اشارہ ہے یعنی امروہی نے (اگر کاش) کہا ہے اس کی جگہ کاش اگر چاہیے۔ ۱۲ منہ

قولہٗ ۔من جملہ ان مفاسد کے جو اثرِ ابنِ عباسؓ کے مضمون پر امروہی صاحب نے شمار کیے ہیں۔ ایک یہ بھی لکھا ہے جس کو خامساً کر کے صفحہ ۷۴، کے آخیر میں کہتے ہیں "پس اگر حواریوں میں سے کوئی حواری صادق مقتول بالصّلیب کیا جاتا تو وُہ بھی ملعُون قرار دیا جاتا" الخ

اقول ۔ اس کا ملعُون قرار دیا جانا صرف اگر بحسب زعم آپ کے اَور یہُود کے ہے تو کچھ مُضر نہیں بحکمِ تورات صرف اسی مقتولِ صلیبی کا ملعُون ہونا ثابت ہے جو مجرم ہو۔ اَور یہ حواری چونکہ غیر مجُرم تھا لہٰذا ملعُون نہ ہوگا۔ اَور (وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ) (آلِ عمران ۔آیت ۵۵) اس کا مقتضٰے یہ نہیں کہ کوئی اہلِ حق متبعین عیسٰےؑ میں سے کفّار کے ہاتھ سے مقتول ہی نہ ہوگا۔ بلکہ مُراد یہ ہے کہ اہلِ حق بہ ہیئتِ مجمُوعی غالب رہیں گے۔ وِالّا آیت میں کذب آئے گا۔ کیونکہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کئی ایک مسیح کو خُدا کا بندہ اَور اس کا رسُول ماننے والے اُن کو خُدا سمجھنے والوں کے ہاتھوں سے ذلیل ہو جاتے ہیں۔

قولہٗ ۔صفحہ ۷۷، ہم نے تسلیم کیا کہ ضمیر قبل موتہ کی حضرت عیسٰی کی طرف ہے۔

اقول ۔ آپ کی یہ تسلیم از قبیلِ "عصمت بی بی از بے چادری" ہے کیوں کر تسلیم نہ کریں حِصّہ دوئم اعلام النّاس کے صفحہ ۵ سطر ۱۰ میں آپ لکھ چُکے ہیں۔ مگر دِقّت تو یہ ہے کہ مرزا صاحب کا خُدا یہ فرماتا ہے کہ ضمیر (قبل موتہ) کی اہلِ کتاب کی طرف راجع ہے۔ دیکھو ازالہ متعلق اس آیت کے۔

قولہٗ ۔لیکن اِس آیت کا پیشین گوئی ہونا سابق میں ہم باطل کر چکے ہیں۔

اقول ۔ہم پھر اسی جگہ آپ کی جہالت اَور ضلالت کا اظہار کر چکے ہیں۔

قولہٗ ۔بلکہ مقصُود اِس آیت سے انشاء ایمان کا ہے حضرت عیسٰیؑ کے مقتول بالصّلیب ہونے پر۔

اقول ۔ ناظرین اِس مضمُون میں غور کریں کیا (وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ) (نساء ۔آیت ۱۵۹) سے اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اہلِ کتاب حضرت عیسٰیؑ کے مقتول بالصّلیب ہونے پر ایمان لائیں؟ کیا اللہ تعالیٰ پہلی کلام وماقتلوہ کو جس کا مطلب یہ ہے کہ یہُود نے مسیح کو قتل بالصّلیب نہیں کیا، بھُول گیا؟ اَب وُہ برخلاف اس کے وان من اھل الکتٰب الخ یہ قصد کرتا ہے کہ یہُود ایمان لاویں، حضرت عیسٰےؑ کے مقتُول بالصّلیب ہونے کے ساتھ؟ ناظرین کیسی تحریف یا جہالت ہے۔ یہاں پر امروہی صاحب اپنے مدّعا کو بھی بھُول گئے۔

قولہٗ ۔ اَور آیت جُملہ انشائیہ ہے نہ خبریہ ھکذا فی البیضاوی والکشاف

اقول ۔ خُدا کے بندے سُنا نہیں کہ جھُوٹ بولنے سے ایمان کا نقصان ہوتا ہے۔ بیضاوی اَور کشاف نے لیؤمنن کو جوابِ قسم ٹھہرایا ہے جس سے مطلب یہ ہے کہ لیؤمنن جملہ خبریہ مؤکّدہ بالانشائیہ ہے جیسا کہ پہلے ہم مولانا عبد الحکیم حاشیہ بیضاوی اور ایسا ہی شہاب حاشیہ بیضاوی سے نقل کر چُکے ہیں۔

قولہٗ پس معنے آیت کے یہ ہُوئے کہ تمام اہلِ کتاب یہُود و نصاریٰ مسیح کی موت صلیبی واقع ہونے میں شاک اَور متردّد چلے آتے ہیں۔ اَور اس بارہ میں اپنے شاک اَور متردّد ہونے پر اُن کو یقین اَور ایمان حاصل ہے۔

اقول ۔ ناظرین خُدا را انصاف (اُن کو یقین اَور ایمان حاصل ہے) اس ترجمہ کو کوئی طالبِ علم انشائیہ کہہ سکتا ہے۔ لیؤمنن کو بڑے دعویٰ اَور شور سے انشائیہ کہتے کہتے ترجمہ کے وقت خبریہ بنا دیا۔ دروغ گوئے را حافظہ نباشد۔

قولہٗ صفحہ ۷۷۔ اَور حسن کا یہ قول واللہ انہ لحی الان عند اللہ۔ صاف دلیل ہے اِس امر کی کہ حیات حضرت عیسٰیؑ کی جسمانی نہیں بلکہ حیات ان کی رُوحانی ہے۔ جو عند اللہ ہے کیونکہ محاورۂ قرآن مجید میں حیات عند اللہ سے حیات رُوحانی مُراد ہوتی

ہے جو جسمانی حیات سے علاوہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (بقرہ آیت ۱۵۴) بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (آل عمران۔ آیت ۱۶۹) دیکھو دونوں جگہ پر لفظ عند ربھم اور عند اللہ کا موجود ہے۔

اقول ۔ خدا سے ڈرو حسن کا یہ قول واللہ انہ لحی الآن عند اللہ۔ اور دوسرا قول جو دُرِّ منثور نے نقل کیا ہے۔ قال الحسن قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم للیھود ان عیسٰی لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیمۃ ان دونوں سے مُراد حیات جسمانی ہی ہے۔ شاید آپ (لم یمت) کی تاویل کریں گے کہ عیسیٰؑ قتل صلیبی سے نہیں مرا مگر مشکل تو یہ ہو گا کہ (وَاِنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَيْكُمْ) پھر اسی عیسیٰؑ کو دوبارہ لوٹاتا ہے۔ رہا لفظ (عِنْدَ اللّٰهِ) کا سو معنی اس کا یہ ہے کہ عیسیٰؑ کی حیات جسمانی کو لوگ تو نہیں دیکھ سکتے مگر خدا پاک دیکھتا ہے کہ عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہے جیسے اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران ۔ ۵۹) کا یہ مطلب ہے کہ عیسیٰؑ کا بے پدر ہونا نصاریٰ کی دید و دانست سے تو باہر ہے مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ آدم کی طرح لوگوں سے جُداگانہ طور پر رب کے امر سے ہے۔ ایسا ہی جو لوگ کہ خدا کے راستہ میں مقتول ہو چکے ہیں اُن کی حیات کو بھی خدا ہی جانتا ہے۔ الغرض (عِنْدَ اللّٰهِ) اور (عِنْدَ رَبِّهِمْ) کا معنی صرف اتنا ہی ہے کہ یہ چیز خدا کے ہاں ہے۔ بندوں کی دید یا دانست اس کو محیط نہیں۔ رہا یہ امر کہ وہ کیا چیز ہے سو خصوصیت اس کی (عِنْدَ اللّٰهِ) اور یا (عِنْدَ رَبِّهِمْ) کے مفہوم سے باہر ہے۔ اب اگر ایک جگہ وہ امر (بے پدری) وصف ہے تو یہ ضرور نہیں کہ جس جگہ (عند ربھم) یا (عند اللہ) ہو گا، اس کلام میں یہی وصف مُراد ہو گا۔ دیکھو کہ (عِنْدَ رَبِّهِمْ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ) میں اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ان شہداء میں بھی وصف بے پدری کا موجود ہو۔ جیسا کہ (اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ) میں ہے ایسا ہی (اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ) میں حیاتِ رُوحانی کا مُراد ہونا اس کی دلیل نہیں کہ (واللہ انہ لحی الآن عند اللہ) رُوحانی ہو۔ اور کیسے ہو سکتی ہے کہ بعد اس کے (راجع الیکم) واقع ہے۔ اور نیز حیات رُوحانی مقربین کی کوئی جائے تعجب نہیں تاکہ اس پر قسم کھائی جاوے تعجب تو اسی میں ہے کہ اتنی مدت تک انسان زندہ رہے۔ اور (الآن) کا لفظ بھی دلالت کرتا ہے حیاتِ جسمانی پر۔ یعنی جیسا کہ مسیحؑ دُنیا میں بحیات جسمانی زندہ تھا۔ اب بھی اسی طرح زندہ ہے۔ الغرض (راجعٌ) کا لفظ اور (قسم) اور (الآن) سب قرائن ہیں حیاتِ جسمانی پر۔ اور آپ کی تاویل کا بطلان مفصل طور پر پہلے گذر چکا ہے۔

قولہٗ ۔ اور جب کہ اس قول سے حیاتِ جسمانی ثابت نہ ہوئی تو نزول مسیحؑ بھی بروزی طور پر متعین رہا۔

اقول ۔ جب حسن کے قول سے بہ شہادت دُوسرے قول اس کے کے، حیاتِ جسمانی ثابت ہوئی تو نزولِ مسیحؑ بھی جسمانی طور پر ہو گا۔ نزولِ بروزی کو حضرت محمد اکرم صاحب صابری اقتباس الانوار میں مخالفۃ اجماع واحادیث متواترہ کی وجہ سے مردود کہتے ہیں۔ چنانچہ پہلے لکھ چکا ہوں۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۸، اس قول میں لفظ (باعثہ) موجود ہے۔ پھر نزول من السماء بجسدہ العنصری کب ثابت و قائم رہا۔

اقول ۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ قول بھی حسن کا ہے۔ اور حسن سے کسی نے (وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ) کے متعلق دریافت کیا تو بجواب اس کے حسن نے کہا (قبل موت عیسٰی)۔ ان اللہ رفع الیہ عیسٰی وھو باعثہ قبل یوم القیامۃ مقاماً یؤمن بہ البر والفاجر) امروہی صاحب اس میں اس طرح پر ٹال مٹول کر کے عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ اس قول میں (باعثہ) کا لفظ موجود ہے جو دلالت کرتا ہے (احیاء بعد الموت) پر، پھر نزول من السماء بجسدہ العنصری، جو فرع ہے حیات کا، کب ثابت و قائم رہا۔ بجواب اس کے گذارش ہے کہ حسن کے اس قول سے بھی حیاتِ مسیحؑ ثابت ہے کیونکہ حسن کا مذہب ہی یہی ہے کہ مسیحؑ بہ حیاتِ جسمانی زندہ ہے۔ جیسا کہ اوپر دُرِّ منثور سے نقل کیا گیا کہ قال الحسن قال رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم للیھود ان عیسٰی لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ۔ نیز اس (باعتہ) والے قول میں (قبل موتہ) کی تفسیر (قبل موت عیسٰی) حسنؓ سے موجود ہے تو پھر بعد وجود ان قرائن کے کس احمق کو حسنؓ کے قول کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک فرمان کہ (عیسٰیؑ نہیں مرا اور وہ تمھاری طرف قیامت سے پہلے لوٹ آوے گا) صراحۃً دلالت نہیں کرتا حیاتِ جسمانی پر۔ یا (قبل موتِ عیسٰی) کی تفسیر سے ظاہر نہیں کہ عیسٰی ابھی نہیں مرا۔ اس قدر دھوکا بازی خصوصاً قرآن اور حدیث میں مسلمان کی شان سے بعید ہے۔

رہا لفظ بعث کا، سو وہ ارسال کے معنے میں بھی بکثرت مستعمل ہوتا ہے جس کے افراد میں سے ایک نزول بھی ہے۔ وفی حدیث علیؓ یصفہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعیثك نعمۃً ای مبعوثك الذی بعثتہ الی الخلق ای ارسلتہ وھو ای عمرو بن سعید یبعث البعوث ای یرسل الجیش ثم یبعث اللہ ملکا۔ فیبعث اللہ عیسٰی ای ینزلہ من السماء حاکمًا بشرعنا۔ مجمع البحار مختصرًا۔ خُدا کے بندے، صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ بے شک حسنؓ کا او حدیثِ صحیحہ متواترہ اور اقوالِ آئمّہ و تابعین و تبع تابعین و کُل عُلماءِ اسلام کا مطلب یہی حیاتِ جسمانی ہے۔ مگر ہم اس کو بعید از عقل خیال کرکے تسلیم نہیں کرتے۔ سادہ لوحوں کو دھوکا کس لیے دیتے ہو وجہ اس کی بغیر اس کے اور کچھ نہیں کہ لوگ تم کو (بخیال اس کے کہ یہ مرزا و مرزائی سب اہلِ اسلام سے الگ ہیں) چھوڑ نہ جاویں۔

قولہٗ صفحہ ۸۷۔ اگر کہا جاوے کہ تمھاری تاویل ان اقوال میں توجیہ القول بما لا یرضٰی بہ قائلہ کی مصداق ہے۔ پس ایسی تاویل کیوں کر قبول کی جاسکتی ہے۔

اقول ۔ ناظرین آئی ناؤ ہی بات سامنے، یعنی امروہی صاحب خود بھی جانتے ہیں کہ بے شک وُہ برخلاف غرض قائل کے ہانکے جارہے ہیں یعنے احادیث و آثار میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وصحابہ تابعین وغیرھم نے جن معنوں کو لیا ہے ان کے برخلاف وُہ اور معانی لیتے ہیں۔

قولہٗ ۔ تو گذارش یہ ہے کہ اگر آپ ان اقوالِ مردُودہ کی یہ تاویل تسلیم نہیں کرتے۔ تو چونکہ یہ اقوال دلائلِ قطعیہ مذکورہ کے معارض ہیں لہٰذا محض باطل ہیں پس ہم اُن کے نہ تسلیم کرنے میں مجبُور ہیں۔

اقول ۔ کیوں حضرات ناظرین اب تو امروہی صاحب دل کی بتلا رہے ہیں۔ تم پہلے ہی اس عقیدہ کو ظاہر کردیتے۔ سب احادیث و اقوالِ آئمّہ وغیرہم کی تحریف کیوں کی۔ ہمارے وقت کا نقصان تمھارے ایمان کا زیان۔ مرزائیوں کی عقل حیران۔

قولہٗ خصُوصاً جب کہ اسی لفظ نزول کی جگہ پر لفظ "بعث" و نیز لفظ "خروج" بھی وارد ہے۔

اقول ۔ بعث کا استعمال نزول میں تو اُوپر ثابت ہوچکا ہے۔ خروج کا استعمال بھی نزُول من السّماء میں آگیا ہے دیکھو حدیث شریف (یخرج من اصلھا النھران) وجہ خروج النیل والفرات میں اصل السدرہ ان نیزلا من السّماء مجمع البحار۔

قولہٗ صفحہ ۸۷۔ اور خود بھی یہ اقوال باہم متعارض ہیں۔ دیکھو اسی مقام پر اوّل میں لکھا ہُوا ہے۔ قال ابن جریر اختلف اھل التاویل فی معنی ذالك۔ پھر اسی کی چند سطروں کے بعد اپنے معنے کی تائید میں تحریر کیا گیا۔ وھذا القول ھو الحق کما سنبینہ بدلیل قاطع۔ اب ناظرین سے انصاف طلب ہے کہ جب مفسّرین کسی آیت کی تفسیر میں مختلف ہوں تو دُوسرا مفسّر کیا اپنے معنے کو قطعی الثبوت کہہ سکتا ہے۔ یا جو معنی کسی آیت کی دلیل قاطع سے ثابت ہوں، ان معنی کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ اختلف اھل التاویل فی معنے ذالك۔

اقول جب مفسرین کسی آیت کی تفسیر میں مختلف ہوں، تو دُوسرا مفسر بعد ظہور دلیل قطعی کے اپنے معنے کو قطعی الثبوت کہہ سکتا ہے۔ یا جو معنی کسی آیت کے دلیل قاطع سے ثابت ہوں ان کے معنی کی نسبت قبل از ظہور دلیل قطعی کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اختلف اهل التاویل فی معنی ذالك۔

قولہٗ صفحہ ۸۷۔ دیکھو اسی آیت ما نحن فیه اللہ تعالیٰ قول یہُود کو جو بزعم خود اُنھوں نے محقق قرار دے کر قول کیا تھا کہ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ اِس کا ردّ اللہ تعالٰے نے اختلاف کو ثابت کر کر کیا کہ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ ۔

اقول یہُود کا قبل از ظہور دلیل قطعی عین وقت اختلاف کے یہ کہنا کہ مسیح کی مقتولیت ہم کو محقق ہو چکی ہے کاذب اور مردُود ہے۔ بالفرض اگر واقعہ قتل مسیح بذریعہ صلیب واقعی ہوتا اور کسی کو یہُود میں سے بہ دلائل قطعیہ اس کا ثبوت مل جاتا تو اِنَّا قَتَلۡنَا بھی بولنا صحیح ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اختلاف فی تفسیر معنے آیۃ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ الخ کو اختلاف یہُود پر قیاس کرنا بالکل لغو اور قیاس مع الفارق ہے۔ کیوں کہ یہاں پر توجس کو یہُود نے محقق کہا ہے اس پر کوئی دلیل قطعی نہیں۔ نہ فی الواقع اور نہ یہُود کے نزدیک، بلکہ اس کے نقیض کے ثبوت پر دلیل قطعی موجُود ہے وما قتلوہ وما صلبوہ بخلاف وهذ القول هو الحق کے، کہ اس میں قائل کے نزدیک دلیل قاطع موجُود ہے۔

قولہٗ بہرحال دلیل قاطع آپ کی طرف سے جب بیان کی جاوے گی تب ہماری طرف سے بھی اس پر نظر کی جاوے گی۔

اقول دلیل قاطع تو بیان کی گئی کہ لانه المقصود من سیاق الاية فی تقریر بطلان ما ادعته الیهود من قتل عیسٰی علیه السلام وصلبه والتاویل الاخر هو بیان الواقع لا تعلق له بالمقام۔

قولہٗ بالفعل اسی سوال کا جواب دیا جاوے کہ نون التاکید لا یؤکد مطلوبا والمطلوب لا یکون ماضیا ولا حالا ولا خبرا مستقبلا۔

اقول جواب اس کا تو پہلے بخوبی دیا جا چکا ہے۔ ہاں اس عبارت کا سمجھانا جس سے آپ نے لغزش کھائی ہے۔ لاہور میں بحضر عُلمائے کرام ہو سکتا ہے تاکہ آئندہ تحریف کتاب وسُنّت سے باز آئیں۔

قولہٗ اسی لیے بیضاوی وکشاف وغیرہ نے جُملہ لیؤمنن به قبل موته کو جُملہ انشائیہ لکھا ہے۔

اقول لعنة اللہ علی الکاذبین ونعوذ باللہ من زلة الجاهلین۔ بیضاوی وکشاف وغیرہ نے لیؤمنن کو خبریہ مؤکدہ بالانشائیہ ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ پہلے مفصل نقل عبارات ہم لکھ چکے ہیں۔ ناظرین کو امروہی صاحب کے قول سے معلوم ہو چکا ہے کہ احادیث و آثار و اقوال آئمہ وغیرہم سب کا مطلب تو بے شک اسی مسیح بن مریم کا دوبارہ دُنیا میں آنا ہے۔ مگر بخیال اس کے کہ یہ آیات قرآنیہ کے برخلاف ہے۔ اس لیے ہم تاویل القول بما لا یرضٰی به قائله مجبُوری کرتے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۸۷، سطر ۳ سے ۶ تک جس کا حاصل یہ نکلا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بھی ان کے نزدیک اخیر تک اس مضمُون میں (کہ وہی مسیح بن مریم دوبارہ رجُوع کرے گا) العیاذ باللہ خطا پر ہیں اور اجماع کو رانہ چلا آیا۔ جیسا کہ ازالہ جلد اوّل وغیرہ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ اور قبل از وقوع پیشین گوئی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر بجلی منکشف ہونا ضروری نہیں۔ دیکھو ایام الصلح وازالہ وغیرہ۔ اب ہم کو صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ بقاء علی الخطاء منافی ہے شانِ نبوّت اور تبلیغ کو۔ اور آیاتِ قرآنیہ کا مطلب وہی ہے جو سیاق سباق کے موافق اور کسی حدیث کے مضمون کو معارض نہیں۔ جس کو آج تک مفسرین لکھتے آئے یعنی قدرِ مشترک تاویلات مختلفہ کا، جو منافی مضمونِ احادیث صحیحہ متواترہ نہیں جس کو ہم آیات واحادیث میں اجماعی قرار دیتے ہیں۔ امروہی کے اس اقرار کے بعد ہم کو اس کی کسی تاویل کی تردید کی حاجت

نہیں۔ کیونکہ خود اس کا اقرار ہے کہ ہماری تاویلات قائل یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتابعین وغیرہم کی غرض کے برخلاف ہیں۔ تاہم باصرار اُن احباب کے جو پہلے مرزا صاحب وامروہی کی علمیت کے بڑے معتقد تھے، ہم کو بغیر کسی قدر تضیع وقت کے خلاصی نہیں۔ قادیان کے مشن جیسا کوئی اَور مشن غیر مہذب و ناتراشیدہ دیکھنے میں نہیں آیا منقول ومعقول دونوں ان کی لغزش آمودہ اَور کجی اَور جہالات مرکبہ سے بھری ہُوئی ہیں جن کی اصلاح و دُرستی بجُز اس کے متصور نہیں کہ از سرِ نو ان کو علومِ نقلیہ وآلیہ کی تعلیم دی جائے۔ اَور جہالات مرکوزہ کے نکالنے کے لیے لڑکوں کی طرح ان کی پیٹھوں پر پتھر رکھے جاویں۔ اتنی نالائقی کے باوجُود پھر بھی کوئی بشر عامی سے لے کر نبی تک ان سے نہیں بچا۔ ع

نہ دُشمن برست از زبانش نہ دوست

اخیر میں جا کر استحالہ عقلی کو مشعل راہ بنا لیتے ہیں۔ اس میں بھی لغزش سے خالی نہیں۔ کیوں کہ استبعاد عقلی کو استحالہ عقلی سمجھ کر نصُوص بیّنہ کا انکار مثل سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا الخ اَور وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ اَور سائر آیات بیّنات کر دیتے ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۷۹۔ اس قول میں بھی مثل سابق کے کلام ہے۔

اقول۔ ہماری جانب سے بھی مثل سابق ہی کے سلام ہے۔

قولہٗ۔ صفحہ ۷۹۔ اَور نیز اس عبارت میں یہ جُملہ کہ فیقتل مسیح الضلالۃ قابل غور ہے۔

اقول۔ جناب عالی حسب ارشاد غور تو کریں گے۔ مگر آخر میں وُہی آش در کاسہ نظر آرہی ہے۔

قولہٗ۔ کیوں کر مؤلف صاحب اَور اُن کے ہم مشرب دجّال کے شخص واحد قرار دینے میں بڑا زور لگاتے ہیں۔

اقول۔ کیوں نہ لگائیں آخر اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (بقرہ۔ آیت ۲۸۵) اَور الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔ اَور چُونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مع صحابہ کرام ابن صیاد کے دجّال ہونے کے بارہ میں کچھ عرصہ متردد رہے۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال شریف اور صحابہ عظامؓ کے فہم مُبارک میں دجّال شخص معیّن ہی تھا۔ تو پھر مؤلف معہ اپنے ہم مشربوں یعنی کُل اہلِ اسلام کے کیوں نہ زور لگائیں۔

قولہٗ۔ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ دجّال شخص واحد ہی ہے لیکن اس کی جماعت اَور ذُرّیات کا کثیر ہونا منافی اُس کی وحدت شخصی کو نہیں۔

اقول۔ ہم کب کہتے ہیں کہ منافی ہے۔ ہم تو صرف اتنا ہی معرُوض کرتے ہیں کہ وُہ شخص واحد جس کو آپ نے تسلیم کر لیا ہے۔ ابھی ظاہر نہیں ہُوا۔

قولہٗ۔ کہ کثیر ہونا اس کا اس عبارت سے بھی ثابت ہے۔

اقول۔ عبارت تو یہ ہے (فیقتل مسیح الضلالۃ) یعنی مسیح ابن مریم بعد النزُول، گمراہوں کے مسیح کو جو عبارت ہے دجّال سے۔ قتل کرے گا اس عبارت سے تو کثیر ہونا اس مسیح الضلالہ کا یعنی دجّال کا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے تابعین کا جو گمراہ ہوں گے ان کا کثیر ہونا ثابت ہوتا ہے یعنی اس دجّال کے تابعین بہت لوگ ہوں گے۔ الغرض دجّال واحد شخص ہی رہا۔ اَور تابعین اس کے بہت ہُوئے سو اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ میں نے پہلے ہی سے گذارش کر دی تھی کہ حسب ارشاد (مسیح الضلالۃ) میں غور تو کریں گے مگر آخیر میں وُہی آش در کاسہ ہوگی۔ آگے چلیئے۔

قولہ صفحہ ۹۰ سطر ۱۳ سے اخیر صفحہ تک بناء الفاسد علی الفاسد ہے (اور ضلالہ سے نصاریٰ کا مُراد ہونا بشہادت تفسیر ولا الضالین کے)

اقول - یہ سب واہیات ہیں کیونکہ قرآن کریم میں تو مفسرین نے ضالین سے مُراد نصاریٰ لی مگر اس سے یہ تو نہیں لازم آتا کہ (ضال یا ضلالہ یا گمراہ بول چال میں) بغیر نصاریٰ کے دُوسروں کو نہ کہا جاوے بحسب حدیث شریف (لن تضلوا بعدی ما تمسکتم بامرین کتاب اللہ وسنۃ رسولہ) کے محمّدیوں میں سے اگر کوئی شخص تمسّک بالکتاب والسنۃ ترک کردے۔ تو ضال اور گمراہ ہوگا۔ بلکہ (مسیح الضللہ) کی تفسیر تو بشہادت باقی الفاظ حدیث کے صاف ظاہر ہے۔ (وانہ ساصفہ لکم صفۃ لم یصفھا ایاہ نبیٌ قبلی انہ یبدء فیقول انا نبی فلا نبی بعدی ثم یثنی فیقول انا ربکم ولا ترون ربکم حتی تموتوا وانہ اعور وان ربکم عزوجل لیس باعور وانہ مکتوب بین عینیہ کافر یقرء کل مومن کاتب وغیر کاتب الخ بعد ایسے تصریحات کے جو احادیث میں آچکی ہیں۔ پھر (مسیح الضللہ) سے مُراد نصاریٰ کے پادری کیسے ہوسکتے ہیں۔

قولہ صفحہ ۸۵۔ اور جملہ (یکسر الصلیب) بھی اسی پر دال ہے کیونکہ اس جُملہ سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعُود کے زمانہ میں صلیب پرستی کا غلبہ ہوگا جس کو مسیح موعُود توڑے گا لیکن درصُورت ہونے دجّال کے یہوُدیں سے یکسر الصلیب کیونکر صادق آسکتا ہے۔

اقول - مسیح موعُود کے زمانہ میں بحسب قول آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین ملّتوں کا ہونا ثابت ہے۔ من جملہ ان کے صلیب پرستی بھی ہوگی۔ اور وُہ ساری ملّتوں کو ایک ملّت اسلام ہی کردے گا۔ اس پر (وتکون الملل کلھا ملۃ واحدۃ) شاہد ہے۔ یکسر الصلیب کی تصریح بہ نسبت مسیح ابن مریم کے ہے یعنی اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ جو لوگ مسیح کو معبُود اور واقعہ صلیبی کو صحیح مان کر صلیب پرستی کرتے ہیں اُن کو مسیح ہی بذاتِ خود دُرست کرے گا۔ اور دجّال کا یہوُد سے ہونا اس کا مقتضی نہیں کہ بغیر دین یہوُدیت کے کوئی دین نہ رہے۔ الغرض دجّال معہُود کا ظہُور صرف اس امر کا مقتضی ہے کہ چند اشقیاء اس کے خوارق کو دیکھ کر اس کی الوُہیّت کے معتقد ہوجاویں۔ اب آپ فرماویں کہ مرزاجی نے آج تک کون سی صلیب توڑی یا کتنے پادریوں نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی۔ بلکہ اُن کا مالیخولیا تو مُوجب اصرار علی النصرانیۃ کا ہوا ہے۔

قولہ صفحہ ۸۰۔ علاوہ یہ کہ فرقہ یہوُد تو حسب پیشین گوئی مسلمہ فریقین کے جو کتاب وسُنّت میں مذکور ہے۔ قیامت تک ذلیل وخوار رہیں گے۔ پھر دجّال صاحب شوکت واقبال یہوُد میں کیوں کر ہوسکتا ہے۔

اقول - یہوُد کا ذلیل وخوار ہونا جو کتاب وسُنّت میں مذکور ہے۔ اس کے ظہور کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دجّال تھوڑے روز باں کروفر خُدائی دعوٰے کر کے مسیح بن مریم کے ہاتھ سے مقتول ہوگا۔ اس کی چند روزہ شان وشوکت کتاب وسُنّت کی پیشین گوئی کو مُضر نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ہمیشہ میری اُمّت میں سے ایک جماعت حق پر ہوگی اور غالب رہے گی قیامت تک اس کا یہ معنی نہیں کہ کوئی بالمقابل اس کے سر نہ اُٹھائے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعد تقابل کے غلبہ اہل حق ہی کو ہوگا۔ ایسا ہی دجّال بھی مسیح بن مریم کے ہاتھ سے ہلاک ہوگا جس سے اس کے تابعین کو بڑی ذلّت ہوگی۔

قولہ صفحہ ۸۵۔ اور یضع الجزیہ کی یہ تفسیر کہ لا یقبل الا الاسلام او السیف مخالف ہے نصُوص قطعیہ قرآنیہ کے کما قال اللہ تعالیٰ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ۔ آیت ۲۵۶) ایضاً قال اللہ تعالیٰ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ (ممتحنہ۔ آیت ۸) ایضاً۔ قال

تعالیٰ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (توبہ آیت ۲۹) وغیرذالک من الایات الکثیرۃ۔

اقول ۔ جزیہ کا حکم کوئی استمراری نہیں ۔ بلکہ یہ حکم نزول عیسٰے کے ماقبل تک محدود ہے ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت بیان فرمادیا کہ عیسٰی جزیہ اُٹھادے گا۔ پس اُس وقت جزیہ کا قبول نہ کیا جانا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق ہے۔ کما فی النووی شرح صحیح مسلم۔

رہا یہ کہ حکمت اِس میں کیا ہے ۔ ابُوالحسن علی شرح بُخاری میں کہتے ہیں کہ اس وقت ہم نے جزیہ اِس لیے قبول کیا ہے کہ ہم مال کے محتاج ہیں اور نزول عیسٰیؑ کے وقت احتیاج نہ رہے گی ۔ اور شیخ ولی الدین عراقی نے نہ قبول کرنے جزیہ کے وجہ اس طرح پر بیان فرماتی ہے کہ اس وقت یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں سے جزیہ اِس لیے قبول کیا گیا ہے کہ ان کے ہاتھوں میں تورات وانجیل کے ہونے اور ان کے زعم میں شرع قدیم کے ساتھ متمسک ہونے کا شبہ ہے پس جس وقت کہ عیسٰی علیہ السلام اُتریں گے ۔ اس وقت حصول معاینہ سے یہ شُبہ دُور ہوجائے گا اور اُن کی حالت بُت پرستوں کی طرح ہوجائے گی ۔ اور اُنہی کی طرح اُن کے ساتھ معاملہ بھی کیا جاوے گا ۔ اور بجز اِسلام کے اُن سے کوئی شے قبول نہ کی جائے گی ۔ اور حکم کا زوال اس کی علت کے زوال سے ہوتا ہے ۔

قولہٗ صفحہ ۸۰ ۔ اور نیز مخالف ہے تمھارے مُسلّمات کے ۔ دیکھو صفحہ ۳۲ سطر ۷ ۔ قیل یارسول اللہ وما یرخص الفرس قال لا یرکب لحرب ابداً ۔ اور دیکھو صفحہ ۳۲ سطر ۸ ۔ ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجہ دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرؤ حجیج نفسہ ۔ معنے حجیج کے باتفاق لغت حجت سے غالب آنا خصم پر ہے ۔ ان جُملوں سے معلوم ہوا کہ مقابلہ دجّال کا مسیح سے حجّت ہوگا کہ اس کے شُبہات وشکوک کو مسیح موعُود حجّتِ باہرہ سے نیست ونابود کردے گا نہ بہ جنگ وجدال ۔

اقول ۔ نزول مسیح کے وقت جنگ وجدال دجّال سے ہوگا ۔ اور ایسا ہی کسی غیر ملت اِسلام والے سے بغیر اِسلام کے کچھ نہ قبول کیا جائے گا ۔ الا الاسلام والسیف دیکھو شمس الہدایت کا صفحہ ۳۱ سطر ۹ ۔ وینطلق ھاربا فیقول عیسٰی ان لی فیک ضربۃ لن تسبقنی بھا فیدرکہ عند باب الشرقی فیقتلہ ویھزم اللہ الیھود الخ ۔ بعد اس کے جس وقت ایک کلمہ ہوجائے گا ۔ اور بغیر حق سُبحانہ وتعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کی جائے گی ۔ اس وقت جنگ وجدال موقوف ہوجائیں گے ۔ اور گھوڑوں پر لڑائی کے لیے سواری ترک کردی جاوے گی ۔ دیکھو صفحہ ۳۲ سطر ا شمس الہدایت ۔ وتکون الکلمۃ واحدۃ فلا یعبد الا اللہ وتضع الحرب اوزارھا الی ان قال لا یرکب لحرب ابداً ۔ الغرض احادیث نزول مسیح وخروج دجّال میں صرف ایک ہی حالت اور وقت کا ذکر نہیں ۔ ابتدائی حالت میں کچھ اور ہی دکھلاتی دے گا ۔ اور انتہا و وسط میں کچھ اور ہی رنگ ہوگا ۔ قبل النزول آسمان سے بارش کا نہ ہونا اور پھر بعد النزول جب کہ وتکون الملل کلھا ملۃ واحدۃ کا ظہور ہوگا ۔ اس وقت تکون الارض لھا نوراً وتنبت بنباتھا کعھد آدم الخ نظر آئے گا مختلف واقعات کے چونکہ اوقات بھی مختلف ہوں گے ۔ لہٰذا احادیث کے میدان میں کوئی تعارض وتمانع نہیں ، الا امروہی صاحب کو اضطراب کے پہاڑ نظر آرہے ہیں ۔ پنجاب میں مثل مشہور ہے ۔ دل حرام زادہ بہانوں کے ڈھیر ۔ ل میں چونکہ مرزا جی کو مسیح موعُود بنانے کی سخت لَو لگی ہوئی ہے (اور کیوں نہ ہو جس کا کھائیے اس کا گیت گائیے) لہٰذا احادیث صحیحہ متواترہ کو جو اس مطلب عظیم الشان کے لیے سخت مانع اور سدِّ راہ نظر آرہی ہیں ، کاٹنا شروع کیا کسی جگہ کا جُملہ لے کر بغیر اس کے کہ اول آخر کو سوچیں دُوسرے جُملہ سے متعارض ٹھہرا کر اُردُو خوانوں بے چاروں کو دھوکہ دیتے ہیں ۔ خُدا ہی حافظ ہو ۔ مجمع البحار کی عبارت مسطورہ ذیل کو غور فرمائیے جس میں آپ کے دھوکہ اور فریب کا جواب موجُود ہے ۔ ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجہ ای محاجہ ومغالبہ باظہار الحجۃ علیہ والحجۃ الدلیل والبرھان حاججتہ حجاجاً ومحاجۃ فانا محاج وحجیج ۃ دونکم اشارۃ الی انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

كاف فيه غير محتاج الى معاونة من امته فان قيل اوليس قد ثبت في الصحيح انه يخرج بعد خروج المهدى وان عيسٰى يقتله وغيرها من الوقائع الدالة على انه لا يخرج في زمنه قلت هو تورية للتخويف ليلجئوا الى الله من شره وينالوا فضله اويريد عدم علمه بوقت خروجه كما انه لا يدرى متى الساعة ۔ مجمع البحار ۔ قلت هو تورية کے جواب سے معلوم ہوا کہ فانا حجیجه فرمانا باوجود اِس کے کہ قاتل اس کا مسیح ابن مریم ہے ۔ چنانچہ انہیں احادیث میں مذکور ہے ۔ توریہ کے طریق پر ہے ۔ اَور نیز ممکن ہے کہ قبل از قتل دجّال کو بُرہان و دلیل توحید سے مغلوب و ذلیل کیا جاوے ۔ اَور جب وُہ باوجود مغلوبیّت کے اپنے دعوے سے باز نہ آئے تو قتل کیا جائے ۔ الحاصل غلبہ باظہار الحجۃ جنگ وجدال کو منافی نہیں ۔

قوله صفحہ ۸۰ ۔ ایضاً دیکھو صفحہ ۲۷، سطر ۱۳ ۔ فاذا راٰه عدو الله ذاب كما يذوب الملح في الماء فلو تركه لذاب حتى يهلك ۔ اِس کا مفہوم یہی ہے کہ دلائل حقہ ثابتہ سے اس کا بطلان ہووے گا ۔

اقول ۔ اِس کا مفہُوم یہی ہے کہ وُہ دلائل سے ہلاک نہ ہوگا ۔ چنانچہ اِس پر دال ہے کلمہ لَوجو (فلو تركه لذاب) میں واقع ہے ۔ کیونکہ دلالت کرتا ہے اِنتفاء ذوبان پر ، بہ سبب ترک کے ۔ اَور انتفاء ترک کی صورت یہ ہوگی ۔ کہ ينطلق هاربا فيقول عيسٰى ان لي فيك ضربة لن يسبقني بها فيدركه عند باب لد الشرقي فيقتله ويهزم الله اليهود الخ ۔ شمس الہدایت صفحہ ۳۱ امروہی صاحب کو ملکہ زور کر گیا ہے ۔ ایک ٹکڑا حدیث کا من گھڑت علم لدُنّی سے شرح کر دیتے ہیں ۔ مگر جب آنکھ کھُلتی ہے تو اِسی حدیث کا دُوسرا ٹکڑا اِس شرح کو مردُود کر دیتا ہے ۔ سُبحان اللہ مسیح اَور حواری اس لیاقت کے مالک غلبہ باظہار الحجۃ پائیں گے ۔

قوله صفحہ ۸۱ ۔ ایضاً دیکھو صفحہ ۳۴ سطر ۳ ۔ لا يحل لكافر يجد ريح نفسه الامات اس جملہ کا مفہوم بھی یہی ہے کہ مسیح موعُود کے کلماتِ حُجت آیات سے اِس کے مخالف ہلاک ہوویں گے ۔ پھر فرمائیے کہ اندریں صُورت جنگ وجدال سُنانے کی کیا ضرُورت باقی رہے گی ۔

اقول ۔ الامات بمعنے قرب الى الموت کے ہے ۔ بدلیل حتى يدركه بباب لد فيقتله ۔ پہلے کافر مسیح کے سانس کی بُو سے قریب الیٰ الموت ہوگا ۔ بعد اس کے جس کے مقدر میں قتل ہونا ہوگا وُہ قتل کیا جائے گا ۔ جیسا کہ دجال پگھلنے کے قریب ہوگا اَور بھاگے گا ۔ اَور اَور عیسٰی علیہ السلام کہیں گے کہ مقدر میں میری ضرب کا واقع ہونا تیرے پر ہے بغیر اس کے تو میرے سے آگے بڑھ نہیں سکتا ۔ دیکھو شمس الہدایت صفحہ ۳۱ سطر ۹ ۔ الحاصل باوجود مُہلک ہونے دمِ عیسوی کے کفار کے حق میں جُن کے مقدر میں اس کے ہاتھ سے مقتول ہونا ہے وُہ بہرکیف ہوں گے ۔ رہا یہ کہ پھر قتل کی کیا حاجت رہی ۔ سو یہ اللہ جل شانہٗ سے پُوچھنا چاہیئے یا مسیح ابن مریم سے ۔ ہم کو ایمان بما جاء به الرسُول علیه السّلام ضروری ہے ان لمّیات تک ہم نہیں پہنچے ۔ امروہی صاحب کا یہ سوال بڑا الاینحل ہے ۔ جس کو ہم ایسے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ عام فہم بھی ہو اَور ناخواندہ بھی اس کے جواب پر قادر ہو جائے ۔ گویا امروہی صاحب پُوچھتے ہیں کہ معرکہ جنگ میں زید کے ہاتھ میں بندوق و تیر و تلوار سب کچھ موجُود تھا پھر اس کو تلوار سے مارنے کی کیا ضرُورت تھی ۔ دُور سے ہی بندوق یا تیر سے مار دیتا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مقدر میں جس کا قتل ہونا تلوار سے ہے وُہ اسی سے قتل ہوگا اور جس کا بندوق یا تیر سے ہے وُہ انہی سے مقتُول ہوگا ۔ پھر یہ لاحل شبہ خُدا کی طرف عائد ہوگا کہ مقدر میں یہ تخصیص کیوں ہُوئی ۔ جواب ملے گا کہ جیسا ظہور میں ہوا اُسی طرح علم بھی ہوتا ہے کہ علم تابع معلُوم کے ہُوا کرتا ہے ۔ مگر پھر بھی اُمید نہیں کہ امروہی صاحب بس کریں ۔ کیونکہ علم کا ماشاء اللہ بڑا زور ہے ۔ احادیث نبویہ کی اِصلاح یا کمی بیشی ہو رہی ہے ۔ ارے خُدا کے بندے بات تو وُہی ہے جس کا پہلے اقرار کر چکے ہو کہ توجيه القول بما لا يرضى به قائله پھر خلاف مرضی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیوں ہانکے جا رہے ہو ۔

قولہ صفحہ ۸۱۔ ایضاً دیکھو صفحہ ۳۴ سطر ۷۔ اذ اوحی اللّٰہ عزّوجل الیٰ عیسٰی انی قد اخرجت عباداً لی لا یدان لاحد بقتالھم ایضاً۔ دیکھو صفحہ ۳۸ سطر ۸۔ ویبعث اللّٰہ فی ایام یاجوج وماجوج فیھلکھم اللّٰہ تعالیٰ ببرکتہ دعائہٖ۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہلاکت یاجوج ماجوج کی مسیح موعود کی برکات ادعیہ سے ہوگی نہ حرب وجہاد سے۔

اقول ۔ یہ تو باحادیثِ متواترہ جن میں علامات وخصوصیات مسیح موعود کے مذکور ہیں، ثابت ہوگیا کہ بغیر اس نبی مریم کے بیٹے کوئی اور شخص مسیح موعود نہیں تو یاجوج ماجوج کا بغیر مقاتلہ محض اس کی دُعا سے ہلاک ہونا ہم کو کیا ضرر اور آپ کو کیا فائدہ دیتا ہے۔ اور بالخصوص یاجوج ماجوج کا دُعا سے ہلاک ہونا اس پر دلیل ہے کہ باقی مخالفین حرب وقتال سے ہلاک ہوں گے۔ ورنہ خصوصیت یاجوج ماجوج کی دُعا کے ساتھ بے وجہ اور لغو ہو جاتی ہے۔ اور نیز اجتماع دُعا اور جنگِ ظاہری کا ان کی ہلاکت کے لیے مستبعد نہیں۔

قولہ صفحہ ۸۱ ضمیر انہٗ کا مرجع جو اس قول ابنِ عباسؓ میں نزولِ عیسٰی قرار دیا گیا ہے وُہ مبنی ہے صرف اس خیالِ غلط پر کہ حضرت عیسٰیؑ آسمان پر سے بجسدہ العنصری نازل ہوں گے۔

اقول ۔ ع ہموں نقش درُوں بیرُوں برآمد

اِس عبارت سے امروہی صاحب کا اقرار پایا گیا کہ

۱۔ ابنِ عباسؓ کا مذہب بھی نزولِ عیسٰیؑ بجسدہ العنصری ہے۔

۲۔ دُوسرا یہ کہ ابنِ عباسؓ کا یہ خیال غلط ہے۔

ناظرین کو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ آں حضرت صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم معہ صحابہ کرام وآئمہ عظام ومحدّثین وفقہاء وکُل اُمّتِ مرحومہ اسی رفع اور نزُول بجسدہ العنصری کے قائل ہیں یعنی اسی مسیح ابنِ مریم کے دوبارہ آنے کے، نہ مثیل اس کے۔ اب امروہی صاحب کے نزدیک ان سب کا خیال غلط ہوا۔ یہ وُہ ابنِ عباسؓ ہے جس کو (قال ابن عباس متوفیك ممیتك) کے وقت افقہ النّاس اور حبر ھذہ الامۃ کا لقب دیا جاتا تھا۔ ایُّہا النّاظرُون یہ فرقہ منبروں پر کھڑے ہو کر آنسو ٹپکاتے ہُوئے شعرِ ذیل بیت ؎

زعشاق قرآن وپیغمبریم　　　بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

پڑھا کرتے تھے۔ تاڑنے والے تو تاڑ چکے تھے کہ مخالفِ حال کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ لسانِ حال کا وظیفہ تو یہ تھا۔

بیت ؎　زنسّاخ قرآن وپیغمبریم　　　بدیں آمدیم و بدیں بگذریم

قولہ صفحہ ۸۱۔ ورنہ سابق میں کسی جگہ یہ مرجع نہ حکماً مذکور ہے اور نہ حقیقتہً۔

اقول ۔ سابق میں عیسٰی مذکور ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ ○ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَیْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ○ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ؕ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ○ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ۔ (زخرف۔ آیت ۵۷ تا ۶۱) ام ہو۔ ان ہو۔ جعلنٰہ۔ یہ سب ضمائر عیسٰی کی طرف راجع ہیں۔ وانہ لعلم للساعۃ میں مرجع عیسٰیؑ ہی ہے مگر من حیث النزول کما فی الجلالین وانہ ای عیسٰی لعلم للساعۃ ای تعلم بنزولہ۔ اور یہی مُراد ہے ابنِ عباسؓ کی نزُولِ عیسٰیؑ سے ای عیسٰی من حیث النزول۔

قولہ صفحہ ۸۱۔ علاوہ یہ کہ نزُولِ عیسٰیؑ سے قیامت کا علم حاصل ہو جانا نصُوصِ قطعیہ کے مخالف ہے کیونکہ قبل قیامت کے تو علم قیامت کا کسی کو دیا ہی نہیں گیا سوائے اللّٰہ تعالےٰ کے۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ایضً وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ

ایضاً لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَۃً۔ اوغیرذلک من الاٰیاتِ الکثیرۃ۔

اقول ۔نزول عیسٰیؑ سے مثل سائر علامات قیامت کے علم تقرب قیامت حاصل ہوجائے گا نہ علم خاص دن قیامت کا جو مخصُوص بالباری ہے ۔فی خمس لایعلمھن الا اللہ اسی لیے اس جگہ لعلم للساعۃ باظہار الرابط بین العلم والساعۃ فرمایا اور علم مخصُوص میں الیہ یرد علم الساعۃ۔ وعندہ علم الساعۃ بغیر فاصل کے ۔تاکہ حذف رابط علم الساعۃ میں کمال اتصال پر دلالت کرے یعنی علم خاص اُسی دن کا کہ فلاں وقت میں ہوگی، یہ مخصُوص بالباری ہے ۔اور علم للساعۃ میں لام کو درمیان علم اور ساعۃ کے فاصل لانے سے یہ مطلب ہے کہ عیسٰی من حیث النزول علم زمان قریب بقیامت کا پتہ دے گا نہ خاص اُسی دن کا امروہی صاحب کے اجتہاد کے مطابق جتنے اشراط الساعۃ صحاح ستہ میں مذکور ہیں ۔یہ سب نصُوص قطعیہ کے برخلاف ہوں گے ۔افسوس کہ امروہی صاحب اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و سائر مفسرین و محدثین کے وقت موجُود ہوتے تو اِس مخالفت کا پتہ دے دیتے ۔ وُہ لوگ بے خبر ہی چلے گئے ۔

قولہٗ ۔اور پھر کیسی بے معنی بات ہے کہ نزُولِ عیسٰیؑ تو مثلاً دو ہزار برس کے بعد ہو ۔اور قبل دو ہزار برس کے حاضرین سے خطاب کیا جاوے کہ فلا تمترون بھا یعنی دلیل تو دو ہزار برس کے بعد دی جاوے گی ۔اور مدلول کو تم اسی وقت تسلیم کرلو ۔اور کچھ شک و شبہ مت کرو ۔

اقول ۔پھر کیسی پُر معنے بات ہے کیونکہ مومنین کی وصف یؤمنون بالغیب بیان کی گئی ہے ۔یعنی بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور بعد المعاینہ تو ایمان مقبُول ہی نہیں ہوتا ۔لہٰذا قبل از وقوُع قیامت مکلّف ہیں کہ قیامت کے ساتھ بن دیکھے ایمان لاؤ ۔ہاں بعض علامات جن کا ظہُور قریب قیامت کے ہوگا وُہ ہم بیان کر دیتے ہیں خصُوصاً وُہ علامت جو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ قدرت کرکے دکھلائی گئی تھی ۔کما قال عزمن قائل وَجَعَلْنٰہُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ ۔ہم نے عیسٰیؑ کو نمُونہ قدرت اپنی کا (بن باپ کے پیدا کیا) بنی اسرائیل کے لیے ۔تو ایسی علامت جو من حیث البدء والظہور بنی اسرائیل کے یقین اور دفع افترا کے لیے دلیل ٹھہرائی گئی ہے ۔ وُہی من حیث النزُول اس کی شایان اور استحقاق رکھتی ہے کہ تم بھی وقوُع قیامت میں شک نہ کرو ۔الحاصل ایمان مخاطبین کے کا مدار گو کہ صرف اتنے ہی امر پر ہے کہ قرآن کریم کو کلامِ الٰہی اور حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کو صادق مانیں ۔مگر بحساب معتاد بین النّاس اثنار گفتگو میں علامات قریبہ کا ذکر کیا جاتا ہے ۔تاکہ وُہ امر جو ابعد عن الذہن ہے قرین بہ ذہن اور متمکن فی الذہن ہوجاوے ۔امروہی صاحب کے نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علامات قیامت کو اتنے عرصہ پہلے قیامت سے بیان فرمانا العیاذ باللہ بڑی بے معنی بات ہے ۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

قولہٗ صفحہ ۸۲ ۔اور کہا جاوے کہ بعض قرأت میں لعلم للساعۃ بھی بہ فتح لام آیا ہے ۔جس کے معنی یہ ہُوتے ۔کہ قیامت کی علامات میں سے نزُولِ عیسےٰ ایک علامت ہے تو کہیں گے ہم کہ نزُولِ عیسےٰ بجسدہ العنصری تب مانا جاوے گا جب کہ صعوُد اس کا بجسدہ العنصری ثابت کیا جاوے ۔ وھو کما ترےٰ ماثبت الی الان ۔

اقول ۔ارے خُدا کے بندے یہ جب اور تب کیسا ؟ ناظرین خُدا را انصاف ۔جب امروہی صاحب انہٗ لعلم للساعۃ کی قرأۃ کے مُطابق نزُولِ عیسٰیؑ کو قیامت کے علامات سے مان چکے تو ظاہر ہے کہ مُوجب اس آیت کے صعوُد بجسدہ العنصری کو ماننا پڑے گا ۔کیونکہ نزول بجسدہ العنصری فرع ہے صعوُد بجسدہ العنصری کی ۔الغرض بعد تسلیم اس قرأت کے جب اور تب بالکل بے محل اور لغو ہے ۔ہاں سرے سے یُوں کہہ دینا تھا کہ ہم اِس قرأت کو نہیں مانتے ۔

قولہٗ ۔صفحہ ۸۲۔ اَیُّھَا النَّاظِرُوْن صفحہ ۸۳ تک ۔

اقول ۔تردید اس کی پہلے ہو چکی ہے ۔

قولہٗ ۔صفحہ ۸۳۔اِس جگہ پر مخالفین یہ شُبہ پیش کرتے ہیں کہ "اِمام بُخاریؒ نے باب ذِکر الانبیاء میں نزُولِ عیسٰی کو بیان کیا ہے۔ پس نزُول سے وُہی عیسٰے مُراد ہیں۔جو بنی اسرائیل تھے لاغیر۔" تو جواب اس کا اوّلاً یہ ہے کہ مؤلف کا یہ کہنا کہ ذِکر الانبیاء میں کسی اَور ولی یا محدّث یا مُلہم کا ذِکر ہی نہیں ، سرتاپا غلط ہے۔کیونکہ اسی کتاب میں حضرت یُوسفؑ کے بھائیوں کا بھی ذِکر ہے۔جن کی نبوّت میں اِختلاف ہے۔اسی کتاب الانبیاء میں رجلٌ مومن آلِ فرعون کا بھی ذِکر ہے جو نبی نہیں تھا۔حضرت خضر کا بھی ذِکر ہے جو بقولِ صحیح نبی نہیں تھے اَور اَمرۃِ فرعون کا بھی ذِکر ہے جو نبی نہیں تھیں۔حضرت عیسٰیؑ کے حواریوں کا بھی ذِکر ہے جو نبی نہیں تھے۔حضرت مریم کا بھی ذِکر ہے جو نبی نہیں تھی وغیرہ وغیرہ۔

اقول ۔مُخالفین نے کب کہا ہے کہ کتابُ الانبیاء میں غیر انبیاء کا ذِکر نہیں ؟ ان کو اس غیر واقعی امر کے کہنے کی حاجت ہی کیا ہے ؟ خُدا کے بندے کسی جگہ تو قائل کی غرض سمجھ کر بانکنا شرُوع کیا ہوتا۔ ان کا مطلب تو یہ ہے کہ کتاب الانبیاء میں جن جن انبیاء کا ذِکر ہے صلوات اللہ علیہم اجمعین ،عنوان اَور معنون یعنی آیت اَور حدیث دونوں میں مُراد ان سے وُہی پیغمبر ہیں بعینہٖ نہ مثیل ان کے ، چُنانچہ آدم ۔نُوح ۔ابراہیم ۔لُوط ۔مُوسٰی وغیرہم ۔بلکہ غیر انبیاء سے مُراد بھی وُہی اشخاص ہیں بعینہا نہ مثیل ان کے ۔مثلاً یُوسف کے بھائی" مومن آلِ فرعون ،خضر، اَمرۃ فرعون ، حواری ، مریم وغیرہ۔ ان سب سے مُراد مثیل اُن کے نہیں ۔بلکہ وُہ خود آپ ہی مُراد ہیں۔قیاس برنظائر ضرور ہے کہ مُراد (ابنِ مریم) سے حدیث نزُول میں بھی وُہی مریم کا بیٹا ہو جو قطعاً مُراد ہے آیات سے ۔

قولہٗ ۔چُونکہ نصُوص قطعیہ سے اُس مسیح ابنِ مریم کی موت ثابت ہے ۔اَور جو مر جاتے ہیں وُہ دوبارہ لَوٹ کر نہیں آتے ۔لہٰذا احادیثِ نزُول میں ابنِ مریم سے اِستعارہ کے طور پر مثیل لیتے ہیں ۔ لتعذر الحقیقۃ ۔

اقول ۔پہلے ہم صرف اِتنا ہی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ احادیثِ نزُول میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اَور صحابہ کرامؓ اَور محدّثینؒ خصُوصاً اِمام بُخاریؒ نے کیا سمجھا ہُوا تھا۔سو بعد تدبّر و تفحص کے احادیثِ نزُول میں یقیناً معلُوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسی عیسٰی بن مریم اِسرائیلی کو مُراد رکھا ہے نہ مثیل اُس کا ۔ قال الحسن قال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم للیھود ان عیسٰی لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ (دُرِّ منثُور جلد دوم صفحہ ۳۶) فرمایا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہُود سے کہ تحقیق عیسٰے نہیں مرا۔اَور وُہ قیامت سے پہلے تمھاری طرف لَوٹ کر آنے والا ہے ۔عن ابن مسعُود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قال لقیت لیلۃ اسریٰ بی ابراھیم وموسٰی وعیسٰی قال فتذاکروا امر الساعۃ قال فردّوا امرھم الی ابراھیم فقال لا علم لی بھا فردوا امرھم الی عیسٰی فقال عیسٰے اما وجبتھا ای وقوعھا فلا یعلم بھا احد الا اللہ عزّوجل و فیما عھد الیّ ربّی ان الدّجّال خارج ومعی قضیبان الخ دُرِّ منثُور ۔احمد بیہقی ۔ ابنِ ابی شیبہ ابنِ کثیر ۔سعید بن منصُور ۔ اخرج الترمذی وحسّنہ عن محمّد بن یوسف بن عبد اللہ بن سلام عن ابیہ عن جدّہٖ قال مکتوب فی التوراۃ صفتہ محمّد وعیسٰی بن مریم یدفن معہ وقال ابو مودود وقد بقی فی البیت موضع قبر ۔ دُرِّ منثُور ۔مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۵ ۔عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ینزل عیسٰی ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہٗ ویمکث خمساً واربعین سنۃ ثم یموت فید فن معی فی قبری (ای فی مقبرتی) وعبر عنھا بالقبر بقرب قبرہ لقبرہ فکانما فی قبر واحد ۔ (مرقاۃ) فاقوم انا وعیسٰی ابن مریم

فی قبر واحد بین ابی بکرؓ و عمرؓ۔ رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء مشکوۃ۔ روی اسحق بن بشر و ابن عساکر عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعند ذلک ینزل اخی عیسی بن مریم من السماء۔ الحدیث۔

زریت بن برثملا وصی عیسیٰ نے جواب تک کوہ حلوان میں زندہ موجود ہیں۔ نضلہ بن معاویہ کو آسمان سے اترنے عیسیٰ علیہ السلام کی خبر دی۔ یہ حدیث شمس الہدایت میں موجود ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے جلد اول میں اس کے اسناد کو کشفی طور پر صحیح کہا ہے۔ اور ازالۃ الخفا میں بھی مکاشفات امیر المومنین عمر بن الخطابؓ میں موجود ہے۔ ترجمہ اس کا ناظرین کے فائدہ کے لیے لکھا جاتا ہے۔

بروایت ابن عباس مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاصؓ کو جو قادسیہ میں حاکم تھے لکھا کہ نضلہ بن معاویہ انصاری کو حلوان عراق کی طرف روانہ کرتا کہ اُس کی اطراف سے اموال غارت حاصل کریں۔ چنانچہ سعد نے نضلہ کو تین سو سوار کے ساتھ بھیجا۔ یہاں تک کہ وُہ حلوان عراق میں آئے اور اس کی اطرافیں لُوٹ لیں۔ بہت سی غنیمت اور قیدی لا رہے تھے۔ کہ ان کو عصر کے وقت نے تنگی کی۔ اور قریب تھا کہ آفتاب غروب ہو جاوے۔ اس وقت نضلہ نے قیدیوں اور غنیمت کو کوہ حلوان کی ایک طرف پناہ دی اور کھڑے ہو کر اذان کہنی شروع کی۔ جب اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو ناگہاں ایک جواب دینے والے نے پہاڑ میں سے اجابت کے ساتھ کہا کہ اے نضلہ تو نے خداوند بزرگ کی طرف نسبت کبریا اور بڑائی کی کی ہے۔ پھر نضلہ نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ تو مجیب نے جواب دیا کہ اے نضلہ یہ کلمہ توحید اور اخلاص کا ہے۔ پھر نضلہ نے کہا۔ اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ تو مجیب نے کہ یہ وُہی ہے کہ جس کی بشارت ہم کو عیسیٰ ابن مریم نے دی ہے۔ اور جس کی اُمت کے سرے پر قیامت قائم ہوگی۔ پھر نضلہ نے کہا حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ تو مجیب نے کہا۔ اس کے لیے خوشی ہے جو نماز کی طرف قدم اُٹھائے اور اس پر مواظبت کرے۔ پھر نضلہ نے کہا حَیَّ عَلَی الْفَلَاح تو مجیب نے کہا۔ اس کے لیے نجات اور فلاح ہے جو اس کی اجابت کرے۔ پھر نضلہ نے کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ تو مجیب نے جواب دیا تو نے کل کلمہ اخلاص اچھی طرح کہا۔ اللہ نے تیرا جسم آگ پر حرام کر دیا۔ پس جب کہ نضلہ اذان کہنے سے فارغ ہو گیا تو سب لوگ کھڑے ہو کر کہنے لگے۔ خُدا تجھ پر رحم کرے۔ تُو کون ہے؟ کیا فرشتہ ہے یا جن یا اللہ کے بندوں میں سے کوئی بندہ ہے۔ تُو نے ہمیں اپنی آواز سُنائی ہے پس ہم کو اپنی صُورت بھی دکھا کیونکہ یہ لشکر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عمر بن الخطابؓ کا بھیجا ہوا ہے۔ پس اُسی وقت چکی کے پاٹ کی طرح اُس شخص کا سر پہاڑ کے شگاف سے ظاہر ہو گیا جس کے سر اور ریش کے بال سفید اور اس پر پشم کے دو پُرانے کپڑے تھے۔ اور اس نے ہم کو خطاب کر کے السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ اور سب نے اس کا جواب وعلیک السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر پُوچھا۔ خُدا تجھ پر رحم کرے تو کون ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں زریت بن برثملا خدا کے عبد صالح عیسیٰؑ بن مریم کا وصی ہُوں۔ اُس نے مجھے اُس پہاڑ میں ساکن کیا ہے۔ اور آسمان سے نزُول کے وقت تک طُول بقاء کی دُعا میرے لیے کی ہے۔ پس میری طرف سے عمرؓ کو سلام کہہ دو۔ اور کہو کہ اے عمرؓ اُستوار اور قریب ہو جا کیونکہ امر معہود نزدیک تو گیا ہے۔ اور ان سب سے خصائل کی اطلاع دینے کے لیے امر کیا (جو اس حدیث میں مذکور ہیں) بعد اس کے غائب ہو گیا۔ اور وُہ اس کو نہ دیکھ سکے۔ پھر نضلہ نے یہ سارا واقعہ سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف لکھا۔ اور اُس نے عمرؓ کی طرف لکھا۔ اور حضرت عمرؓ نے بجواب اس کے سعد کو لکھا کہ تو بھی اپنے ساتھ کے مہاجرین اور انصار کی معیت میں اُس پہاڑ پر جا۔ اور اگر زریت بن برثملا سے ملے تو میری طرف سے اُس کو سلام کہہ دے۔ چنانچہ سعد حکم کے مطابق چار ہزار مہاجرین اور انصار کی معیت میں اُس پہاڑ پر گیا اور چالیس دن تک وہاں

نمازکی نداکرتا رہا لیکن ان کو کوئی جواب یا خطاب نہ سُنائی دیا۔

ناظرین کو معلوم ہو کہ ابنِ عباسؓ کی اِس حدیث نے کئی امُور سے اِطّلاع دے دی۔

۱۔ اوّل۔ وصیِّ عیسیٰؑ کا اِس قدر زمانہ دراز تک بغیر کھانے اَور پینے کے زِندہ رہنا۔

۲۔ دوئم۔ عیسیٰ صلوات اللہ علیہ کے نزُول کی بشارت دینا۔

۳۔ حضرت عمرؓ کے علاوہ چار ہزار صحابہ مہاجرین و انصار کا عیسیٰؑ نبی اللہ کے نزُول کے ساتھ اِیمان رکھنا حتّٰی کہ نضلہ اَور تین سو سوار کی روایت وصیِ عیسیٰؑ کو تسلیم کر کے اپنا سلام وصیِ عیسیٰؑ کی طرف بھیجنا۔

اِن احادیث سے صاف طور پر واضح ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَور صحابہ کرامؓ اَور کُل اُمّتِ مرحُومہ اُسی عیسیٰؑ بن مریم اِسرائیلی کے نزُول سے خبر دے رہے ہیں اَور سمجھ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابنِ عباسؓ (متوفیك ورافعك الیٰ) میں تقدیم وتاخیر کہتے ہیں۔ اَور یہی وجہ ہے کہ امام بُخاریؒ کتابُ التفسیر باب قوله ماجعل اللهُ مِنْ بَحِیْرَةٍ الخ میں اذقال الله کو بمعنے یقول کے کہتے ہیں اَور اذ کو صلہ یعنی زائد ٹھہراتے ہیں۔ گویا صاف اپنے مذہب کو بیان کرتے ہیں کہ ابنِ عباس کی حدیث (فاقول کما قال العبد الصالح) سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ عبدِ صالح یعنی عیسیٰؑ بن مریم کا جواب پہلے ہوچکا ہے۔ اَور فلما توفیتنی الخ خبر دیتا ہے کہ مسیح مرچکا بلکہ واذ قال اللہ میں قال بمعنی یقول کے ہے۔ اَور یہ سوال وجواب قیامت کے دن ہوگا۔ جس کا ثمرہ یہ ہُوا کہ فلما توفیتنی موت بعد النزُول سے خبر دے رہا ہے تفصیل اس آیت کی مع متوفیك کے پہلے گذر چکی ہے۔ یہاں پر صرف اِتنا ہی مقصُود ہے کہ امام بُخاریؒ کا مذہب بھی کُل اُمّتِ مرحُومہ کی طرح نزُول اسی مسیح اِسرائیلی کا ہے۔ چُنانچہ امام بُخاریؒ اپنی تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں اَور ذکر کیا اُس کو علّامہ سیُوطی نے دُرِّ منثُور میں اخرج البخاری فی تاریخه والطبرانی عن عبد الله بن سلام قال یدفن عیسیٰ بن مریم مع رسول الله صلی الله علیه وسلم وصاحبیه فیکون قبره رابعاً۔

اَب ناظرین کو اُمید ہے کہ دو امر محقق ہو چکے ہوں گے۔

۱۔ ایک تو یہ کہ قادیانی و امروہی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اَور صحابہؓ اَور آئمہ اَور محدّثین وفقہاء پر افتراء باندھا۔

۲۔ دُوسرا یہ کہ چُونکہ نصُوص بیّنہ قرآنیہ نزُولِ مسیح اسرائیلی کے بزعم ان کے اِجازت نہیں دیتے۔ تو جن لوگوں نے احادیثِ نزُول سے مسیح اسرائیلی کا نزُول لیا ہے۔ وُہ لوگ بزعم ان کے قرآن کریم کے نصُوصِ بیّنہ سے منکر ہیں یا جاہل لاغیر۔ ابھی ثابت ہوچکا ہے کہ احادیثِ نزُول سے مسیح اِسرائیلی کو مُراد لینے والے آں حضرتؐ اَور کُل صحابہؓ اَور آئمہ اَور تابعین الیٰ یومنا ہٰذا ہیں تو بموجب زعمِ قادیانی اَور امروہی وغیرہ کے العیاذ باللہ یہ سب لوگ نصُوصِ بیّنہ سے یا تو مُنکر ہُوئے اَور یا جاہل۔ کیونکہ اگر متوفیك اَور فلما توفیتنی اَور قد خلت من قبله الرسل وغیرہ وغیرہ کو یہ لوگ مُطابق تفسیرِ مرزا صاحب کے سمجھے ہوتے تو ھرگز خلافِ نصُوصِ قرآنیہ کے نزُولِ مسیح اسرائیلی کا قول نہ کرتے۔ اب مومن بما جاء به الرسول علیه السّلام کو متیقن ہو سکتا ہے کہ ان جہّال کی تفسیر اَور تفریع دونوں غلط ہیں۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن اَور قابلِ تسلیم ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیاتِ قرآنیہ کے معانی ومضامین بغیر سمجھنے کے مامُور بہ تبلیغ ان کے ہوں۔ اَب اِس الزام سے تو صرف پیشین گوئی کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف العیاذ باللہ نسبت جہل نہ رہی۔ بلکہ جتنی آیاتِ قرآنیہ مرزاجی نے بزعمِ خود وفاتِ مسیح پر ذکر کی ہیں۔ ان سب کے معانی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو مبشر ہیں بدیں بشارت (اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (قیامۃ۔ آیت ۱۷ تا ۱۹) بے خبر اَور جاہل رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ آیت مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اَور

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ اور قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کی تفسیر جمع کے بیان میں گذر چکی ہے۔ باقی آیات کی تفسیر بھی اپنے اپنے موقع پر بحول اللہ وقوتہٖ ذکر کی جاوے گی۔

صفحہ ۸۳ میں ثانیاً سے لے کر شعر نا ملائم تک کی تردید تھوڑے تامل سے ادنیٰ طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے۔ ناظرین کو ضرور ہے کہ بوقتِ مطالعہ اس کتاب کے، رسالہ مردودہ امروہی کو پیش نظر رکھیں ورنہ پورا لطف جواب کا حاصل نہ ہوگا۔

قولہٗ صفحہ ۸۴-۸۵-۸۶-۸۷۔ کے اعتراضات کا حاصل:۔ ابوہریرہ کا یہ کہنا کہ فاقرؤا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (النساء۔۱۵۹) اگر اس خیال سے ہے جو مخالفوں کے ذہنوں میں جاے نشین ہے تو یہ چند وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ اوّل تو حصر صحیح نہیں۔ تمام اہلِ کتاب کا جو حضرت عیسیٰؑ کے رفع سے نزول تک ہوئے ہیں یا ہوں گے ایمان لانا عیسیٰ کے ساتھ متصور نہیں۔ ایسا ہی جو اہلِ کتاب نزول آیتہ سے نزولِ مسیح تک مراد لیے جاویں تو بھی ممکن نہیں۔ اور اگر صرف وُہی اہلِ کتاب مراد ہوں جو نزولِ مسیح کے وقت موجود ہوں گے تاہم صحیح نہیں۔

۱۔ ایک تو اِس تخصیص کے لیے کوئی مخصص موجود نہیں۔

۲۔ دوئم ہزاروں اہلِ کتاب بقول مخالفین جہاد سے اور لاکھوں مسیح کی دعا سے اور کچھ وبا سے ہلاک ہوں گے۔

۳۔ اہلِ کتاب کا موجود رہنا قیامت تک بحکم وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وغیر ذالک من الآیات۔

۴۔ ایمان لانا جملہ اہلِ کتاب کا دَورِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حضرت عیسیٰؑ پر بے معنے ہے۔

۵۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (نساء۔۱۵۹) بھی چسپاں نہیں ہوسکتی کیونکہ مطابق لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کے اُمتِ محمدیہ تمام اُمم کے لیے گواہ ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کل اُمت کے لیے شہید اور گواہ ہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب

حصر صحیح ہے۔ اور مراد وُہ اہلِ کتاب ہیں جو نزولِ مسیح کے وقت موجود ہوں گے۔ اور دلیل تخصیص کی ایجاب ہے جو استثنا من النفی سے مستفاد ہوا ہے۔ نظیر اس کی قرآن مجید سے (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ) ہے اور ایسا ہی كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کیونکہ (مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ) مجموعہ ان آیات کا ہے جو اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ کے نزول تک اُتر چکی تھیں۔ اور اس مجموعہ کے ساتھ من جملہ مومنین میں سے انہی مومنین کا متحقق ہوا۔ جو مجموعہ کے نزول کے وقت موجود تھے۔ اور جو پہلے اس مجموعہ کے نزول سے مر گئے تھے۔ اُن کا ایمان تفصیلی صرف انہی آیات کے ساتھ جو ان کی موجودگی میں اُتری تھیں متحقق ہوا لہٰذا مومنین اُن آیات کے ساتھ تعمیل کرنے کے مکلف بھی نہ تھے۔ جو اُن کے پیچھے اُتریں۔ مثلاً جو صحابہ مدینہ طیبہ میں علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام قبل از نزولِ تحویل قبلہ فوت ہوگئے تھے وُہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے ساتھ مکلف تھے۔ الغرض ایجاب میں حکم بثبوت الشئی للشئی ہوتا ہے۔ اور ثبوت شئے بشئے فرع ثبوت المثبت لہٗ ایک مقدمہ مسلّمہ ہے۔ لہٰذا (وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہٖ) میں مراد وُہی اہلِ کتاب ہوں گے جو در وقتِ نزولِ مسیح موجود ہوں گے۔

دُوسرے اِعتراض کا جواب

مسیح کے نزول کے زمانہ میں اہلِ کتاب میں سے کوئی جہاد سے اور کئی ایک مسیح کی بددُعا سے اور کئی وبا سے بحالتِ کفر مرجائیں گے۔ اور کئی ایک ایمان بالمسیح لائیں گے۔ یہاں تک کہ کوئی ملت بغیر ملتِ اسلام کے باقی نہ رہے گی۔ اب اگر کہا جاوے کہ کُل اہلِ کتاب نزولِ مسیح کے وقت ایمان بالمسیح لائیں گے تو یہ صحیح نہیں۔ اور اگر کہا جاوے کہ کُل اہلِ کتاب قبل از موت مسیح ایمان بالمسیح لائیں گے تو یہ بالکل صحیح اور درست ہو سکتا ہے۔ اور آیت کا مفاد بھی یہی ہے نہ اول کیوں کہ (وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته) نازل ہوا ہے نہ یہ کہ (وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به في عين وقت النزول)

تیسرے اِعتراض کا جواب

درصورت معدوم ہوجانے کفار کے فوقیت اور غلبہ متبعین کا جو مفاد ہے۔ (وجاعل الذين اتبعوك فوق الذين كفروا الى يوم القيامة) کا با قوے وجوہ متحقق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تحقق غلبہ کا اپنے کمال کو پہنچنا اسی طریق سے ہے کہ فریقِ مقابل اصلاً معدوم ہو جاوے۔ چنانچہ (ليظهره على الدين كله) کا تحقق یعنی دینِ محمدی علی صاحبها الصلوٰۃ والسلام کا غالب ہونا خطہ عرب میں اپنے کمال کو پہنچا کہ کوئی مخالف نہ رہا اور (واغرينا بينهم العداوة والبغضاء الى يوم القيامة) میں (الى يوم القيامة) تعبیر ہے طولِ زمان سے۔ جیسا کہ (مادامت السموات والارض) میں مفسرین نے لکھا ہے۔ قرینہ اس پر یہی احادیثِ صحیحہ ہیں۔

چوتھے اِعتراض کا جواب

عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ اہلِ کتاب کا ایمان لانا درضمن ایمان بہ افضل الاولین والآخرین سید نا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوگا تخصیص بالمسیح کی وجہ سے سوق آیۃ سے ظاہر ہے۔ جس سے یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر کی تصریح بھی موجہ ہو سکتی ہے یعنی اب تو یہود مسیح ابنِ مریم کو نبی نہیں مانتے۔ اور نصاریٰ صلیب پرستی اور استحلالِ خنزیر کو عیسوی دین خیال کرتے ہیں۔ مگر بعد نزولِ مسیح کے آسمان سے سب اہلِ کتاب مسیح کو مان لیں گے۔ اور مسیح بذاتِ خود صلیب پرستی اور استحلالِ خنزیر کو موقوف کرے گا۔ اور ان کو منجملہ مفتریات فی الدین المسیحی کے قرار دے گا۔ امروہی صاحب نے شاید یہ سمجھا ہے کہ یہود اس وقت صرف عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ ایمان لاویں گے۔ یہ نہیں خیال فرمایا کہ عیسٰی علیہ السلام تو خود ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دینِ پاک کی اشاعت کریں گے۔

پانچویں اعتراض کا جواب

جناب عالی جس قرآن مجید میں لتكونوا شهداء على الناس لکھا ہوا ہے اُس میں فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ؕ (نساء۔ ۴۱) بھی موجود ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر اُمت کا نبی اُس پر شاہد بنایا جائے گا۔ اور تجھ کو اے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس اُمت پر گواہ کیا جاوے گا۔ ابن کثیر، فتح البیان، جلالین۔ الغرض اُمتِ مرحومہ کی شہادت اور انبیاء کی شہادت باہم تنافی نہیں۔

قولہ۔ بعد اس کے امروہی صاحب فرماتے ہیں صفحہ ۸۵۔ کہ ہاں اگر آیت کے وُہ معنی (جو مختار ہمارے ہیں) لیے جاویں تو کوئی خرخشہ باقی نہیں رہتا۔ اور وُہ معنے یہ ہیں کہ تمام اہل کتاب حضرت عیسٰیؑ کے رفع سے لے کر خواہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک یا آخر زمانہ تک بلکہ قیامت تک کے اہل کتاب قتل صلیبی حضرت عیسٰیؑ سے اپنے متردّد اور شاک ہونے پر ایمان و ایقان رکھتے ہیں۔ اور یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے حضرت عیسٰیؑ کو مقتول بالصلیب کیا بسبب ان وجوہ قویّہ کے جو سیاق آیت میں مذکور ہوتی ہیں اور یقین واذعان تمام اہل کتاب کو قبل موت عیسٰیؑ بن مریم سے ہی ہے پس دیکھو یہ معنے کیسے صاف اور صحیح بلا خرخشہ ہیں۔

اقول۔ یہ معنے کیسے بے ربط اور خلاف محاورہ قرآن مجید و قرنِ اول کے ہیں۔ نعوذ باللہ من تحریف الجاھلین۔

بیت ؎ تُرا اژدہا گر بود یارِ غار ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

۱۔ اوّل تو اس معنی کی بناء واقعہ صلیبی پر ہے۔ لہٰذا سارے وجُوہ اس کے فساد کے جو پہلے بیان کیے گئے ہیں اس کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں۔

۲۔ یہوُد کا متردّد و مشکّک ہونا مسیح کی مقتولیّت کے بارہ میں آیت وماقتلوہ یقیناً سے معلوم ہو چکا۔ اور یہوُد کی تکذیب و تردید (اناقتلناالمسیح الخ) میں صرف اسی تردّد و شک کو دخل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہر ایک اِنسان کو اوصاف انضامیہ اپنے اپنے نفس کے ساتھ علمِ حضوری ہُوا کرتا ہے یعنی جس کو مثلاً "زیدٌ قائمٌ" کے مضمون میں شک ہے تو اس کے نزدیک قیام زید مشکوک ہُوا۔ اور وصفِ شک معلوم بعلمِ حضوری ٹھہری۔ اور سب محاوراتِ مروّجہ دُنیا کے برخلاف ہے کہ جب کسی کا شاک و متردّد ہونا یا ظن کرنا یا وہم کرنا، تخییل کرنا یا یقین کرنا کسی مضمون میں بیان کیا جاوے۔ تو بعد اس کے یہ مضمون کہ (وُہ شخص اپنے شک یا ظن یا وہم یا تخییل یا یقین کے ساتھ یقین رکھتا ہے) مؤکّد بانواع تاکید بیان ہو یعنی جب یہوُد مسیح کے قتل کے بارہ میں شاک اور متردّد تھے تو پھر اُن کو اپنا متردّد ہونا بداہتہً معلوم ہے۔ پھر اس امر بدیہی الوجود العلم کو اللہ تعالےٰ نے حرفِ تاکید اِنَّ اور نون تاکید اور لام توطیہ اور قسم سے مؤکّد کر کے کس کا انکار توڑنے کے لیے ذکر فرمایا ہے۔

۳۔ حسب قاعدہ امروہی صاحب کہ (نون التاکید لایوکد الامطلوباً) لیومننّ میں ایمانِ یہوُد بالشک والتردّد مطلوب خُداوندی ہوگا۔ پھر اس امر بدیہی الوجُود کی طلب اور اہتمام کی حاجت ہی کیا تھی۔

۴۔ کُل اہلِ کتاب قیامت تک کا یقین کرنا بہ تردّدِ مذکور بغیر اس کے نہیں ہو سکتا۔ کہ یہوُد موجُودہ در وقت واقعہ صلیب بالضرور خلف کو اپنے متردّد ہونے سے خبر دیتے گئے ہوں۔ ھلم جراً الیٰ یوم القیامۃ۔ اور باعث بریں ضرورت کوئی امر معلوم نہیں ہوتا بلکہ خبر نہ دینا اُن کا بدلیل استصحاب حال قرن بہ قیاس معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ بعض نصاریٰ کو مسیح کے قتل صلیبی کے ساتھ یقین ہے بخلاف یہوُد کے کما قال اللہ تعالیٰ وماقتلوہ یقیناً۔ اور اسی پر مبنی ہے کفارہ کا مسئلہ اور مخفی طور پر لاش کا نکالنا قبر سے تو پھر کُل اہل کتاب کا ایمان بہ تردّد مذکور کس طرح متصوّر ہو سکتا ہے۔

۶۔ ایمان کا اطلاق محاورۂ قرآنیہ و عرفِ شرعی میں یقینِ مخصوص پر آتا ہے یعنی یقین بالتوحید والرسالۃ والملئکۃ والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت نہ یہ کہ ہر ایک یقین کو ایمان کہیں۔ کجا کہ ایک غیر متیقن یعنی یقین بہ تردّد مذکور کا نام بھی ایمان ہو۔ رہا یہ اعتراض کہ تردّد مذکور بھی چونکہ مفہوم (وماقتلوہ یقیناً) کا ہے لہٰذا در ضمن ایمان بہ کتاب اللہ اس کے یقین کو بھی ایمان کہہ سکتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہوُد کا یقین بہ شک و تردّد مذکور چونکہ من حیث جاء بہ القرآن نہیں بلکہ صرف علمِ حضوری وجدانی ہے۔ لہٰذا اس کو ایمان نہیں کہہ سکتے۔ دیکھو فتوحات وکتبِ عقائد

الغرض بر تقدیر معنی امروہی و مرزا صاحب کے بالکل (لیؤمنن) عرفِ شرعی سے خارج ہو جاتا ہے بخلاف معنی ابُو ہریرہؓ و ابنِ عباسؓ وغیرہ کے۔ اَور یہی وجہ ہے حصر کی دونوں تفسیروں میں یعنی ابُو ہریرہؓ وابنِ عباسؓ کی، جن پر لیؤمنن منطبق ہو سکتا ہے بخلاف خرافات امروہی وغیرہ کے۔

۷۔ (قبل موته) کا ٹکڑا اِس تقدیر پر بالکل بے ربط ہو جاتا ہے۔ فتدبّر۔

۸۔ ویوم القیٰمة یکون الرسول علیھم شھیدا نظر بسوق آیۃ اجنبی ہو گا۔ مفسرین کی تفسیروں پر کوئی خرخشہ باقی نہیں رہتا۔ کما عرفت فتامل۔

۹۔ آپ کے معنے کے مُطابق بوجہ خارج ہونے ان اہلِ کتاب کے جو واقعۂ صلیبی سے پہلے مر گئے تھے آیت مذکور کا حصر باطل ہو گا۔ والجواب ھو الجواب فتامل۔ اَور شمس الھدایت میں صفحہ ۳۸ پر حاشیہ متروکہ میں (یا ضمیر بہ کے مضمون بالا کی طرف یعنی مرفوُع ہونا عیسٰی علیہ السلام کا) سطر ۵ اکا نہیں۔ اِس سطر میں نشان ۵ کا (ملے) پر کاتب کی غلطی اَور مصحح کی غفلت سے ہے کیونکہ عبارت متن کی اس کے بعد (اَور آثار صحابہ اَور تابعین مثل ابنِ عباسؓ وابی ہریرہؓ و عبداللہ بن مسعودؓ، مجاہدؒ و قتادہؒ وغیرہم کی اس پر دال ہیں) چسپاں نہیں ہوتی۔ کیونکہ کسی نے حضرات مذکورہ سے (بہ) کی ضمیر مضموُن بالا کی طرف راجع نہیں کی۔ بلکہ یہ حاشیہ سطر ۱۷ کے آخیر سے تعلق رکھتا ہے جس کا ارادہ سطر ۱۸ میں "لیکن" سے دفع کیا گیا۔

قولہٗ۔ پھر امروہی صاحب نے صفحہ ۸۷ میں ابُو ہریرہؓ پر اعتراض یا افتراء باندھا کہ اِستشہاد ابُو ہریرہؓ کا آیت وان من اھل الکتاب کے ساتھ بخیال مفسرین اگر ہو تو صحیح نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر حدیثِ نزُول میں مسیح موعُود قادیانی کو لیا جاوے۔ اَور آیت کا اشارہ کسرِ صلیب کی طرف کیا جاوے تو یہ اِستشہاد درُست ہو سکتا ہے۔ گویا ابُو ہریرہؓ نے آیت کے مفہُوم کو شاہد قرار دیا حدیث کے منطوق پر اَور بس۔

اقول۔ حاصل یہ ہُوا کہ اگر ابُو ہریرہؓ اپنی مروی حدیثِ نزُول سے آپ کے خیال کے مُطابق غلام احمد قادیانی لیویں تو اِستشہاد بہ آیت درست ہے ورنہ نہ۔ ناظرین اس مالیخولیا کا علاج خود ہی نظرِ غور و بغض انصاف سے فرما سکتے ہیں۔

قولہٗ۔ صفحہ ۸۸ سے صفحہ ۹۱ تک کا حاصل:۔ ابُو ہریرہ کی حدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیھلن عیسٰی بن مریم بفج الروحاء بالحج والعمرۃ او بنیتھما جمیعا۔ مسند امام احمد ومُسلم۔ امروہی صاحب فرماتے ہیں چُوں کہ روحا کسی مُلک کا میقات نہیں جس سے احرام باندھا جائے۔ لہٰذا یہ حدیث اپنے ظاہری معنوں پر محمُول نہیں ہو سکتی۔ تاویلی معنی بہت صاف ہیں۔ اہلال اَور تلبیہ مسیح کی سے مُراد تبلیغ دعوتِ اسلام ہے۔ اَور پنجاب بہ لحاظِ کثرتِ انہار و دریاؤں اَور نیز بوجہ دوآبوں کے بالضرور فج روحا ہے۔ گویا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ اس کے گاؤں قادیان کا پتہ اَور کلام الٰہی میں اس کی مسجد اَور اقصٰے کا ذکر ہُوا۔ اسی طرح پر اس کے مُلک کا پتہ و نشان یہ دیا کہ وُہ ایک فج روحا ہے جو مُلک پنجاب ہے۔ الغرض روحا جو عرب میں مدینہ طیبہ سے تیس چالیس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ کما فی القاموس۔ اس حدیث میں وُہ مُراد نہیں۔ بلکہ پنجاب سے فج روحا کے ساتھ کفایۃً تعبیر کی گئی۔ فان المجاز والکنایۃ ابلغ من الحقیقۃ والتصریح۔

اقول۔ ان تحریفات و خرافات کی تردید کی حاجت نہیں۔ اَور یہ جو کہا ہے کہ روحا کسی مُلک کا میقات نہیں۔ لہٰذا اس سے اہلال یعنی احرام حج متصوّر نہیں ہو سکتا بالکل جہالت ہے۔ کیونکہ ذُوالحلیفہ یا ذات العرق یا جحفہ قرن یا یلملم جو کتب اسلامیہ میں مواقیت الحج ہیں۔ ان کے میقات حج ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ان مقامات پر احرام باندھتے ہیں۔ اَور بغیر احرام باندھنے کے گذرنا حرام

ہے یہ نہیں کہ ان کے پہلے احرام کا باندھنا حرام ہو۔ لہٰذا مسیح کا احرام باندھنا فج روحات مخالف شرع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ہوا۔ تاکہ تاویل کی حاجت ہو۔

قولہٗ صفحہ ۹۲-۹۳ کا حاصل۔ امروہی صاحب فرماتے ہیں کہ احادیث میں نزول سے مراد نزول بطور بروز کے ہے۔ اور بروز کا مسئلہ فتوحات کے باب ۳۶ و ۳۷ سے جو بیان عیسوی اور قطاب عیسوی میں ہیں ثابت ہے۔ اور قرآن مجید سے بھی کما قال اللہ تعالیٰ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (واقعہ۔ آیت ۶۰-۶۱) اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ بعد موت کے امثال موتے کے پیدا کرتا رہتا ہے۔ اور نیز متعدد آیات سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار یہود موجودین عہد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب فرمایا ہے۔ اور مراد اس سے کفار یہود و عہد موسیٰ ہیں۔ اگر اول الذکر امثال ثانی الذکر کے نہیں تھے تو پھر مضمون قرآنی سے طرز خطاب سے غلط ہوا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً (بقرہ۔ آیت ۵۵) وایضاً وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ (بقرہ۔ آیت ۶۱) ایضاً وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ (بقرہ۔ آیت ۵۰) وایضاً وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ (بقرہ۔ آیت ۵۷) علاوہ اس کے قرآن مجید میں ہر ایک مومن کو مثیل مریم فرمایا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا الیٰ قولہٖ تعالیٰ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (تحریم ۱۲) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک مومن مثیل مریم ہے تو مومن کی اولاد ابن مریم ہوئی اور نیز حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل بھی موجود ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ادنیٰ سی وجہ شبہ سے مثیل عیسیٰ قرار دیا ہے تو اس مجدد عظیم الشان (قادیانی) کو باوجود مشابہت تامہ کے مثیل مسیح کیوں نہ قرار دیا جاوے۔ انتہی

اقول۔ وبہ استعین (۱) اول "بروز" کا معنے ناظرین کی خدمت میں ہدیہ کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد خود ہی انصاف فرما سکتے ہیں۔ اہل کمون و بروز کی اصطلاح میں بروز اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص کامل کی روح دوسرے شخص مبروز فیہ میں بصفات خود ظہور کرے۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات کی دوسری جلد کے صفحہ ۵۸ میں فرماتے ہیں کہ "در بروز تعلق نفس بہ بدن از برائے حصول حیات نیست کہ ایں مستلزم تناسخ است بلکہ مقصود ازیں تعلق حصول کمالات است مرآں بدن را چناں کہ جنی بفرد انسانی تعلق پیدا کند و در شخص او بروز نماید و مشائخ مستقیم الاحوال بعبارت کمون و بروز ہم لب نمی کشایند۔" اس کے بعد فرماتے ہیں "نزد فقیر قول بنقل روح از قول بتناسخ ہم ساقط تر است زیراکہ بعد از حصول کمال نقل ببدن ثانی برائے چہ بود۔" پھر فرماتے ہیں۔ "والیضاً۔ در نقل روح اماتت بدن اول است و احیاء بدن ثانی" پھر فرماتے ہیں۔ "افسوس ایں قسم بطالان خود را بمسند شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہل اسلام گشتہ ضلوا فاضلوا انتہی ملخصاً" پس امام ربانی کے قول سے ظاہر ہے کہ معنی "بروز" بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ ایک کامل کی روح دوسرے ناقص کے بدن میں بروز اور ظہور کرے۔ اب معروض ہے کہ اگر احادیث نزول میں عیسیٰ سے مراد نزول بروزی ہے غلام احمد قادیانی ہیں، تو اس کی یہی صورت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بصورت غلام احمد قادیانی متولد ہوئے یا قادیانی میں ظاہر ہوئے پہلی صورت میں عیسیٰ اور قادیانی کا شخص واحد ہونا لازم آتا ہے۔ وہو خلف عند خصم ایضاً کما ہو فی الواقع اور دوسری صورت میں ایک بدن میں دو روح کا ہونا لازم آتا ہے جو بالکل باطل ہے اور مناقض قواعد حشر و نشر کے ہے پس معلوم ہوا کہ عیسیٰ بن مریم کا نزول بصورت بروز بہت سے مفاسد کا باعث ہے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اور قابل افسوس تو یہ ہے کہ بروز عیسوی فی القادیانی نے بجائے اس کے کہ فیما بین بارز و مبروز فیہ محبت و اتحاد ہو اور نفع و انتفاع۔ قادیانی سے عیسیٰ ابن مریم کو مکار و فریبی اور پشت بہ پشت زنا کاروں کا بیٹا کہلوانے کا اتحاد پیدا کیا۔ دیکھو ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷ سطر ۱۶ و ۱۷۔ اور امت محمدیہ کو یہودی ہونے کا خطاب دلوایا۔ دیکھو انجام آتھم صفحہ ۲۱ میں امت مرحومہ کے مولویوں کو جلی قلم کے الفاظ ذیل سے خطاب کیا۔ "اے بدذات فرقہ مولویاں!

تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ کب وُہ وقت آئے گا کہ تم بیہودانہ خصلت کو چھوڑو گے۔ اَے ظالم مولویو تم پر افسوس ہے کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا۔ وُہی عوام کالانعام کو بھی پلا یا۔)

اَب سُنیئے فتوحات کے ۳۶ باب کا خُلاصہ:۔ شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم چُونکہ شرائع سابقہ پر مشتمل اَور سب کی جامع ہے لہٰذا تابع شرعِ محمدیؐ پر بوقت عمل وسلوک برین شرع شریف، شرع عیسوی یا مُوسوی یا ابراہیمی وغیرہ کے اسرار واحوال بحسب اختلاف الاستعدادات مکشوف اَور وارد ہوتے ہیں۔

محمّدی درویش و تابع کو مُوسوی المشرب یا عیسوی المشرب کہنا اسی مقام سے ہے یعنی اس نے عیسوی شریعت کے واردات درضمن اتباعِ شرعِ محمّدیؐ حاصل کیے ہیں۔

سیدنا غوثِ اعظم جیلی قدس سرہٗ اِس مقام سے خبر دیتے ہیں:۔

وکل ولی لہٗ قدم وانی　　　علی قدم النبی بدر الکمال

عیسٰی ابنِ مریم کے حواری جیسے کہ عیسویئن کہلاتے ہیں۔ ایسے ہی شرعِ محمّدیؐ کے متّبعین میں سے بھی عیسویین ہوتے ہیں۔ اَور ہمارے زمانہ میں عیسٰی ابنِ مریم کے حواریوں میں سے بعض لوگ زندہ ہیں۔ چنانچہ زریت بن برثملا مطلقاً عیسویین کی علامات میں سے ہے کہ ان کی زبان پر بجز کلمہ خیر کے نہیں گذرتا۔ چنانچہ عیسٰی ابنِ مریم نے خنزیر کو الخ بہ سلام بولا تھا۔ کسی نے اس کی وجہ دریافت کی، تو فرمایا کہ اعود لسانی قول الخیر۔ اپنی زبان کو کلمہ خیر کی عادت ڈالتا ہُوں۔ مِن جُملہ ان علامات کے یہ بھی ہے کہ جس چیز کو دیکھتے ہیں اُس کی بھلائی پر ان کی نظر پڑتی ہے۔

ناظرین یہ ہے خُلاصہ فتوحات کے باب ۳۶ کا۔ اَب امروہی صاحب سے دریافت فرماویں کہ کہاں ہے ذکر بُروز کا۔ جس کا معنے بہ نقل عبارت حضرت مجدد صاحبؒ لکھ چکا ہُوا)۔ ہاں عیسوی المشرب لوگوں کا ذکر ہے جن میں نزولِ عیسٰی بمعنے بروز کے نہیں۔ بروز تو الگ رہا صرف عیسوی المشرب کی علامات مذکورہ فی الباب قادیانی صاحب میں کہاں ہیں۔ البتہ بجائے کلمہ خیر کے دُشنام بازی میں اوّل نمبر ہیں۔

فتوحات کے باب ۳۷ کا حاصل:۔ عیسوی قطب جب چاہتا ہے کہ کسی شخص کو (جس کی استعداد کا علم اس کو باعلامِ الٰہی ہو جاتا ہے) اپنے احوال میں سے کچھ عنایت کرے تو اِن وجوہِ مفصّلہ ذیل سے دیتا ہے۔

۱۔ لمس ہاتھ لگانے سے۔

۲۔ معانقہ سے۔

۳۔ بوسہ دینے سے۔

۴۔ کپڑا دینے سے۔

۵۔ یا اس کو کہتا ہے کہ اپنا کپڑا بچھا اور پھر ہاتھ سے اس میں کچھ ڈالتا ہے۔ دیکھنے والے خیال کرتے ہیں کہ ہوا میں ہاتھ ڈال رہا ہے تو اُس شخص میں حال عیسوی قطب کا سرایت کر جاتا ہے۔ منجُملہ علامات ان کے بلاغت سے گفتار ہیں۔ اَور باوجود اُمّی اَن پڑھ ہونے اس کے اعجاز قرآن کو جانتا ہے۔ معیار اس کا التزام حق کا ہے اقوال وافعال واحوال میں۔ نیز اس کو اسرار علم طبیعت و تالیف و تحلیل اس کے اَور منافع اشیاء کے معلُوم ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ راستہ میں چلتے ہُوئے ہر ایک بُوٹی اس کو اپنے منافع سے بول کر اطلاع دیتی ہے۔ بعد اس کے اُس کو اسماء الٰہیہ کا علم دیا جاتا ہے۔ اَور نیز اس کو نشاء طبیعت و

نشاۃ روحانیت دُنیا اور آخرت دونوں میں خود دُنیا و آخرت کی معرفت دی جاتی ہے۔

فتوحات کے باب ۳۶ اور ۳۰۷ کا حاصل ملاحظہ کرنے کے بعد بجائے اس کے کہ مرزا کو کچھ نفع حاصل ہو اُلٹا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے کیونکہ علاوہ انتفاء ان علامات کے، صاحب فتوحات تو زیت بن برثملا وصی مسیح بن مریم کی روایت سے اسی مسیح بعینہٖ کو دوبارہ دنیا میں لاتے ہیں۔ اور اگر بروز سے مُراد تصرف کرنا رُوح عیسوی کا مرزا صاحب کے بدن میں ہو۔ چنانچہ شیخ محمد اکرم صاحب اقتباس الانوار میں لکھتے ہیں کہ بروز آں را نامند کہ روحانیت کمل در بدن کامل تصرف نماید و فاعل افعال او شود" تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس تقدیر پر رُوح عیسوی کا تصرف بدن مثالی کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ حضرت محمد اکرم صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ مے گویند مورسطور مفی لتہ عنہ شاید کہ روحانیت علی مُرتضےٰ دو بست سال پیش از ولادت خود وجود مثالی گرفتہ سلمان فارسی را از شیر نجات بخشیدہ باشد" الغرض اگر بدن مثالی میں ہو کر رُوح عیسوی متصرف ہو تو مسیح موعود مرزا صاحب نہ رہے بلکہ خود عیسیٰ بن مریم جسم مثالی میں مسیح موعود ہوا۔ جو مغائر ہے مرزا صاحب سے اور برخلاف ہے ان کے دعوے کے۔ اور اگر مرزا صاحب کے بدن میں ہو کر رُوح عیسوی متصرف ہے اور بصورت مرزا صاحب ظاہر ہوا ہے تو عیسیٰ ابن مریم اور غلام احمد قادیانی ایک چیز کا نام ہوا۔ یہ بھی برخلاف ہے دعوے مرزا صاحب کے اور فی الواقع بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ عیسیٰ ابن مریم قرآن مجید میں انبیاء کی فہرست میں شمار کیے ہوئے ہیں۔ اور رُوح القدس کے نفخ سے بغیر باپ کے پیدا ہیں۔ والدہ ماجدہ ان کی مریم ہے۔ الی غیر ذالك من الخصوصیات۔ اور اگر مرزا صاحب کے بدن میں مرزا صاحب کی رُوح کی طرح متعلق ہوا ہے تو ایک بدن میں دو رُوح کا ہونا لازم آتا ہے۔ اور نیز حضرت شیخ محمد اکرم اقتباس الانوار صفحہ ۲۵ سطر ۲ میں فرماتے ہیں "وبعض برانند کہ رُوح عیسےٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت ازیں بروز است مطابق ایں حدیث (لامھدی الاعیسی) وایں مقدمہ بغایت ضعیف است"۔ اسی کتاب میں دُوسری جگہ بھی اس قول ضعیف کی تردید فرماتے ہیں کما سبق۔

اور سب سے حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ آیت نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (واقعہ - ۶۰) کو اس بروز کے ساتھ کیا تعلق کیونکہ آیت میں انتقال رُوح دُوسرے بدن کی طرف نشاءِ دُنیا میں ثابت نہیں ہوتا۔ خواہ امثال کو جمع مثل کی بفتحتین ٹھہرا دیں۔ یا جمع مثل بمعنے مثیل کے۔ برتقدیر اوّل آیت کا مفاد تغیر اوصاف ہوگا۔ یعنی طفولیت اور شباب اور کہولت اور شیخوخت اور برتقدیر ثانی یا تو تبدل اشکال دُنیویہ و اُخرویہ پر دلالت کرے گی اور یا تبدل اشخاص دُنیویہ و اُخرویہ پر جو متخالفۃ الرُّوح والجسم ہوں گے۔ اور یا تغیر اشخاص دُنیویہ پر علی سبیل المسخ علی ما قال الحسن ای نجعلکم قردۃ وخنازیر۔ پہلی صُورت میں تو ظاہر ہے کہ رُوح کا انتقال ہی نہیں صرف اوصاف طفولیت وغیرہ وغیرہ کا تغیر ہے۔ دُوسری صُورت میں منتقل الیہ جسم حشری ہے۔ مرزا صاحب تو ابھی دُنیا ہی میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور تیسری صُورت میں آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ (تم کو اور جہان میں لے جاویں اور تمہاری جگہ یہاں اور خلقت بسا دیں) تو اس صُورت میں مماثلت بمعنے دخول تحت النوع الواحد ہوئی۔ اور امثال بایں معنے مسلم بین الفریقین ہیں۔ نہ ہم کو مُضر ہیں اور نہ آپ کو مفید۔ کیونکہ اہل اصطلاح بروز و کمون اس کو بروز نہیں کہتے۔ رہی چوتھی صُورت، سو اس کو علاوہ مخالفت اہل اصطلاح کے، مرزا صاحب بھی ناگوار سمجھیں گے۔ اور نیز تبدیل امثال کا آیت سے صرف تحت القدرۃ اور مقدور ہونا ثابت ہوتا ہے نہ وقوع اس کا کما ہو مزعوم الجناب۔

دُوسری آیت وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (تحریم - آیت ۱۱) اس آیت کو بھی مسئلہ بروز سے کوئی تعلق نہیں۔ صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر مومن مثیل فرعون کی عورت اور مریم کا ہے۔ اور یہ مماثلت بھی

آپ کے مُدعا کو مُفید نہیں کیونکہ محلِ بحث یعنی حدیثِ نزُول میں، آپ ابنِ مریم سے غلام احمد قادیانی مُراد لیتے ہیں۔ اِس خیال پر کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ابنِ مریم یا عیسٰی سے مثیل اِس کا لیا ہے۔ سو اوّلاً گذارش ہے کہ تا وقتیکہ تعذّرِ حقیقت ثابت نہ ہو۔ آپ مجاز کے مجاز نہیں ہوسکتے۔ حالانکہ تعذّرِ حقیقت کے دلائل کا فساد اور مزید برآں اِرادہ حقیقت کا وجُوب ثابت ہوچکا ہے۔

ثانیاً آں کہ قطع نظر تعذّرِ حقیقت وغیرہ سے، آیت کا مفاد تو صرف اِتنا ہی ہے کہ وصفِ ایمان علاقہ مُصحح الارادۃ القادیانی ابن مریم سے ہے۔ یعنی اگر لفظ مریم سے قادیانی بعلاقہ ایمان مُراد رکھا جاوے۔ تو یہ علاقہ اِس ارادہ کے لیے صلاحیّت رکھتا ہے اور صرف صلاحیّت بغیر اِس کے کہ وقوعِ استعمال فی غیر محل النزاع قرآن یا حدیث سے ثابت کیا جاوے، مُفید نہیں۔ ناظرین خُدارا انصاف فے کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن یا حدیث میں ایک جگہ بھی (مریم) یا (امرأۃ فرعون) کے لفظ سے مُراد کوئی مومن ہے۔ اور خود مریم اور فرعون کی عورت مُراد نہیں۔

ثالثاً۔ "ابن مریم" سے مُراد ہونا قادیانی صاحب کا چُنانچہ اِسی جگہ صفحہ ۹۳ سطر ۸ پر امروہی صاحب لکھتے ہیں (کہ ہر ایک مومن مثیلِ مریم ہے۔ تو مومن کی اَولاد ابنِ مریم ہوئی) جبھی ہوسکتا ہے کہ پہلے قادیانی صاحب کے والدِ مرحُوم غلام مرتضٰی مریم کے لفظ سے کسی استعمال میں، پنجابی ہی سہیٔ مُراد لیے گئے ہوں یعنی پہلے غلام مرتضٰے صاحب کو "مریم" کے لفظ سے پُکارا گیا ہو تو پھر مرزا صاحب ابنِ مریم یعنی مریم کے مثیل کا بیٹا بن سکتے ہیں۔ الغرض باپ اور بیٹے دونوں میں وقوع وثبُوتِ استعمال مفیدِ مدعٰی ہوسکتا ہے نہ صرف صلاحیّت ایسا ہی اگر (ابن مریم) سے قادیانی صاحب مُراد لیے جاویں۔ تو یہاں پر بھی علاقہ مُصحّح للمجازہ کا کام نہ دیوے گا۔ جب تک کہ غیر محلِ نزاع میں کتاب وسُنّت سے وقوعِ استعمال ثابت نہ کیا جاوے۔

رہی تیسری آیت جس کو امروہی صاحب نے "برُوز" کے اثبات میں پیش کیا ہے۔ وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً (بقرہ۔۵۵)۔ اِس میں فرماتے ہیں۔ کہ کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وقت کے یہُود نے کہا تھا کہ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً یا یہ مقولہ حضرت مُوسٰی علیہ السّلام کے وقت کے یہُود کا ہے۔

حضرات ناظرین غور فرماویں کہ اِس آیت کو بھی پہلی آیات کی طرح کوئی تعلق مسئلہ "برُوز" سے نہیں۔ کیا اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مُوسٰے علیہ السّلام کے وقت کے یہُودیوں کے اَرواح منتقل ہوکر بابدان یہُود متعلق ہوگئے تھے موجُودہ وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے۔ یا کہ ان اَرواح نے اَرواح کاملین کی طرح یہُودِ موجُودہ زمان سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ابدان میں کوئی تصرّف کیا تھا۔ خُدارا انصافے۔ اِس مضمُون کا ذکر اِس آیت میں صراحتاً یا کنایتہً پایا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہاں پر صرف اِتنا ہی ہے کہ نسبت قول کے وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نَّصۡبِرَ الخ میں اور نسبت فرق کے وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ اور نسبت تظلیل کے علیٰ سبیل الوقُوع وَظَلَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡغَمَامَ اور نسبت انزال کے علیٰ طریق الوقوع وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى میں جو فی الواقع یہ نسبتیں یہُودِ موجُودہ زمان مُوسٰی علیہ السّلام کی طرف تھیں۔ ان آیات میں یہُودِ موجُودہ بزمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے کی گئیں۔ جس کو اِنتساب الفعل اِلٰے غیر ماہولہٗ کہتے ہیں۔ عالمانِ علم معانی جانتے ہیں کہ یہ مجاز فی الاسناد کے قبیلہ سے ہے نہ مجاز فی المفرد یا مجاز فی الطرف یعنی یہ نہیں کہ یہُودِ موجُودہ بزمان نبوی سے مُراد وُہ یہُود ہوں جو بزمان مُوسٰے موجُود تھے۔

امروہی صاحب نے ان آیات میں دو طرح سے کمال کیا۔ ایک تو برُوز کا اثبات دُوسرا مجاز فی الاسناد کو مجاز فی الطرف بنا دیا۔ اُردُو خوانوں بے چاروں کو کیا خبر ہے۔ وُہ تو اِس خیال سے کہ آپ قرآن کریم اور احادیث کو حافظوں کی طرح پڑھتے جاتے ہیں چاہے بے محل ہی کیوں نہ ہوں۔ آمنّا وصدّقنا کہیں گے۔ مگر یہ فرمایئے کہ آپ بروزِ محشر کیا جواب دیں گے۔ ناظرین کو اِس تقریرِ سابق سے

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کاحال بھی معلوم ہوسکتا ہے۔ یعنی برتقدیر صحت حدیث کی تا وقتیکہ استعمال موسیٰ و عیسیٰ و ہارون و یوسف وغیرہ بنی اسرائیل کا کسی عالم محمدی میں کتاب و سنت سے ثابت نہ ہو۔ یہ استدلال بھی مفید نہیں۔ نہ مسئلہ بروز ہیں اور نہ مجاز مستعار ہیں۔

قولہٗ - ۹۴ سے ۹۰ تک کا حاصل مسیح موعود کا حلیہ معہ افعال مختصہ اور اس کے زمانہ کی خصوصیات قادیانی کی ذات اور افعال اور زمان پر صادق ہے۔

اقول - جب نزول اسی مسیح ابن مریم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و السلام کا نصوص و اجماع سے ثابت ہو چکا ہے تو یہ تاویلات یا تحریفات جن پر لڑکے بھی ہنسی کرتے رہے ہیں عبث اور فضول ہیں۔ بالفرض اگر مسیح موعود مسیح ابن مریم نہ بھی ہو۔ تو بھی قادیانی صاحب بوجہ صداقت الہامی اور تفسیر قرآنی کے جو اسی رسالہ کے اول پبلک پر ظاہر ہو چکی ہیں ہرگز ہرگز مسیح موعود نہیں ہو سکتا۔ مسیح موعود کے لیے قرآن اور حدیث اور الہامات و افعال میں مہارت اور صداقت اور راست بازی ممتازہ فائقہ کا ہونا ضروری ہے۔ قادیانی صاحب کو نہ صرف خصوصیات مسیحیہ بلکہ علامات مہدویہ بھی، جن کی تصریح احادیث صحیحہ مذکورہ فی ابتداء ہذہ الرسالہ میں کی گئی ہے، کاذب ٹھہراتے ہیں۔

قولہٗ - صفحہ ۹۳۔ انہ نازل بطور مسئلہ بروز کے ہے۔

اقول - اگر بطور بروز فرمایا ہوتا تو بزعم قادیانی چونکہ اس میں بروز محمدی بھی ہے لہٰذا وانہ نازل کی جگہ ونحن نازلون فرمانا بمقتضائے مقام ضروری تھا کیونکہ ماقبل میں وجہ قرب و مناسبت بہ عیسیٰ بن مریم بیان کی گئی ہے۔ دیکھو لانہ لم یکن نبیٌّ بینی و بینہ لہٰذا بیان شرکت فی النزول بقولہ ونحن نازلون معاً واجب ٹھہرا۔ نزول بروزی کا بطلان مفصل طور پر گذر چکا ہے۔

قولہٗ - پھر امروہی صاحب صفحہ ۹۴ پر (علیہ ثوبان ممصران) کو ظاہری معنے پر حمل نہ کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ کوئی وصف ممتاز نہیں کیونکہ ہر ایک شخص سرخ مٹی سے رنگا ہوا کپڑا پہن سکتا ہے۔

اقول - کیوں حضرت یہ وجہ تو پہلے فقرہ حدیث میں بھی موجود تھی (رجل مربوع الی الحمرۃ والبیاض) کیونکہ اعتدال اور گندم گونی اور اشخاص میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس میں تاویل نہ کرنے کی وجہ کیا ہے۔ کیا اس جگہ الکنایۃ ابلغ من التصریح کو بھول گئے ناظرین کو معلوم ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسیح موعود کا حلیہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ وہ معتدل اندام اور رنگ اس کا سرخی اور سپیدی کی طرف میلان کرے گا۔ اور نزول کے وقت اس پر دو کپڑے سرخ رنگ کے ہوں گے۔ اس کلام میں تاویل کا کوئی حق نہیں اور وصف ممتاز ہونا کبھی بحسب مجموع اجزاء کلام کے ہوتا ہے۔ اور کبھی بحسب بعض دون بعض اور وصف غیر ممتاز کا بیان صرف واقعی طور پر ہوتا ہے نہ علی سبیل الاحتراز کما ھو شان القیود فانھا قد تکون لبیان الواقع و احیانا للاحتراز۔

قولہٗ - پھر اسی صفحہ پر (ثوبان ممصران) کی تعبیر دنیا کی خوشحالی اور توفیق فرائض منصبی مسیح سے لکھتے ہیں۔

اقول - آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسیح موعود کے خصوصیات بیان فرمانا ذاتی اور زمانی کو چونکہ اس لیے تھا کہ امت مرحومہ کسی جھوٹے مسیح کے دام میں نہ پھنس جاوے۔ بنا بریں اگر ظاہر معنی مراد نہ تھا تو علیہ ثوبان ممصران کی تعبیر کا بیان بھی ضروری تھا تاکہ امت مرحومہ کو بجائے منفعت الٹا نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امروہی صاحب جیسا علم تعبیر الرؤیا میں ادراک نہ تھا۔ یا آپ کو قصداً العیاذ باللہ دھوکہ دینا منظور تھا۔ امروہی صاحب نے علم معانی سے ایک ہی مسئلہ الکنایۃ ابلغ من التصریح اور علم تعبیر الرؤیا سے یہ کہ سرخ کپڑے سے مراد خورمی اور توفیق طاعت ہوتی ہے، خوب یاد کر لیا ہے۔ مگر محل بے محل یکساں ہی جاری کیے جاتے ہیں۔ خدا کے بندے اگر کسی نے شیر کو دیکھ کر کہا ہو کہ رأیت اسداً، یا کسی پر زرد رنگ کا کپڑا دیکھ کر کہا کہ رأیت فلانا علیہ ثوب ممصر۔ کیا آپ

یہاں پر بھی وُہی کنایہ اَور تعبیر پیے جاؤ گے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وُہ عیسٰے جو میرے سے پہلے گذرا ہے اَور میرے اَور اُس کے مابین کوئی نبی نہیں ہوا، اُترنے والا ہے پس تم جب کہ اس کو دیکھو تو پہچانو اس کو اس حُلیہ اَور علامات سے کہ وُہ ایک مرد ہو گا مُعتدل اندام مائل بہ سُرخی و سفیدی جس پر دو کپڑے سُرخ ہوں گے۔

قولہٗ۔ پھر اسی صفحہ پر امروہی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ دونوں کپڑے حضرت مسیح اقدس سیدنا مسیح موعُود علیہ السلام پہنے ہُوئے ہیں، دُنیا کی حیات طیبہ جو اُن کو حاصل ہے وُہ شاید کسی بادشاہ بلکہ شہنشاہ کو بھی نصیب نہ ہو گی۔ اَور فرائض منصبی تجدید دین کے جو اللہ تعالےٰ اُن کے ہاتھوں سے کرا رہا ہے۔ دُنیا بھر میں کوئی نظیر ان کا اس باب میں معلوم نہیں ہوتا۔

اقول۔ کیا عیسوی اَور محمدی بروز "و تشبہ والوں کی دُنیاوی معاش ایسی ہونی چاہیے جس کو آپ بیان فرما رہے ہیں۔ یہاں تو محمدی اَور عیسوی بروز تشبہ کا انکار ہے یعنی قادیانی صاحب بھی اگر جُداگانہ مشابہت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اَور عیسٰیؑ ابن مریم علیہما السلام سے رکھتے۔ تو ان کی طرح دُنیا میں رہتے۔ اَور بجائے فرائض منصبی تجدید دین کے فرائض منصبی تحریف دین کے ادا نہ کرتے۔

قولہٗ۔ پھر امروہی صاحب اسی صفحہ پر کان راسہ یقطر وان لم یصبہ بلل کی تاویل کرتے ہیں یعنی وُہ حقائق و معارف قرآنی کا مالک ہو گا۔

اقول۔ یہ فقرہ حدیث مذکور کا بھی اپنے ظاہر پر ہی محمول ہے یعنی اس کے سَر سے پانی کے استعمال کے بغیر بھی قطرات ٹپکتے ہُوئے معلوم ہوں گے یعنی ذاتی رطوبت ان میں ہو گی نہ عارضی۔ اَور اس فقرہ میں بھی امر واقعی کا بیان ہے۔ کوئی قرینہ صارفہ عن الظاہر باعثہ علی التاویل نہیں۔ اَور پھر ایسی تاویل کہ قرآن اَور سُنت کے محرّف کو قرآنی حقائق و معارف کا مستحق ٹھہرایا جاوے۔ العیاذ باللہ ہاں اس حدیث میں فقرہ یکسر الصلیب اَور ایسا ہی ویقتل الخنزیر میں قرینہ صارفہ موجُود ہے۔ لہٰذا کسر الصلیب اَور قتل خنزیر سے مُراد ابطال دین نصرانیت کا ہے۔ جہاد سے ہو یا صرف دعوت و تبلیغ سے۔ چنانچہ دونوں پر دال ہیں احادیث صحیحہ جو قتل دجال و یاجوج و ماجوج وغیرہم میں وارد ہیں۔ امروہی صاحب کا شرح حدیث کی طرف صرف ابطال بالحجج کو منسُوب کرنا جیسا کہ صفحہ ۹۵ سطر اوّل پر لکھتے ہیں۔ ای یبطل دین النصرانیۃ بالحجج والبراھین۔ چالاکی اَور دجل ہے بالحجج والبراہین۔ ایسا ہی آپ کے حاشیہ میں یقتل الخنزیر سے مُراد یہ ہے کہ مسیح ابن مریمؑ صلیبی پرستش و استحلال خنزیر کو، برخلاف مزعوم وافترا نصاریٰ، حرام و باطل کہے گا یعنی میرے دین میں دونوں امر نہیں۔ ان کو دین مسیح سے قرار دینا نصاریٰ کا افترا تھا۔ اَور بُخاری کی روایت میں فقرہ حتی تکون السجدۃ خیراً من الدنیا، جو غایت ہے کسر صلیب اَور قتل خنزیر یعنی ابطال دین نصرانیت کے لیے، کما قال فی مجمع البحار غایۃ لمفھوم یکسر الصلیب، قتل لیکھرام کے ارادہ کو باطل کر رہا ہے کیونکہ لیکھرام کا قتل عرصہ سے متحقق ہو چکا ہے۔ حالانکہ سجدہ کا پیارا معلوم ہونا ساری دُنیا سے اب تک موجُود نہیں ہوا۔

قولہٗ۔ پھر اسی صفحہ ۹۵ پر لکھتے ہیں۔ ویضع الجزیۃ مُراد یہ ہے کہ جہاد کو موقوف کر دیوے گا۔ جیسا کہ یضع الحرب وارد ہے تو پھر جزیہ کیوں کر قائم ہو سکتا ہے۔ جزیہ تو متفرع ہے جہاد پر۔ جب جہاد ہی نہ ہوا تو جزیہ بھی نہیں ہو سکتا۔ انتہی

اقول۔ ناظرین خُدارا انصاف۔ یضع فعل متعدی ہے۔ معنی یہ ہوا۔ وُہ مسیح جزیہ کو موقوف کر دے گا۔ اب غور فرماویں کیا قادیانی جو باقی رعایا کی طرح زیر سایۂ گورنمنٹ بحفظ و امان ایام بسر کر رہا ہے۔ یہ استحقاق رکھتا ہے کہ جہاد کرنا یا نہ کرنا یعنے اُسے موقوف کر دینا اس کا منصب ہو؟ تو یہ ظاہر ہے کہ بوجہ من جملہ رعایا ہونے کے جہاد کرنے کا منصب نہیں رکھتا۔ رہا جہاد کا موقوف کر دینا سو حسب محاورہ یہ جُملہ بھی اسی پر صادق آسکتا ہے جو جہاد کرنے کی حیثیت رکھتا ہو اَور پھر جہاد نہ کرے مثلاً بادشاہ اسلام نے جس وقت مخالفین اسلام

پر جزیہ مقرر کر دیا۔ یا کوئی مخالف باقی نہ رہا۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے جہاد کو موقوف کر دیا ہے۔ قادیانی بے چارہ بھلا گورنمنٹ پر کیا احسان جتلا سکتا ہے۔ اور بدیں وجہ من جملہ خدام گورنمنٹ کے شمار کیا جا سکتا ہے کہ اُس نے جہاد کو موقوف کر دیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ گورنمنٹ کو بذریعہ تحریرات یہ خدمت گذاری جتلانا گویا دھوکا دینا ہے۔ اور اگر صرف بیان عدم فرضیت جہاد کا فرضِ منصبی ہے تو عدم فرضیت کے بیان کُنندہ کو واضع الجہاد نہیں کہا جاتا۔ چنانچہ فرضیت کے بیان کنندہ کو مجاہد نہیں کہا جا سکتا۔ الغرض قادیانی کو فیضع الجزیۃ کا مصداق خیال کرنا مثل مشہور "تو مان نہ مان میں تیرا مہمان" کا مصداق بنانا ہے۔ جزیہ کا موقوف کرنا بھی اسی سے متصوّر ہو سکتا ہے۔ جس میں فلا یقبل الا السیف او الاسلام کی لیاقت ہو۔ تاکہ بقیہ مخالفین بوجہ اسلام میں داخل ہونے کے محلِ جزیہ نہ رہیں۔ چنانچہ سچے مسیح موعُود کے زمانہ میں ایسا ہی ہوگا۔ اور وجہ عدم قبُول جزیہ کی بغیر از قتال یا اسلام پہلے گذر چکی ہے۔ اِس تقریر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جہاد بہ تیغ و سناں چُونکہ بہ اخذِ جزیہ موقُوف ہو سکتا ہے اور بوضعِ جزیہ واجب، جب تک سب اسلام میں داخل نہ ہوں۔ لہٰذا وضع جزیہ دلیل ہے تعیینِ جہادِ سنانی پر مسیح موعُود کے زمانہ میں، بخلاف جہاد بالحجۃ والبُرہان کے، کیونکہ یہ اخذِ جزیہ سے موقوف نہیں ہو سکتا اور نہ وضع جزیہ سے واجب۔ اور یضع الحرب کا فقرہ محمُول ہے اختلافِ اوقات پر۔ جیسا کہ قلّت و کثرتِ باران و وجُود البرکت و عدم البرکت مواشی اور رزق میں وغیرہ وغیرہ۔ اس تقریر میں ذرا غور کے بعد معلُوم ہو سکتا ہے کہ امروہی صاحب نے اِس حدیث میں کس قدر دجل سے کام لیا ہے۔ ولیس ھذا باول قارورۃ کسرت فی الاسلام۔ عبارت مسطورہ ذیل صفحہ ۹۵ سطر ۱۳ شمس بازغہ کی مُلاحظہ ہو۔ "اور وضع جزیہ کے لیے حجّت و بُرہان سے ابطال دینِ نصرانیت نہایت مناسب ہے۔ کیونکہ کوئی مجدّد اور مؤیدِ اسلام باخذِ جزیہ حجّت و بُرہان کو موقوف نہیں کر سکتا۔ بخلاف تیغ و سنان کے کہ باخذِ جزیہ ان کا وضع ہو سکتا ہے ۱۲۔ انتہیٰ"۔ اِس عبارت میں جُملہ تعلیلیہ قابلِ توجہ ہے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حدیث میں ابطال بہ تیغ و سناں مُراد ہے فتامل۔

قولہٗ ۔ پھر امروہی صاحب صفحہ ۹۵ میں ویھلک اللہ فی زمانہ الملل کلھا الا الاسلام کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ جملہ بھی دلیل ہے جہاد بالبُرہان پر۔ کما قال تعالیٰ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۚ (انفال ۔ آیت ۴۲) اسی طرح پر جُملہ یھلک اللہ فی زمانہ المسیح الدجّال معنے مذکور مُراد ہے۔ انتہیٰ مختصراً۔

اقول ۔ یہ جُملہ بھی مُطابق احادیثِ صریحہ فی القتال کے دال ہے اہلاک فی الحرب پر۔ اور نصوصِ قطعیہ و احادیث صحیحہ سے، جن کو بزعم خود امروہی صاحب نے منافی ٹھہرایا ہے۔ جواب پہلے گذر چکا ہے۔ اور اِس جُملہ اور ایسا ہی جُملہ ویھلک اللہ الخ کو قیاس آیۃ مذکُورہ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ الخ سے کرنا کس قدر جہالت ہے۔ ادنےٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ بر وقت ارادہ ابطال بالبُرہان کے تصریح بلفظِ بُرہان یا حجّت یا بیّنہ ضروری ہے۔ چنانچہ آیت مذکُورہ میں عن بینہ موجُود ہے۔ لہٰذا وکم اھلکنا من قریۃ وایضاً و حرام علی قریۃ اھلکناھا و نظائرھما میں اہلاک والابطال بالبیّنہ مُراد نہیں۔ الحمد سے والناس تک سارا قرآن مجید مُلاحظہ ہو۔

قولہٗ صفحہ ۹۶۔ فیمکث اربعین کے معنے بھی صاف ہیں۔ کیونکہ قادیانی صاحب نے بھی تجدید کا دعویٰ چالیس سال کے بعد کیا ہے۔ اور مکث تجدید بھی چالیس سال تک ہوگا۔ مطابق اس الہام کے جس سے اسّی سال کی عُمر معلوم ہے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

اقول ۔ فیمکث اربعین سے صاف ظاہر ہے کہ دُنیا میں مسیح موعُود کا مکث چالیس برس ہوگا۔ اور بعض روایات میں سات سال کا ذکر ہے اور بعض میں پینتالیس سال۔ محدّثین علیہمُ الرّضوان نے، جن میں سے اہلِ کشف بھی ہیں، ان سب روایات میں تطبیق بیان کی ہے کہ تینتیس سال قبل از رفع اور سات بعد النزُول اور پانچ والی کسر ساقط۔ اب قادیانی صاحب میں جن کی الہامی عُمر ۸۰ سال ہوگی روایاتِ مذکُورہ میں سے ایک بھی نہیں ہو سکتی۔

قولہ صفحہ ۹۶۔ ویصلی علیہ المسلمون۔ نمازِ جنازہ تو ہر ایک مُسلمان کے اُوپر پڑھی ہی جاتی ہے۔ اس بیان کے لیے کوئی غرض خاص چاہیئے۔ سو معلوم ہُوا کہ مُراد اِس جُملہ سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ ہے کہ جو لوگ اس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھیں گے وُہ مُسلمان نہیں رہیں گے۔ غرض کہ حدیث کے تمام جُملے مسیح موعُود موجُود پر بخوبی صادق ہیں۔ انتہٰی مختصراً۔

اقول۔ ویصلی علیہ المسلمون کا مطلب تو یہ ہے کہ مسیح چونکہ بعد النزُول حاکم بشرعِ محمّدی علیہ السّلام ہوگا۔ لہٰذا اس کا جنازہ بھی مُطابق اسی شریعت کے مُسلمان پڑھیں گے۔ اَور نیز چُونکہ اس نے بعد النزُول دینِ نصرانیّت وغیرہا کو باطل اُور ہلاک کردیا ہوگا۔ لہٰذا اس پر نماز پڑھنے والے سارے ہی مُسلمان ہوں گے اَور کوئی غیر مُسلم باقی نہ ہوگا۔ تاکہ اُس کی طرف یصلّی علیہ کی نقیض لا یصلّی علیہ منسُوب کی جاوے۔ گویا مُوجب قاعدہ مقررہ (ترتب الحکم علی المشتق یدل علی علیّۃ الماخذ) کے جب نمازِ جنازہ پڑھنے کی علّت اِسلام ٹھہرا تو عدمِ اِسلام سبب ہُوا جنازہ نہ پڑھنے کے لیے۔ مگر چُونکہ عدمِ اِسلام کا محل یعنی غیر مسلم باقی نہ رہا تو لا یصلی علیہ کی نسبت کسی کی طرف متصوّر نہ ہوگی۔ اَور نیز تصریح ویصلی علیہ المسلمون کے ساتھ دفع ہے اس وہم کا جو ناشی ہے دلیلِ استصحاب سے۔ یعنی یہ خیال نہ کیا جاوے کہ مسیح کا جسم بعد الوفات بھی بغیر از نماز و تدفین آسمان کو اُٹھایا جاوے گا۔ جیسا کہ عند الرفع حالتِ حیات میں اُٹھایا گیا تھا۔ بلکہ اُس وقت بوجہ تحقّقِ وفات کے باقی موتی کی طرح تجہیز و تدفین کی جاوے گی۔ بعد اس کے بہ نسبت مفہُوم مخالف امر وہی صاحب کے گذارش ہے کہ بے شک یہ مفہُوم مخالف بے سیاق اس حدیث و نظائرہ سے معہٰذا اِس میں خود غرضی بھی ہے۔ کیونکہ قبل از مرگ واویلا کی طرح گویا ابھی سے قادیانی صاحب پر نمازِ جنازہ کا اہتمام ہورہا ہے۔ یعنی حدیث سے ثابت ہے کہ اس پر نمازِ جنازہ نہ پڑھنے والا اِسلام سے خارج ہوگا۔ مگر یاد رہے کہ یہ اہتمام بالکل عبث و فضُول ہے فتفکر۔

قولہ صفحہ ۹۷۔ والحمدللّٰہ کہ یہ پیشین گوئی مُخبرِ صادق کی اِس مسیح موعُود اَور مہدی معہُود پر پُوری طور پر صادق ہے۔ فالحمدللّٰہ۔

اقول۔ حدیث شریف کی تحریف پر الحمدللّٰہ پڑھنا کیسا بے ربط ہے۔ بجائے اس کے استغفراللّٰہ واتوب الیہ پڑھنا چاہیئے تھا۔ معلوم ہو کہ بعد تعیین اِس امر کے کہ مُراد احادیث میں وُہی مسیح ابن مریمؑ ہے نہ مثیل اس کا ہم کو کوئی ضرورت ایسے فضول تحریفات کے جواب دینے کی نہیں۔ مگر تاہم ناظرین کے افادہ و اطمینان کے لیے ہر ایک تحریف کا جواب لکھا جاتا ہے۔

قولہ صفحہ ۹۷-۹۸ کا حاصل مسلم کی حدیث پر جس میں امامت عیسٰے کا بھی ذکر ہے تین اعتراض کیے ہیں۔ اوّل یہ حدیث معارض ہے اُن احادیثِ صحیحہ کے جن میں مسیح موعُود کا اِنکار از امامت مذکُور ہے۔ دُوسرا ثابت ہوچکا ہے کہ مسیح موعُود کے وقت جہاد موقُوف ہو جاوے گا۔ اَور اِس حدیث میں جہاد کا ذکر ہے۔ تیسرا اِس حدیث میں لفظ تنزل الروم بالاعماق او بدابق موجُود ہے۔ چنانچہ مسیح ابن مریمؑ کی نسبت فینزل عیسٰی ابن مریم وارد ہُوا ہے پس چاہیئے کہ عیسٰی ابن مریمؑ کا نزُول بھی ایسا ہی ہو جیسا کہ روم کا نزول اعماق یا دابق میں۔

اقول۔ پہلے اعتراض کا جواب:۔ یہ تعارض ہمارے مدعٰی کو جو نزول مسیح کا ہے (بعینہٖ لا بمثیلہٖ) مُضر نہیں۔ حضرت عیسٰے بعد النزُول امامت سے انکار کریں یا نہ، بہر حال نزُول تو مشترک الثبُوت ہے بین المحدثین۔ حافظ ابن کثیر یا علامہ سیُوطی کا لانا ان احادیث کو اپنی تفاسیر میں بھی اثبات رفع و نزُول جسمی کے لیے ہے۔ اَور ایسا ہی شمس الہدایت میں نقل کرنا ان کا بھی اسی غرض سے ہُوا۔ غایۃ مافی الباب امامت مسیح کے مسئلہ میں تعارض کا وجُود اگر ثابت ہو تو ہمارے اور مفسرین کے مدعٰی کی طرف متجاوز نہیں ہوسکتا اَور نہ حدیث کی صحت کو مُضر ہو سکتا ہے۔ مُسلم کا لانا اس حدیث کو اپنی صحیح میں جس کی صحت پر کل محدثین کا اتفاق ہے کافی ثبوت ہے اس کی صحت کے لیے اَور مسیح ابن مریمؑ کی امامت بروقت نزُول نہ سہی دُوسرے اوقات میں چُونکہ ثابت ہے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی میں اس امر کی تصحیح کی گئی ہے کہ عیسٰی لوگوں کی امامت کریں گے اور مہدی اُن کا اقتدا کریں گے کیونکہ وُہ افضل ہے۔ لہٰذا اسی کی امامت اولیٰ ہے۔ انتہٰی۔ اَور محدثین نے تطبیق کی

یہی وجہ بیان کی ہے کہ نزُولِ عیسٰی کے وقت امامت مہدی کریں گے۔ اَور بعد اس کے عیسٰی ابن مریم چُنانچہ امامت کا قاعدہ ہے تو اس حدیث میں فیئومھو بہ نسبت اصل امامتِ مسیح کے درُست ہوا۔ اَور مہدی کی امامت چُونکہ بحسب وجہ مذکُور ایک ہی مرتبہ واقع ہوگی لہٰذا اس کو بہ نسبت امامت عیسٰی کے کان لو یکن تصور کر کر فیئومھم فاتعقیب بلاتراخی کے ساتھ بولا گیا۔ اَور نیز روایات بالمعنے میں ایسے تسابلات معیُوب نہیں سمجھے جاتے۔ اَور نیز تسابل یا خطا اپنے محل ہی میں مؤثر ہوسکتا ہے۔ اِس مقام پر اگر فیئومھم اَور یوھم المھدی بباعث تشکیک راوی کے وارد ہوتا تو یہ تشکیک نہ تو باقی مضمون حدیث کو مشکک کرسکتی اَور نہ اس کی صحت کو مضر ہوتی چنانچہ اسی حدیث میں بالاعماق اَور بدابق بہ تشکیک راوی وارد ہوا ہے۔ ایسا ہی صحیحین کی بہتیری احادیث راوی کے شکوک سے خالی نہیں معھذا ان کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔

دُوسرے اعتراض کا جواب۔ پہلے ثابت ہوچکا ہے کہ مسیح موعُود کے زمانہ میں جہاد بھی ہوگا اور وضع جہاد بھی مگر اَوقات مختلفہ میں فلا تعارض فتذکر۔

تیسرے اعتراض کا جواب۔ مسیح ابن مریم کا نزُول بعد الرفع الی السماء ہوگا بخلاف نزول رُوم کے۔ لہٰذا مسیح کا نزول رُوم کے نزُول کی طرح نہ ہونا چاہیئے۔ اَور نیز مسیح اَور روم کے نزولوں کا ایک رنگ ہونا مخالف ہے آپ کے مذہب خانہ زاد کے لیے۔ کیا اَب اپنے مذہب کو بھی بھُولے جاتے ہیں۔ آپ کے نزدیک تو مسیح کا نزول برُوزی ہے۔ کیا روم کا نزُول بھی برُوزی ہوگا یا دونوں کا غیر برُوزی۔ شق اَوّل فی الواقع باطل ہے اَور دُوسری مع بطلان فی نفسہ کے کمام آپ کے نزدیک برخلاف بھی ہے اَور یک رنگی کا اثر صرف بہ نسبت نزُول من السماء کے لینا نہ بہ نسبت برُوز کے ترجیح بلا مرجح ہے۔

قولہٗ ۔صفحہ ۹۸ کا حاصل۔ لقیت لیلۃ اسرئی بی ابراھیم الخ والی حدیث میں جو جملہ معی قضیبان کا ہے۔ اس کا صدق قادیانی صاحب پر نہایت صاف ہے۔ کیونکہ آپ کو ایک رُوحانی تلوار دی گئی ہے اَور دُوسری قلم کی۔ اَور جُملہ فادعو اللہ علیھو فیھلکھو ویمیتھو کا صاف دلالت کرتا ہے اس پر کہ مسیح موعُود کا جنگ سنانی نہ ہوگا۔ انتھی مختصراً۔

اقول۔ معی قضیبان تک قادیانی صاحب تب پہنچ سکتے ہیں جب آپ نزُولِ برُوزی کی ذاتی صحت اَور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو مُراد لینا ثابت کریں و دونہ خرط القتاد۔ اَور جُملہ فادعو اللہ کا منافی جنگِ سنانی کو نہیں۔ چنانچہ احادیث میں دونوں کی تصریح موجُود ہے۔ یہ بددُعا بھی ایک آلہ ہلاکت کا ہوگا جیسے دُوسرے ظاہری آلات۔ تشریح اس کی پہلے گذر چکی ہے۔

قولہٗ ۔صفحہ ۹۹۔ اَور ۱۰۰ کا حاصل۔ ایتینا عثمان بن العاص والی حدیث پر امروہی صاحب کے چند اعتراض۔ اوّلؔ اِس حدیث میں خرُوج دجّال کا ملتقی البحرین میں لکھا ہے۔ اَور دُوسری حدیثوں میں خَلّۃ مابین الشام والعراق سے ہوگا۔ دُوسؔرا۔ اِس حدیث اَور دُوسری حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دجّال یہُود میں سے ہوگا۔ اَور دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ سے ہوگا۔ کیونکہ مسیح کے فرائضِ منصبی سے ہے یکسر الصلیب جس سے بطور مفہُوم مخالف کے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کے وقت میں غلبہ نصاریٰ کا ہوگا۔ تیسؔرا اِس حدیث میں فاذا رآہ الدجال ذاب کما یذوب الرصاص موجُود ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعُود کسی آلہ حرب سے دجّال کو ہلاک نہ کرے گا۔

اقول۔ جواب پہلے سوال کے معرُوض ہے کہ ملتقی البحرین اَور خَلّۃ مابین الشام والعراق میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ شام اَور عراق عجم کے مابین دجلہ اَور فرات باہم ملتے ہیں تو ملتقی البحرین بھی مابین الشام والعراق ہوا۔ دیکھو جغرافیہ۔

دُوسرے سوال کا جواب۔ دجّال بے شک یہُود میں سے ہی ہوگا۔ چنانچہ حدیثِ صحیحہ میں وارد ہے۔ اَور آپ کے دلائل و استنباط

نہ صرف بوجہ مخالفت احادیثِ صحیحہ کے بلکہ اصُولِ علمیہ کے مُطابق بھی مضحکہ طِفلاں ہیں۔ بھلا صاحب فرمائیے جب یکسر الصلیب کا جُملہ مفہُوم مخالف کے طور پر دجّال کے نصاریٰ میں سے ہونے پر دال ہے تو پھر جُملہ ویھلك اللہ فی زمانہ الملل کلھا الا الاسلام مفہُوم مخالف کے طور پر دجّال کے یہُود و نصاریٰ و ہنُود وغیرہ وغیرہ میں سے ہونے پر کیوں نہیں دلالت کرتا۔ عجب اجتہادِ عالی چاہیئے کہ دجّال جتنے گروہ دُنیا میں بغیر اہلِ اسلام کے ہیں سب میں سے ہو۔ حالانکہ حدیثِ صحیحہ سے اس کی شخصیت ثابت ہے اور واحد بالشخص کا مختلف گروہوں سے ہونا ممکن نہیں۔

تیسرے اعتراض کا جواب۔ (فاذا رآہ ذاب کما یذوب الرصاص) میں ذاب بمعنی قرب الی الذوبان کے ہے یعنی دجّال مسیح ابنِ مریم کو دیکھتے ہی قریب گھلنے کے ہو جاوے گا۔ اس پر قرینہ اس کا مابعد ہے فیضع حربتہ بین ثندوتیہ فیقتلہ جو اسی حدیث میں موجُود ہے۔ کیونکہ گھلنے کے بعد وضع حربہ نہیں ہو سکتا۔

قولہٗ صفحہ ۱۰۰ سے ۱۰۳ تک کا حاصل صرف دو ہی باتیں ہیں۔ ایک فتنِ دجالیہ دینِ اسلام میں اس وقت بکثرت وارد ہو رہی ہیں جن کے وُرُود کا مقتضیٰ طبعی یہ ہے کہ مسیح موعُود کا زمانہ بھی یہی ہو۔ دُوسرا قولہٗ فانا حجیج کل مسلم وان یخرج من بعدی فکل حجیج نفسہ۔ اس جُملہ سے صاف ثابت ہوا کہ دجّال سے جنگ بہ حجّت و بُرہان ہوگا نہ تیغ و سنان سے۔ قرآن مجید میں حاج ابراھیم اور حاجہ قومہ اور اتحاجونی فی اللہ حاجتم اور فلم تحاجون موجُود ہیں جن میں مناظرتِ علمیہ کا بیان ہے۔ تیغ و سناں کا نہیں۔ انتہیٰ۔

اقول۔ پہلے مضمون کی تردید۔ ہاں صاحب ہم بھی مانتے ہیں کہ فتنِ دجالیہ کا شروع دینِ اسلام میں ہو گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ قرآنِ کریم اور سُنّتِ صحیحہ کی تحریف ہو رہی ہے۔ جس کا طبعی مقتضیٰ یہ ہے کہ سچا مسیح نازل ہو کر دجّالِ شخصی کو جو عنقریب آنے والا ہے مع چیلوں چانٹوں اس کے جو ابھی سے تحریف میں شروع ہو رہے ہیں، قتل کرے۔

دُوسرے اعتراض کا جواب پہلے گذر چکا ہے۔

قولہٗ صفحہ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ اور ۱۰۴ کا حاصل۔ ابی امامہ باہلی والی حدیث کے اِس ٹکڑے مسطورہ ذیل پر حملہ کہ (وانہ یخرج من خلۃ بین الشام والعراق) کہ یہ جُملہ معارض ہے دُوسری حدیثوں کے، کیونکہ شام و عراق حجاز سے شمال کی طرف واقع ہے۔ دیکھو نقشہ جات اور جغرافیہ۔ اور دُوسری حدیث صحیح مُسلم سے معلوم ہوتا ہے دجّال کا خرُوج مشرق کی طرف سے ہے کما فی المسلم واوماء الی المشرق رواہ المسلم۔ دُوسرا اعتراض اس پر کہ وانہ اعور وان ربکم لیس باعور کو اگر ظاہر پر رکھا جاوے تو چاہیئے کہ جو شخص اعور نہ ہو وُہ رب ہو سکے۔ ہاں تاویلی معنے درست ہو سکتا ہے یعنی دُنیوی امُور کی بصارت والی آنکھ اس کی درُست ہوگی۔ اور دینی امُور کی آنکھ اس کی معدُوم۔ تیسرا اعتراض اس پر وانہ مکتوب بین عینہ کافر یقرؤہ کل مومن کاتب وغیر کاتب۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ کاتب و غیر کاتب دونوں کو اس کا علم برابر ہو جاوے۔ یہ تو نص قرآن مجید کے برخلاف ہے۔ قال اللہ تعالیٰ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ (زمر۔ آیت ۹)

اقول۔ پہلے اعتراض کا جواب۔ ہم نے نقشہ جات و جغرافیہ کو دیکھا۔ مگر عراق کا حجاز سے شمال کی طرف واقع ہونا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں بالکل جھُوٹ اور لغو ہے۔ ہاں شام بے شک حجاز سے شمال کی طرف واقع ہے۔ اور عراق عجم حجاز سے بالخصُوص مدینہ طیبہ

لے اپنا خنجر دجّال کے دو پستانوں کے درمیان رکھیں گے۔ ثندوہ۔ پستان مرد (منجد)

سے علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مشرق کی جانب واقع ہے قریباً ہزار میل راستہ کے فاصلہ پر۔ اور بین الشام والعراق سے بھی مُراد وسط تحقیقی نہیں بلکہ عُرفی، اور ملتقی البحرین یعنی دجلہ وفرات جس کو خلہ بین الشام والعراق سے بھی تعبیر کی گئی ہے، بہ نسبت شام کے قریب بعراق ہے۔ لہٰذا دجّال کا مخرج خلہ بین الشام والعراق بھی اور ملتقی البحرین بھی اور شرق بھی ہوا۔ ہاں ترمذی کی حدیث بظاہر حدیث مذکور کے معارض معلوم ہوتی ہے جس میں دجال کا خروج خراسان سے مذکور ہے۔ مگر فی الواقع کوئی تعارض نہیں۔ چونکہ دجّال کا گذر ان سب مقامات سے ہوگا۔ لہٰذا کشفِ نبوی کا پتہ دینا ہر ایک مقام سے بحسب اوقات مختلفہ صحیح اور بجا ہے۔

دُوسرے اعتراض کا جواب ایساغوجی پڑھے ہُوئے طالب علم سے حل سکتا ہے۔ الدجال اعور (صغریٰ) اللّٰہ لیس باعور (کبریٰ) فالدجال لیس باللّٰہ اللّٰہ لیس باعور پر یہ اعتراض کہ چاہیئے کہ جو شخص اعور نہ ہو وُہ اللّٰہ ہو سکے کس قدر جہالت ہے۔ کیا ایک اعوریت کو ہی آپ نے منافی بالوہیّت خیال کیا ہے، بغیر اس کے اور کوئی وصف ممکنات کے اوصاف میں سے منافی بالوہیّت نہیں کھانا پینا، باپ بیٹا ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب منافی بالوہیت ہیں۔ تو پھر جو شخص اعور نہ ہوا تو کیا باوجود کھانے پینے یا باپ ہونے یا بیٹا ہونے کے رب ہو سکتا ہے؟ امروہی صاحب حدیث اور قرآن کی تحریف کا مزہ یہی ہوتا ہے۔ کہ خبطیوں اور پاگلوں کی طرح مضحکۂ عقلا ہو جاتا ہے آپ نے ناحق اِس کُوچۂ مناظرہ میں قدم رکھا۔ پھر آپ سے دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ کے تاویلی معنی پر یہ آپ کا لاحل شبہ وارد نہیں ہوتا کہ جس کی حق بین آنکھ اندھی نہ ہو تو چاہیئے کہ وُہ شخص رب ہو سکتا ہے۔ آپ نے اتنا بھی خیال نہ فرمایا کہ یہ منطق ہمارا تو ہمارے معنی پر بھی جاری ہو سکتا ہے۔

تیسرے اعتراض کا جواب۔ ہاں صاحب یہ ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مومن کو شیطان و دجّال وغیرہما من اتباعہما کے دھوکے سے بچانا چاہتا ہے تو بن لکھے پڑھے وبغیر معلّم ظاہری کے اس میں علم وجدانی پیدا فرما دیتا ہے جس کی وجہ سے وُہ بھی بالاولیٰ اہل علم میں سے شمار ہو سکتا ہے۔ چُنانچہ اس نیاز مندِ عُلماء و فقراء نے بلُوغت سے اوّل، جس وقت احادیث دجّال کے نام تک بھی نہیں سُنا تھا، دجّال کو خواب میں شرقی جانب سے آتا ہوا دیکھا۔ دائیں آنکھ اُس کی پھُوٹی ہُوئی مَیں دیکھ رہا تھا۔ اُس نے مجھ کو کہا کہ خُدا ایک نہیں میں سخت غضب ناک ہو کر کہتا تھا کہ مردُود، شیطان، خُدا ایک ہی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر اُس نے چند قدم میری طرف بڑھ کر میرے پر تلوار کی وار کی پھر اس کی وار خطا ہو کر تلوار اس کی زمین پر جا پڑی۔ پھر وُہ پیچھے کو مینڈھے کی طرح انہی قدموں پر ہٹ کر پہلی جگہ پر کھڑا ہوا۔ پھر وُہی کلمہ اس نے کہا اور بجواب اس کے میں نے بھی وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ میرے گلے پر تلوار کی وار کی۔ پھر وُہ خطا ہو کر زمین پر جا پڑی۔ تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہوا۔ بلکہ آخری دفعہ تو تلوار کا قبضہ اُس کے ہاتھ میں رہا اور تلوار قبضہ سے نکل کر زمین پر جا پڑی۔ ان تین نوبتوں بغیر اس کے کہ میں نے سر کو خم کیا ہو تلوار اُس کی میرے سر کے اُوپر سے ہی گذرتی رہی۔ اب خیال فرمایئے کہ اس بچپن کی حالت میں مجھے کس نے جتلایا کہ یہ دجّال ہے۔ اور کس نے مجھ کو ایسی سہم گیں حالت میں خائف نہ ہونے دیا۔ اور کس نے میرے مُنہ سے تین دفعہ توحید کی شہادت دِلائی۔ اور کس نے باوجود اس کے کہ اس نے میرے گلہ ہی کو نشانہ بنایا تھا۔ اور میں نے سر کو ذرّہ خم بھی نہیں دیا تھا، تلوار کو سر کے اُوپر سے گذار کر زمین پر مارا۔

پھر فرمایئے کہ قبر میں ہر ایک مومن کو عربی سوال من ربک وما دینک اور ماتقول فی ھذا الرجل کے سمجھنے پر قدرت کون دیتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی صُورت پاک کو کون بتاتا ہے جس کو مومن بغیر اس کے کہ پہلے دیکھا ہو، پہچان کر کہتا ہے کہ یہ ہمارا پیغمبر ہے۔ پھر فرمایئے کہ ہاتھ پاؤں کو زبان کی طرح کون قیامت کے دِن گویا کر کے شہادت دے گا۔ یہ وُہی لطیف ورحیم تو ہے جس کے خاص شان الیس اللّٰہ بکاف عبدہ کی ہے۔ جب اس کی عنایت شامل حال ہو تو غیر کاتب بھی کاتب کے مساوی فی العلم ہوتا ہے۔ اور وُہ

دونوں یعلمون میں داخل رہے ۔ لایعلمون میں وُہی رہا جو موہُوبی اور کسبی تعلیم دونوں سے خالی ہو۔

قولہٗ ۔ پھر اس کے بعد اسی صفحہ ۴۰ ایرا مروہی صاحب نے اِس حدیث کا معنی کیا ہے کہ دجّال مجُرموں کی طرح پیشانی سے پہچانا جائے گا ۔ یہ نہیں کہ لفظ کافر یا ک ۔ ف ۔ ر ۔ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا ۔

اقول ۔ یہ معنی بالکل برخلاف ہے الفاظ مصرحہ ذیل سے ، مکتوبٌ یقرءُہ کاتب وغیر کاتب یعرف المجــرمون بسیماھم ۔ نظائرہ کجا اور حدیث مذکور کجا ۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۰۵ ۔ اکا حاصل ۔ دجّال کے ساتھ جنّت اور نار کا ہونا نصُوصِ قرآنیہ کے معارض ہے اور نیز برخلاف ہے تصریح شمس الھدایت کے کہ اس میں دجّال کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور نہر کا ہونا محض خیالی لکھا ہُوا ہے نہ واقعی ۔ اور نیز مُراد دجّال سے شیطان ہے ۔ کیونکہ ابُوسعید خدری بہ نسبت اس شخص کے جس کو دجّال قتل کرکے پھر زندہ کرے گا ۔ فرماتے ہیں کہ رجل بغیر عُمرؓ کے اور کسی کو ہم نہیں جانتے پس اگر دجّال سے مُراد وُہی شخص معین معہُود ہے تو پھر وُہ رجل مقتول حضرت عُمرؓ کیوں کر ہوسکتے ہیں ۔

اقول ۔ جنّت اور نار بھی خیالی ہوگا ۔ روٹیوں کے پہاڑ کی طرح ۔ فلا تعارض ۔ دیکھو ملّا علی قاری وغیرہ ۔ شروح حدیث اور نصُوص قرآنیہ کے تعارض سے جواب پہلے گذر چکا ہے ۔ اور ابُو سعید خُدریؓ اپنے خیال اور رائے کو ظاہر فرما رہے ہیں ۔ جس میں یہ بھی فرما دیا کہ ہمارا خیال ٹھیک نہ نکلا ۔ دیکھو عبارت مسطورہ ذیل قال قال ابُو سعید واللہ ماکنا نرٰی ذالك الرجل الا عمر بن الخطاب حتی مضٰی بسبیله ۔ انتھٰی ۔ اس عبارت میں فقرہ (نرٰی) اور (حتی مضی بسبیله) محلِ استشہاد ہے ۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۱۰۶ ۔ اکا حاصل :۔ ان من فتنته ان یأمر السماء ان تمطر الخ یہ پیشین گوئی بھی پُوری ہو رہی ہے ۔ یورپ اور امریکہ میں بلکہ بعض جگہ ہندوستان میں بھی بذریعہ ایک خاص سامان کے پانی برسایا گیا ۔

اقول ۔ ان من فتنته میں ضمیر مجرور متّصل کا مرجع چُونکہ دجّال شخصی معہُود ہے ۔ لہٰذا اس پیشین گوئی کا پُورا ہونا یا خیال کرنا از قبیل قبل از مرگ واویلا کے ہے ۔ اور نیز اس حدیث میں فقرہ ان یأمر السماء منافی ہے تاویل مذکور کے لیے ۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۱۰۷ ۔ اکا حاصل :۔ انه لا یبقٰی شیء من الارض الا وطئه وظهر علیه الا مکة ومدینة یہ پیشین گوئی بھی واقع ہوگئی ہے ۔ مخالف بتلا دے کہ کونسا ملک اور قطعہ کلاں زمین کا ایسا ہے جس میں یہ دجّال نہیں پھر گیا ۔

اقول ۔ اس حدیث میں بھی وطئه اور ظهر کا فاعل چُونکہ دجّال شخصی ہے لہٰذا یہ پیشین گوئی بھی واقع نہیں ہوئی ۔ اگر کوئی شخص صرف زمین پر پھر جانے سے دجّال سمجھا جاوے تو پھر پادریوں کی کیا تخصیص ہے ۔ نیز زمین پر چالیس دن کے اندر پھر جانا دجّال کے لیے خاصہ قرار دیا گیا ہے نہ مُطلق ۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۱۰۸ ۔ اکا حاصل :۔ وامامھم رجل صالح قد تقدم یصلی بھم الصبح ۔ اِس جُملہ میں امام مہدی کا کہیں پتہ و نشان نہیں ۔ دُوسرا فیدرکه عند باب لد الشرقی فیقتله الی قوله فیهزم الله الیهود ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ دجّال یہُودی ہوگا ۔ مگر آیت ضربت علیهم الذلة والمسکنة الخ کی یہُود کو یہ شوکت نصیب نہیں ہونے دیتی ۔ پھر اسی صفحہ میں منہیہ لکھا ہے کہ ساری احادیث ابن کثیر کی ہمارے حق میں مفید ٹھہریں اور مخالفین کے حق میں مُضر ۔

اقول ۔ کیوں صاحب رجلٌ صالحٌ تعبیر مہدی سے کیوں نہیں ہوسکتی ۔ کیا مہدی موعُود مردِ صالح نہ ہوگا ۔ ہاں تصریح مہدی اس حدیث میں نہیں ۔ سو روایات بالمعنے میں خاص لفظ کا ترک کرنا معیُوب نہیں سمجھا جاتا ۔ دیکھو شمس بازغہ کے اسی صفحہ کی پہلی سطر کو جس میں آپ نے احادیث متعلقہ پیشین گوئی کو از قبیل روایات بالمعنے کے ٹھہرا کر محل توسیع بیان فرمایا ہے ۔

دُوسری اشکال کا جواب۔ تھوڑے دنوں میں دجّال کا ہلاک کیا جانا خصوصاً ایسے تعلّی اور نخوت کے بعد صاف وقوع فقہوئیے آیت وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ کے ہیے مفصل جواب گذر چکا ہے۔

تیسری الف کا جواب۔ ساری احادیث ابن کثیر میں چونکہ مسیح ابن مریم بعینہٖ کا ذکر ہے نہ اس کے مثیل کا۔ لہٰذا ان احادیث کا مفید ہونا آپ کے ہیے محض خیالی پلاؤ ہے قابل تسلیم نہیں۔ بلکہ معاملہ بالعکس ہے۔

قولہٗ صفحہ ۱۰۹ کا حاصل:۔ انّ ایامہ اربعون السنۃ کنصف السنۃ الخ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دجّال کے وقت سنین اور شہور اور ایام نہایت جلد گذریں گے۔ اور مُسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ایام نہایت طویل ہوں گے دیکھو اربعون یوما یوم کسنۃ ویوم کشھر الخ۔ فما التطبیق۔ دُوسرا مُسلم کی حدیث مذکور میں دجّال کا ایک دن جو برس دن کے برابر ہوگا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے برس دن کی نماز پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ اور اس حدیث میں بیان فرمایا کہ جس طرح یہ ان ایام طویل میں پانچ نمازیں پڑھتے ہو۔ اسی طرح یہ ان ایام قصار میں پانچ وقت کا اندازہ کر لیجو۔ فاین ھذا من ذالک۔

اقول۔ اس حدیث میں فقرہ السنۃ کنصف السنۃ الخ معارض نہیں ہو سکتا۔ مسلم والی حدیث کے اس فقرہ کو کہ یوم کسنۃ الخ چنانچہ بغوی نے شرح السنہ میں لکھا ہے ولا یصلح ان یکون معارضا لروایۃ مسلم ھذہ یعنی مسلم والی حدیث کا فقرہ صحیح مانا گیا۔ اور یہ غیر صحیح لیکن اس فقرہ کی عدم صحت نہ تو مفسّرین کو مُضر ہے اور نہ ہمارے مدعی کو کیونکہ احادیث نزول میں محل ہمارا استشہاد مسیح ابن مریم کا نزول ہے بعینہٖ۔ بغیر اس کے کسی مثیل کے، سو یہ سب احادیث سے ثابت ہے۔ مفسرینؒ نے اور ہم نے کب دعوےٰ کیا ہے کہ بالضرور دجّال کے ایام میں سے السنۃ کنصف السنۃ الخ ہوگا۔

دُوسرے اعتراض کی نسبت معرُوض ہے کہ نماز کے بارہ میں دونوں حدیثوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اندازہ کر لینے کا ارشاد فرمایا ہے مسلم والی حدیث میں فرمایا کہ اقدروا لہ قدرہ۔ اور اس حدیث میں ارشاد ہوا کہ تقدرون الصلوٰۃ کما تقدرون فی ھذہ الایام الطوال۔ اور معلوم ہو کہ اس حدیث میں ایام طوال سے مُراد وہ ایام طوال نہیں جو مُسلم والی حدیث میں مذکور ہیں کیونکہ وُہ تو مخالف ہے اس روایت کے جن کا اجتماع ہو ہی نہیں سکتا۔ تاکہ یہ ایام طوال اور وہ ایام طوال ایک ہی ہوں۔ بلکہ اس حدیث میں ھذہ الایام الطوال سے مُراد اسی زمانہ کے ایام ہیں جو طوال ہیں بہ نسبت ان ایام قصار کے جو اس حدیث دجّال میں مذکور ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۱۱۰ کا حاصل: حکماً عدلاً قادیانی صاحب پر صادق ہے جس نے متعدد مسائل سے اختلاف کو جو عرصہ دراز سے چلا آتا تھا اُٹھا دیا۔ یعنے ایسا فیصلہ کر دیا کہ مخالف کو دم مارنے کی جگہ باقی نہ رہی۔

اقول۔ اگر احادیث نزول کو مخالف عقل و نقل ٹھہرانے کی وجہ سے حکماً عدلاً کا مصداق ہیں تو پھر قادیانی صاحب سے زیادہ معتزلہ اور جہمیہ حکماً عدلاً ہونے کا استحقاق رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ مسلک انہی کا ہے۔ ہاں قادیانی نے مسیح موعُود بننے میں ان پر پیش قدمی کی ہے۔ دیکھو صحیح مسلم کی جلد اخیر صفحہ ۴۰۳ کے حاشیہ میں نووی لکھتا ہے۔ قال القاضی رحمہ اللہ تعالیٰ نزول عیسیٰ علیہ السّلام وقتلہ الدجال حق وصحیح عند اھل السنۃ للاحادیث الصحیحۃ فی ذالک ولیس فی العقل ولا فی الشرع ما یبطلہ فوجب اثباتہ وانکر ذالک بعض المعتزلۃ والجھمیۃ ومن وافقھم وزعموا ان ھذہ الاحادیث مردودۃ لقولہ تعالیٰ وخاتم النبیین وبقولہ صلی اللہ علیہ وسلّم لا نبی بعدی وباجماع المسلمین انہ لا نبی بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلّم وان شریعتہ موبدۃ الی یوم القیامۃ لا تنسخ وھذا الاستدلال فاسد لانہ لیس المراد بنزول علیہ السّلام انہ ینزل نبیا بشرع ینسخ شرعنا ولا فی ھذہ الاحادیث ولا فی غیرھا شیئ من ھذا

بل صحت ھذہ الاحادیث ھنا وما سبق فی کتاب الایمان وغیرھا انه ینزل حکمًا مقسطًا یحکم بشرعنا ویحی من امور شرعنا ماھجرہ الناس - انتھی۔

قولہٗ - پھر اسی صفحہ میں یضع الجزیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ مسیح موعود کے زمانہ میں لڑائی بالحجت والبرہان ہونے کی وجہ سے جزیہ موقوف ہوگا۔

اقول - اس کا جواب پہلے گذر چکا ہے۔

قولہٗ - صفحہ ۱۱۱ کا حاصل - ویترك الصدقه کنایہ ہے کثرتِ اموال سے اور ترتفع الشحنا کا وقوع بھی ابھی سے ہو رہا ہے۔

اقول - یہ سب قبل از مرگ واویلا کا مصداق ہے کما مر۔

قولہٗ - صفحہ ۱۱۲-۱۱۳-۱۱۴ کا حاصل :- وان قبل خروج الدجال ثلث سنوات والی حدیث پر اعتراض کہ یہ معارض ہے دُوسری حدیث کو جس میں تینوں قحطوں کا ہونا خرُوجِ دجّال کے زمانہ میں لکھا ہے۔ فقال ان بین یدیه ثلث سنین الخ

دُوسرا یہ پیشین گوئی تین قحطوں والی بھی واقع ہو چکی ہے۔

اقول - خرُوجِ دجّال کے پہلے بھی قحط ہوگا۔ اور اس کے زمانہ میں بھی تھوڑے دِن باقی رہے گا۔ بدیں لحاظ قبل خرُوج الدجّال اور بین یدیہ کا کہنا صحیح ہے۔ محاوراتِ عرفیہ میں تقریبی حساب اکثر ملحوظ ہوتا ہے بہ نسبت تحقیقی کے۔

دُوسرے اعتراض کا جواب وُہی قبل از مرگ واویلا سمجھنا چاہیئے۔ اب تضیعِ اوقات کے لحاظ سے اختصار سے کام لیا جاتا ہے ورنہ کوئی فقرہ ان کا جس میں متفرد ہیں جہالت سے خالی نہیں۔

قولہٗ - صفحہ ۱۱۵-۱۱۶ کا حاصل نواس بن سمعان والی حدیث میں جو فواتح سُورۂ کہف کے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہوَا کہ دجّال نصاریٰ سے ہوگا۔ کیونکہ سُورۂ کہف کے فواتح میں حضرت عیسٰیؑ کے ابن اللہ ہونے کا رد فرمایا گیا ہے۔ قال تعالٰے وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۝ مَّا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ الخ (کہف - ۴-۵)

اقول - فواتح سُورۂ کہف کے پڑھنے کا حکم فرمانے سے ثابت ہوَا کہ دجّال نصاریٰ سے نہیں۔ کیونکہ سُورہ کہف کے فواتح میں اصحاب کہف کا محفُوظ رہنا کفار سے مذکُور ہے جن کا بادشاہ جبراً اقرار بالشرک کراتا تھا۔ چنانچہ دجّال بھی جبراً شرک پھیلائے گا۔ لہٰذا آپؐ نے اِرشاد فرمایا کہ تم بھی فتنۂ دجّال سے بچنے کے لیے فواتح سُورۂ کہف پڑھیو۔ تاکہ اصحاب کہف کی طرح اللہ تعالٰے تم کو اس شر سے بچاوے۔ اور ظاہر ہے کہ آج تک گورمنٹ اور اُس کے پادریوں نے کسی کو بالجبر عیسائی نہیں بنایا۔ باقی مضامین ان صفحات کی تردید پہلے گذر چکی ہے۔

قولہٗ - صفحہ ۱۱۷ کا حاصل : مُسلم کی حدیث میں اس جُملہ پر فیمکث اربعین لا ادری اربعین یوماً او اربعین شھرا او اربعین عاماً اعتراض۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت مکث دجّال کا علم نہیں۔

اقول - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو جس جس مضمون میں علم تدریجاً فتدریجاً دیا جاتا تھا۔ اُس کو آپؐ بیان فرماتے رہے۔ اور جتنی قدر میں جب تک علم نہ دیا جاوے اُس کی لاعلمی بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ دجّال کی نسبت پہلے آپؐ کو پُورے طور پر معلوم نہیں ہُوا۔ اور پھر معلوم ہونے کے بعد حلیہ تفصیلی طور پر بیان فرمایا۔ ایسا ہی بہ نسبت ایّام اس کے بھی سمجھنا چاہیئے۔ باقی مضامین اس صفحہ کی تردید تھوڑی توجہ سے ادنیٰ طالب علم بھی کر سکتا ہے۔ اور پہلے بھی گذر چکی ہے۔

قولہٗ - صفحہ ۱۱۸ کا حاصل :- فی قتله عند باب لُدّ کے متعلق فرماتے ہیں کہ لُدّ جمع الدّ بمعنے جھگڑالو مُراد اس سے لاٹ پادری

ہے جو بمعہ اپنے ماتحت پادریوں کے ہلاک ہو رہا ہے یعنی مسیح موعود (قادیانی) اس کو ہلاک کر رہا ہے۔

اقول ۔ ناظرین خدارا انصاف۔ حدیث شریف کے ساتھ کس قدر تمسخر ہو رہا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تحریف نہایت بعید ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اگر بالضرور آپ کو خلافِ مرضی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بکواس کا شوق ہے تو پھر مناسب تر یہ معلوم ہوتا ہے فی قتلہ عند باب لُدٍّ کا معنے یہ ہو کہ مسیح موعود دجّال کو قتل کرے گا لُدھیانہ کے دروازہ کے نزدیک قادیان میں۔ دجل یعنی تحریف وغیرہ تو عرصہ سے واقع ہو رہی ہے۔ اب دیکھئے مسیح موعود کب تشریف لاتے ہیں۔ ایسے واہیات مضامین کا جواب کیا لکھا جاوے جواب تو یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسا شخص پیدا ہو۔ اَیُّھَا النَّاظِرُوْن آیت اور حدیث کی تحریف سُنی نہیں جاتی ورنہ ہماری اور ان کی کوئی عداوت وغیرہ نہیں۔

قولہٗ صفحہ ۱۱۹ کا حاصل ۔ طلوع الشمس من مغربہا کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ مخالف ہے۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ (یٰسین-۳۸) کے لیے۔ ہاں تاویلی معنے یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ مُراد اس سے یہ ہو کہ آفتاب توحید اسلام کا طلوع مغرب سے ہوگا۔ چُنانچہ امرکیہ اور یورپ کے ملکوں میں آفتاب توحید کا طلوع ہو چلا ہے۔

اقول ۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ (مستقرھا۔ تحت العرش) سو آفتاب کا چلنا اپنے قرار گاہ کی طرف بہر تقدیر ہو سکتا ہے۔ خواہ آفتاب کا طلوع مشرق سے ہو یا مغرب سے۔ اور تاویلی معنے آپ کا بالکل لغو ہے۔ کیونکہ مسلم وغیرہ کی حدیث میں وارد ہے کہ تین علامات کے ظہور کے بعد کسی نفس کو ایمان لانا یا عمل صالح کرنا نفع نہ دے گا مغرب سے آفتاب کا طلوع الخ۔ اب امروہی صاحب کے نزدیک معنی یہ ہوگا کہ امرکیہ اور یورپ میں ظہورِ اسلام کے بعد کسی نفس کو ایمان لانا نفع نہ کرے گا۔ نعوذ باللہ من ھفوات الجاھلین۔

قولہٗ صفحہ ۱۱۹ سے ۱۲۹ تک ۔

اقول ۔ ادنیٰ طالب علم بھی ان صفحات کے مضامین کو رد کر سکتا ہے۔ صفحہ ۱۲۱ میں ریل گاڑی پر دابۃ الارض کا اطلاق ثابت کرنے کے لیے قامُوس کی عبارتِ ذیل کو سند لاتے ہیں۔ والدابۃ مادب من الحیوان وغلب علی مایرکب۔ جس سے صاحبِ قاموس کا یہ مطلب ہے کہ غالباً دابۃ کا اطلاق انھیں حیوانات پر ہوتا ہے جن پر سواری کی جاوے۔

قولہٗ صفحہ ۱۲۹۔ اور ۱۳۰ کا حاصل :۔ یدفن عیسےٰ ابن مریم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وصاحبیہ فیکون قبرہ رابعاً۔ جس کو بُخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اخراج کیا ہے۔ اس پر امروہی صاحب کے چند خدشات۔ اوّلؔ یہ معارض ہے دُوسری روایت کے جو عینی میں لکھی ہے۔ قیل یدفن فی الارض المقدسۃ پس بحکم اذا تعارضا تساقطا کے ساقط الاعتبار ہوویں گے۔ دُوسراؔ یدفن معہ وفی قبری کے کیا معنے ہیں معیّتِ زمانی بھی لزُومِ کذب کی وجہ سے مُراد نہیں ہو سکتی اور معیّتِ مکانی بھی دُور از عقل ونقل ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار شریف اُکھاڑا جاوے۔ اور حضرت عیسٰیؑ آپؐ کی قبر شریف میں دفن کیے جاویں۔ اور اگر لفظ معہ اور قبری سے بتاویل بعید آپؐ کا مقبرہ مُراد لیا جاوے تو معارض ہے حدیثِ ذیل سے۔ قالت لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اختلفوا فی دفنہ فقال ابُوبکر سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شیئاً قال ماقبض اللہ نبیا الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ ادفنوہ فی موضع فراشہ اخیر کا فقرہ چاہتا ہے کہ عیسٰی بن مریم موضع فراش اپنے مدفون ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ موضع فراش عیسےٰ کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا روضہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تو نہیں تھا۔ لہٰذا یہ حدیث روضہ پاک میں مدفون ہونے مسیح بن مریم سے مانع ہے۔

اقول ۔ قیل یدفن والی روایت، جس کے ضعیف ہونے پر قیل دال ہے، بُخاری کی روایت کو معارض نہیں ہو سکتی کیونکہ

معارضہ میں تساوی شرط ہے۔ اگر امروہی صاحب کی طرح کہا جاوے کہ بخاری کی روایت کو آیت ذیل معارض ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء - ۶۹) تو جواباً معروض ہے کہ اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ منعم علیہم باہم برزخی رفاقت رکھتے ہیں۔ اس کا ہم کب انکار کرتے ہیں۔ اور ہم کو مُضر بھی نہیں۔ ہاں آیت کا مطلب اگر یہ ہوتا کہ منعم علیہم کا ایک دُوسرے کے جوار میں مدفون ہونا نہیں ہوسکتا۔ تو البتہ آیت مذکورہ معارض ہوتی بخاری کی حدیث کو۔ واین هذا من ذاك اور مُرادِ معی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مقبرہ ہے۔ اور ترمذی کی حدیث مذکور بخاری کی روایت کو بوجہ عدم تساوی وضعیف ہونے کے معارض نہیں ہوسکتی وقال غریب وفی اسنادہ عبدالرحمن بن بکر الملیکی یضعف من قبل حفظہ (مُلّا علی قاری شرح مشکوٰۃ) اور بالفرض اگر تساوی دونوں روایتوں کا مانا بھی جاوے تو بھی ترمذی کی حدیث معارض نہیں ہوسکتی بلکہ مؤید ہے۔ کیونکہ ماقبض اللہ نبیا الافی الموضع الذی یحب۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اُس کی مرغوب جگہ میں مقبوض فرماتا ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم وآلہ وسلّم کو چُونکہ موضع فراش محبُوب تھا جس میں تنہا ہوکر شاغل بحق ہوتے تھے۔ لہٰذا صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ ادفنوہ فی موضع فراشہ۔ اور عیسٰی ابن مریم کو کیا بلکہ ہر ایک مُسلمان کو، بغیر فرقہ مرزائیہ کے، چُونکہ مقبرہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ہی محبُوب ہے لہٰذا بحکم اسی حدیث ترمذی کے ان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے مقبرہ طیبہ میں مدفون ہونا چاہیئے۔ مؤید کو معارض سمجھنا آپ ہی کا کمال ہے۔ ہاں اگر بجائے فقرہ مذکور ماقبض اللہ نبیا الافی موضع فراشہ ہوتا تو پھر بظاہر آپ کے خدشہ کی گنجائش بھی۔ اگرچہ بعد الغور یہ فقرہ بھی بُخاری کی روایت کے معارض معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ماقبض اللہ بصیغۂ ماضی فرمایا ہے۔ ارشاد کے وقت مسیح خارج تھا۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ما قبض اللہ کی جگہ اگر ما یقبض اللہ بھی بصیغۂ استمرار تجدّدی کما ہو مدلول المضارع ہوتا تو بھی مسیح بروایت بُخاری مستثنیٰ ہوسکتا تھا۔

قولہٗ صفحہ ۱۳۱ کا حاصل۔ نزُولِ مسیح ابن مریم بروزی طور پر ہوگا۔ مسئلہ بُروز کو فتوحات کے باب ۳۶، اور ۳۸ میں مُلاحظہ کیا جاوے۔

اقول۔ فتُوحات کے ابواب مذکورہ کا حاصل پہلے لکھا گیا ہے جس میں اصلاً بُروز عُرفی کا ذکر نہیں۔ اور جو دلائل آیات سے امروہی صاحب نے لکھے تھے اُن کا جواب بھی گذر چکا ہے۔

قولہٗ صفحہ ۱۳۲ کا حاصل:۔ جو تعارضات اس قسم کے ہیں کہ بلحاظ قواعد عربیہ واصول ادبیہ کے ان میں تطبیق نہیں ہوسکتی وُہ بحکم اذا تعارضا فتساقطا کے ساقط الاعتبار ہیں۔

اقول۔ کوئی حدیث دُوسری حدیث سے معارض مسئلہ نزُول مسیح ابن مریم بعینہٖ لا بمثیلہ میں نہیں۔ چنانچہ مفصل لکھا گیا ہے۔ آپ کے قواعد عربیہ اور اصول ادبیہ مضحکہ طلباء ہو رہے ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۱۳۲ سے ۱۴۶ تک:۔ ان صفحات میں جو کچھ امروہی صاحب نے متعلق آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ کے لکھا ہے وُہی مضامین مکررہ ہیں جن کی تردید ہوچکی ہے۔

صفحہ ۱۴۶ سے ۱۵۰ تک کا حاصل:۔ تمام قرآن مجید میں توفاہ اللہ بمعنے قبض اللہ روحہ کے آیا ہے۔ اور تمام احادیث اور تمام صحابہ کرام کے محاورات میں اور تمام لُغت کی کتابوں میں ایسا ہی ہے۔ دیکھو لسان العرب۔ تاج العروس۔ قامُوس وغیرہ وغیرہ۔

قرآن مجید میں سے ایک آیت بھی سوا آیت متنازعہ فیہا کے بطور نظیر ایسی پیش کردویں جس میں کسی مفسر نے اس قسم کے محاورہ کے معنے سوا قبض اللہ روحہ کے لیے ہوں جس طرح پر کہ ہم ۲۳ آیتیں قبض رُوح کے معنی میں پیش کرتے ہیں۔ یا کسی حدیث یا

معانی کے محاورہ یا کتب لغات معتبرہ عرب میں سے اس قسم کے محاورہ کے معنے سوا قبض رُوح کے اور کچھ نکال دیویں تو حضرت اقدس مرزا صاحب ایک ہزار روپیہ دینے کو تیار ہیں۔

ناظرین کو معلوم ہو کہ وجہ رابع میں مؤلف صاحب نے معنے مُراد ہمارے بخوبی تسلیم کر لیے ہیں۔

توفّی یا بمعنی نیند ہوگی یا بمعنے موت کے اور چونکہ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے بدلائل یقینیہ ثابت کر چکے ہیں کہ اس میں رفع رُوحانی مُراد ہے۔ لہذا آیت مُتَوَفِّيْكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ میں چونکہ نیند کے معنے ہو نہیں سکتے لہذا معنے موت کا ہی تعین ہوا اور پھر اگر تسلیم کیا جاوے کہ آیت متنازعہ فیہا کے معنی پورا قبض کر لینے کے ہیں تو اس معنے سے جسم کا رفع آسمان پر کیوں کر لازم آیا کیونکہ یہاں پر پورا قبض کر لینا بہ نسبت نوم کے کہا جا سکتا ہے۔ اس وجہ سے کہ موت میں قبض تام یعنی قبض مع الامساک ہوتا ہے اور نیند میں قبض ناقص یعنی قبض مع الارسال۔

اقول ۔ الحمدللہ کہ امروہی صاحب کو بھی بذریعہ شمس الہدایت کے اتنی روشنی تو ملی کہ توفّی کا معنی موت میں منحصر نہیں ہے جیسا کہ قبل از تصنیف شمس الہدایت اپنی تصانیف میں بہ تقلید قادیانی توفّی کا معنے موت ہی سمجھتے رہے۔ اور نیند پر توفّی کا اطلاق مجاز استعارہ کے طور پر خیال فرماتے رہے۔ دیکھو ازالہ اوہام جلد اول قریب ۳۳ آیات۔ اب اس جگہ امروہی صاحب صفحہ ۳۰، سطر ۱۹ پر لکھتے ہیں (تو معنے اس کے سوا قبض اللہ روحہ کے اور کچھ نہیں) جس سے صاف اقرار پایا جاتا ہے کہ نیند بھی موت کی طرح معنی حقیقی ہے توفّی کے لیے بعد خلو تخالف بین المرشد والمرید۔ اب ناظرین کی توجہ اس طرف دلائی جاتی ہے کہ امروہی صاحب نے توفّی کا معنے صرف قبض رُوح ہی لیا ہے۔ چنانچہ عبارت مسطورہ ان کی (قبض اللہ روحہ) اسی پر دال ہے۔ تو موت اور نیند چونکہ دونوں میں مطلق قبض رُوح کے لیے ہے۔ لہذا موت اور نیند معنے مجازی ٹھہرے۔ کما ھو المقرر اللفظ الموضوع المطلق اذا استعمل فی فرد من افرادہ یکون مجازاً۔ اور یہ خلاف ہے ان کے مزعوم سے کیونکہ وُہ موت کو توفّی کا معنی حقیقی ٹھہراتے ہیں۔ اور پھر تقریر ثانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ رُوح توفّی کے کل تصریفات کے موضوع لہ سے خارج ہے۔ اس پر آیت اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (زمر ۴۲) شاہد کافی ہے۔ کیونکہ انفس کو جو بمعنی ارواح کے ہے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور قول بالتجرید جیسا کہ امروہی صاحب نے صفحہ ۴۲ کے منہیہ میں لکھا ہے مستلزم ہے مصادرہ علی المطلوب کو۔ نیز منافی ہے آیت مسطورہ کے لیے۔ پس معلوم ہوا کہ توفّی کا مدلول صرف قبض ہی ہے جس کے لیے اضافت الی الرُّوح یا الی غیر الرُّوح اور بر تقدیر اول تقیید بالامساک یا ارسال، عارض میں سے ہے بحسب اختلاف المواقع۔ اور چونکہ آیت بل رفعہ اللہ الیہ سے عیسیٰ ابن مریم کا رفع جسمی ثابت ہو چکا ہے جس کے برخلاف امروہی صاحب نے ۳۳ آیت سے متمسک ہو کر بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے مگر مثل عنکبوت کی طرح مارے اور بحکم وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (عنکبوت ۴۱) آخر کار اس کے گھر کا تارو پود اکھاڑ گیا لہذا قول القائل توفی اللہ عیسیٰ یا قولہ تعالیٰ انی متوفیک اور فلما توفیتنی میں قبض جسمی لیا جاوے گا۔

اور یہ خیال کرنا کہ ۳۳ جگہ توفّی سے معنی موت لیا گیا ہے لہذا اس جگہ بھی معنی موت ہی کا لیا جاوے گا، بالکل جہالت و بطالت ہے گویا بمنزلہ اس قول کے ہوا کہ آدم علیہ السلام بھی بدلیل اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (الدھر ۲) وقولہ تعالیٰ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (طارق ۶، ۷) مخلوق من النطفہ ہے۔ اور دُوسری آیت جو آدم علیہ السلام کو آیات مسطورہ سے مستثنیٰ ٹھہرا رہی ہے یعنی خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ۔ اس کی تاویل مثلاً یہ ہے کہ تراب سے نطفہ مراد لیا جاوے کیونکہ نطفہ خاکی انسان سے خارج ہوتا ہے اور خاک از قسم عناصر کے جزو رابع کا فضلہ ہے۔ یا قادیانی تاویلات کی طرح کہہ دیا جاوے کہ تراب میں خفیف اشارہ ہے تراب کی طرف یعنی تر و تازہ پانی وغیرہ کثافات۔ اور یہ سوال کرنا کہ قرآن مجید میں محل متنازع فیہ کے سوا کس جگہ توفّی سے قبض جسمی لیا گیا ہے۔ یہ بمنزلہ اس

قول کے ہوا۔ جیسے مثلاً کہا جاوے کہ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ کا معنی خاکی الاصل ہونا جب مسلم ہو سکتا ہے کہ نوعِ انسانی میں سے کسی شخص کا خاک سے بنایا جانا ثابت کیا جاوے۔ ورنہ آدمؑ کو بھی بشہادت لکھوکھا امثال کے جو نوعِ انسانی میں موجود ہیں مخلوق من النطفہ ٹھہرایا جاوے گا۔ اگر کہا جاوے خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ میں ذکر تراب کا صریح طور پر واقع ہے بخلاف بل رفعه الله اليه کے کہ اس میں قید (جسمی) مذکور نہیں تو ہم کہیں گے کہ ثابت بہ دلیل قطعی کالمذکور ہوتا ہے۔ بڑا تعجب ہے کہ جس سوال کا استحقاق ہم کو حاصل ہے وُہی سوال ہم پر وارد کیا جاتا ہے۔ جس امر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر صحابہؓ اور تابعین و تبع تابعین مفسرین و محدثین کا اتفاق اور اجماع ہے۔ اس میں ہم سے احادیث و اقوالِ صحابہ وغیرہم کے محاورات کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا متصور ہو سکتا ہے۔ کہ احادیثِ نزول و قول عمرؓ بروز وفات شریف (انما رفع کما رفع عيسى) جس کے پہلے فقرہ (انما رفع) ہی کی تردید خطبۂ صدیقیہ میں کی گئی اور فقرۂ ثانیہ (کما رفع عيسى) بوجہ مسلّم اور اجماعی ہونے کے مقولہ عمرؓ میں مشبّہ بہ ٹھہرایا گیا۔ اور اجماعی ہونے کی وجہ سے خطبۂ صدیقی کی تردید بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی۔ ورنہ در صورت مردود ٹھہرانے (کما رفع عيسى) کے ائمہ کے اقوال مسطورہ ذیل جو پہلے بھی بالبسط لکھے گئے ہیں کیسے صحیح ہو سکتے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ سب اُمتِ مرحومہ کا اجماع ہے نزولِ مسیح ابنِ مریمؑ بعینہٖ لابطریق البروز پر جو مستلزم ہے رفع جسمی کے مجمع علیہ ہونے کو کیونکہ نزول بعینہٖ کا مجمع علیہ ہونا بغیر اس کے کہ رفع جسمی مسیح کو مجمع علیہ مانا جاوے ہو ہی نہیں سکتا۔ علّامہ سیوطی کتاب اعلام میں لکھتے ہیں۔ انه يحكم بشرع نبينا و وردت به الاحاديث وانعقد عليه الاجماع اور شوکانی نے مؤلف مستقل میں اس کو بالوضاحت لکھا ہے۔ اور غیر اس کے نے اپنی تالیفات میں اور طبری نے اس کی تصحیح کی ہے۔ دیکھو فتح البیان صفحہ ۳۴۴ جلد (۲) اور نووی نے صحیح مسلم کی شرح جلد اخیر کے صفحہ ۴۰۳ پر لکھا ہے کہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام و قتله الدجال حق صحيح عند اهل السنة للاحاديث الصحيحة فى ذالك وليس فى العقل ولا فى الشرع ما يبطله فوجب اثباته الخ اب عاقل کو بعد لحاظ مضمون بالا اس میں کوئی تردد نہیں رہتا کہ معنی قبض جسمی کا مطابق محاورہ قرآن و سنت و اقوال صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین و مفسرین و محدثین و فقہاء کے ہے۔ یہ سوال کرنا تو ہمارا حق ہے کہ آپ محاورۂ قرآن یا حدیث یا اقوالِ صحابہ وغیرہم سے نزول بروزی کو ثابت کریں یا صرف رفع روحانی کا مراد ہونا کسی حدیث یا تفسیر یا قول صحابی یا تابعی وغیرہم سے دکھلائیں۔ رہی لغت سو اس کا وظیفہ یہ نہیں کہ اس میں متعلقاتِ فعل میں سے مواد استثنائیہ کا ذکر بھی ضروری سمجھا جاوے تاکہ توفی اللہ عیسےٰ بمعنے رفع اللہ جسم عیسےٰ کا ذکر واجب ہو۔ جب لغت نے من جملہ معانی توفی کے معنے رفع کا بھی شمار کر دیا تو بعد قیام قرینہ ایک معنی کی تعیین من بین المعانی ہو سکتی ہے۔ احادیثِ متواترہ اور اجماع سے بڑھ کر کون سا قرینہ ہو گا۔ اجماع کے برخلاف صرف بعض معتزلہ کا قول نقل کیا گیا ہے۔ جس میں انکار از احادیث نزول ان کی طرف منسوب ٹھہرا ہے۔ اس قول کو علماء نے بوجہ بناء فاسد علی الفاسد کالمعدوم خیال کر کے مصادم اجماع نہیں قرار دیا۔ کیونکہ نووی کی عبارت سے جو پہلے بالاستیعاب مذکور ہو چکی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ قول بالبروز کو صوفیاؔ نے بوجہ مخالفت اجماع و احادیث صحیحہ متواترہ کے مردود لکھا ہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اُلٹا قادیانی صاحب اس قول کو جو صوفیاء کرام کے نزدیک مردود ٹھہرا ہے صوفیاء کرام ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں دیکھو اقتباس الانوار۔ بعد ثبوت اس امر کے کہ معنی قبض جسمی کا قرآن اور حدیث و اقوال صحابہ وغیرہم سے ثابت ہے۔

۳۰۴ اب ہم امروہی صاحب کے اس قول کی طرف جو صفحہ ۲۰۴ پر لکھا ہے (لغات معتبرہ عرب میں سے کسی ایک سے بھی اس قسم کے محاورہ کے معنے سوائے قبض روح کے اور کچھ نکال دیویں) ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں جواباً معروض ہے اور بالمقابل درخواست ہے کہ آپ ہی توفی اللہ عیسےٰ کو جو حکایت ہے عیسیٰ کی توفی قبل النزول سے، کسی حدیث یا تفسیر یا قول صحابی یا تابعی یا لغات معتبرہ عرب سے نکال دیویں کہ فقرہ مذکور میں توفی بمعنی موت کے ہے۔ ہم نے تو توفی اللہ عیسیٰ قبل النزول کے معنے حسب تصریح آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

و اجماع صحابہ وغیرہم کے قبض جسمی کا ثابت کر دیا ہے جس پر لغت بھی شاہد ہے کیونکہ توفی بمعنی قبض کی تصریح لغت میں موجود ہے۔ اور خصوصیت قید جسمی کی خصوص مقام سے مستفاد ہے۔ اور اسی معنی کی طرف امام فخرالدین رازی نے صحت کی نسبت کی ہے۔ انی متوفیك المتوفی اخذ الشئ وافیا الی قوله رفع بتمامه الی السماء بروحه وبجسده۔ پھر اس کے بعد لکھا ہے وهو جنس تحته انواع بعضها بالموت وبعضها بالاصعاد الی السماء (تفسیر کبیر) وقال ابن جریر توفیه هو رفعه (ابن کثیر) اور لغت میں تصریح کی ہے کہ توفی کا اطلاق میت پر بعد تحقق موت مجاز ہوتا ہے نہ حقیقت چنانچہ تاج العروس میں ہے ومن المجاز ادرکته الوفات ای الموت والمنیة وتوفی فلان اذا مات وتوفاه الله عزوجل اذا قبض نفسه وفی الصحاح روحه اس عبارت میں توفاه الله کے محاورہ کو معنے موت میں مجاز لکھا ہے جس سے ثابت ہوا کہ فلما توفیتنی میں معنے موت کا لینا مجاز ہے۔ اور چونکہ احادیث نزول و اجماع کی رو سے ارادہ معنی حقیقی یعنی قبض کا متعین اور مجازی یعنی موت کا بغیر تقدیم و تاخیر متوفیک و رافعک میں ممتنع ہے تو قرآن اور حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین وغیرہم و لغت سے ثابت ہوا کہ توفی الله فلانا کا محاورہ نفس قبض میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ مجمع البحار میں ہے وقد یکون الوفاة قبضا لیس بموت۔ چنانچہ یہی سورۂ انعام اور زمر کی آیات سے مراد ہے۔ اب ہم زور سے کہہ سکتے ہیں کہ توفی کا استعمال حقیقۃً نفس قبض میں ہے۔ اور موت اور نیند میں مجازاً۔ تو ارادہ موت یا نیند بغیر قرینہ صارفہ کے جائز نہ ہوگا۔ ۲۵ مقام میں سے دو مقام متنازعہ فیہ یعنے متوفیک و توفیتنی میں بعد لحاظ خصوص المحل تو لغت موجبہ للارادۃ المعنے الحقیقی موجود ہے۔ باقی تئیس مقامات میں بعد قیام قرینہ کسی جگہ موت کسی جگہ نیند، کسی جگہ کچھ اور مراد ہے۔ دیکھو لسان العرب و تفاسیر۔ محاورہ مذکور کا استعمال استیفاء عمر میں بھی ثابت ہے۔ مجمع البحار میں متوفیك ای متوفی کونك فی الارض اور تکملہ مجمع البحار میں توفی کے محاورہ کا استعمال بھی استیفاء عمر میں معلوم ہوتا ہے۔ توفی اصحابه الذین اکلوا من الشاة ظاهره لایلائم ما روی انه لم یصب احد منهم شیئ۔ اس سے ثابت ہوا کہ توفی کا معنی اکمال عمر بھی ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم سے تو اس معنے کے لینے پر شواہد لیے جاتے ہیں۔ جس کے ارادہ پر سارے عالم کا بغیر از چند جہلاً کے اتفاق ہے۔ اور معنی حقیقی بھی بحسب تصریح کتب لغت وہی ہے۔ اور اپنی خبر ہی نہیں کہ سراسر جہالت و تحریف و مخالفت اجماع و استنباطات فاسدہ و غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ آئمہ دین کی طرف خلاف مذہب ان کا منسوب کیا گیا ہے۔ اور غیر اجماعی کو اجماعی و بالعکس ٹھہرایا گیا ہے۔ آپ کا یہ سوال کہ ایک آیت بھی سوا آیت متنازعہ فیہا کے بطور نظیر کے ایسی پیش کریں جس میں کسی مفسر نے اس قسم کے محاورہ کے معنے سوا قبض روح کے لیے ہوں۔ اس کے بالمقابل ہماری درخواست کہ ایسی نظیر ہم پیش کریں گے۔ مگر پہلے آپ کسی آیت میں من جملہ ۲۳ آیت کے توفی کے وقوع کا محل ایسا شخص بتا دیں جس کے زندہ اٹھایا جانے پر احادیث صحیحہ متواترہ و اجماع امت شاہد ہوں تاکہ ہم وہاں پر بھی قرینہ موجبہ للتعیین کی وجہ سے معنی قبض جسمی کا لیویں۔ کیونکہ ہمارے ارادہ کی مدار تو اسی پر ہے۔ مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس سوال کی نظیر یہ ہے۔ کوئی کہے متلاسب جگہ قرآن میں آدمی کا پیدا ہونا نطفہ سے مذکور ہے۔ جس پر قانون قدرت کے نظائر متکثرہ بھی شاہد ہیں تو محل متنازعہ خلقه من تراب میں بلا تاویل آدم کا مٹی سے پیدا ہونا جب مسلم ہو سکتا ہے کہ آدم کے بغیر کسی اور کا پیدا ہونا مٹی سے کسی آیت میں دکھایا جاوے۔ ورنہ ایک شخص کا مخالف ہونا اپنے نوع سے پیدائش میں کیا معنے رکھتا ہے۔ اور ادھر وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا۝ (فاطر-۴۳) بھی موجود ہے لہٰذا خلقه من تراب واجب التاویل ٹھہرا۔

ناظرین قادیانی و امروہی صاحبان کے استدلالات اسی قسم کے ہیں۔ الحاصل محل نزاع میں چونکہ خصوصیت محل ہی مؤثر ہے تعیین معنی قبض جسمی میں، لہٰذا نظائر کا مطالبہ جہالت ہے۔ ہاں اس نزاع کا فیصلہ ایک آسان طریق سے ہو سکتا ہے۔ اثبات خصوصیات کے

بالمقابل اِمتناعِ خصوصیت پیش کریں۔ اور وہ مستلزم ہے انکارِ احادیثِ صحیحہ و اجماع و تصریحاتِ علماء و کتبِ لغت کو۔

اخیر میں امروہی صاحب نے آیتِ متنازعہ فیہا میں معنی قبض کا تو مان لیا ہے مگر قبض مع الامساک کو بہ نسبت قبض مع الارسال کے ناقص ٹھہرانے کی وجہ سے اِستلزام رفع جسمی کا قول نہیں کیا۔ اور ظاہر ہے کہ دلائل خصوصیت محل بعد الاقرار بمعنے القبض کے جبراً استلزام مذکور کو تسلیم کراتے ہیں۔ فتسلیم معنی القبض بالاستیعاب اقرارٌ بالرفع الجسمی من حیث لا یشعر۔ اور ہم نے شمس الہدایت میں توفی کا معنے مطلق قبض لکھا ہے پس ہم پر یہ الزام کہ توفّی کا معنے قبضِ روح مان لیا ہے بالکل بہتان ہے۔ دیکھو شمس الہدایت کا صفحہ ۵۳۔

قولہٗ صفحہ ۱۵۰ کا حاصل۔ وہی بہتان بہ نسبت کتاب اللہ و محققین علماءِ اسلام و صوفیاءِ کرام کے کہ یہ سب بروز کے مثبت ہیں۔

اقول۔ بالکل لغو اور جہالت ہے چنانچہ پہلے بیان ہو چکا ہے عودِ ایلیا میں تو کتاب سلاطین سے تمسک، اور صعودِ ایلیا سے انکار، جو دونوں اسی میں مذکور ہیں۔ یہی مطلب ہے شمس الہدایت کا۔

قولہٗ صفحہ ۱۵۱ کا حاصل۔ شمس الہدایت کی عبارت (یا مسیح کے مصلوب ہونے میں پہلے اناجیلِ رابعہ سے کام لے کر الی قولہ منحرف نہیں ہوتے) اس پر امروہی صاحب لکھتے ہیں لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ مسیح کے مقتول بالصلیب ہونے کا تو ہم ردّ ہی کر رہے ہیں ہمارے تمام رسائل میں اس کا ردّ موجود ہے۔

اقول۔ امروہی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ قادیانی صاحب نے مسیح کا مصلوب ہونا اناجیل سے نہیں لیا۔ کیونکہ مسیح کے مقتول بالصلیب ہونے کا تو وہ ردّ ہی کر رہے ہیں۔ ہاں صرف صلیب پر چڑھایا جانا مسیح کا اور پھر قتل بالصلیب سے محفوظ رہنا لیا ہے۔ مگر وہ بھی قرآن مجید سے گویا قادیانی صاحب پر دو وجہ سے بہتان باندھا گیا۔ ایک یہ کہ اُس نے مسیح کو مصلوب نہیں کیا معہذا اُس کی طرف یہ ناگفتہ قول منسوب کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ اُس نے صلیب پر چڑھایا جانا مسیح کا اور پھر محفوظ رہنا اناجیل سے نہیں لیا۔ یہ ناکردہ گناہ بھی اس پر عائد کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم مفتری کاذب پر لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہنے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ بعد تشریح غرض امروہی صاحب کے جواباً معروض ہے کہ ازالہ اوہام حصہ اول کے صفحہ ۳۸۱ سطر ۲ پر ملاحظہ ہو کہ قادیانی صاحب لکھتے ہیں (سو انھوں نے تین مصلوبوں کو صلیب پر سے اُتار لیا) پھر اسی صفحہ پر ہے (بالاتفاق مان لیا گیا ہے کہ وہ صلیب اِس قسم کی نہیں تھی جیسا کہ آج کل کی پھانسی ہوتی ہے اور گلے میں رسہ ڈال کر ایک گھنٹہ میں کام تمام کیا جاتا ہے) پھر اسی صفحہ میں ہے (جن کی وجہ سے چند منٹ میں ہی مسیح کو صلیب پر سے اُتار لیا گیا) اور پھر صفحہ ۳۸۲ سطر ۱۱ پر لکھتے ہیں (پس اس طور سے مسیح زندہ بچ گیا) ناظرین عباراتِ مسطورہ بالا سے معلوم کر سکتے ہیں کہ شمس الہدایت کے دونوں الزام قادیانی صاحب پر واقعی اور سچے ہیں کیونکہ ازالہ میں اناجیل کی روایات سے یہ مضمون لیا گیا ہے۔ اور زندہ مسیح پر مصلوب کا اطلاق بھی کیا گیا ہے۔ لہٰذا شمس الہدایت کا انتساب صحیح اور بجا ٹھہرا۔ اور لسان العرب کی نقل اُلٹی قادیانی پر پڑی۔ اب ہم ترکی بہ ترکی لعنت نہیں دیتے بلکہ بجائے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے کہتے ہیں یغفر اللہ للخاطئین۔ اس مقام پر امروہی صاحب نے لسان العرب کا حوالہ دے کر اپنے مرشد صاحب کو بچانا چاہا مگر یہ معلوم نہیں کہ لن یصلح العطار ما افسد الدھر۔ اس کو جانے دیجئے اپنی فکر کیجئے پاداش لعنت بہ لعنت تو ہم نے معاف کیا۔ مگر یہ گلِ دیگر شگفت کیا ہے جو آپ اسی مقام پر لکھتے ہیں (دیکھو بحث حرف لکن کی جو واسطے دفع کرنے وھم ناشی عن الکلام السابق کے آتا ہے کما مر) کیا صلیبی واقعہ بغیر قتل کی واقعیت کے آپ قرآن مجید سے ثابت کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ کما مر۔ الغرض اناجیل کو بوجہ خود غرضی کے مانتے بھی ہیں۔ اور اسی وجہ سے پھر منحرف بھی ہوتے ہیں۔ اور جھٹ قرائن قویہ بھی پیدا کر لیتے ہیں۔ کیا یہ چند اصول آپ کے (قرائن قویہ) (قانون قدرت) (تعارض) اور (تساقط) بے محل روافض کے تقیہ کی طرح نہیں۔

قولہ صفحہ ۲۰ کا حاصل وہی ہے جس کی تردید بحث لغت و احادیث نزول و اجماع میں گذر چکی ہے صفحہ ۲۰ کا حاصل صحیح بخاری میں ہے قال ابن عباس متوفیك ممیتك جس کی اسناد عمدۃ القاری میں حسب ذیل لکھی ہے۔ عنوان تعلیق ابن عباس ھذا رواہ ابن ابی حاتم عن ابیہ حدثنا ابو صالح حدثنا معاویہ عن علی بن ابی طلحہ عن ابن عباس اھ۔ یہ مخالف ہے ان مرویات کے جو بل رفعہ اللہ الیہ اور ایسا ہی ولکن شبہ لھم اور ایسا ہی فلما توفیتنی اور ایسا ہی قبل موتہ اور ایسا ہی وانہ لعلم للساعۃ کے متعلق لکھے گئے ہیں جب تک وہ روایات علی شرط البخاری نہ ہوں۔ اور دیگر نصوص قطعیہ کے برخلاف بھی نہ ہوں۔ اور باہم بھی متعارض نہ ہوں تب تک کیوں کر ان کو قبول کیا جاوے۔ آپ اپنے مرویات کی رواۃ کی توثیق و تعدیل علی شرط البخاری کیجئے۔ اور بعد اس کے وجوہ ترجیح بیان کیجئے پھر ہمیں قبول کرنے سے کیا انکار ہے۔

اقول ۔ روایت قال ابن عباس متوفیك ممیتك ہمارے مرویات متعلقہ آیات مذکورہ کے برخلاف نہیں الا در صورتے کہ متوفیك ورافعك الی میں قول بالتقدیم والتاخیر نہ کیا جاوے۔ اور فلما توفیتنی کے صدد میں قال معنی یقول نہ لیا جاوے۔ مگر قتادہ سے قولہ سبحانہ انی متوفیك ورافعك الی میں انی رافعك الی ومتوفیك مروی ہے۔ جس کو مفسرین نے منظور رکھا ہے۔ اور بخاری نے قال معنی یقول لے کر آیت فلما توفیتنی کو متعلق بواقعہ مابعد النزول ٹھہرایا ہے۔ دیکھو صحیح بخاری اسی صفحہ میں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بخاری نے متوفیك بمعنی ممیتك کا تحقق فیما بعد النزول لیا ہے۔ یہ تو بخاری کا فیصلہ ہے۔ رہا قول بالتقدیم والتاخیر جو قتادہ سے مروی ہے سو اس کا قائل بخاری بھی ہے چنانچہ ابھی معلوم ہو چکا ہے۔ اور علامہ سیوطی بھی تفسیر اتقان میں لایا ہے۔ اور چونکہ علامہ سیوطی کی نسبت ازالہ اوہام میں بڑے زور اور بسط سے لکھا گیا ہے کہ ان کے پاس صحت کا معیار کشف بھی ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام جلد اول صفحہ ۱۵۰ سے ۱۵۳ تک جس میں یہ بھی مندرج ہے کہ صاحب کشف کا قول بعض علماء کے نزدیک آیت اور حدیث کی مانند ہے۔ اور پھر صفحہ ۱۵۱ پر جلال الدین سیوطیؒ کو اہل کشف میں سے شمار کیا گیا ہے۔ جنھوں نے بہتیری حدیثوں کی تصحیح بذریعہ کشف کی ہے۔ اور پھر صاحب کشف کی تصحیح کو علماء حدیث کی تصحیح پر ترجیح دی گئی ہے اب ہم قادیانی صاحب وامروہی صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ شخص فلما توفیتنی کو متعلق بواقعہ مابعد النزول کہنے والا اور آیت متوفیك ورافعك الی میں تقدیم و تاخیر کے قول کو منظور رکھنے والا وہی امام بخاری ہے۔ اور وہی امام ہمام جلال الدین سیوطی ہیں یا کوئی اور۔ برتقدیر اول حسب مسلمات اپنے کے تائب ہو کر اہل اجماع و مومنین بماجاء بہ الرسول علیہ السلام کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اور برتقدیر ثانی ان کی مغایرۃ اپنی بخاری و علامہ جلال الدین سیوطی مسلم شدگان سے ثابت کیجئے۔ ودونہ خرط القتاد۔

جب یہ ثابت ہو چکا کہ بخاری کی روایت ہمارے مرویات مذکورہ فی شمس الہدایت کے برخلاف نہیں تو تعارض کہاں ہے تا کہ بیان توثیق و ترجیح کی ضرورت ہو۔ ہاں اگر آپ کو صرف رفع جہالت کی غرض ہے تو اثر ابن عباس متعلق بل رفعہ اللہ الیہ کی اسناد کو حسب ذیل ابن کثیر میں دیکھو۔ قال ابن ابی حاتم حدثنا احمد بن سنان حدثنا ابو معاویہ عن الاعمش عن المنہال ابن عمرو عن سعید بن جبیر عن ابن عباس الخ پھر اسی کے متعلق لکھتے ہیں۔ وھذا اسناد صحیح الی ابن عباس ورواہ النسائی عن ابی کریب عن ابی معاویۃ بنحوہ وکذا رواہ غیر واحد من السلف الخ اثر کے کسی فقرہ میں رواۃ کا اختلاف قدر مشترک کو جس پر اجتماعی عقیدہ کا مدار ہے مضر نہیں ہو سکتا۔ اور ابن جریر نے ابی مالک سے اور عبد بن حمید وابن المنذر نے شہر بن حوشب سے متعلق آیت وان من اھل الکتاب کے اخراج کیا ہے۔ اور حافظ ابن کثیر و علامہ سیوطی وغیرہم من الثقات کی توثیق و تصحیح کافی ہے۔ اور چونکہ یہ مرویات بخاری کی روایت مذکورہ بالا بلکہ مذہب اس کے لیے موید ہیں۔ لہٰذا

واجبُ التسلیم ٹھہریں گے۔ دیکھو مقدمہ فتح البیان جس میں خلاصہ کے طور پر یہ بھی مندرج ہے کہ سیُوطی جیسے لوگوں کا اخراج کافی ہے توثیق اسناد میں۔ اور قادیانی صاحب کے نزدیک تو کشفی معیار والوں کو ائمہ صحاح ستّہ پر بھی فوقیت ہے بناءً علیہ اگر بُخاری کی روایت اور ہمارے مرویات میں بالفرض تخالف بھی ہوتا تو سوال مذکُور کے مستحق ہم تھے یعنی یہ کہہ سکتے تھے کہ ہماری مرویات چونکہ کشفی معیار سے تصحیح کی گئی ہیں۔ لہٰذا بُخاری کی روایت بحسب مسلّمات و مصرحات آپ کے۔ ان کی معارض نہیں ہو سکتی۔ اور بر تقدیر فرضِ التساوی بحکم اذا تعارضا فتساقطا کے دونوں ساقط الاعتبار ٹھہریں گی پس سب آیاتِ توفّی میں وہی قبضِ جسمی کا بحکم خصُوص المحل متعین ہو گا جب آپ یہ دُشوار مرحلہ طے فرماویں گے۔ ودونہ خرط القتاد پھر بھی آپ کو اہلِ اجماع ہی کے ساتھ شامل ہونا پڑے گا۔

قولہٗ صفحہ ۵۳ کے آخیر سے صفحہ ۵۹ تک کا حاصل :۔ پیشین گوئی کی حقیقتِ تفصیلی پر اجماع کا انعقاد کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ اگر اُمت ایسی پیشین گوئی کی تفصیلی حقیقت پر اجماع کرے تو یہ اجماعِ کورانہ نہیں تو اور کیا ہے۔

۲۔ مسیح کے رفعِ جسمانی پر کس وقت میں تمام مجتہدین نے اجماع کیا۔ بلکہ وفات شریف کے دن کُل صحابہ کا اجماع کُل مُرسلوں کی بالخصوص عیسٰی ابن مریمؑ کی وفات پر منعقد ہوا۔ دیکھو ہمارا رسالہ القسطاس المستقیم وغیرہ کو۔

۳۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معراج اور عیسٰی ابنِ مریم کا رفع اگر جسم کے ساتھ ہوتا تو منکرین کو اس کا دکھایا جانا ضروری تھا۔

۴۔ کوئی حدیث صحیح یا ضعیف دکھائی جاوے جس میں عیسٰی کا رفع بجسدہ العنصری مذکُور ہو۔

۵۔ بڑا افسوس ہے عُلماء اتنا بھی نہیں جانتے کہ نزُول کا معنےٰ کسی مقام پر ٹھہرنا ہوتا ہے۔

۶۔ قدرِ مشترک احادیثِ نزُول کا مصداق بالضرُور حضراتِ اقدس ہیں۔

۷۔ مطالبہ اس امر کا کہ متمسک بہا مرویات کے کل رواۃ کی توثیق و تعدیل علی شرط البخاری کی جاوے۔

۸۔ ابنِ عبّاس کے نزدیک اگر متوفیك کا معنےٰ ممیتك نہیں تو پھر دُوسرا کوئی معنیٰ ابنِ عبّاس سے نقل کرنا ضرُوری تھا۔

۹۔ تمام قرآن مجید و محاوراتِ عرب میں توفاہ اللہ کا معنےٰ قبض اللہ روحہٗ آیا ہے۔

۱۰۔ مدتِ اقامتِ مسیح کی روایات میں جو تعارض ہے اُس کی تطبیق بھی تو ضرُوری ہے۔

۱۱۔ میں افسوس کرتا ہُوں کہ آپ ناحق اس مناظرہ میں شامل ہو کر دقّت میں پڑ گئے۔ آپ کو جہاں میں معتبر بننے کے لیے گدی نشینی ہی کافی تھی۔

اقول پیشین گوئی کے قدرِ مشترک پر، جو نزُولِ مسیح ابنِ مریم بعینہٖ لا بمثیلہٖ ہے، اجماع ہے۔ نہ ہر ایک خصُوصیتِ متعارضہ بالاخرے پر، چنانچہ آپ کا اقرار نمبر ۶ میں موجُود ہے۔ اجماعِ اُمت کو کورانہ کہنا آپ ہی کا کام ہے۔

۲۔ مجتہدین کے اقوال مفصلہ ابتداء رسالہ میں اور ایسا ہی خطبہ صدیقیہ کا بیان بھی پہلے گذر چکے ہیں۔

۳۔ یہ اصلاح اللہ تعالٰے کو العیاذ باللہ دیجئے۔ تاکہ علاوہ لنریہ من آیتنا اور عصمۃ عن الیھود کے اور فائدہ بھی حاصل ہو جاتا۔ نعوذ باللہ من ھفوات الجاھلین۔

۴۔ حدیث چُونکہ قول صحابی کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا ابنِ عبّاس کا اثر جس کو اُوپر باسنادِ صحیح بحوالہ ابن کثیر و نسائی وغیرہ کے ذکر کیا گیا ہے بلکہ کُل احادیث نزُول بعد بطلان احتمال البرُوز رفع بجسدہ العنصری کے مثبت ہیں۔

۵۔ عُلماء کو نزول بعد الرفع الجسمی کا معنےٰ خوب معلوم ہے۔ آپ کی نادانی قابلِ افسوس ہے۔

۶۔ آپ نے اس مقام میں اپنی ساری کتاب کے برخلاف احادیث نزول سے مشترک کے ثبوت کا اقرار کر دیا۔ گویا کُل کارروائی

اپنی کا تار و پود اُکھاڑ دیا۔ ع

عدُو شود سببِ خیر گر خُدا خواہد

۷۔ اِس مطالبہ کا جواب گذر چکا۔

۸۔ آپ کو کچھ فنِ مناظرہ سے بھی وقوف ہے؟ کیا مانع کو مدعی خیال فرماتے ہیں؟ ہاں رفع جہالت کے لیے اگر سوال ہے۔ تو تبرعاً دِکھلایا جاتا ہے۔ ابنِ عبّاس کا وُہ قول جو بحوالہ دُرِّمنثور فلما توفیتنی کے متعلق اخرج ابوالشیخ عن ابن عباس الخ شمسُ الہدایت میں لکھا ہُوا ہے۔

۹۔ اِس کا جواب پہلے گذر چکا ہے۔

۱۰۔ ابُوہریرہؓ کی حدیث مرفوع میں جو ابُوداؤد میں ہے جس کو باسنادِ مُبہم احمد نے بھی روایت کیا ہے مُدّت اقامتِ عیسٰی چالیس سال مذکور ہے۔ اور مُسلم والی حدیث جس میں سات سال کا ذِکر ہے۔ اُن کے مابین تطبیق پہلے بیان کی گئی ہے۔ اور نعیم بن حماد والی حدیث جس میں اُنیس سال کا ذکر ہے وُہ چالیس سال والی حدیث کے بوجہ عدم تساوی معارض نہیں ہوسکتی۔ البتہ بخیال اثبات قدرِ مشترک ہمارے مدعی کے لیے مفید ہے۔ سیُوطی کی مرقاۃ الصعود اور بیہقی کی کتاب البعث والنشور کو ملاحظہ فرماویں۔

۱۱۔ ایراد لاینحل معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا میں اقرار کرتا ہُوں کہ ع

بتر زانم کہ خواہی گفت آنی

قولہٗ صفحہ ۱۵۹ کے نصف سے صفحہ ۱۶۱ تک کا حاصل:۔ ان صفحات میں امروہی صاحب نے ابنِ عباس و قتادہ و بُخاری بلکہ جتنے مفسّرین کہ جنھوں نے متوفیك سے معنے ممیتك لے کر آیت میں تقدیم تاخیر کہی ہے سب کی طرف مُسخر کے طور پر نسبت اِصلاح فی القرآن کی ہے یعنی:۔

۱۔ قائل بالتقدیم والتاخیر قرآن میں اِصلاح کرتا ہے کہ اصل عبارت یُوں ہونی چاہیئے تھی۔ یاعیسٰی انی رافعك الیّ ثم متوفیك۔

۲۔ بعد الاصلاح بھی ناکامیابی رہی کیونکہ بعد رفع کے بھی اَب تک آسمان پر حضرت عیسٰی کی وفات نہیں ہُوئی۔

۳۔ پیشین گوئی وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (آل عمران۔ ۵۵) کی بھی چُونکہ شمس الہدایت کی تصریح کے مُطابق واقع ہوچکی ہے۔ دیکھو صفحہ ۴۵ سطر ۲۳۔ لہٰذا مؤلف کے نزدیک نظمِ قرآنی یُوں ہونی چاہیئے کہ یا عیسٰی انی رافعك الی ومطھرك من الذین کفروا وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا ومتوفیك الٰی یوم القیامۃ پھر متوفیك الی یوم القیمۃ کے کیا معنے ہوں گے۔ اور اگر الی یوم القیمۃ کو بھی آپ متوفیك سے مقدم کریں گے تو آپ کے نزدیک حضرت عیسٰی کی وفات بعد قائم ہونے قیامت کے ہوگی۔ ایھا الناظرون! کیا ایسا ہی عقیدۂ اجماعیہ اسلامیہ ہوتا ہے۔

۴۔ قول تقدیم و تاخیر کا بغیر ان فوائد کے جو مقتضائے اعجازِ بلاغت ہیں محض غلط ہے۔ کما قال اللہ تعالٰی وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ؁ (قصص۔ ۵۱) ولقولہ علیہ السلام ابدءُ بما بدء اللہ بہ فبدء بالصفا فرقٰی علیہ۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مع اُمّتِ مرحُومہ کے مکلف ہیں اِس امر کے کہ ترتیب نظمِ قرآنی کے مُوجب عمل درآمد فرماویں۔

اقول ۔ ۱۔ قول بالتقدیم والتاخیر کا معنےٰ یہ نہیں کہ اصل عبارت بجائے نظم قرآنی کے یُوں ہونی چاہیئے تھی جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے۔ بھلا قرآنِ کریم کا یہ شان ہے۔ قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (بنی اسرائیل - آیت ۸۸) اس میں یُوں نہ چاہیئے یُوں چاہیئے کیسے متصوّر ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کا یہ معنی ہے کہ ترتیب ذکری مطابق ترتیب وقوعی کے نہیں یعنی مقدم فی الذکر مثلاً موخر فی الوقوع ہے لیکن اختیار کرنا اس طرز کا ضرور کوئی وجہ رکھتا ہے۔ جس کے بغیر وجُوہ اعجاز و فوائد علم بلاغت متحقق نہیں ہو سکتے پس نظر بدیں وجُوہ فوائد نظم کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ گو کہ مقدّم ذکری مثلاً وجُود اور تحقّق میں موخر ہی ہو۔ ایھا الناظرون امروہی صاحب نے کہاں کی کہاں لگا دی۔

۲۔ انی را فعك الی ثم متوفیك یا و متوفیك کیا اس کا مقتضےٰ یہ ہے کہ حضرت عیسٰی آسمان پر مرے؟ بتایئے کس مادہ یا ہیئت کا مدلول ہے۔

۳۔ پیشین گوئی بوجہ امتداد و استمرار فوقیت تا بروز قیامت متحقق نہیں ہو چکی اور نہ شمس الہدایت کی عبارت کا یہ مفاد ہے دیکھو صفحہ مذکورہ سطر ۲۳۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا خُلفاء راشدین کے وقت میں یہُود کا مغلوب ہونا کیا اس پر فوقیت تابعین الی یوم القیامۃ کا اطلاق کیا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور ترتیب فی التحقق والوجود برعایت مدلول احادیث متواترہ فی النزول اس طرح پر معلوم ہوتی ہے۔ انی رافعك الی ومطھرك من الذین کفروا الی یوم القیامۃ۔ کیونکہ جعل مستمرا الٰی یوم القیامۃ کا تحقق قیامت کے متصل متصوّر ہو سکتا ہے۔ ایھا الناظرین کی جگہ ایھا الناظرون چاہیئے دیکھو ہدایت النحو و کافیہ۔

۴۔ الحمد للہ کہ آپ تقدیم و تاخیر کو مان گئے۔ ہاں صاحب دُوسرے لوگ بھی تقدیم و تاخیر کو اسی معنی سے لیتے ہیں ؎

ہر چہ دانا کُنند کُند ناداں　　لیک بعد از ہزار رُسوائی

اور آیت وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ؕ (قصص - ۵۱) کا یہ معنی نہیں کہ ترتیب ذکری اور وقوعی کا تطابق ضروری ہے۔ ورنہ حسب بلاغت آپ کے کلام الٰہی کاذب ہوا جاتا ہے۔ لوجود شواھد التقدیم والتاخیر اور حدیث شریف اَبْدَءُ بِمَا بَدَءَ اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ آیت ان الصفا والمروۃ کی ترتیب ذِکری، قطع نظر بیان حدیث سے، اس کے مُثبت ہے وجُوب تقدیم صفا، یا مسنُونیت یا استحباب کے لیے جب کہ مُثبت ان کی حدیث ہے۔ چنانچہ عینی شرح صحیح بُخاری میں ہے۔ لانہ یحتج بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ابدءُ وا بما بدءُ اللہ بہ فکیف یستدل بخبر الواحد علی اثبات الفرضیۃ انتھٰی موضع الحاجۃ۔ گویا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابدءُ بالصفا کی جگہ ابدء بما بدءُ اللہ بہ فرمانا محسناتِ بلاغت سے ہوا بفس ترتیب نظم بغیر احکام میں بیان سنت قولی یا فعلی کے، یا بیان تاریخی کے واقعات میں، اگر مُوجب ہو تقدیم فی الوقوع کے لیے، تو چاہیئے کہ بحسب آیت اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کے ادائے زکوٰۃ کی تقدیم ادائے صلوٰۃ پر ناجائز ہو جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ ایسا ہی وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا الخ میں ترتیب ذکری مُطابق ترتیب وقوعی کے نہیں۔ ہاں اس طرز بیان کو اختیار کرنا وجُوہ بلاغت کے لیے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تقدیم صفا کی مروہ پر مفاد ہے۔ حدیث اَبْدَءُ یا ابدء وبما ابدءُ وا بدءُ بما بَدَءَ اللہ کا۔ ما نحن فیہ یعنے توفی مسیح کا چُونکہ بیان احادیث نزُول کی رو سے متاخر الوقُوع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا انی متوفیك ورافعك کو بر تقدیر ارادہ معنی موت کے از قبیل تقدیم و تاخیر ماننا پڑا۔ گویا جناب کی نظیر پیش کردہ ہمارے مدعی کی موید ٹھہری۔

قولہٗ صفحہ ۱۶۱ کے اخیر سے صفحہ ۱۶۳ تک کا حاصل :۔ دُرِّمنثور وغیرہ میں جو تقدیم و تاخیر مروی ہے اس کی نسبت سوال کیا جاتا ہے کہ اوّل تو آپ ان مرویات کی اسناد اور اس کے رجال کی توثیق مثل اس اثر ابن عبّاس کے جو صحیح بُخاری میں مندرج ہے علیٰ شرط البخاری ثابت کیجئے بعد اس کے ہم سے جواب لیجئے۔

۲۔ ہماری تطبیق بین النصُوص پر کوئی حاجت نہیں جو تقدیم تاخیر کا قول کیا جاوے۔

۳۔ تفسیر عبّاسی کی نسبت بحوالہ مجمع البحار و اتقان و قولِ شافعی ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی روایت کا سلسلہ جھُوٹا ہے پس قرآن مجید کی ترتیب نظم میں تقدیم و تاخیر کو ایسے کذّابین کے مرویات سے ہم تسلیم نہیں کرتے۔

اقول ۔ امام بُخاریؒ اور صاحب مجمع البحار اور صاحب اتقان اور امام شافعیؒ کا چُونکہ مذہب وفات مسیح بعد النزُول کا ہے۔ چُنانچہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ تو بر تقدیر ارادہ معنی ممیتك کے متوفیك سے یہ سب حضرات تقدیم و تاخیر کے قائل ہو گئے کیونکہ بغیر اس کے قول بالوفات بعد النزُول کا کوئی معنے نہیں۔ لہٰذا ہمارے مرویات تو انہی کے مرویات ٹھہرے۔ صراحتہً یا اقتضاءً۔ اگر آپ کو ان کی جرح والتعدیل پر اعتماد ہے تو اندریں صُورت ان کے مذہب کا تخالف کیا معنے رکھتا ہے ان کے مذہب سے برخلاف ہونا تو اسی وجہ سے ہے کہ ان کا قول قابلِ اعتبار آپ کے نہیں۔ پس چاہیئے کہ تفسیر عبّاسی کی نسبت ان کی جرح بھی ساقط الاعتبار ہو۔ بنابرآں بہ نسبت تفسیرِ عبّاسی کے آپ تو جرح نہیں کر سکتے۔ مگر ہمارے نزدیک چُونکہ ان بزرگوں کی جرح بوجہ اتحادِ مذہب کے غیر معتمد بہ نہیں ٹھہر سکتی۔ لہٰذا ہم کو عبّاسی کا مجرُوح ہونا مسلّم ہے۔ مگر عبّاسی کی نقل سے ہم کو اثباتِ مدعیٰ کا مقصُود نہیں بلکہ صرف شواہد و توابع کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔ پہلے بھی گذر چکا ہے کہ ہماری مرویات بخاری کے اثر ابن عباس کے برخلاف نہیں بلکہ اس کے لیے متمم ہیں۔ قطع نظر ہماری مرویات سے آپ ہی فرمائیے، کیا جس شخص کا مذہب وفات بعد النزول کا ہے وُہ بعد ارادہ معنے ممیتك کے متوفیك سے ترتیبِ نظم اور ترتیبِ تحقق و وجُود کو باہم مُطابق خیال کر سکتا ہے ؟ ہر گز نہیں ہم نے تو آپ کے مسلّمات کو پیش کیا تھا یعنی علامہ سیُوطی کے تالیفات و مذہب کو۔ دیکھو ازالہ اوہام جلد اوّل۔ اب آپ کو بغیر اس آڑ کے بچنا مشکل نظر آیا کہ اپنی مسلّمات کی نسبت اسناد میں کلام کیا جاوے۔ مگر معلُوم ہو کہ تاڑنے والے تو تاڑ گئے ہیں اَیُّھَا النَّاظِرُوْن جب کسی نے مثلاً مشکٰوۃ کو مسلّم الثبُوت مان کر مناظرہ شروع کیا ہو۔ اور اس کے مقابل نے اپنے مدعیٰ کا ثبُوت مشکٰوۃ سے دے دیا ہو۔ اور پھر اُس نے مشکٰوۃ کے قول رواہ فلان پر اسناد طلبی کی۔ تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ شخص اپنے مُسلّم شدہ سے انکار کیے جاتا ہے تسلیم کو بھی معاف کیا مگر آپ پہلے ہماری مرویات اور بُخاری کے اثر کے مابین تخالف ثابت تو کریں۔ بعد اُس کے ہم تطبیق و توثیق بیان کریں گے۔ یاد رہے جس شخص کی مرویات کو آپ لیں گے وُہ اجماعی عقیدہ کے برخلاف ھرگز نہ ہوں گے۔ الّا درصُورتے کہ آپ اُس شخص کی نسبت بالتصریح یا بالاقتضاء مع لحاظِ مذہب اس کے قول بہ نزُول برُوزی ثابت کریں۔ و دونہ خرط القتاد۔

۲۔ آپ کی تطبیق بین النصُوص مستلزم ہے۔ انکار یا تحریف احادیثِ متواترہ اور نیز مخالف اجماع کو، اس لیے قابل اعتبار نہیں۔ لہٰذا اہلِ اجماع کی تطبیق ہی معتبر رہی۔ اور تقدیم و تاخیر انہونی بات نہیں۔ اس کے شواہد موجُود ہیں۔

۳۔ تفسیر کی نسبت جواب نمبرا میں لکھا گیا ہے۔

صفحہ ۱۶۳ سے صفحہ ۱۷۰ تک تقدیم و تاخیر کے شواہد پر جو ہم نے تفسیر اتقان سے دفع استبعاد کے لیے پیش کیے تھے ان پر امرزا جی حضرت کے کلام سے پہلے یہ جتلانا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اس مقام میں حریفِ مقابل نے ہمارے مدعیٰ کو تسلیم کر لیا ہے۔ یعنی یہ مان لیا ہے۔ کہ

ہر جگہ پر تقدیم اور تاخیر بحسب تحقق ضروری نہیں۔ جائز ہے کہ مقدم فی الذکر مؤخر فی التحقق ہو چنانچہ متوفیك مقدم الذکر مؤخر فی التحقق ہے رافعك وغیرہ کی نسبت۔ ہاں البتہ علم بلاغت کی رُو سے اس ترتیب نظم کا قائم رہنا ضروری ہے۔ دیکھو امروہی صاحب صفحہ ۱۷۰ سطر ۲۲ پر لکھتے ہیں (اور ہر جگہ پر تقدم اور تاخر کو بحسب تحقق کے ضروری ہونا کون کہتا ہے۔ ہاں البتہ بلاغت کی رُو سے اس ترتیب نظم کا مقدم ہونا جو مقتضائے حال کے موافق ہو ضروری ہے۔ انتہیٰ) موضع الحاجۃ بیت ؎

عدُو شود سبب خیر گر خُدا خواہد ۔۔۔ خمیر مایۂ دُکان شیشہ گر سنگ است

قولہٗ ۔ بعد اس کے لکھتے ہیں (جیسا کہ یاعیسٰی انی متوفیك میں ترتیب موجُود کا قائم رہنا ضروری ہے)

اقول ۔ ہاں صاحب ہم بھی نظم قرآنی کو واجب القیام مانتے ہیں۔

قولہٗ ۔ پھر لکھتے ہیں (ورنہ طرح طرح کے مفاسد لازم آتے ہیں کما مر)

اقول ۔ ہمارا اور مقابل کا تخالف صرف (کما مر) میں ہے۔ یعنے اس کے مفاسد لازمہ اور ہیں اور ہمارے اور۔ آیت ۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ میں اور ایساہی وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ (نساء ۔ ۱۶۳) میں بھی مقدم الذکر کا مؤخر فی التحقق ہونا مان لیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۷۰ کی عبارت مسطورہ بالا اور پھر دیکھو صفحہ ۱۷۱ کی عبارت ذیل جو بعد اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ الخ کے لکھتے ہیں (اس آیت میں جو باعتبار تحقق خارجی کے بعض انبیاء کا تقدم اور تاخر بظاہر معلوم ہوتا ہے وُہ باعتبار وضع کے اسی ترتیب سے ہونا چاہیئے تھا جس طرح پر کہ مثل سلک جواہر منظم کے بیان فرمایا گیا ہے انتہے موضع الحاجت) ہاں صاحب ہم بھی نظم قرآنی کا قائم رہنا مسلّم رکھتے ہیں ہم نے کب کہا ہے یا قتادہؒ وغیرہ نے کہاں لکھا ہے کہ نظم قرآنی اس طرح پر نہ چاہیئے۔ یہ تو بوجہ جہالت کے آپ کا الزام صحابہ اور مفسرین پر تھا۔ ہمارا مطلب شواہد تقدیم و تاخیر کے پیش کرنے سے صرف اتنا ہی تھا جو آپ نے مان لیا یعنی کبھی مقدم الذکر باعتبار تحقق و وجُود خارجی کے مؤخر ہوتا ہے بس۔

قولہٗ ۔ امروہی صاحب کی ایک اور جہالت مُلاحظہ فرمایئے صفحہ ۱۶۹ کے اخیر میں كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ (شوریٰ ۔ ۳) اور اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (نساء ۔ آیت ۱۶۳) کے متعلق لکھتے ہیں (اور ان آیات میں تو باعتبار تحقق کے بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مقدم ہیں۔ کیا مؤلف صاحب خاتم النّبیّین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو جُملہ انبیاء سے نبوّت میں سابق بلکہ تمام کمالات میں اوّل اور افضل نہیں جانتے تو وُہ مطالعہ کرے باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو عن ابی ھریرۃ قال قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متٰی وجبت لك النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد رواہ الترمذی وعن العرباض بن ساریۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ رواہ فی شرح السنۃ۔ ان حدیثوں سے ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوت بلکہ ختم نبوت قبل پیدائش آدم کے متحقق تھی انتہےٰ۔ موضع الحاجۃ۔

اقول ۔ فہم سخن گر نہ کند مُستمع ۔ قوت طبع از متکلم مجوئے

کہاں کی کہاں لگا دی۔ آیت۔ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اور نیز آیت اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ میں يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ پہلی آیت میں اور اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ دُوسری میں یعنی انزال کلام الٰہی مقدم الذکر ہے اور اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ یعنی یُوحٰی اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ اور ایساہی اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ مؤخر الذکر

ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انزال قرآن مجید کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اُوپر چالیس سال کے بعد غارِ حرا میں شروع ہوا ہے۔ جو مؤخر فی التحقق ہے بہ نسبت پہلی کتابوں کے۔ امروہی صاحب نے یوحی اور اوحینا کو حذف کرکے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے وجُود شریف میں کلام شروع کر دیا۔ اس مقام پر علاوہ جہالت کے بطالت کا بھی ثبوت دیا ہے یعنی لوگوں پر ظاہر کرنا چاہا ہے کہ ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو جمیع کمالات میں افضل جانتے ہیں بہ نسبت مخالفین کے۔ مگر ناظرین تو جانتے ہیں کہ خاتم النّبیین کی مُہر کو توڑنے پر مسیلمہ کذّاب اور اسود عنسی وغیرہما کے بعد کس نے جرأت کی۔ یہی قادیانی صاحب اور اس کے مشاہرہ خور ہیں۔ دیکھو قادیانی کا اشتہار نمبر ۵ سنہ ۱۹۰۱ء جس میں اپنی نبوّت و رسالت کا بڑے زور سے دعوے کیا ہے۔ اور نیز امروہی صاحب کا خط مورخہ ۲۴۔ نومبر سنہ ۱۹۰۱ء جو اخبار الحکم یا اخبار الشرر میں شائع کرایا گیا ہے۔ ع

چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

ہم تو (کنت نبیاً و آدم بین الجسد والروح) کے قائل ہیں۔ لہٰذا یہ مسئلہ ہم کو سُنانا فضول ہے۔ آپ یہ وعظ اپنے پیغمبر کو سُنا دیں جو رُوح انسانی کو رحم کا ایک کیڑا کہتا ہے۔ دیکھو قادیانی صاحب کا بیان جو اُنھوں نے لاہور جلسہ مذاہب میں بتاریخ ۲۷۔ دسمبر سنہ ۱۸۹۶ء پیش کیا ہے کہ (رُوح کا الگ طور سے آسمان یا فضا سے نازل ہونا نہ یہ خُدا کا منشاء ہے اور نہ یہ خیال کسی طرح صحیح ٹھہر سکتا ہے بلکہ ایسے خیال کو قانونِ قدرت باطل ٹھہراتا ہے۔ ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے زخموں میں ہزار ہا کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ سو یہی بات صحیح ہے کہ رُوح ایک لطیف نُور ہے جو اس جرم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو رحم میں پرورش پاتا ہے اور جس کا خمیر ابتداء سے نطفہ میں موجود ہوتا ہے جیسے آگ پتھر کے اندر ہوتی ہے نہ جیسے جسم جسم کا جزو ہوتا ہے۔ یا وُہ باہر سے آتا ہے اور نُطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے۔ اور اسی سے اس کا حادث ہونا بھی ثابت ہوتا ہے)

قادیانی صاحب کا یہ قول جس پر جاہلوں نے آفرین کہی اور تحسین کے آوازے بلند کیے بالکل کتاب اور سُنّت کے برخلاف ہے۔ قال اللہ تعالیٰ (قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ) وعالم الامر عبارۃ عن الموجودات الخارجۃ عن الحس والخیال والجھۃ والمکان والتحیز وھو ما لا یدخل تحت المساحۃ والتقدیر لانتفاء الکمیۃ عن رسالۃ الروح للغزالیؒ وقال اللہ تعالےٰ (اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ۝ (احزاب۔ ۷۲) ارواحِ انسانی بمقتضائے اِس آیتِ کریمہ کے قبل از وجودِ عنصری بارِ امانت اُٹھا چکے اور مستحق ثواب عذاب قرار دیئے گئے۔ مگر قادیانی صاحب کے نزدیک چُونکہ رُوح اندرُونِ رحم کے نُطفہ کے گندے کیڑوں کی طرح پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی طرح اس آیت شریف کا مصداق نہیں ہو سکتا۔

وقال اللہ تعالیٰ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ۔ (اعراف۔ آیت ۱۷۲) وقال صلی اللہ علیہ وسلم لما خلق اللہ ادم مسح ظھرہ فسقط عن ظھرہ کل نسمۃ ھو خالقھا من ذریتہ الی یوم القیامۃ الخ یعنی میثاق کے روز اللہ تعالیٰ کی اپنی قدرتِ کاملہ کے رُو سے عالمِ امر کی وُہ تمام رُوحیں اور نسمات نورانیہ حضرت آدم علیہ السّلام کی پُشت سے ذرّات کی صُورت میں نکل آئیں الخ وقال صلی اللہ علیہ وسلم الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف الخ یعنی ارواح حق تعالیٰ کے جموع مجتمعہ اور انواعِ مختلفہ ہیں۔ اور دُنیا میں ان کا باہم پیار اور فرار ان کی ابتدائی خلقت اور اصلی فطرت کی رُو سے ہے۔ الخ

اور علی کرم اللہ وجہہٗ اور سہل بن عبد اللہ تستری اور سُلطان المشائخ حضرت خواجہ نظامُ الدّین رضی اللہ عنہم سے منقُول ہے کہ

اُنھوں نے اُس عہد کے یاد ہونے کا اقرار کیا جو روزِ میثاق میں مابین ان کے اَور رب تعالیٰ کے ہوا تھا۔

قولہٗ ۔ اَور جہالت سُنیئے صفحہ ۱۶۸ پر متعلق اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ کے لکھتے ہیں۔ اِس آیت میں جو مؤلف تقدیم و تاخیر قرار دیتا ہے وُہ درایت کے بالکل خلاف ہے۔

اقول ۔ اَیُّہَا النَّاظِرُوْن کیا خَلَقَكُمْ مقدم الذکر کا تحقق متاخر بہ نسبت مؤخر الذکر یعنی اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ نہیں؟ خدارا انصاف۔ ہاں ترتیب نظمِ قرآنی کے واجب القیام ہونے کی وجوہ بلاغت و اعجاز کی رُو سے ہم بھی قائل ہیں۔

قولہٗ ۔ پھر اَور سُنیئے۔ آیت فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَور بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو شواہد تقدیم و تاخیر میں پیش کی گئی ہے اس پر لکھتے ہیں کہ اِس آیت میں بھی قول تقدیم و تاخیر محض بے جا ہے۔

اقول ۔ اَیُّہَا النَّاظِرُوْن کیا بحسب قولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ (البقرۃ ۔ ۲۹) زمین کی خلقت بہ نسبت آسمانوں کے مقدم فی التحقق نہیں جس کو فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَور بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں مؤخر الذکر کیا گیا ہے۔

قولہٗ ۔ پھر لکھتے ہیں" کیونکہ اِس میں شک نہیں کہ بہ اعتبار بسط اَور دحو کے ارض سماوات سے مؤخر ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا"

اقول ہم بھی اِس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں کہ زمین کا بسط و دحو آسمانوں کی خلقت سے متاخر ہے۔ مگر فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَور بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں تو پیدائش کا ذکر ہے دحو کا نہیں۔ اَور ہم بھی مانتے ہیں کہ نظمِ قرآنی وجوہِ بلاغت کی رُو سے ضرُوری القیام ہے۔ مگر ہمارا مطلب بھی صرف اِتنا ہی تھا جس کے آپ بھی مُقر ہیں کہ یہاں پر بھی مقدم الذکر یعنی آسمانوں کا پیدا کرنا متاخر فی التحقق ہے بہ نسبت پیدا کرنے زمین کے۔

قولہٗ ۔ ایک اَور طرفہ قابلِ سماع ہے "جب کہ حسب الطلب تفاسیرِ معتبرہ مثل دُرِّ منثور و اتقان کے حوالہ دیئے گئے ہیں تو آپ فراری ہُوئے جاتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۶۶ پر لکھتے ہیں (اَور واضح ہو کہ جو اقوال مفسرین کے نصُوص یا کتاب یا احادیثِ صحیحہ کے مخالف ہیں الی ان قال وُہ اقوال ہم پر حجت نہیں ہوسکتے۔ انتہیٰ"۔

اقول ۔ اَب اِس کا کیا علاج کیا جاوے۔ علامہ سیُوطی جن کے مناقب سے بوجہ خود غرضی ازالہ وغیرہ میں رطب اللسان تھے۔ اَب وُہ بھی احبار و رہبان میں اَور ان کے تابعین و پیرو مُشرکین سے شمار کیے جارہے ہیں۔ چنانچہ اسی مقام پر لکھتے ہیں (اَور یہی تو اتخاذ ارباب ہے۔ جو اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ ۔ ۳۱) مذکور ہے۔ انتہیٰ) اقول کہ آپ کا اخیر بحث میں یہی جواب ہونا تھا۔ تو پہلے عُلماء اسلام سے تفاسیر و ثبُوت اجماع کا مطالبہ کیوں کیا گیا۔ اَیُّہَا النَّاظِرُوْن ان صاحبان کی بحث کا اخیر میں اِسی پر اِتمام ہوا۔ کہ جو کُچھ قرآن سے واقعی مطلب ہم نے سمجھا ہے اس کی خبر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے لے کر آج تک کے عُلماء اسلام کو نہیں ہُوئی۔ ورنہ احادیثِ نزُول اَور بیان مندرج تفاسیر اجماعِ اُمّت پر خلاف نصُوص قرآنیہ کے صادر نہ ہوتے۔ نعوذ باللہ من ھفوات الجاھلین۔

قولہٗ ۔ پھر صفحہ ۱۶۴ میں آیت فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ (توبہ ۔ آیت ۵۵) کے متعلق لکھتے ہیں۔ جس کا حاصل تو یہ ہے کہ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا متعلق ہے لِیُعَذِّبَهُمْ سے جس سے ایک لطیف پیش گوئی معلوم ہوتی ہے۔ حاصل معنی یہ ہُوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تجھ کو ان کے اموال اَور اولاد عجب میں نہ ڈالیں۔ کیونکہ وُہ اموال و اولاد فی الحقیقت بوجہ ہلاکت و غارت کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ان کے لیے مُوجب عذاب ہیں دُنیا ہی میں۔ اَور اگر فی الحیٰوۃ الدنیا کو اموال و

اَولاد سے متعلق ٹھہرایا جاوے تو ایک زائد اَور لغو کلام ہُوا جاتا ہے۔ کما قیل شعر ؎

چشمانِ تو زیرِ ابروانند　　　دندانِ تو جملہ در دہانند

اقول ۔ چُونکہ امروہی صاحب صفحہ ۲۶۷ سطر ۱۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ (کیونکہ حذف ظرُوف وغیرہ کا مُوجب اصُول علمِ بلاغت کے عمُوم پر دلالت کرتا ہے۔ انتہیٰ موضع الحاجات) تو مُوجب اس تصریح آپ کے اموال و اَولاد ان کے بر تقدیر تعلق (فی الحیٰوۃ الدنیا) کے (لیعذبھم) ساتھ عام ٹھہریں گے یعنی دُنیا میں بھی اَور قیامت میں بھی۔ اَور جیسے دُنیا میں ان کے اموال واَولاد دیکھنے والوں کو خوش لگیں گے۔ ایسا ہی قیامت میں۔ اَب امروہی صاحب کے علمِ بلاغت کے رُو سے آیت کا معنی یہ ٹھہرا کہ ان کے اموال و اَولاد بوجہ کثرت و خوبی اپنی کے دُنیا اَور قیامت میں تجھ کو عجُب میں نہ ڈالیں۔ گو کہ اموال و اَولاد خوُب و عُمدہ دُنیا و قیامت میں ان کے نصیب کیے ہیں۔ مگر بوجہ ہلاکت و غارت کے مُسلمانوں کے ہاتھ ان کے لیے مُوجب عذاب کا ٹھہریں گے۔ اَیُّھا النَّاظِرُون جب کفار کو دُنیا اَور قیامت میں یہ معاش نصیب ہُوئی جو مُوجب عجُب ہے مُسلمانوں کے لیے، تو ایک لحظہ بھر کی تکلیف میں جو بین الفرحتین کالعدم سمجھنی چاہیئے۔ اُن کا کیا نقصان ہُوا دونوں جہانوں کی خوشی تو بمُوجب علمِ معانی امروہی صاحب کے۔ کفار لے گئے۔ پھر مُسلمانوں کے ہاتھ میں باقی کیا رہا۔ یہی مسکنت و غربت و تنگیٔ معاش تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰی○ (نجم-۲۲)

قولہٗ ۔ پھر لکھتے ہیں (رہا آخرت کا عذاب سو وُہ ٹل نہیں سکتا)

اقول ۔ کیوں صاحب جب آپ کے علمِ بلاغت نے کفار پر دونوں جہانوں کی نعمتیں عنایت کر دیں تو پھر آخرت کا عذاب کیسا۔

قولہٗ ۔ پھر لکھتے ہیں۔ کیونکہ حال اُن کا یہ ہے کہ وُہ تو مصداق ہیں وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ○ (توبہ-۵۵) کے

اقول ۔ اَیُّھَا النَّاظِرُون علمِ بلاغت کے عجائبات کو تو دیکھا ہے۔ اَب علمِ نحو کے قوانین کو سُنیئے۔ ہدایت النحو پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ حال اَور عامل حال کا زمانہ ایک ہوتا ہے۔ مثلاً رایت زیداً راکباً۔ یعنی زید کو میں نے سواری کی حالت میں دیکھا۔ تو آپ متکلم کے دیکھنے اَور زید کے سوار ہونے کا ایک ہی وقت ہوگا۔ امروہی صاحب کا نحو یہاں پر یہ حکم دیتا ہے کہ عذاب تو اُن کو دُنیا میں ہوگا۔ اَور زہوق ان کے نفوس کا جو حال ہے یہ قیامت کے دن ہوگا۔ سُبْحَانَ اللہ بایں نحو و معانی و حدیث و قرآن دانی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے لے کر عُلماء موجُودہ تک فوقیت کا دعوٰے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو اِس امر کا اظہار مقصُود تھا کہ اموال و اَولاد چند روزہ کا تجھ کو خوش نہ لگے۔ کیونکہ عذاب ان کے لیے ابدی اَور غیر محدُود ہے۔ امروہی صاحب کی تفسیر کے مُطابق معنے یہ ہُوا کہ اموال واَولاد دائمی اُن کے تجھ کو خوش نہ لگیں کہ صرف دُنیا ہی میں ان کی ہلاکت ہے۔ پھر ہمیشہ باقی رہیں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بجائے تسلّی و اطمینان کے اُلٹی سُنائی۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ فی الحیٰوۃ الدنیا متعلق اموال و اَولاد سے ہے۔ اَور یہ لغو نہیں بلکہ یہ قید بمنزلہ دلیل کے ہے ماقبل کے لیے۔ یعنی اَے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم آپ کو ان کے اموال و اَولاد خوش نہ لگیں۔ کیونکہ یہ تو چند روزہ ہیں۔ دائمی معاملہ ان کا تو عذاب سے پڑے گا۔ فکان کدعوی الشیٔ ببینۃٍ وبرھان۔ پس بجائے شعر مذکور یہ مُناسب ہے ؎

چشمِ تو کہ زیرِ ابرُوئے تست　　　زہ کردہ کمان بآبُوئے تُست

یا یُوں کہیئے ؎

چشمِ تو زیرِ ابروانند　　　زہ کردہ کمان بعاشقانند
دندانِ تو جملہ در دہانند　　　در حقّہ لعلِ لولوانند

اِس مضمونِ بالا اَور لحاظ قاعدہ مذکورہ علمِ بلاغت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آیت لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا

یَوْمَ الْحِسَابِ میں بھی اگر (یوم الحساب) کو لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ کے ساتھ متعلق نہ مانا جاوے جیسا کہ امروہی صاحب نے صفحہ ۱۶۶ کے اخیر پر لکھا ہے تو چاہیئے کہ کفار کے لیے عذاب شدید دُنیا اور قیامت دونوں میں ہو۔ حالانکہ بہتیرے کفار دُنیا میں بڑی جاہ و حشمت میں ہیں تو بحسب تفسیر امروہی صاحب کے آیت میں کذب لازم آئے گا۔ والعیاذ باللہ اور بما نسوا میں مُراد نسیان سے نسیان آیات اللہ کا بقرینہ مقام ہے۔ فلا یرد ما زعم الامروهی۔

قولہٗ صفحہ ۱۶۵ میں مُجاہد پر مُعترض ہو کر لکھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔ قولہٗ تعالیٰ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا (کہف۔ آیت ۱) میں تقدیم و تاخیر نہیں۔ کیونکہ مُخاطب کا ذہن بعد سُننے اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ کے فوراً اس کجی کی طرف گیا کہ شاید منزل علیہ جس پر کلام اُتاری گئی ہے خُدا نہ بن گیا ہو۔ لہٰذا ضرُوری ہُوا کہ فوراً ہی اِرشاد فرمایا جاوے کہ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ کیونکہ جس طرح وُہ شُبہ فوراً پیدا ہُوا تھا اُس کا دفع بھی فوراً چاہیئے۔

اقول۔ اَيُّهَا النَّاظِرُوْن غور فرماویں۔ کجی اور عوج تو مخاطب کے ذہن میں پیدا ہوئی اور اس کا دفعیہ اِس طرح پر ہُوا کہ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کجی نہیں رکھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اِس کتاب میں عوج و اختلاف نہیں رکھا کہ کہیں کچھ ہو اور کہیں کچھ۔ بھلا اِس دفعیہ کو کیا دخل ہے اِس وہم کے دفع کرنے میں۔ پھر غور فرماویں کہ کیا (اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ) سے وہم مذکوُر پیدا ہو سکتا ہے۔ اور جن عباد پر کلام الٰہی اُتاری جاوے اُن میں خُدا بننے کا اِستحقاق کوئی خیال کر سکتا ہے۔ ہاں بےشک ایسے وہم قادیانی صاحب اور امروہی صاحب کو پیدا ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى کے سُننے سے رسُول بن گئے۔ اور آیاتِ اُلوہیّت کے سُننے سے خُدا بن گئے۔ نہ صرف دعویٰ ہی کیا بلکہ نیا آسمان بھی پیدا کر دیا (دیکھو کتاب البریّہ للقادیانی) تیسری دفعہ پھر خیال فرماویں کہ بالفرض اگر وہم مذکوُر پیدا بھی ہو تو کیا تصریح عَبْدُهٗ کی اس کے دفع کرنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ جس نے عَبْدُهٗ کو نہ مانا وُہ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا کو کیسے مانے گا۔ بلکہ عَبْدُهٗ کی تصریح تو اس مرزائی وہم کا دفعیہ بہ نسبت وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا کے بخوبی کر دیتی ہے۔ کہاں تک ہم جہالت آزمُودہ مضامین کی تردید میں تضیع اوقات کریں۔ جس شخص کو اِتنا بھی معلوم نہیں کہ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا کا جُملہ بسبب معطوُف ہونے کے انزل علیٰ عَبْدِهِ الْكِتٰبَ پر صلہ موصوُل کا لا محل لہا من الاعراب ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ کوئی تعلق اس کا بحسب الاعراب (الکتٰب) سے نہیں جیسا کہ قَيِّمًا کو ہے کیونکہ وُہ حال واقعہ ہُوا ہے (الکتٰب) سے وُہ کیوں کر کتاب اور سُنّت کے متعلق لکھنے کا مجاز ہو سکتا ہے۔ اور مُجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب صرف اِتنا ہی ہے کہ قَيِّمًا کا محل بوجہ حال واقعہ ہونے کے الکتٰب سے ماقبل کا ہے بہ نسبت (لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا) کے اور تاخیر اس کی وجُوہ بلاغت کی رُو سے کی گئی ہے۔ اس مقام پر شاید امروہی صاحب نے لفظی اور معنوی دونوں طرق پر علم بدیع کو ملحُوظ رکھا ہے یعنی آیت (وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا) میں ایک مضمُون کج بیان کیا جو اُس کے کہ آیت میں کجی کی نفی کی گئی ہے۔ نیز آیت قرآن مجید کی (وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا) "ی" کے ساتھ اور امروہی صاحب نے (لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا) "نوُن" سے فرمایا ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۶۶ سطر ۴۔

قولہٗ صفحہ ۱۶۳ کا حاصل:- (۱) اوّل تو علامہ سیُوطی پر بے اِعتباری اور پھر

۲۔ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً میں بھی تقدیم تاخیر نہیں کیونکہ جهرةً بمعنے ظاہر وعیاں کے ہے۔ اور قوم مُوسیٰ کا سوال عیانی رؤیت سے ہی تھا۔ اور رؤیتِ قلبی تو اُن کو بذریعہ حضرت مُوسیٰ کے حاصل تھی جیسا کہ حضرتِ اقدس فرماتے ہیں۔ شعر

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبُوت — اُس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے

جس بات کو کہے کہ کروں گا یَیں ضرُور — ٹلتی نہیں وُہ بات خُدائی یہی تو ہے

اقول - ۱۔ تفاسیر معتبرہ کے مطالعہ کے بعد اس آڑ میں پناہ لینی، فرار اسی کا نام ہے۔

۲۔ ابن عباسؓ کا مطلب یہ ہے کہ جھرۃ کا محل متّصل فقالوا کے دو وجہ سے ہے لفظی وجہ تو یہ ہے کہ نظم قرآنی میں جس جگہ قول اوما فے معناہ کا اجتماع جھرۃً کے ساتھ ایک کلام میں واقعہ ہوا ہے وہاں پر جہر سے قول جہری مُراد ہے۔ دیکھو (دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ) اور (وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا) (بنی اسرائیل ۔آیت ۔۱۱) اور (وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝) (حجرات ۔ ۲) ونظائرہا۔ اور وجہ معنوی یہ ہے کہ بہ حسبِ محاورہ مُجرم کی صریح گُستاخی پر بولا جاتا ہے کہ فلاں نے چلّا کر اور مُنادی دے کر یہ کام کیا۔ گویا دو جُرم ہُوئے ایک تو معصیت کا ارتکاب اور دُوسرا پرلے درجہ کی شوخی۔ آیت کا معنے یہ ہُوا کہ اُنھوں نے چلّا کر یہ سوال کیا تھا کہ اے مُوسٰے ہم کو اپنا خُدا دکھلا دے۔ اور چُونکہ بحسبِ اقرارِ امروہی صاحب ان کو رؤیتِ قلبی حاصل تھی۔ لہٰذا معلوم ہُوا کہ سوال اُن کا رؤیتِ عینی ہی سے تھا۔ الغرض آیت مذکُورہ بنی اسرائیل کے جہری سوال سے حکایت ہے نہ سِرّی سے یعنی یہ نہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہو کہ اُنھوں نے اپنے دلوں میں (ارنا اللہ) کا خیال کیا تھا۔ شعر بالمقابل شعر مذکُور کے یُوں لکھنا چاہیئے ۔

منکُوحہ آسمانی و آتھم کی موت میں — حق نے نہ کُچھ کہا ہے صفائی یہی تو ہے

جس بات کو کہے کہ کرُوں گا میں یہ ضرُور — ٹلتی نہیں وُہ بات خُدائی یہی تو ہے

قولہٗ صفحہ ۲۷۱ کا حاصل :۔ (۱) مؤلف کا اقرار ہے کہ توفّی کا معنے بجز موت اور نیند کے نہیں۔ دیکھو شمس الہدایت کا صفحہ ۵۳۔ پھر فلما توفیتنی کا تیسرا معنی رفعتنی کیسا پیدا ہوگیا۔ اور

۲۔ دُرِّ منثُور سے جو عبارت ابُوالشیخ کی نقل کی گئی ہے اس میں کہیں مذکُور نہیں کہ توفّی بمعنی رفع کے ہیں۔

۳۔ تفسیر عبّاسی کا حاصل معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی روایات کذّابین سے مروی ہیں۔

اقول - ۱۔ ہم کو اقرار ہے کہ توفّی کا معنی قبض واستیفاء یعنی پُورا لینے کا ہے۔ جس کے افراد میں سے موت، نیند اور قبض غیر الرُّوح ہیں۔ ہم نے ان افراد میں سے کسی کو معنے موضوع لہٗ توفّی کا نہیں کہا۔ اور نہ قبض الرُّوح مقیّد کو معنی توفّی کا ٹھہرایا ہے یہ صرف امروہی صاحب کی نافہمی ہے۔ دیکھو صفحہ ۵۳ بالاستیعاب۔ اور فلما توفیتنی کے متعلق مفسّرین نے جو لکھا ہے وُہ اختصار ہے فلما توفیتنی و رفعتنی کا یعنی بحسب وعدہ متوفیک و رافعک کے مسیح آسمان پر اُٹھائے جانے کے وقت مقبُوض ہو کر مرفُوع ہُوا۔ چنانچہ آیت میں اختصار ہے بدلیل بل رفعہ اللہ الیہ کے جس سے صرف رفع کا تحقق معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہی مفسّرین و شرّاح کی کلام میں بھی اختصار ہے۔ نہ یہ کہ توفّی کا معنی رفع ہے۔ ہاں اس وجہ سے کہ غالباً قبض کرنے سے مطلب اُٹھانا ہوتا ہے۔ توفّی سے رفع لینا مستبعد نہیں پس اطلاق توفّی کا رفع پر مسامحۃً ہوا نہ حقیقۃً۔ یہی مُراد ہے کرمانی شرح صحیح بُخاری کی، جو فلما توفیتنی کے تحت میں فلما رفعتنی لکھتا ہے۔ اور یہی ہے مطلب عبارتِ ذیل شمس الہدایت کا جو صفحہ ۵۶ سطر ۱۴ پر ہے اور توفّی سے معنے رفع اور قبض مُراد لینا بشہادتِ قرآنِ کریم پہلے اسی رسالہ میں ثابت ہو چکا ہے یعنی قبض کا ارادہ حقیقی طور پر اور رفع مسامحۃً)۔

۲۔ ابُوالشیخ کی عبارت جو دُرِّ منثُور سے نقل کی گئی ہے اس عبارت میں ابن عباس کا مقولہ (ومد فی عمرہٖ) آپ نے لحاظ نہیں فرمایا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ نے فلما توفیتنی سے رفعتنی مُراد لیا ہے۔ کیونکہ درازیِ عمر وحیات کی تقدیر پر جو مدلُول ہے (ومد فی عمرہٖ) کا رفع متصوّر ہو سکتا ہے۔ بخلاف ارادہ موت کے توفیتنی سے کہ وُہ ضِد ہے حیات

خُطبہ صدّیقیہ کی تشریح پہلے گذر چکی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں نے کتابیں کسی اُستاد سے نہیں پڑھیں ورنہ اُلٹے مضامین نہ لکھتے ۔لہٰذا آپ معذور ہیں ۔مگر پھر ایسی بحث معرکۃ العُلماء میں ہرگز داخل نہ ہونا چاہئیے ۔

صفحہ ۷۵ میں ایک اَور طرح پر گریز اختیار کیا ہے جب سمجھا کہ بے شک امام ہمام جلال الدین سُیوطی جیسے شخص کو ہم جُھوٹا تو نہیں کہہ سکتے تو یہ راستہ لیا کہ تاریخ بُخاری کا نسخہ دکھا ئیے ۔مگر وُہ بھی بدیں شرط مقبول ہوگا کہ اس پر سب آئمہ حدیث کی تصحیح ہو۔اب ناظرین سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا یہ گریز ہے یا نہیں ؟ پھر صفحہ ۷۶ سطر ۲۲ پر لکھتے ہیں ۔اور ایسا بڑا تعذّر نہیں ۔کیونکہ شریعت اسلام میں صلیب کا توڑ ڈالنا یا خنزیر کا قتل کرنا کچھ ممتنع نہیں ہے ۔

اقول ۔کیوں صاحب صلیب کا توڑنا اور خنزیر کا قتل کرنا علی سبیل الاستمرار ممتنعات عادیہ سے نہیں ؟ کیا آپ نے مضارع کا اِستمرار تجدّدی کے لیے ہونا نہیں سُنا ؟

قولہٗ ۔صفحہ ۷۷ سے ۸۰ تک کی تردید کی ۔بوجہ اس کے مرُدود ہونے کے حاجت نہیں ۔

صفحہ ۸۱ کا حاصل :۔غیر مکرر لفظ توفّی کا قیاس کرنا خلق اللہ زیدًا قیاس مع الفارق ہے ۔کیونکہ لفظ خلق کے معنے میں نہ من تراب داخل ہے اور نہ من ماءٍ مھین بخلاف محاورہ توفی اللہ زیدًا کے اس میں حسب اقرار مؤلف کے بھی رُوح کا قبض ہے نہ مطلق قبض ۔

اقول ۔قیاس مع الفارق نہیں کیونکہ توفّی کے معنے مطلق پُورا لینا اور قبض کرنا ہے جس کے افراد میں سے موت اور نیند اور قبض الشّیٔ غیر الرُّوح ہے ۔دیکھو شمس الہدایت کا صفحہ ۵۳ ۔لہٰذا یہ قیود توفّی کے مفہوم سے خارج ہیں ۔کیونکہ معنی مصدری کے افراد حصصیہ ہوتے ہیں جن کی ماہیّت سے قیود بالاتفاق خارج ہیں ۔رہا محاورہ توفی اللہ زیدًا کا سو اس پر توفی اللہ عیسٰی کو بدلیل خصُوص یعنی بل رفعہ اللہ الیہ کے قیاس نہیں کیا جاسکتا ۔اور آپ نے جو کچھ بل رفعہ اللہ الیہ میں لکھا ہے اس کا تار و پود ناظرین کے سامنے اُکھاڑ کر رکھا گیا ہے ۔

قولہٗ ۔صفحہ ۱۸۲ ۔اور صفحہ ۱۸۳ کا مضمون مکرّر ہے صفحہ ۸۳ کے اخیر سے صفحہ ۸۵ کے اخیر تک کا حاصل :۔ہمارا استدلال صرف اثر ابن عبّاس سے ہی نہیں بلکہ کلامُ اللہ کی تیس آیات سے نمبر۲ بُخاری کی حدیث اقول کما قال العبد الصالح ۔نمبر۳ ۔اثر ابن عباس متوفیك ممیتك نمبر۴ ۔تمام محاورات ۔نمبر۵ ۔تمام کُتب لُغات عرب عرباء ۔نمبر۶ ۔حدیث لا مھدی الا عیسٰی ابن مریم ۔نمبر۷ ۔ابن حزم کا قول چنانچہ حاشیہ جلالین میں لکھا ہے وتمسك ابن حزم بظاھر الاٰیۃ وقال بموتہ اور امام مالک کا قول مجمع البحار میں مندرج ہے نمبر۸ ۔ادلّہ عقلیہ ۔نمبر۹ ۔اناجیل وغیرہ اور نمبر۱۰ ۔وقوع مجازات و اِستعارات احادیث پیشین گویوں میں ۔

اقول ۔۱ ۔قرآن مجید کی آیات میں جس قدر آپ کے جہالت آمودہ اجتہاد نے آپ کی جہالت کا ثبوت دیا ہے وُہ پبلک پر بخوبی ظاہر ہو رہا ہے ۔تیس آیات کا حاصل یہ ہے کہ ہر ایک متنفّس موت کے پیالہ کو نوش کرنے والا ہے اپنے اپنے وقت معیّن میں ۔دُنیا میں ہمیشہ رہنا کسی کے لیے نہیں ۔رسالت اور موت باہم متنافی نہیں معمّر لوگ ضعیف القوےٰ ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔الغرض کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی شخص قبل از استیفاء عمُر اپنی کے مر سکتا ہے ۔

۲ ۔ صحیح بُخاری کی حدیث بھی صاف طور پر شہادت دے رہی ہے کہ اقول کما قال العبد الصالح کا سوال و جواب قیامت کے دن ہوگا جس سے امام بُخاری نے استدلال پکڑا ہے کہ آیت میں بھی قال بمعنے یقول کے ہے ۔الخ کما مرّ ۔

۳ ۔ اثر ابن عباسؓ متوفیك ممیتك کے متعلق تفصیلاً بحث اُوپر گزر چکی ہے ۔

۴۔ تمام محاورات سے مقولہ توفی اللّٰہ عیسٰی کا بہ لحاظ دلیل خصُوص علیحدہ ہے۔ اگر نظائر رکھتا ہے تو خصُوص کا کیا معنے ہے۔ چُنانچہ خلق اللّٰہ آدم الگ ہے۔ لکھو کھا محاورات خلق اللّٰہ زیداً وعمراً وبکراً الٰی غیر النھایة سے بدلیل خصُوص۔

۵۔ تمام کُتب لُغات میں توفی کے معنے قبض وغیرہ بہت سے معانی لکھتے ہیں۔ دیکھو لسان العرب وغیرہ۔ ہاں توفی اللّٰہ زیداً کا معنے قبض اللّٰہ روح زید کو معنے مجازی لکھتے ہیں۔ جیساکہ پہلے گذر چکا ہے۔ نیز ارادہ معنے موت کا ہم کو مُضر نہیں۔ کیوں کہ متوفیك میں وفات کا تحقق نہیں۔ اور فلما توفیتنی کا تعلق وفات فیما بعد النزُول سے ہے۔

۶۔ ابن ماجہ کی حدیث کا ٹکڑا اس طرح ہے۔ ولا مھدی الا عیسٰی جس سے بلحاظ ماقبل معنی وصفی مُراد ہے۔ دیکھو ماقبل اس کا ولن تقوم الساعة الا علی شرار الناس اب سب احادیث مہدی فاطمی میں اور اس میں تطبیق بھی آگئی۔

۷۔ ابن حزم اور امام مالک کا قول موتِ عیسٰی ان کو اجماعی عقیدہ سے خارج نہیں کرتا۔ کیونکہ وُہ اگرچہ نظر بظاہر آیات توفی وفات مسیح کے قائل ہیں مگر بہ لحاظ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ اور وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اور احادیثِ نزُول کی پھر عند الرفع حیاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ کیونکہ درصُورتِ تسلیم احادیث نزُول بلا تاویل، بغیر اس کے کہ مسیح کو عند الرفع زندہ مانا جاوے کوئی چارہ نہیں۔ ہاں درصُورتِ اِنکارِ احادیث نزُول یا تحریف ان کے یا عدم فہم معنے آیت بَلْ رَّفَعَهُ اِلَیْهِ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الخ بحسب محاورہ قرنِ اوّل کے بے شک عقیدہ اجماعیہ کے برخلاف ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا جب تک مخالف ہمارا ان دونوں بزرگوں کی بہ نسبت احادیثِ نزُول کا اِنکار اپنی طرح قول بالبرزیا تصریح بر رفع رُوحانی متعلق آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کے ثابت نہ کرے تب تک اقوال مذکُورہ سے تمسک مُفید نہیں ہوسکتا بلکہ ہمارے پاس دلائل موجُود ہیں جو اُن کو اہلِ اجماع سے خارج نہیں ہونے دیتے۔ دیکھو اسی کتاب کو اوّل سے جس مقام پر اجماع کا ثبُوت دیا گیا ہے۔

۸۔ کوئی دلیل عقلی رفع جسمی علی السماء و نزُول جسمی من السماء پر قائم نہیں۔ چنانچہ بحوالہ نووی شرح مُسلم میں پہلے گذر چکا ہے کہ کوئی دلیل عقلی و شرعی نزُول من السماء کے استحالہ پر نہیں۔ قادیانی مشن کی محض جہالت ہے کہ اس کو محالات عقلیہ سے خیال کرتے ہیں کما مرّ اور آیت سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا کی عدم دلالت علی الامتناع کو امروہی صاحب نے بھی مجبُور ہوکر اسی کتاب میں تسلیم کر لیا ہے۔ صرف مرزاجی اس جہالت میں اکیلے رہ گئے ہیں۔

۹۔ اناجیل وغیرہ میں سے بوجہ خود غرضی کے کچُھ لیا اور کچُھ چھوڑ دیا گیا ہے۔ بلکہ سب تمسکات میں آدھا تیتر آدھی بٹیر والی بات ہے۔

۱۰۔ آں حضرت صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم سب احادیث نزُول میں اصیل مسیح کے نزُول سے اعلام فرماتے رہے ہیں کما مرّ غیر مرّة۔

اَیُّھا النّاظرُون کل احادیث نزُول اور حدیث اقول کما قال العبد الصالح اور اثر ابن عبّاس متوفیك بمعنے ممیتك اور آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ اور مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (مائدہ ۵۔ آیت ۷۵) یہ سب دلائل جن کی تعداد سَو (۱۰۰) سے بھی زیادہ ہے اجماعی عقیدہ کی مثبّت ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۱۸۶ سے صفحہ ۱۸۹ تک وُہی مضامین ہیں جن کی تردید ہوچکی ہے۔ ہاں صفحہ ۱۸۹ پر لکھتے ہیں "اب فرمایئے کہ الرُّسُل میں حضرت عیسٰے داخل ہیں یا نہیں بشق ثانی کیا وجہ کہ صحابہ اہلِ لسان نے اس پر جرح نہیں کیا۔ اور بشقِ اوّل مدعا ہمارا ثابت ہے"۔ پھر اس بحث کے اخیر میں لکھا ہے (دیکھو ملل ونحل شہرستانی کہ فرجع القوم الی قولہ۔

اقول ۔ الرسل جو وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ آل عمران آیت ۱۴۴ میں ہے۔ اس

میں حضرت عیسیٰ داخل نہیں کیونکہ یہی قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ آیت مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں بھی موجود ہے۔ تو بر تقدیر استغراق الرسل کے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم الرسل میں داخل ہیں یا نہیں بشق اول آیت میں کذب لازم آتا ہے۔ کیونکہ معنے یہ ہوا کہ سارے رسول مسیح ابن مریم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ حالانکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیچھے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ اور بشق ثانی ہمارا مدعا ثابت ہے یعنی معلوم ہوا کہ الرسل سارے افراد کو محیط نہیں۔ اور صحابہ اہل لسان کا جرح نہ کرنا دلیل ہے اس پر کہ صدیق اکبرؓ اور کل صحابہؓ متفق تھے یعنی عیسیٰ ابن مریم کو قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے بالاتفاق خارج سمجھتے تھے۔ کیونکہ درصورت اختلاف جرح ضروری تھا۔ اور فرجع القوم الی قولہ کا معنے یہ ہے کہ سب صحابہؓ نے صدیق اکبرؓ کی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو منافی رسالت نہ سمجھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے معتقد ہو گئے۔ غرض کہ آپ اس بحث معرکۃ العلماء میں داخل ہو کر عجیب مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔ نہ مذہب باطل کو بوجہ ہٹ دھرمی کے ترک کیا جاتا ہے کہ معتقدین برگشتہ ہو جاویں گے یا ان کے رُوبرُو آپ کو ذلت جہالت کی حاصل ہوگی اور نہ باطل کا احقاق ہو سکتا ہے۔ شعر

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ — وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

قولہ صفحہ ۱۸۹ سے ۱۹۲ تک وہی مضامین مکررہ ہیں۔ ہاں صفحہ ۱۹۱ پر ایک عجیب مسئلہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ فعل متعدی میں نسبت صدوری اور وقوعی کے مابین تلازم ہے۔ اور متلازمین میں ایک کا ذکر ایسے محل پر دوسرے کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے۔

اقول۔ بالکل لغو اور باطل ہے ضرب زید عمروًا میں اگر صرف نسبت صدوری کی مخالفۃ للواقع ثابت ہو گئی یا صرف نسبت وقوعی کی، تو ہر ایک مخالفت بالاستقلال مؤثر ہے کذب قضیۂ مذکورہ میں۔ پھر محل تردید میں ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر سے کیسے مستغنی کر دیتا ہے۔

قولہ صفحہ ۱۹۳ کا حاصل:۔ ترجیح کے لیے (جو عبارت ہے تقویت احد الطرفین سے دوسرے پر جس سے مقصود تصحیح صحیح و ابطال باطل ہوتا ہے) چند شرائط ہیں۔ ۱ تساوی فی الثبوت ۲ تساوی فی القوۃ ۳ صحابہ و تابعین و تبع تابعین ومن بعدہم سب متفق تھے عمل بالراجح پر۔ ۴ ترجیح کبھی اسناد کے رُو سے ہوتی ہے اور کبھی متن اور کبھی مدلول اور کبھی امر خارج کے رُو سے۔ ۵ قلتِ وسائط کی اسناد میں اور روایتِ فقیہ کی اور ایسی ہی روایتِ عالم باللغۃ العربیہ کی، یہ تینوں اسباب ترجیح میں سے ہیں۔ ۶ اور جو مراد پر بلاواسطہ دلالت کرتا ہو مقدم کیا جاتا ہے اس پر جو بالواسطہ دلالت کرے۔ ۷ صحیحین کی احادیث مقدم سمجھی جائیں گی غیر صحیحین کی احادیث پر حصول للمامول من علم الاصول سے انتخاب کیا گیا ہے۔

اقول۔ کل مرویات فی تحقق وفات المسیح بعد النزول مطابق اور متمم مؤیدہیں صحیحین کی مرویات کے لیے بوجہ اتحاد مقسم قسیم ہیں ایک دوسرے کے لیے کما مر۔ فلا تعارض حتی یحتاج الی الترجیح۔ ان میں فقہاء اور علماء باللغۃ العربیہ کے نزدیک کوئی تخالف نہیں الا بحسب رائے چند عجمیوں، کے جو فقاہت اور وجوہِ استنباط سے بالکل نابلد ہیں فلا یعبا بھم۔

قولہ صفحہ ۱۹۴ کا مضمون غیر مکرر۔ اس جگہ پر مؤلف صاحب نے (مؤلف شمس الہدایت) ایک اور اپنا کمال ظاہر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کے اس قول پر (کہ کل مفسرین نے حتّٰی کہ صاحب کشاف نے بھی متوفیک سے معنے ممیتک کا لیا ہے) مؤلف صاحب فرماتے ہیں کہ صاحب کشاف نے متوفیک کے معنے جو ممیتک لکھے ہیں اس معنے کو بسبب لانے صیغہ تمریض کے خود ضعیف کر دیا ہے۔ اَیُّهَا النَّاظِرُوْن دیکھو یہ کس قدر دجل عظیم مؤلف صاحب کا ہے۔ کیونکہ صاحب کشاف نے جو قول کے تحت میں

ممیتک لکھا ہے۔ اس کو بقیود فی وقتک بعد النزول من السماء سے بھی تو مقید کر دیا ہے پس وُہ ممیتک جو مقید ہو بدیں قیوُد وُہ قول صاحب کشاف کے نزدیک مرجُوع ہے نہ وُہ ممیتک جو مقید ہو بقیدِ حتف انفک لا قتلاً بایدیھم کے۔ کیونکہ یہ قول تو اوّل نمبر میں لکھا گیا ہے۔

اقول ۔ ناظرین کو قاموس وغیرہ کُتب لُغت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اہلِ لُغت نے توفیّ کے لیے چند معانی لکھے ہیں جن میں سے موت بھی ہے اور استیفاءِ عمر بھی اور پُورا پکڑنا اور پُوری گنتی کرنا وغیرہ وغیرہ سب معانی بوجہ اتحادِ مقسم ایک دُوسرے کے مقابل و مغائر ہوئے۔ صاحبِ کشاف اور قاضی بیضاوی اور صاحبِ مجمع البحار وغیرہم نے ظاہر متوفیک کو جب دیکھا کہ بر تقدیر ارادۂ معنئے موت کے نص بل رفعہ اللّٰہ الیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع سے مخالف ہے تو اُنھوں نے حصُولِ تطبیق کے لیے اس مسلک کو لیا کہ یہاں پر متوفیک بمعنے ممیتک کے نہیں تا کہ حصُولِ تطبیق کے لیے قیوُد وغیر متبادرہ کی طرف احتیاج پڑے یعنے (فی وقتک) (بعد النزول من السماء) بلکہ متوفیک سے مُراد ایک اور معنے ہے جس کو اہلِ لُغت نے من جُملہ معانی توفیّ کے موت کی طرح شمار کیا ہے۔ وُہ ہے مستوفی اجلک یعنی تیری عُمر کو جو ابھی باقی ہے پُورا کرنے والا ہُوں۔ کشاف کی عبارت یہ ہے۔ متوفیک ای مستوفی اجلک ومعناہ انی عاصمک من ان یقتلک الکفار ومؤخرک الی اجل کتبتہ لک وممیتک حتف انفک لا قتلاً بایدیھم۔ صاحب کشاف (ومعناہ انی عاصمک من ان یقتلک الکفار) سے یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ مستوفی اجلک کنایہ ہے عصمۃً عن القتل سے۔ اور عبارت (ومؤخرک الی اجل الخ) سے مقصُود بیان لزُوم ہے مابین استیفاءِ اجل اور عصمۃ عن القتل کے یعنی استیفاءِ اجل کی صورت یہ ہے کہ تجھ کو مُہلت دینے والا ہُوں اجل موعُود تک۔ اور یہ تاخیر اجل اس طرح پر نہیں کہ مُہلت کے بعد پھر تجھے انہی سے قتل کراؤں بلکہ تجھے بلا قتل اپنی موت سے ماروں گا۔ عبارت مذکُورہ میں جیسا کہ فقرہ (ومؤخرک الی اجل کتبتہ لک) درضمنِ بیان معنے کنائی کے داخل ہے ایسا ہی فقرہ (وممیتک حتف انفک لا قتلاً بایدیھم) بھی پس ثابت ہُوا کہ صاحب کشاف نے متوفیک سے معنے موت کا نہیں لیا۔ بلکہ مستوفی اجلک مُراد رکھا ہے۔ اور عبارت مذکُورہ میں ممیتک وُہ نہیں جو من جُملہ معانی متوفی سے شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ عطفِ بعید معطوف ہے عاصمک کے اُوپر پس (معناہ) پر محمُول ہُوا۔ گویا صُورت ترکیب کی یہ ہُوئی ومعناہ انی ممیتک یعنے معنے اس مستوفیک کا ممیتک ہے حالاں کہ مستوفی اجلک اور ممیتک بوجہ اتحاد ایک دُوسرے کے لیے مقسم قسیم ہیں جن کا حمل فیما بین جائز نہیں پس معلوم ہُوا کہ یہ ممیتک درضمن بیان معنے کنائی کے ذکر کیا گیا ہے یعنی ممیتک مقید بقیوُد (حتف انفک) (لا قتلاً بایدیھم) من حیث انہ مقید محمُول ہے (معناہ) کے اُوپر۔ اور ظاہر ہے کہ ممیتک مقید متوفیّ کا معنیٰ نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ممیتک جو کشاف کی عبارت میں واقع ہے متوفیک کے معنے کے لیے نہیں۔ اور یہ بھی اذہان صافیہ پر واضح ہو کہ کشاف کی عبارت (وقیل ممیتک فی وقتک بعد النزول من السماء) میں ممیتک چونکہ متعلق ہے متوفیک سے یعنی اس کا معنی تصوّر کیا گیا ہے لہٰذا یہاں پر حمل کا لحاظ مقدم ہو گا تقیید کے لحاظ سے۔ الحاصل پہلی کلام میں ممیتک مقید محمُول ہے اور پچھلے میں ممیتک محمُول مقید ہے اُمید نہیں کہ مرزا صاحب اب بھی باوجُود اس تصریح کے کشاف کے مطلب کو پہنچیں مگر اور طلباء کے افادہ کے لیے لکھا جاتا ہے۔ قاضی بیضاوی کشاف سے لے کر متوفیک کے تحت لکھتے ہیں۔ ای مستوفی اجلک ومؤخرک الی اجلک المسمی عاصماً ایاک من قتلھم او قابضک من الارض من توفیت مالی الخ اس کے حاشیہ پر شہاب لکھتا ہے لما کان ظاھرہ مخالفاً للمشھور المصرح بہ فی الآیۃ الاخری (بل رفعہ اللّٰہ الیہ) اولہ بوجوہ الاول انہ کنایۃ عن عصمتہ عن الاعداء وما ھو فیہ من الفتک بہ لانہ یلزم من استیفاء اجلہ وموتہ حتف انفہ ذالک انتھیٰ موضع الحاجۃ۔ اَیُّھَا النَّاظِرُوْن قادیانی و

امروہی صاحبان سے دریافت فرماویں کہ دجل یا جہل کس کا ہے اور کل مفسرین نے اجماعی عقیدہ کے مُطابق لکھا ہے یا نہیں۔ کہاں تک ان کو آیات و احادیث بلکہ صرف نحو تک بھی پڑھایا جاوے۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۱۹۵ کا حاصل بجُونی لال صفحہ ۱۹۰ سطر اول: اور مؤلف جو ایاد کرتا ہے کہ ایام الصلح کے اخیر میں انکار فرشتوں کا کیا گیا ہے۔ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

اقول ۔ اَیُّہَا النّاظِرُون شمس الہدایت کے صفحہ ۹۵ کے حاشیہ کو مُلاحظہ فرماویں جس کی سطر ۱ یہ لکھا ہوا ہے امرزا صاحب ازالہ اوہام میں متعلق تفسیر سُورۃ القدر نزول ملائکہ کے قائل ہیں۔ ایام الصلح میں قریب اختتام کے اس سے مُنکر ہو گئے۔ پھر ایام الصلح فارسی کے صفحہ ۱۱۶ سطر ۱ کو مُلاحظہ کریں جس میں عبارت ذیل مندرج ہے۔ (ایں آیت کریمہ جہ گوید نزول و مشی ملائکہ بر ہیئت رجال بنی آدم از عادت الٰہیہ نیست) پھر امروہی صاحب سے دریافت فرماویں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا مصداق کون ہوا۔ اب یہ دُوسری دفعہ اپنے مُنہ سے ملعُون ہو رہے ہیں۔ کیا ابھی سے حواس قائم نہیں رہے۔ آگے چلیئے۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۱۹۸ کا حاصل:۔

۱۔ رفع جسمانی کو قرآن مجید نے اہل کتاب کی طرف منسُوب کر کے نفی اور رد کیا ہے۔ دیکھو آیت اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ کو وَ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ۔ (النساء۔ ۱۵۳)

۲۔ پیشین گوئیوں میں قبل از وقوع مُلہم کی رائے بھی خلاف نفس الامر کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ مگر قبل از وقوع کے ہے نہ بعد از وقوع دیکھو فَذَهَبَ وَهْلِي کو۔

۳۔ اہل کتاب اگرچہ قبل از واقعۂ صلیب رفع مسیح بجسدہ العنصری کے قائل نہیں لیکن ابن عباس نے شاید اس کو ان کی غلطی خیال کر کے یہ وہم کیا کہ صحیح یُوں ہے کہ یہ قصہ رفع کا قبل از واقعہ صلیب واقع ہوا ہے۔

۴۔ اثر ابن عباسؓ بوجُوہ مندرجہ ذیل ساقط الاعتبار ہے۔ (۱) تعارض نصُوص قطعیہ (۲) اس اثر کو ابن عباسؓ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع فرماتے تو کسی نہ کسی حدیث مرفوع صحیح یا ضعیف میں اس کا نشان اور پتہ ضرُور ملتا (۳) اس کتاب میں تین وُہ مذاہب بیان کیے گئے ہیں جو اہل کتاب سابق کے ہی ہیں۔

اقول ۔ ۱۔ او ترقی فی السماء سے مطلق رفع جسمی کا رد نہیں پایا جاتا کما بینا فی شمس الہدایت۔ ہاں کفار کا سوال بہ نسبت صعود علی السماء وغیرہ کے منظُور نہیں ہوا جس پر آیت سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل۔ آیت ۹۳) دال ہے۔ ورنہ آیت سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ الخ سے آپ کا صعُود اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے مسیح کی مرفُوعیت ثابت ہے اور اسی پر کُل اہل اسلام کا اجماع ہے۔ اور سوال کفار کی عدم اجابت کی وجہ تو دُوسری آیت میں بالتصریح بیان فرما دی گئی ہے۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل۔ آیت ۵۹) ترجمہ۔ کسی شے نے ہم کو ایسی آیات کے بھیجنے سے نہیں روکا بجُز اس کے کہ اگلے کفار نے تکذیب کی اور ایمان نہ لائے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ والذی نفسی بیدہ لقد اعطانی ما سئلتم ولو شئت لکان الخ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا وجُود ہے جو تم نے مجھ سے مانگا ہے وُہ مجھے اللہ نے دے دیا۔ اور اگر میں چاہوں تو وُہ ہو جاوے الخ تفسیر ابن کثیر۔ سُورہ بنی اسرائیل۔ اور قرآن مجید نے اس مسئلہ کو اہل کتاب کی طرف منسُوب نہیں کیا۔ کیا آپ آیت يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ کا معنے یہ سمجھتے ہیں کہ اہل کتاب کا سوال یہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر چڑھ

جاویں؟ ہرگز نہیں۔

۲۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی ہے کہ چونکہ سلسلہ تکوین میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث ہونا مقدر نہ تھا۔ لہٰذا حکمتِ الٰہیہ کا اقتضاء ہوا کہ اِن واقعات کے احکام بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر جاری ہوں جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔ اَور ان کے متعلق حق تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا بھی ظاہر ہو تاکہ نعمتِ الٰہی تمام ہو۔ اَور حجّت قائم ہو۔ پس وُہ سب وقائع مُنکشف ہو گئے۔ اَور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کی نسبت تو اِس طرح خبر دی کہ گویا بظاہر چشم دیکھ رہے ہیں۔ اَور بعض کی نسبت بہ تقریبات اِطلاع دی تاکہ بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتِ مرحُومہ تاریکی میں نہ رہے۔ انتہیٰ۔ میں کہتا ہُوں احادیثِ نزُول میں بھی بڑی بڑی تاکیدات و بیان نشانات سے اِسی لیے اِرشاد فرمایا گیا ہے تاکہ اُمّتِ مرحُومہ جھُوٹے مسیحوں سے بچے۔ اَور کشف عینی والی پیشین گویوں کی یہی علامت ہے کہ ان میں بڑی توضیح و تشریح و تاکید و بیان حلفی سے کام لیا جاتا ہے بخلاف کشفِ اجمالی کے کہ ان میں بایں طرز بیان نہیں کیا جاتا۔ چُنانچہ فذھب وھلی الی انہ الیمامۃ کیونکہ اس میں آپؐ نے پہلے سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ وُہ یمامہ ہی ہو گا۔ لہٰذا یہ پیشین گوئی کے اقسام میں سے نہیں۔ بلکہ صرف اظہار تھا اپنی رائے شریف کا۔ الغرض نزُولِ مسیح وغیرہ اشراط الساعۃ والی پیشین گوئیاں بوجہ ہونے ان کے مناط احکام و رضا و عدم رضاء و کُفر و ایمان نہایت مہتم بالشّان ہیں۔ ان کو مقیس علیہا ٹھہرانا دُوسری اقسام کے لیے جہالت ہے بلکہ اس خیبر کے یہُودی کا مسلک ہے جس کے بارہ میں اِرشاد کیا گیا تھا اذ تعدو بك قلوصك لیلاً بعد لیل۔ اَور اس کو اُس نے آپ کی خوش طبعی پر حمل کیا تھا۔ اَور عمرؓ نے اس کو بوجہ اس حدیث کے پیشین گوئی قرار دینے کے خیبر سے جلا وطن کر دیا۔ قادیانی مشن کا مسلک بھی اس خیبر کے یہُودی کا مسلک ہے فارُوقی اَور ایمانی مشرب نہیں۔

۳۔ اثرِ ابن عبّاس میں بہتیرے ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد یہ تاویل سُوجھی جو بوجوہ مردُود ہونے کے قابل تردید نہیں۔

ع تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

۴۔ کوئی نصِّ قطعی اس اثر کے معارض نہیں۔ اہل فقاہت و اہل لسان کی رائے کو اعتبار ہے۔ دیکھو اصُول عشرہ کو اَور سب اہلِ لسان اَور صحابہ معراج جسمی کے قائل ہیں۔ اثر ابن عبّاس میں چُونکہ عقل و نقل از اہلِ کتاب کو دخل نہیں۔ صرف اتنی ہی وجہ سے حکم مرفوع میں ہو سکتا ہے دیکھو علمِ اصُول کو۔ ایسے آثار کے مرفوُع ٹھہرانے میں یہ شرط نہیں کہ مرفوعاً بھی مذکُور ہوں۔ اگر مرفوُع ہوتے تو حکم مرفوُع میں ہونا کیا معنے رکھتا۔ اَور اس اثر میں تین مذاہب اگرچہ اہلِ کتاب کے بھی مذکُور ہیں مگر بیان کُنندہ تو ابن عبّاس رضی اللہ عنہ ہے یعنی ابن عبّاسؓ کا بیان ہے کہ عیسٰیؑ ابن مریم کے اُٹھائے جانے کے بعد تین گروہ مختلف المذاہب ہو گئے۔ اَیُّھَا النّاظِرُون کیا اِس بیان سے یہ پایا جاتا ہے کہ اثر مذکُور کا سارا ہی مضمُون اہلِ کتاب کا مذہب ہو جائے۔ ہرگز نہیں کیونکہ اہلِ کتاب میں سے تو کوئی قبل از صلیب مسیح کے مرفوُع الی السّماء ہونے کا قائل نہیں۔ واہ صاحب کہاں کی کہاں لگا دیتے ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۱۹۷ سے صفحہ ۲۰۶ تک کے مضامین وُہی ہیں جن کی تردید گذر چکی ہے۔ اَور بعض کی تردید ادنیٰ طالب العلم بھی کر سکتا ہے۔ صفحہ ۲۰۶ سے صفحہ ۲۱۱ تک کا حاصل زریب بن برتملا وصی عیسےٰ والا یہ ایک واقعہ کشفی ہے۔

اقول۔ اَیُّھَا النّاظِرُون اس گریز کا بھی خیال نہ کریں۔ چُونکہ مُحی الدّین بن عربیؒ کے کشفی معیار صحت کا انکار بوجہ اقرار مندرج ازالہ کما حقہٗ نہیں کر سکتے تو اب اس طرف کو بھاگے کہ یہ واقعہ صرف کشفی تھا۔ مُحی الدّینؒ عربی صاحب کی عبارت ذیل کو مُلاحظہ فرمایا جائے وُہ اس واقعہ کو کیا ٹھہراتے ہیں۔ دیکھو جلد اوّل صفحہ ۲۰۵ میں حدیث برتملا کی اوّل سطر ۳ پر لکھتے ہیں۔ وفی زماننا الیوم جماعۃ احیاء من

اصحاب عیسٰےؑ والیاس الخ یعنی ہمارے زمانہ موجودہ میں ایک جماعت زندہ ہے عیسٰےؑ اور الیاسؑ کے اصحاب میں سے۔ اب امروہی صاحب سے دریافت فرمادیں کہ حسب اقرار مندرج ازالہ کے محی الدین بن عربی صاحبؒ کا قول کیوں نہیں مقبول ہوتا۔ اور کسی شخص کا اہل زمان سابق سے عظیم الجثہ ہونا یا اصحاب کہف کی طرح بغیر خوراک عادی کے زندہ رہنا کیوں مستبعد خیال کیا جاتا ہے۔

قولہٗ صفحہ ۲۱۲ اور ۲۱۳ کا مضمون مکرر ہے صفحہ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ اور ۲۱۶ کا حاصل :۔ چونکہ صیغہ مضارع بحسب تصریح سید سند استمرار کے لیے ہوتا ہے۔ لہٰذا لیؤمنن کا ترجمہ جو مرزا صاحب نے لکھا ہے یعنی (ایمان رکھتا ہے) صحیح ہوا کیونکہ استمرار میں ازمنہ ثلثہ داخل ہیں مثلاً وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (عنکبوت۔ آیت ۶۹) اور کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ (مجادلہ۔ ۲۱) اور مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل۔ آیت ۹۷) اور وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ (حج۔ ۴۰) اور وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝ (عنکبوت۔ آیت ۹) بر تقدیر ارادہ محض استقبال کے ان آیات میں معنے فاسد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہدایت اور غلبہ اور احیاء اور جزا اور نصرت اور ادخال دائمی ہیں مخصوص بزمانہ مستقبل نہیں۔ افسوس کہ وہی پرانی باتیں مولوی محمد بشیر کے رسالہ سے لکھ دیں۔ جن کا جواب ہم نے مفصل پہلے سے لکھ دیا ہے۔

اقول ۔ سید سند کی تصریح کا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ مضارع استمرار کے لیے ہوتا ہے اور نہ کسی علم معانی والے نے یہ لکھا ہے۔ یہ صرف آپ کی خوش فہمی ہے۔ سید سند کی عبارت ذیل کو ملاحظہ کرو۔ قد يقصد بالمضارع الاستمرار على سبيل التجدد والتقضي بحسب المقامات اس میں (قد يقصد) اور (بحسب المقامات) کو غور فرمایئے۔ مضارع پر قد افادہ تقلیل کے لیے ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کبھی مضارع سے بدلیل مقام استمرار مقصود ہوتا ہے۔ جیساکہ آیات خمسہ مذکورہ میں ہے۔ اور چونکہ مضارع مؤکد بالنون کا للاستقبال ہونا بھی بحسب قاعدہ مسلمہ مشہورہ کے ضروری ہے۔ دیکھو متن متین وغیرہ تختص بمستقبل طلب او خبر مصدر بتاكيد باللام نحو ليضربن۔ چنانچہ آیت میں بھی لیؤمنن خبر مصدر بتاکید باللام ہے۔ لہٰذا افعال خمسہ مذکورہ میں معنی استقلال سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ فعل مستقبل مستمر ہے یعنی وہ فعل کہ جس کو کسی اور فعل کی نسبت مستقبل کہا جاتا ہے۔ اور وہ اس کے لیے بمنزلہ جزاء کے ہے بہ نسبت شرط کے یا معلوم کے بہ نسبت علم کے اور مستمر بھی ہے بباعث استمرار فعل مترتب علیہ یا بوجہ استمرار اس کے علم کے۔ پہلی آیت میں لَنَهْدِيَنَّهُمْ اور تیسری میں فَلَنُحْيِيَنَّهٗ بمعہ معطوف کے اور چھٹی میں لَنُدْخِلَنَّهُمْ بمنزلہ جزاء کے ہیں بہ نسبت جَاهَدُوْا اور عمل اور آمنوا کے۔ ابن حاجبؒ کہتا ہے۔ واذا تضمن المبتداء معنى الشرط فيصح دخول الفاء في الخبر و ذالك الاسم الموصول بفعل او ظرف او النكرة الموصوفة بهما۔ اور دوسری آیت میں غلبہ بہ نسبت کتب یعنے قدر کے معلوم کے مرتبہ میں ہے۔ اور تاخر و استقبال معلوم کا بہ نسبت علم اپنے کے، گو کہ بحسب الذات ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور چوتھی آیت میں لينصرن الله مترتب ہے ينصره پر۔ اور آیت (ليؤمنن به) میں یہود کا ایمان کسی فعل پر مترتب نہیں تاکہ اس کی نسبت سے مستقبل کہا جائے۔ نیز بوجہ خارج ہونے ان اہل کتاب کے جو مسیح سے پہلے گذرے ہیں، پھر بھی استمرار لیؤمنن کا نہیں ہو سکتا۔ الغرض لیؤمنن کو از قبیل افعال مرتبہ علی فعل آخر سمجھنا اور آیات خمسہ مذکورہ پر قیاس کرنا یا انہی نام کے نہ کام کے مولویوں کا کام ہے۔ جنھوں نے علوم کو کسی استاد سے نہیں پڑھا۔ نعوذ باللہ من اناس تشيخوا قبل ان يشيخوا۔

اَيُّهَا النَّاظِرُوْنَ امروہی صاحب سے دریافت کریں کہ یہ وہی مولوی محمد بشیر کی پرانی باتیں ہیں یا مولوی محمد نذیر کے نئے افادات۔ جیساکہ لیؤمنن میں استقبال بالنسبۃ الی امر آخر نہیں لہٰذا استقبال اس کا بہ نسبت زمان نزول آیت کے ہوگا یعنی نزول کے وقت سے

آئندہ کو ایمان بالمسیح متحقق ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آیت سے مُراد ایمان لانا کتابی کا مسیح کے ساتھ عند موت الکتابی نہیں۔ کیوں کہ یہ ایمان بالمسیح تو نزولِ آیت سے پہلے بھی ہر کتابی کا عند الموت چلا آیا ہے۔ لہٰذا متعیّن ہوا کہ آیت میں یہ پیشین گوئی ہے کہ ہر ایک کتابی زمانِ آئندہ میں عند نزول المسیح ایمان لائے گا۔ اَور عند نزول المسیح سے یہ مُراد نہیں کہ فوراً مسیح کے اُترتے ہُوتے سب اہلِ کتاب مُسلمان ہوجائیں گے بلکہ جن کی موت علی الکفر مقدّر میں ہے اُن کے ہلاک کیے جانے کے بعد۔ کما ہُوَ۔ مدلُول احادیث الجہاد باقی افرادِ موجُودہ سب ایمان لائیں گے۔ کما قال علیہ السّلام وتکون الملل کلھا ملۃ واحدۃ۔ اَور یہ معارض نہیں آیت وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کے لیے کما زعم القادیانی والامروہی۔ کیونکہ سُورۃ مذکورہ میں فوقیت کا تحقق بالاستیصال علی وجہ الکمال ہوگا۔ چنانچہ بہ نسبت عرب شریف کے وارد ہوا ہے کہ عرب میں کوئی گھر نہیں رہا جس میں اسلام داخل نہ ہوا ہو۔ یعنی ہر ایک عربی مُسلمان ہوگیا۔ اَور اس کی یہی صُورت ہوئی کہ جن کی ہلاکت علی الکفر مقدّر میں تھی۔ ان کی ہلاکت کے بعد بقیۂ اہلِ عرب سے ہر ایک عربی مشرّف باسلام ہوا۔ ایسے تعارضات صرف خوش فہمی پر مبنی ہیں۔ ورنہ اہلِ لسان کے نزدیک حدیث مذکور اَور آیت مذکُورہ کے مابین کوئی تعارض نہیں۔ اگر ہے تو سلف کی نسبت ثابت کیا جاوے کہ وُہ تعارض کے قائل ہُوئے ہیں۔ اَور حدیث مذکُور کو بوجہ تعارض کے متروک الاعتقاد ٹھہرایا ہے ودونہ خرط القتاد۔ پس بحسب قاعدہ مسلّمہ آپ کے جو اصول عشرہ میں ذکر کیا گیا ہے اہلِ لسان اَور فقاہت کی روایت و درایت مقبُول کرنی چاہیئے۔ فاندفع ماتوھمہ الامروھی فی الصفحات العدیدۃ السابقۃ واللاحقۃ۔ الغرض کُل ڈھکوسلے ان کے خانہ زاد ہیں۔ قائل کی غرض کچھُ اَور ہوتی ہے۔ اَور یہ فرقہ کچھُ اَور ہی ہانکے جاتا ہے۔ تعجب اِس سے آتا ہے کہ اَیسے بیانات پر جو صراحۃً مخالف ہوں غرضِ قائل کے بڑے فخر اَور تعلّی سے چند حمقاء میں بیٹھ کر دُوسروں کو جاہل اَور گدھا وغیرہ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ برتملا وصی عیسٰے والی حدیث کے بعد صفحہ ۲۱۱ میں ہماری نسبت شعرِ ذیل لکھتے ہیں ؎

گوشِ خر بفروش دیگر گوش خر — کیں سخن را در نیاید گوش خر

اَور پھر ہم پر سوال وارد کیا گیا ہے کہ "کیا آپ کو وُہ مذاکرہ بھی یاد ہے جو آیتِ ذیل میں مندرج ہے۔ قال اللہ تعالٰی وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْؕ قَالُوْا بَلٰىۚۛ شَهِدْنَاۚۛ الخ (اعراف۔ آیت ۱۷۲) جب آپ اس مذاکرہ کا یاد ہونا ثابت کر دکھائیں گے تو ہمارے مسیح موعُود آپ کے اِس مذاکرہ مطلُوبہ کا وقوع بطور برُوز کے ثابت کر دکھائیں گے انتہٰی۔" واہ صاحب شاباش آپ کی خُوش فہمی پر، کیا ہم نے آپ کے مسیح سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ کو شبِ معراج والا مذاکرہ یا برتملا کو کوہِ حلوان میں نزُول تک ٹھہرانے کا ارشاد کرنا یاد ہے یا نہیں۔ بلکہ سوال تو یہ تھا کہ اگر آپ سچے مسیح موعُود ہیں تو بحسب مذاکرۂ شبِ معراج کے چاہیئے تھا کہ اپنے دجّال کو بجہادِ سنانی قتل کیا ہوتا۔ یا اپنے وصی برتملا کو پتہ دیا ہوتا تاکہ وُہ بھی قادیان میں آپ کے ساتھ شامل ہوتا۔ الغرض سوال یادداشت سے نہیں تھا۔ بلکہ وقوع وظہُور علی حسب المذاکرۃ والارشاد سے تھا۔ مگر آپ کے نزدیک جواب اِس کا کچھُ مشکل نہیں۔ کیوں کہ (الکنایۃ والمجاز ابلغ من الحقیقۃ) میں امروہی صاحب کو بڑی مشاقی ہے۔ وُہ تو جواباً کہہ سکتے ہیں کہ مسیح برُوز کے طور پر قادیانی صاحب تھے۔ اَور برتملا بطریقِ برُوز کوہ حلوان میں تھا۔ اَور کوہِ حلوان برُوزی امروہہ ہے۔ مسیح اقدس کے قبل از ظہُور فی القادیان وصیّت تھی کہ ہمارے نزُول فِی القادیان تک تم کوہِ حلوان یعنی امروہہ میں ٹھہرو۔ اَور کسی اِنسان کا عظیمُ الرّاس والجثّہ ہونا چُونکہ بحسبِ استبعاد امروہی صاحب کے ممکن بامکان وقُوعی نہیں۔ لہٰذا حدیث مذکُور میں جو لکھّا ہے کہ برتملا کا سر چکّی کے پاٹ کی طرح تھا۔ اِس سے مُراد بطریقِ کنایہ کامل العقل رکھا گیا ہے۔ اَور آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ الخ کے مُطابق ہم سے دریافت کرنا چاہیئے کہ یوم میثاق کے مُطابق شہادت بالتوحید والرّبُوبیّۃ ظہُور میں آئی ہے یا نہیں؟ تو جواباً معرُوض ہے کہ الحمد للہ والمنّۃ کہ جس طرح اُس واہبُ العطیات نے

محض فضل وکرم کے ذریعہ سے یوم میثاق میں ہم سے بَلٰی شَہِدۡنَا کہلوایا تھا۔ اسی طرح اس عالم میں بھی اس شہادت سے رطب اللسان و مسرور الجنان ہیں۔ ولنعم قیل ؎

شربنا علی ذکر الحبیب مدامۃ
سکرنا بہا من قبل ان یخلق الکرم

ولنعم ما قیل

لقد قلت فی بدء الست بربکم — بلٰی قد شھدنا والولا متتابع
فیا حبذا تلک الشہادۃ انہا — تجادل عنی سائلی وتدافع
وانجو بہا یوم الورود فانہا — لقائلہا حرز من النار مانع
ھی العروۃ الوثقٰی بہا فتمسکی — وحسبی بہا انی الی اللّٰہ راجع
فیارب بالخل الحبیب محمد — نبیک وھو السید المتواضع
انلنا مع الاحباب رویتک التی — الیہا قلوب الاولیاء تسارع

فبابک مقصود وفضلک زائد
وجودک موجود وعفوک واسع [1]

قولہ: صفحہ ۲۱۱ سے صفحہ ۲۲۲ تک کی تردید کی حاجت نہیں صفحہ ۲۲۳ سے ۲۲۵ تک کا حاصل:۔ ساری اہل زمین ہدایت اور اتفاق ان کا ملّت اسلام پر کما ہو المفہوم من قولہ علیہ السلام وتکون الملل کلہا ملۃ واحدۃ مشیت الٰہیہ کے محض خلاف ہے لقولہ تعالٰی وَلَوۡ شِئۡنَا لَاٰتَیۡنَا کُلَّ نَفۡسٍ ھُدٰىہَا وَلٰکِنۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ مِنِّیۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَہَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ۝ (سجدہ۔۱۳) ایضاً قال تعالٰی وَلَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ ۝ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّکَ ؕ وَلِذٰلِکَ خَلَقَہُمۡ ؕ وَتَمَّتۡ کَلِمَۃُ رَبِّکَ لَاَمۡلَئَنَّ جَہَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ۝ (سورہ ھود۔ آیت ۱۱۸-۱۱۹)

اقول: پہلی آیت کا مفادیہ ہے کہ ہم کو چونکہ جنّوں اور آدمیوں سے جہنم کا بھرنا حسب الوعدہ منظور ہے۔ لہٰذا ہر ایک کو ہم نے ہدایت عطا نہیں کی۔ ورنہ اگر ہم چاہیں تو ہر ایک کو ہدایت دے سکتے ہیں۔ اَیُّہَا النَّاظِرُوۡن انصاف فرماویں کیا جہنم کا بھرنا بغیر اس کے کہ زمانۂ مسیح کے لوگ مختلف ہوں نہیں ہوسکتا۔ بیّنوا توجروا۔ اور دوسری آیت میں بحسب استثناء من رحم ربک کے مرحومین کا اتفاق ایک ملّت پر ہوسکتا ہے۔ رہے غیر مرحومین، سو وہ جب تک زمین پر موجود ہوں گے مختلف ہی رہیں گے۔ اور (لایزالون) کا مقتضٰی یہ نہیں کہ غیر مرحومین سے زمین کسی وقت خالی نہ ہوگی۔ کیونکہ لایزال کا مدلول صرف اتنا ہی ہے کہ محمول منفک نہیں موضوع سے۔ یعنی کوئی وقت وجود موضوع (غیر مرحومین) کا اختلاف سے خالی نہیں۔ دیکھو قولہ تعالٰی لَا یَزَالُ بُنۡیَانُہُمُ الَّذِیۡ بَنَوۡا رِیۡبَۃً فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ (توبہ۔ ۱۱۰) جس کا مدلول اسی قدر ہے کہ شک کا انفکاک بُنۡیَانُہُمۡ (ان کی عمارتوں) سے تاحین حیات ان کے متصور نہیں۔ ہاں اگر مر گئے۔ تو چونکہ خود ہی نہ ہوں گے۔ ان کا شک بھی نہ ہوگا۔ کما قال اللّٰہ تعالٰی اِلَّاۤ اَنۡ تَقَطَّعَ قُلُوۡبُہُمۡ۔ مگر یہ کہ ٹکڑے ٹکڑے کٹ جاویں دل

---

[1] **خلاصہ اشعار:** میں نے یوم الست میں عہد کیا کہ یہ محبت و ولا دائمی ہے۔ اور یہ شہادت میری نجات کا بہترین ذریعہ ہے۔ یاالٰہی اپنے خلیل حضور نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں اپنے اولیاء کرام کے ساتھ اپنے دیدار کی نعمت سے مشرف فرمانا تیرا دروازہ کھلا اور تیرا فضل وکرم وسیع ہے۔

ان کے یعنی مرجاویں پس زمانۂ مسیح موعود میں چونکہ غیر مرحومین ہی نہ رہیں گے تو اُن کا اختلاف کیسا ہوگا۔

اس مقام پر امروہی صاحب نے ہماری طرف یہ منسُوب کیا ہے کہ بحسب قاعدہ مخترعہ مؤلف کے قرآن مجید میں جس جگہ ایسا استثناء اِلّا کے ساتھ آیا۔ تو وُہ آیت مؤلف کے نزدیک زمانۂ مسیح ہی کے ساتھ مخصُوص ہے۔ اَیُّہَا النَّاظِرُوْن اِنصاف فرماویں کہ کس قدر جہالت ہے۔ یہ تفریع تو امروہی صاحب کی خوش فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ (من رحم ربك) کو آپ نے محصُور کر رکھا ہے انھیں مرحُومین میں۔ جن کے زمانہ میں مسیح کے زمانہ کی طرح کوئی غیر مرحوم باقی نہ رہا ہو حالانکہ من رحم ربك شامل ہے ان کو اور نیز ان مرحُومین کو جن کے زمانہ میں غیر مرحُومین بھی موجود ہوں فانہ فع الایراد بقولہ تعالیٰ۔ وَالْعَصْرِ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (عصر۔ ۱-۳) وبقولہ تعالیٰ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (سورہ والتین۔ ۵، ۶)

اور پھر ہم پر یہ اتہام لگایا گیا ہے کہ مؤلف شمس الھدایت کے نزدیک مستثنیٰ منہ حرفِ استثناء کے لانے سے کُل مستثنیٰ ہوجاتا ہے؛ جواباً ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی آپ کی اسی خوش فہمی پر مبنی ہے جو ابھی بیان ہو چکی ہے۔ فلا یرد ما اوردہ بقولہ تعالیٰ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓی اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ (سورہ اعلیٰ۔ ۶، ۷)

اور پھر الا من رحم ربك کو بر تقدیر استثناء منقطع کے عبارت ملائکہ سے ٹھہرا کر اعتراض کیا ہے۔ حالاں کہ صُورتِ انقطاع میں بھی من رحم ربك سے انسان مُراد ہیں نہ ملائکہ۔ دیکھو بیضاوی (الا من رحم ربك) الا ناسا ھداھم اللہ من فضلہ فاتفقوا علیٰ ماھو من اصول دین الحق والعمدۃ فیہ انتھیٰ موضع الحاجۃ۔ اس پر شہاب حاشیہ بیضاوی میں لکھا ہے (فالاستثناء منقطع) اَیُّہَا النَّاظِرُوْن ہم کب تک ان کو پڑھاویں۔ امروہی صاحب کو لازم تھا کہ پہلے کسی عالم سے شمس الھدایت کو پڑھ کر اس کُوچہ میں قدم رکھتا، ناحق اس کو رُسوا ہونا پڑا۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۲۲۶ سے ۲۳۲ تک کا حاصل :۔ اِن صفحات میں اس وجہ تطبیق کو رد کرنا چاہا ہے جو شمس الھدایت میں احادیث حُلیہ ابن مریم کے متعلق لکھی گئی ہیں یعنی سُرخ رنگ سے مُراد کم درجہ کا سُرخ ہے جسے گندمی رنگ بھی کہہ سکیں اور گھونگر والے بال سے مُراد کم گھونگر والے جن کو بہ نسبت اہل حبش کے سیدھے بال کہہ سکیں۔ لکھتے ہیں کہ اس تاویل کو خود حدیث متفق علیہ رد کر رہی ہے۔ عن عبد اللہ بن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رائیتنی اللیلۃ عند الکعبۃ فرایت رجلا ادم کاحسن ما انت راء من آدم الرجال۔ الحدیث۔ جس کے معنے ہیں نہایت عُمدہ گندمی رنگ آدمی۔ ظاہر ہے کہ سُرخ رنگ والے کو عُمدہ رنگ گندمی نہیں کہا جاسکتا۔

اقول ۔ (عمدہ گندمی رنگ بمعنے کمال گندم گونی یہ آپ کی خُوش فہمی ہے۔ حدیث کے ٹکڑے (کاحسن ما انت راء من آدم الرجال) کا یہ معنے نہیں۔ بلکہ اس کا معنے یہ ہے گندم گوں مردوں میں سے زیادہ خُوبصُورت۔ آپ نے زیادت کو جو احسن افعل تفضیل سے مفہوم ہوتی ہے گندم گونی کے ساتھ لگا دیا۔

قولہٗ ۔ پھر فرماتے ہیں کہ سبط چُونکہ نقیض ہے جعد کی لہٰذا ایک کا اطلاق دُوسرے پر جائز نہیں۔

اقول ۔ جعد کلی مشکک ہے۔ اس کا اطلاق مراتب مختلفہ پر آتا ہے اور ایسا ہی سبط بھی پس ہر ایک مرتبہ کا اطلاق اپنے مقابل پر نہیں آتا جو مُساوی فی الدرجہ ہے نہ مطلقاً۔ اب لٹھا یا خاصہ کو بہ نسبت اطلس کے خشن کہہ سکتے ہیں۔ اور بہ نسبت کمبل بھُورا کے لین اور نرم۔ ایسا ہی کم جعُودت والے کو بہ نسبت غایت مرتبہ کی جعودت والے کے۔ چنانچہ حبشی و زنگباری سبط الراس کہہ سکیں گے۔

قولہٗ ۔ پھر لکھتے ہیں کہ دُوسری روایت بھی اِس تاویل رکیک کو باطل کرتی ہے اور وُہ یہ ہے عن ابنِ عبّاس عن النّبی

صلی اللہ علیہ وسلم ورأیت عیسٰی رجلا مربوع الخلق الی الحمرۃ والبیاض۔ ظاہر ہے کہ جو رنگ گندمی ایسا ہو کہ مائل ہو سُرخی اور سپیدی کی طرف اُس کو بھی احمر یا سُرخ نہیں کہا جاسکتا۔

اقول۔ اَیُّہَا النَّاظِرُوْن غور فرماویں یہ روایت تو ہماری ہی تاویل کی مؤید ہے۔ کیونکہ جب سُرخی اور سپیدی ملی ہوئی ہوں تو اس صورت میں بہ لحاظ اختلاف جہت والاعتبار کے آدم بھی کہا جاتا ہے اور احمر بھی۔ امروہی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ حدیث ضرور ہمارے مسیح اقدس کو ملے۔ مگر ہنوز دہلی دُوراست خواص و الہامات وغیرہا جو پہلے اسی رسالہ میں لکھے گئے ہیں قادیانی صاحب کو محروم رکھتے ہیں۔ آپ کا جُغرافیہ وطب وغیرہ تاویلات یا تحریفات چند حمقا کو دھوکہ دے سکتے ہیں۔ اس مقام پر ہم اسی قدر جواب میں کافی سمجھتے ہیں کہ کسی اہل علم نے آپ کے خرافات کو آج تک گوزشتر سے زیادہ کوئی وقعت نہیں دی۔ اَیُّہَا النَّاظِرُوْن شمس الہدایت اور شرح حدیث کو بالمقابل رکھ کر مُلاحظہ فرمایئے۔ اِن صفحات کے بقیہ مضامین کی تو طلبہ بھی دھجیاں اُڑا سکتے ہیں۔

قولہٗ۔ صفحہ ۲۳۳ کا حاصل شمس الہدایت میں جو لکھا ہے کہ حدیث لوکان العلم معلقا بالثریا لنالہ رجل من ابناء الفارس کا مصداق سلمان فارسی ہے۔ اس پر فرماتے ہیں" شرم۔ شرم۔ شرم"۔ صحیحین کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت (وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ط (جمعہ۔آیت ۳) جب اُتری تو صحابہؓ نے پُوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ تو آپؐ نے سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ مُبارک رکھ کر فرمایا۔ لوکان الایمان معلقا عند الثریا لنالہ رجل من ھٰؤُلاءِ۔ اور سلمانؓ فارسی چونکہ اصحابی تھے لہٰذا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ کے مصداق بنیں۔

اقول شمس الہدایت میں تو اِس حدیث کی نسبت نہیں لکھا گیا کہ اِس کا مصداق سلمانؓ فارسی ہیں۔ بلکہ لوکان العلم معلقا بالثریا لنالہ رجل من ابناء الفارس کے متعلق کلام ہے۔ اور صفحہ ۷۶ سطر ۴ میں عبارتِ ذیل (مصداق ہونا اِس حدیث کا ثابت ہوتا ہے) سے مُراد یہی حدیث ہے نہ صحیحین کی حدیث۔ الغرض صحیحین والی حدیث کے فقرہ (فوضع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ) کو قرینہ ٹھہرایا گیا ہے اس پر کہ غیر صحیحین والی حدیث میں مُراد رجلؐ سے سلمانؓ فارسی ہے۔ دیکھو شمس الہدایت صفحہ ۷۵۔ تو اس حدیث میں (رجلٌ) سے مُراد یا تو واحد شخصی ہے اور یا جنس فارسی بر تقدیر اوّل یہ حدیث اجواب (من ھٰؤُلاءِ یا رسول اللہ) سوال کا بوجہ جمعیّت (اٰخرین) اور (ھٰؤُلاءِ) کے نہیں ہوسکتے۔ تاکہ سلمان فارسی بوجہ (لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ) کے مصداق اِس حدیث کا بن سکے۔ بلکہ آپؐ کا ارشاد سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمانا کما فی احادیث الصحیحین دلیل ہے اِس امر پر کہ مُراد رجلؐ سے لنالہ رجلؐ والی حدیث میں سلمانؓ فارسی ہے۔ اور بر تقدیر ثانی لنالہ رجل اور لنالہ رجال کا مآل ایک ہوگا۔ اِس صُورت میں بقرینہ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ط اور سوال مَنْ ھٰؤُلاءِ یَا رَسُوْلَ اللہ کی دونوں حدیثوں کا مصداق اہل فارس میں سے وُہی ہوں گے جو شرافت صُحبت سے مشرف نہیں۔ اِس شق کا ذکر وجہ ثانی میں کیا گیا ہے۔ دیکھو شمس الہدایت کی عبارتِ ذیل (اور ثانیا اگر بہ لحاظ جمعیۃ لفظ رجال اور ھٰؤُلاءِ کے جنس مُراد ہو) یعنی لفظ رجلؐ سے جو (لنالہ رجلؐ) میں واقع ہے۔ اگر کہا جاوے لنالہ رجلؐ اور لنالہ رجالؐ کا ارشاد پاک بجواب سوال (مَنْ ھٰؤُلاءِ یَا رَسُوْلَ اللہ) کے ہی ہوا ہے۔ لہٰذا رجلؐ سے مُراد بالتعین جنس فارسی ہے نہ واحد شخصی۔ تو جوابًا گذارش ہے کہ شمس الہدایت کی عبارت کا مطلب ابطال دلیل خصم کا ہے بجمیع شقوقہٖ ومحتملاتہٖ پس امروہی صاحب کا شرم۔ شرم۔ شرم گو شَرَم شَرَم شَرَم ہے کہ العلم خیر والجہل شرٌّ قضیہ مسلّمہ ہے۔ الحاصل قادیانی کسی صُورت میں اِس حدیث کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُس نے بجائے (لانے اور اُتارنے) کے علم کو گم کرنا چاہا ہے۔

قولہٗ۔ صفحہ ۲۳۴ کا حاصل۔ خُراسان فارس کا صُوبہ ہے۔ اور سمر قند خُراسان میں ہوا تو سمر قند فارس میں ہی ہوا۔ لہٰذا قادیانی

صاحب سمرقندی الاصل اَور فارسی الاصل ہُوتے۔

۲۔ آپ کسی ایک مسئلہ میں حضرتِ اقدس کو بتادیں کہ وُہ کتاب وسُنّت سے کیا مخالفت رکھتا ہے۔

۳۔ ہمارا مسیح موعُود اپنے دعوے پر کتاب اللہ وسُنّتِ صحیحہ رؤیا اَور مکاشفاتِ صالحینِ اُمّت بیان کرتا ہے۔ آسمان و زمین اس کے دعوے کی تصدیق کررہے ہیں۔

اقول۔ اصلی عبارت شمس الہدایت کی یہ ہے (اَور سمرقند نہ خُراسان سے ہے نہ فارس سے) دیکھو فہرست اغلاط۔ اَور اس عبارت میں نفی فارس کی تو ظاہر ہے کہ بمقابلہ مضمُون مندرج ازالہ اَوہام کے ہے۔ اَور نفی خُراسان کی بہ نسبت اس تقریر یا تحریر کے ہے جو شمس الہدایت کے لکھنے کے ایّام میں کسی صاحب نے پیش کی تھی۔ چنانچہ آیت (وَاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ) کے متعلق جو مرجع (هُوْ) کا انبیاء لکھّا ہُوا ہے برخلاف سیاقِ آیت کے قصراً للمسافۃ وعلی سبیل التسلیم وُہ بھی قادیانی صاحب کے ایک مخلص کی طرز بیان کے فرض تسلیم پر مبنی ہے۔ ورنہ قادیانی صاحب کے تصنیفات میں کسی مقام پر آیت مذکُورہ کا بیان اِس طور پر نہیں دیکھا گیا۔ الحاصل بعض مضامین میں مخاطب قادیانی صاحب ہیں اَور بعض میں ان کے احباب جنھوں نے انہی ایّام میں اس کی جانب سے ہمارے سامنے گفتگو کی تھی۔

اَیُّھَا النَّاظِرُوْن شمس الہدایت کا اعتراض قادیانی پر باقی رہا۔ یعنی حدیث (رجل من ابناء فارس) کا بوجہ سمرقندی الاصل ہونے کے مِصداق نہ بنا۔ کیونکہ سمرقند فارس سے نہیں۔ دیکھو نقشہ جات۔ اَور نیز قادیانی صاحبِ علم کو زمین سے اُٹھانے کی وجہ سے اِس حدیث کا مصداق ہرگز نہیں ہوسکتا۔

قولہٗ صفحہ ۳۰۲ کا حاصل:۔ آیت سبحان ربی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ہم کب کہتے ہیں کہ آیت مانحن فیھا میں جو اُمُور مذکُورہ ہیں وُہ بہ نسبت قادرِ مُطلق کے ممتنع ہیں۔ کلّا وحاشا ونعوذ باللہ منہ۔

اقول۔ جب آپ کو ان جُملہ اُمورِ مندرجہ آیت کا جن میں سے آسمان پر صعود بجسدہ العنصری بھی ہے عدمِ امتناع مُسلّم ہے۔ تو اب ہم کو کچھ ضرُورت نہیں رہی کہ اس پر کلام کریں۔ صرف اتناہی کہتے ہیں کہ اِس آیت سے حسبِ اقرار آپ کے، عدمِ امتناع صعود علی السّماء بالجسم العنصری کے ثابت ہُوا اور آیت سُبْحَانَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ الخ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے وقُوعِ صعُودِ جسمِ عنصری ثابت ہے۔ اَور ازالہ میں جو قادیانی نے نئے اَور پُرانے فلسفہ کے رُو سے صعُود علی السّماء بالجسم العنصری کو مُمتنعات سے لکھا ہے۔ بالکل واہی اور لغو ہے۔ کیونکہ بُرودت اَور حرارت موازم عادیہ میں سے ہیں ہوا اَور نار کے لیے جن کا انفکاک بہ شہادت قولہ تعالیٰ (قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ (انبیاء۔ آیت ۶۹) ثابت ہے۔ اَیُّھَا النَّاظِرُوْن جب اللہ تعالیٰ کو کسی اپنے بندہ کا آسمان پر لے جانا منظور ہو تو کیا کُرۂ زمہریرۃ اور ناریہ پھر بھی اپنی بُرودت اَور حرارت کی رُو سے اُس اِنسان کے لیے مُہلک ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں (فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (یٰس۔ ۸۳) اور اسی قبیل سے ہے قادیانی کا زُعم ذیل (کہ درصُورت رفع علی السّماء بوجہ حرکت آسمانوں کے مسیح کو دائمی عذاب میں مُبتلا ہونا لازم آتا ہے) کیونکہ اس زعم کی بناء چُونکہ آسمانوں کے متحرک ہونے وغیرہ پر ہے جو شرعاً ثابت نہیں۔ بلکہ اخبار وآیات اس کے خلاف پر ناطق ہیں (قال اللہ تعالیٰ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝ (حاقّہ۔ ۱۷)

لے آپ نے اپنے نبی کی کُل کارروائی غتربُود کردی۔ دیکھو ازالہ جلد اوّل صفحہ ۳۰۷ سطر ۳۔ ازاں جُملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ نیا اَور پُرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کُرۂ زمہریر تک بھی پہنچ سکے۔ الخ ۱۲ منہ

وفی الخبران لہ قوائم۔ ہاں کواکب کا متحرک ہونا قرآن کریم سے پایا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ (لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ○ (سورہ یٰس۔ ۴۰) فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ○ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ○ (سورہ تکویر۔ ۱۵، ۱۶) وقال كُلٌّ یَّجْرِیْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى) لہٰذا اہلِ اِسلام کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں۔ الغرض معراجِ جسمی اور رفعِ جسمی ایک اجماعی عقیدہ ہے جس کے خلاف نہ عقل اور نہ نقل شہادت دیتے ہیں۔ اے مؤلف تم کو ہمارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رسولِ ربّ العالمین افضل الاوّلین والآخرین سے کیا عداوت اور دشمنی ہے جو آپؐ کے معجزات اور احادیث وفضیلت کلیہ کا انکار کرتے ہو۔ بلکہ قادیانی کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے افضل مانتے ہو۔ قادیانی اگر کہے کہ یہ پیشین گوئی ہرگز نہ ٹلے گی۔ تو ایمان لے آتے ہو۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پیشین گوئیوں میں اس خیبری یہودی کی طرح کیا کیا رنگ دکھاتے ہو۔ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِیْزٰى (نجم۔ ۲۲) اور بجائے اس نبی کے جو بباعثِ کمالات اپنے کے شرعِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمت بجالانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اور اِس منصب خادمیت کو اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے، ایک ایسا معقول گھڑا کرتے ہو۔ جو تمہاری طرح علومِ نقلیہ وعقلیہ سے بے بہرہ ہے۔

قولہٗ۔ صفحہ ۲۳۹۔ اور ۲۴۰ کا حاصل :۔

۱۔ ہم کب کہتے ہیں کہ زمین پر کوئی فرشتہ متمثل بہ صُورتِ بشری نہیں ہوا۔

۲۔ حدیثِ دمشقی کو جس میں نزولِ مسیح ملائکہ کے کندھوں پر ہتھیلی رکھے ہُوئے مذکور ہے۔ اس کی تکذیب آیاتِ ذیل کر رہی ہیں۔ وَ یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ تَنْزِیْلًا ○ (فرقان۔ آیت ۲۵) ایضاً هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَقُضِیَ الْاَمْرُؕ (بقرہ۔ آیت ۲۱۰) ایضاً هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّكَ الخ ایضاً وَقَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ○ (انعام۔ آیت ۸)

اقول۔ ۱۔ دیکھو ایّام الصلح صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۷۔ "اِیں آیہ کریمہ جہراً گویدِ نزولِ دمشقی ملائکہ بر ہیئت رجال بنی آدم از عادتِ الٰہیہ نیست۔ اِنتہیٰ۔ مرزا صاحب کی نمک خواری کا حق آپ خوب ادا کرتے ہیں۔ خُدا کے بندے ساری کتاب میں ایک جگہ بھی تو اُس کو فائدہ پہنچایا ہوتا۔

۲۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حدیثِ دمشقی میں صرف اِتنا ہی فرمایا ہے کہ نزُولِ مسیح ملائکہ کے کندھوں پر ہتھیلی رکھی ہُوئی ہوگا۔ اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس وقت کے موجودہ لوگ بھی ضرُور ان کو دیکھیں گے۔ جائز ہے کہ یہ نزُول اس طرح پر ہو جیسا کہ نزُولِ ملائکہ کا سورِ قرآنیہ کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ جن کا مشاہدہ آپ ہی کے ساتھ مخصُوص ہے یا خواص میں سے کسی کو ہوتا ہو یا جیسا کہ رفعِ جنائز ولاشیں بعض صحابہؓ کا ملائکہ سے ہوا ہے۔ کما مرفی قصّہ عامر بن فہیرہ وغیرہ۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اِن ملائک کا نزُول صورتِ بشری میں بھی متصوّر ہو سکتا ہے۔ اور آیۃ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ○ (انعام۔ ۹) چُونکہ رسُولِ ملکی کے شان میں وارد ہے (یعنی اِس سے یہ مُراد ہے کہ اگر کسی فرشتہ کو رسُول بنا کر لوگوں کی طرف بھیجا جاوے۔ جیسا کہ کفار کا سوال ہے تو یہ بھیجنا عبث وفضُول ہے۔ کیونکہ پھر بھی ان کو اِشتباہ باقی نہ رہے گا) لہٰذا یہ حدیثِ دمشقی کی مکذّب نہیں۔ دیکھو حدیثِ اِحسان میں جبرئیل علیہ السّلام بصُورتِ بشری نازل ہُوتے۔ اور صحابہؓ نے بھی ان کو دیکھا۔ ایسا ہی بہتیرے مواضع ہیں۔ تو کیا کوئی خیال کر سکتا ہے کہ اِس حدیث کی مکذّب آیتِ مذکورہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور آیاتِ مذکورہ میں اِس نزُول اور اتیان کا ذکر ہے جو کھُلے طور پر بغیر صُورتِ بشری کے ہو جو مخصُوص بیوم الحشر ہے۔

اُسے مؤلف صاحب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو مان لو۔ اور اُن کفار کی طرح اِنتظار نہ کرو جن کا ذکر آیاتِ ذیل میں فرمایا گیا ہے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ الخ (بقرہ۔ آیت ۲۱۰) اور هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ الخ کیوں کہ پھر ایمان لانا نافع نہ ہوگا۔ قال تعالٰے لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ (انعام ۵۹) اے مؤلف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تم کو اور تمہارے مُرشد کو کیا عداوت ہے کہ ہر ایک حدیث کو یا تو مخالف نصُوصِ قرآنیہ کے ٹھہرا دیتے ہو اور یا تحریف صریح کر دیتے ہو۔ پھر آخر میں ہم پر یہ الزام لگاتے ہو کہ (اور اصل بات تو یہ ہے کہ آپ عالمِ ملائکہ کے بالکل منکر ہیں) جب ہم نے شمس الہدایت میں بدلائل کثیرہ ملائکہ کا نزول اور وجود بمقابلہ اِنکار قادیانی کے کر دکھایا تو امروہی صاحب سے اور کچھ بن نہیں پڑی۔ اخیر میں بحکم۔ بیت ؎

چو وقتِ ضرورت نماند گریز بگیرد بسر دست شمشیر تیز

لاجواب ہو کر یہ کہہ دیا۔ واہ صاحب جواب اس کا نام نہیں۔ یہ تو بِلا وجہ اور بلا ثبوت کسی کو متہم کرنا ٹھہرا۔ ہم نے تو ہر جگہ میں تمہارے قادیانی کی عبارتیں بحوالہ کتاب وصفحہ وسطر نقل کر دی ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۲۴۱ سے ۲۴۳ تک کا حاصل:۔

۱۔ اگر حضرت نوحؑ کی عمر ۹۵۰ برس کی اور حضرت آدمؑ کی ۹۳۰ سال کی ہوئی وکذا وکذا۔ تو اِس سے کب لازم آتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی عمر ۲۰۰۰ ہزار برس یا زائد کی ہوگی۔ شعر ؎

چہ خُوش گفت است سعدی در زلیخا الا یا اَیُّہَا السَّاقِیْ اَدِرْ کَاسًا وَّ نَاوِلْہَا

۲۔ جس زمانہ کے لوگوں کی عمریں سَو برس تک کی ہوویں تو ہر ایک اہلِ عقل اور سمجھ والا یہ بھی سمجھ لیوے گا کہ اسّی ۸۰ یا نوّے سال میں نکوس اور واژگونی ان کو پیدا ہو جاوے گی۔

۳ حدیثِ صحیح سے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی عمر ایک سَو بیس ۱۲۰ برس کی ثابت ہے۔

۴۔ مؤلف شمس الہدایت نے جو اصحابِ کہف کے لیے عمر آیت وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ (سورۂ کہف آیت ۲۵) سے قطعی طور پر مقرر فرمائی ہے۔ کیا مؤلف نے آیت قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا قرآن میں نہیں دیکھی۔

۵۔ اصحابِ کہف کی عمر سے حضرت عیسٰی کی عمر مزعوم ثابت نہیں ہو سکتی۔

اقول۔ ۱۔ حضرت ہم نے کب کہا ہے کہ نوحؑ و آدمؑ وغیرہما کی عمر سے لازم آتا ہے کہ عیسٰی علیہ السّلام کی عمر دو ہزار برس کی ہو۔ ہم نے چند اشخاص کی عمریں اِس استبعاد کے دفع کرنے کے لیے لکھی ہیں جس کو قادیانی نے بعبارتِ ذیل بیان کیا ہے (فکیف آنکہ اِلٰی دو ہزار سنہ زندہ اش گذاشتند۔ ایامِ صُلح فارسی صفحہ ۱۲۰ سطر ۱۹) بایں خُوش فہمی جواب لکھنے پر آمادہ کیسے ہو گئے ہیں۔ اب تو آپ کی لسان الحال شعرِ ذیل پڑھ رہی ہے ؎

شعر

الا یا ایہا المرزا نہیں لیتا در اھسم میں جواب آساں نمُود اوّل ولے اُفتاد مشکل ہا

مرادر منزلِ مرزا چہ امن وعیش چُوں ہر دم صلاح الوقت می گوید کہ بر بندید محمل ہا

۲۔ قادیانی صاحب سے سوال تو یہ کیا گیا تھا۔ کہ آپ نے اسّی ۸۰ یا نوّے ۹۰ سال کی قید کو مدلول آیت کا کیسے ٹھہرایا ہے۔ دیکھو ایام الصّلح صفحہ ۱۲۰۔ آیتِ ذیل (وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ) کے تحت میں (چہ از اقرار این آیت ہر کہ بہشتاد و نوَد سنہ بالغ شود او را نکوس و واژگونی بہ آفرینش اوّل حاصل آید)۔ "از اقرار این آیت" کا فقرہ محلِ استشہاد ہے۔ اَیُّہَا النَّاظِرُوْن کیا سوال مذکور کا

جواب یہ ہوسکتا ہے؟ (جس زمانہ کی عمر یں الخ) ہرگز نہیں۔ کیوں کہ یہ مضمون آیت مذکورہ کا مدلول نہیں بلکہ اس سے خارج ہے۔ اور برتقدیر تسلیم مفہوم آیت کا چونکہ اہل ہر زمانہ کو شامل ہے۔ لہٰذا اسّی۸۰ یا نوّے۹۰ سال کی قید کا خصوص اس کی غرض کے لیے منافی ہوگا۔

۳۔ حدیث صحیح سے حضرت عیسٰیؑ کی مدت مکث قبل الرفع ۳۳ سال ہے۔ دیکھو ابن کثیر صفحہ ۲۴۵ میں۔ فانّہٗ رفع ولہ ثلث و ثلثون سنۃ فی الصحیح وقد ورد ذٰلک فی حدیث فی صفۃ اھل الجنۃ انھم علی صورۃ اٰدم و میلاد عیسٰی ثلث وثلثین سنۃ واما ما حکاہ ابن عساکر عن بعضھم انہ رفع ولہ مائۃ وخمسون سنۃ فشاذ غریب بعید انتھٰی۔ اور طبرانی نے باسناد جید انسؓ سے روایت ۳۳ سال کو ذکر کیا ہے۔ واخرج الطبرانی بسند جید عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدخل اھل الجنۃ علی طول اٰدم ستین ذراعا بذراع الملک و علی حسن یوسف وعلی میلاد عیسٰی ثلث وثلثین سنۃ الحدید والسافی صفحہ ۲۲۳۔ اور خازن ابن سعید احمد حاکم نے اسی روایت کو صحابہ کرام کی طرف منسوب کیا ہے۔ قال ابن عباسؓ ارسل اللہ عیسٰی علیہ السلام وھو ابن ثلثین سنۃ فمکث فی رسالتہ ثلثین شھرا ثم رفعہ اللہ الیہ۔ تفسیر خازن صفحہ ۵۰۴۔ واخرج ابن سعد واحمد فی الزھد والحاکم عن سعید بن المسیب قال رفع عیسٰی ابن ثلث وثلثین سنۃ۔ دُرِّ منثور جلد ثانی صفحہ ۳۶۔

۴۔ شمس الہدایت میں اصحاب کہف کا ۳۰۹ برس تک سونا ذکر کیا گیا ہے جو ترجمہ ہے آیت وَلَبِثُوْا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا۝ (کہف۔ ۲۵) کا۔ دیکھو شمس الہدایت صفحہ ۱۸ سطر ۱۶ خدا کے بندے کسی وقت تو ریچ بولا کرو۔ ایہا الناظرون مؤلف صاحب سے دریافت فرمائیں کہ کیا آیۃ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا معارض ہے آیت (وَلَبِثُوْا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا) کے لیے؟ ہم کہاں تک ایسے جاہلانہ تعارضات کا دفعیہ لکھتے رہیں۔ امروہی صاحب آپ کی ساری کتاب کا حاصل سوا آویز، گریز، بہتان، کج فہمی کے اور کچھ نہیں۔

قولہٗ صفحہ ۲۴۴ اور ۲۴۵ کا حاصل۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام آیۃ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ کی دو شقوں میں سے اگر شق اَرْذَلِ الْعُمُرِ میں داخل ہیں تو بالضرور لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا کے مصداق ہو گئے ہوں تو پھر دوبارہ آکر کیا کارروائی کر سکیں گے۔

۲۔ اس جگہ پر مؤلف صاحب شمس الہدایت نے تسلیم کر لیا ہے کہ آسمان پر جانے کا حال چونکہ حالاتِ متوسط میں سے ہے لہٰذا اس کا ذکر اللہ تعالٰے نے نہیں فرمایا۔ ولنعم ما قیل دروغ گوئے را حافظہ نہ باشد۔

۳۔ واقعۂ صلیب کا ذکر جب کہ اللہ تعالٰے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ میں فرما چکا تو اس مقام پر ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

اقول ۔ ۱۔ يُرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ امر ممتد ہے جس کا شروع چالیس یا ساٹھ سال کے بعد ہو جاتا ہے۔ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا کا تحقق اجزاء متاخرہ میں ہوتا ہے۔ اور آیت (وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ) میں چونکہ مراد (من یتوفی) سے صحت تقابل کے لیے (مَنْ يُّتَوَفّٰى قَبْلَ الرَّدِّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ) ہے۔ لہٰذا مسیح علیہ السلام کا دخول شق اول میں بھی ہوسکتا ہے۔ بلکہ مناسب تر باحادیث مدت مکث بعد النزول یہی ہے۔ اور (یتوفی) تحقق وفات فی زمان الماضی پر

ا۔ چنانچہ ایام الصلح میں۔ ۱۲ منہ

دلالت نہیں کرتا تاکہ اس سے مسیح کی وفات نزولِ آیت کے وقت ثابت ہو۔ الغرض مسیح آیت کے شقِ اوّل میں داخل ہو خواہ دُوسری میں، اس کی وفات یا نکما ہوجانا ثابت نہیں ہوتا۔

۲۔ ہاں تسلیم کرلیا کہ آیت وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ میں رفع الی السّماء کا ذکر نہیں جیسا کہ آپ نے تسلیم کرلیا ہے کہ اِس آیت میں واقعہ صلیب کا ذکر نہیں۔ مگر فرمائیے کہ اِس تسلیم میں ہمارا کون سا ضرر ہے۔ اور ہم نے کب اِس آیت کو دلیلِ رفعِ جسمی کے لیے کہا ہے ہم نے تو بل رفع اللہ الیہ سے ثابت کیا ہے۔ ہماری کتاب کو کسی سے پڑھ کر سمجھنا آپ کے لیے ضروری تھا۔ اَيُّهَا النّٰظِرُوْن جتنے اعتراض شمس الہدایت میں قادیانی کے استدلالات بآیاتِ قرآنیہ پر وارد کیے تھے ان میں سے ایک کو بھی امروہی صاحب مندفع نہیں کرسکا۔ اصلی غرض سوال کا تو حضرت کو خیال ہی نہیں رہتا۔ آویز گریز کرکے ٹال مٹول دیتے ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۲۴۵ سے ۲۴۸ تک کا حاصل:۔

۱۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (سورۃ انبیاء۔ آیت ۸) اور كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی انسان کا نبی ہو یا ولی وغیرہ بغیر طعام خوردنی گندم وغیرہ کے زندہ رہنا نہیں ہوسکتا۔

۲۔ قرآن مجید سے اصحاب کہف کی ضرورت طعام کی طرف معلوم ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ۔ (سورۃ کہف۔ آیت ۱۹) ایسا ہی قولہٗ تعالیٰ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا○ (سورۃ کہف۔ ۱۶)۔ صراح میں ہے مرفق آنچہ بوے نفع یابند۔

۳۔ افسوس کہ مؤلف بے تمیزی کی وجہ سے کلماتِ قرآنی کے معنے حقیقی اور مجازی میں فرق نہیں کرسکا۔

۴۔ عدم اکل وشرب کوئی کمال نہیں دیکھو جمادات کو۔

اقول۔ ہم بھی مانتے ہیں کہ حسب آیت مذکورہ کسی انسان کا بغیر طعام کے زندہ رہنا نہیں ہوسکتا۔ مگر اہلِ ارض کے لیے طعام گندم وغیرہ ہے اہلِ سماء کے لیے تسبیح وتہلیل۔ جس ملک میں کوئی جاتا ہے اسی مُلک کی غذا سے مایۂ حیات حاصل کرتا ہے زمینی آدمی جب تک زمین میں ہے۔ اہلِ زمین کی غذا کھائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کو اس کا آسمان پر لے جانا منظور ہے تو اُس کو ملائکہ کی طرح تسبیح وتہلیل سے زندہ رکھتا ہے۔ آسمان پر لے جانے کے وقت اس سے اشتہا اس غذا زمینی کی سلب کی جاتی ہے۔ کما صرح بہ المحققون اہلِ زمین میں سے ہی زمانہ آئندہ میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی غذا تسبیح وتہلیل ہوگی فَكَيْفَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَئِذٍ فَقَالَ يُجْزِيْهِمْ مَّا يُجْزِيْ اَهْلَ السَّمَآءِ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس دن کھانے پینے کا سامان دجال کے ہاتھ میں ہوگا اُس دن مؤمنین کا حال کیا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا اُس دن اہلِ آسمان کی طرح ان کو تسبیح وتہلیل مایۂ حیات ہوگی۔ اور نیز آیۃ (وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ) کا معنی یہ نہیں کہ انسان ہر وقت اور بغیر اشتہا کے بھی کھاتا رہے۔ بلکہ کھانا پینا اشتہا پر مبنی ہے۔ اور چونکہ مرفوع الی السّماء کی اشتہا سلب کردی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا نہ کھانا اور نہ پینا آیت مذکورہ کے منافی نہ ہوا۔

۲ قرآن مجید سے اصحابِ کہف کا تین سو سال سے زیادہ عرصہ میں بغیر کھانے پینے کے زندہ رہنا ثابت ہے۔ کیونکہ مطابق (وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا) کے وُہ سورہے ہیں۔ اتنے عرصہ میں اُنھوں نے کچھ نہیں کھایا اور نہ پیا۔ اور آیۃ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ الخ میں بیدار ہونے کے بعد کا حال ہے۔ ساری آیت پڑھو۔ وَكَذٰلِكَ

بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ○ (سورہ کہف۔ آیت ۱۹)

۳۔ افسوس ہے امروہی صاحب کے ایمان پر کہ اُس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان ذیل (فَقَالَ يُجْزِيْهِمْ مَا يُجْزِيْ اَهْلَ السَّمَآءِ) پر گستاخانہ بکواس کی یعنی جس نے طعام کے معنے بغیر گندم وغیرہ کے تسبیح وتہلیل لیا ہے وہ بے تمیز ہے اس کو قرآن کریم کے کلمات کے معنے حقیقی ومجازی سے خبر نہیں۔ اَے مؤلف تم کو ہمارے پیغمبر افضل الاوّلین والآخرین سے کیا عداوت اور دُشمنی ہے کہ ہر جگہ آپ کے ارشادِ پاک اور قرآن مجید میں تعارض ٹھہرا دیتے ہو۔ ذرا (اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ) کا بھی خیال رکھو۔ اتنی عداوت تو پادریوں، آریوں وغیرہ نے بھی نہیں کی کہ قرآن وحدیث میں ایسا بے جا دخل کریں۔

۴۔ عدم اکل عما من شانہ ان یکون اکلا کمال ہے جو جمادات پر صادق نہیں ہو سکتا۔ دیکھو یطعمنی ربی ویسقینی متفق علیہ۔ بیت ؎

معدہ را بگذار سُوئے دِل خرام تا کہ بے پردہ زحق آید سلام

ایضاً اُذْکُرُوا اللّٰہ کارِ ہر اَوباش نیست ارجعی بر پائے ہر قلاش نیست

للحرب رجالٌ وللثرید رجالٌ، مثل مشہور ہے۔

قولہٗ۔ صفحہ ۲۴۸ کا حاصل :۔

۱۔ آیت وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ (مریم ۳۱) سے حضرتِ عیسٰیؑ کا مالدار وکثیر الخیرات ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ ازالہ اَوہام صفحہ ۳۰۹ پر جو اعتراض کیا گیا ہے (یعنی عیسٰی علیہ السّلام کے معجزہ خلق طیور کو مرزا صاحب نے مکرُوہ و قابلِ نفرت کہا ہے) اِس میں ہم صرف اِتنا ہی پُوچھتے ہیں کہ کسی حیوان کی تصویر کا بنانا شرعِ محمدی میں مکروہ ہے یا نہیں۔ بشق اول ازالہ کی بات ٹھیک اور شقِ ثانی کے آپ قائل نہیں۔ فاین المفر۔

۳۔ اِنکارِ معجزات جو ہماری طرف منسُوب کیا جاتا ہے۔ جواب اس کا یہی ہے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

اقول۔ اِس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ عیسٰی علیہ السّلام مال کو اپنی مِلک میں ٹھہرا رکھتے تھے تاکہ اُن پر ادائے زکوٰۃ لازم ہو۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سینکڑوں طرح کے اموال آتے۔ معہذا وصفِ فقر جس پر آپؐ کا فخر ہی لازم ہے رہے۔

۲۔ اگر بشق اوّل ازالہ کی بات ٹھیک ہے تو پھر یہ تصویر فروشی کیسی جس سے ہزاروں روپے بھولی جماعت سے لیے گئے ہیں اور مرزا صاحب سے تو اعتراض کسی طرح مندفع نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُنھوں نے قبل از شرعِ محمّدیؐ مسیح کے زمانہ میں اس کے معجزات کو مسمریزم اور کھلونے وغیرہ لکھّا ہے۔

۳۔ دیکھو ازالہ کے صفحہ ۳۰۵ کو جس خلقِ طیر کی نسبت لکھّا گیا ہے کہ یہ ایک مسمریزی عمل بطور لہو ولعب کے تھا وغیرہ وغیرہ۔ ایسی تحریف کو انکار ہی سمجھا جاتا ہے۔ اَب فرمایئے لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا مصداق کون ہوا۔

قولہٗ۔ صفحہ ۲۴۹ میں خطبہ صدیقیہ کا ذکر ہے جس کی تشریح امروہی صاحب کی کج فہمی پہلے گذر چکی ہے۔

قولہٗ۔ صفحہ ۲۵۰۔ تو پھر بحکم آیت فلما توفیتنی کے زمانہ ماضی میں تحقق موت کا حضرت عیسٰی ابنِ مریم کے لیے واقع ہو

ہو گیا تو اَب مُطلقہ عامہ مؤید و مثبت ہمارے مذہب کے لیے ہوا۔ اَور قیام مبدا بھی بحسب اقرار آپ کے ثابت ہوا۔ وہوالمطلب۔

اقول بحکم آیت فلما توفیتنی کے مسیح ابن مریم کے لیے موت کا تحقق بعد النزول ہوگا۔ اَور توفیتنی کی ماضویت بنسبت یوم الحشر کے ہے۔ جس میں سوال و جواب ہوگا۔ اَور جس پر صراحت حدیث اقول کما قال العبد الصالح کی دال ہے۔ بُخاری کو کسی محدث سے پڑھیئے تاکہ بُخاری کی غرض قال کو معنے یقول کے لینے سے سمجھ میں آوے۔ پھر کبھی فلما توفیتنی اَور حدیث کما قال العبد الصالح کو پیش نہ کریں۔ اَور یہ جو کہا ہے (قیام مبدء بھی بحسب اقرار آپ کے) ہمارا اقرار یہ ہے کہ توفی بمعنی مطلق قبض کے ہے۔ دیکھو صفحہ ۵۳ شمس الہدایت کا مکرر غور سے۔

قولہٗ صفحہ ۲۵۰۔ اَور صفحہ ۲۵۱ میں امروہی صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ آیت وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ الخ (النحل ۲۰-۲۱) سے وفات مسیح ثابت نہیں ہوتی تاوقتیکہ توفیتنی کو اس کے ساتھ شامل نہ کیا جاوے

اقول۔ اَیُّہا النّاظرُون شمس الہدایت کا مطلب صرف اِتنا ہی تھا کہ مرزا صاحب کا اِستدلال وفات مسیح بر آیت مذکورہ نہیں ہو سکتا۔ چُنانچہ اُنھوں نے ایام الصلح کے صفحہ ۱۲۱ میں اس آیت کے تحت میں لکھا ہے (دلیل بیّن است بریں کہ عیسٰی از زمرۂ مرگان مے باشد) سو اَب امروہی صاحب نے مان لیا کہ بے شک یہ آیت مثبت وفات مسیح کے لیے قبل النزول نہیں۔ اِس صفحہ میں بھی جو امروہی صاحب نے خوش فہمی عادی اپنی ظاہر کی ہے اس کی تردید کی حاجت نہیں۔ صرف شمس الہدایت اَور امروہی صاحب کے کلام کو سامنے رکھ کر ناظرین رائے دے سکتے ہیں۔ اَور فلما توفیتنی کا مطلب صحیح بُخاری پڑھنے کے بعد آپ معلوم کر لیویں گے کہ اس سے تحقق وفات قبل النزول نہیں ثابت بشہادت حدیث اقول کما قال العبد الصالح کے۔ اِس مقام پر شمس الہدایت میں مرزا صاحب کے اِستدلال بالآیۃ المذکورہ کو دونوں تقدیر پر باطل کیا گیا ہے۔ خواہ خصوص مورد کے رُو سے (اموات) سے مُراد (اصنام) لیے جاویں کما قالہ ابن عباس، اَور خواہ عموم اللفظ کی جہت سے مطلق معبودات باطلہ لیے جاویں۔ اس پر امروہی صاحب سے مرزا صاحب کی جانب سے جواب تو کچھ بن نہیں سکا۔ صرف ابن عباس کی تفسیر پر الزام لگایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر قرآن مجید مکہ میں نازل ہوا ہے اُس میں صرف اُنہی مُشرکین کا ردّ ہے جو اصنام و احجار کو معبود مانتے تھے۔ نعوذ باللّٰہ من ہذا القول مثل البول کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم۔ حضرت یہ وُہی ابن عباس ہیں جن کے آپ کسی مقام پر بوجہ خود غرضی کے ثناخوان ہوتے ہیں۔ ابن عباس نے تو صرف بخیال خصوص مورد کے (اصنام) فرما دیا ہے۔ ورنہ عموم اللفظ کی جہت سے عموم ردّ کے منکر نہیں۔ آپ کو تو مرزا جی کی جانب سے جواب دینا ضروری تھا۔ اس سے گریز کر کے ابن عباس سے آویز کر دی وُہ بھی ناتمام۔

قولہٗ صفحہ ۲۵۲۔ اَے مؤلف صاحب تناقض تو آپ کے ذہن میں ہے نہ قرآن مجید میں جو سُنت اللّٰہ کہ گذر چکی وُہی سُنت اللّٰہ پھر بحکم قادر مطلق اعادہ کی جاتی ہے۔

اقول۔ جب سُنت اللّٰہ کا اعادہ باوجود لفظ خَلَتْ کے ہو جاتا ہے تو پھر ابن مریم کے عود کو وُہی خَلَتْ کس طرح روک سکتا ہے۔ اگر کہا جاوے مسیح کا عود بر تقدیر وفات مسیح آیۃ (وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ سورۃ انبیاء۔ آیت ۹۵) کے رُو سے نہیں ہو سکتا۔ تو جواباً گذارش ہے کہ اوّل تو وفات ہمارے مسلّمات سے نہیں تاکہ یہ آیت وارد کی جاوے اَور ہم کو اس کی تطبیق میں اُن آیات کے ساتھ جو دال ہیں عود موتٰی پر کی حاجت ہو۔ اَور بر تقدیر تسلیم اِتنا تو ثابت ہو گیا کہ خَلَتْ کا لفظ دوبارہ آنے سے آبی نہیں۔ اَور آیۃ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ دلیل اِمتناع عود مسیح کی نہیں وہو المطلوب۔ مرزا صاحب کی جانب سے مجیب ہو تو ایسا ہو کہ ہر ایک استدلال اُس کے کو خود ہی باطل کرتا جاوے۔

قولہٗ ۔صفحہ ۲۵۳ اور ۲۵۴ کا حاصل : حضرت عیسٰی کونسی وجہ سے عُہدۂ رسالت سے معزُول کیے گئے ۔ نادان کی دوستی جی کا زیان ۔ کیا آپ نے یہ آیت نہیں پڑھی ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ۔ (سورۂ رعد ۔ آیت ۱۱)

اقول ۔ حضرت عیسٰیؑ منصب و مقامِ قُربِ رسالت سے معزُول نہیں کیے گئے بلکہ اپنی شریعت کی تبلیغ سے فارغ ہیں ۔ حضرت عیسٰیؑ کا معزُول سمجھنا یہ آپ کا حاشیہ ہے جس پر سوال مذکُورہ کا وُرُود ہو سکتا ہے ۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۲۵۵ کے اخیر سے ۲۵۶ کے نصف تک کا حال :۔

۱۔ آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ کو جو مُصنفِ شمسُ الھدایت نے قیاس اِستثنائی کے رنگ میں بیان کیا ہے اس آیت میں قیاس اِستثنائی کا مادہ ہی مذکُور نہیں مقدمہ شرطیہ یہاں پر مذکُور نہیں حرف لکن کا نشان نہیں ۔

۲۔ پھر طرفہ یہ کہ اپنی طرف سے بہت سے قضایا داخل کر دیئے اور وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کو دلیل سے خارج کر دیا ۔

۳۔ پھر جو اِعتراض شکل اول پر وارد کرتے ہیں وُہ اُن کی تقریر پر بھی وارد ہوتا ہے ۔ کیونکہ رفعِ منافات بین الموت والرسالۃ خطبہ صدیقیہ کے وقت سے پہلے ہی متحقق ہے ۔ تو چاہیئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلے ہی فوت ہو جاتے ۔

اقول ۔ اَیُّہَا النَّاظِرُوْنَ پہلے آپ کو یہ جتلانا چاہتا ہُوں کہ شمسُ الھدایت کا مقصُود قادیانی و امروہی کے اِستدلال کا ابطال ہے جو اُنھوں نے وفاتِ مسیح پر آیت (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ) سے پکڑا تھا ۔ ان کے اِستدلال کی صُورت مسیح ابنِ مریم ہیں (صُغرٰی) اور سارے رسُول آپ سے پہلے مر چکے ہیں (کبرٰی) پس مسیح بھی مر چکا (نتیجہ) اس پر شمسُ الھدایت کا اعتراض : شکل مذکُور کا کبرٰی کلّیہ نہیں ۔ کیونکہ یہی قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ مسیح ابنِ مریم کے بارہ میں بولا گیا ہے مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ۔ اب اگر (الرسل) کے لام کو اِستغراقی ٹھہرایا جاوے تو معنٰے یہ ہُوا کہ سارے رسُول مسیح سے پہلے مر چکے ۔ اور یہ خلافِ واقعہ ہے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسیح سے پہلے فوت نہیں ہُوئے پس جب (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ) میں (الرسل) سارے رسُولوں کو مستغرق نہ ہُوا تو مہملہ فی قوت الجزیہ ٹھہرے گا ۔ لہٰذا اِستدلال بآیتِ مذکُورہ علی وفات المسیح بوجہ انتفاء شرط شکل اول کے باطل ہُوا ۔ بلکہ یہی (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ) جو مسیح کے بارہ میں بولا گیا ہے دلیل ہے حیاتِ مسیح کے لیے ، ورنہ (من قبلہ) لغو ہو جاتا ہے ۔ پس یہ آیۃ دونوں جگہ صرف اِسی قدر پر دال ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسیح پر موت کا آنا رسالت کے منافی نہیں ۔ کیونکہ مُطابق سُنّتِ اِلٰہیہ کے رسُول مرتے رہے ہیں ۔ اس آیت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مسیح مر چکا سراسر جہالت ہے ۔ اگر یہی ہے تو چاہیئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اس آیت کے نزُول کے وقت وفات پا چکے ہوں ۔ وہو باطل فکذا ہٰذا ۔ بعد اِس کے ناظرین کی خدمت میں اِلتماس ہے کہ امروہی صاحب نے اس کا جواب کچھ نہیں دیا جو منصبی فرض ان کا تھا ۔ کیونکہ ایک تو مرزا صاحب کی جانب سے مجیب تھے ۔ اور دُوسرا خُود بھی اپنی تصنیفات میں بڑے زور و شور سے آیت مذکُورہ دفاتِ مسیح کے اثبات میں پیش کیا کرتے ہیں ۔ اس مقام میں ایسا ٹال مٹول کیا کہ ناظرین کو ان کی ناتوانی و ناکامیابی کی طرف توجہ بھی نہ رہی ۔ یہ ہُوا وُہ ہُوا ۔ پھر گذارش ہے کہ خُطبہ صدیقیہ میں بھی یہی آیت (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ) مذکُور ہے ۔ صدیقِ اکبرؓ کا اِستدلال بدیں آیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات شریف کے تحقق پر بھی ، موقوف اس پر نہیں کہ (الرسل) میں لام للاستغراق ٹھہرایا جاوے ۔ چُنانچہ پہلے مفصل طور پر گذر چکا ہے ۔

اَب امروہی صاحب کے اعتراض نمبرا کا جواب سُنیئے ۔ کیوں حضرت کیا براہینِ قرآنیہ میں یہ ضروری ہے کہ سارے مقدمات قیاس کے علی ہیئتہ الاقیستہ مذکُور ہوں ہرگز نہیں ۔ دیکھو آیۃ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ؕ (النحل ۔ آیت ۲۰) دلیل ہے

ابطالِ معبودیتِ اصنام وغیرہ کے لیے۔ ھؤلاء لیسوا بالهة لانه لوکانوا الهة یخلقوا شیئا لکنهم لایخلقون شیئا ایساہی وھم یخلقون ھؤلاء لیسوا بالهة لانھم مخلوقون ولاشیئ من المخلوقین بالهة فھؤلاء لیسوا بالهة ایساہی (اموات) اور ایساہی (غیر احیاء) بھی ایساہی قوله تعالیٰ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا بلکہ ساری براہین (ماوردوھا) اور (وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ) الغرض آیاتِ قرآنیہ میں سینکڑوں جگہ برہان کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

نمبر ۲۔ صفحہ ۸۵ شمس الہدایت کا ملاحظہ ہو جس کے حاشیہ پر صورتِ استدلال میں لکھا ہوا ہے (الموت لیس بمنافٍ للرسالة) کیا (للرسالة) سے لرسالة محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد نہیں؟ بدلیل خصوص مقام ناظرین صفحہ مذکورہ کے حاشیہ پر مفصل تقریر ملاحظہ فرمالیویں۔

نمبر ۳۔ شکل اول پر صفحہ ۸۶ شمس الہدایت کے حاشیہ میں جو اعتراض ہے وہ تو بسبب مسلّم ہونے رسالت آپ کے عند المخاطبین وارد غیر مندفع ہے۔ اور آپ کا اعتراض بالکل لغو اور جہالت ہے۔ کیونکہ منافات مزعومہ حاضرین کا رفع تو خطبۂ صدیقیہ سے ہی ہوا تھا پہلے سے نہیں ہوا۔ اس لیے کہ رفع الشیئ فرع ہے تحقق اس شے کی۔ اور حاضرین کے اذہان میں منافات بین الموت والرسالت صدمہ وفات شریف کے رُو سے اُسی دن متحقق ہوئی تھی جس کا رفع خطبۂ صدیقیہ سے کیا گیا۔ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ امروہی صاحب کا جواب سے تو جواب ہے اور لغویات ومطاعن کی طرف سے پائے بررکاب ہے۔ سادہ لوحوں کو کیا خبر ہے براہینِ قرآنیہ کی۔ ان بے چاروں کو اس طرح پر اطمینان دے دیتے ہیں کہ کلمہ (لکن) اور پھر اتنے مقدمات قرآن کریم میں کہاں مذکور ہیں۔ گویا ان کے دلوں میں یہ جمانا منظور ہے کہ قرآن کریم کی تحریف ہو رہی ہے۔ امروہی صاحب ہرچند پولٹیکلوں سے کام لیے جائیں مگر تاڑنے والے تو تاڑ گئے ہیں کہ آپ ہر فن سے بے بہرہ ہیں۔ اور قرآن وسُنّت کی پٹڑی اُکھاڑنے کے درپے ہیں۔ مگر معلوم ہو کہ مطابق (إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ (سورة الحجر آیت۔ ۹) کے ناکامیاب ہی رہیں گے۔

قولہٗ ۔صفحہ ۲۵۵ کا حاصل نمبر ۱۔ شمس الہدایت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی برأت عن الوفات کو مزعوم مخاطب کا ٹھہرایا گیا ہے جو شخصیہ ہے۔ اور پھر سالبہ کلیہ بھی یعنی (لاشیئ مِنَ الرُّسُلِ بِهَالِكٍ)

۲۔ جب مزعوم مخاطب کا سالبہ کلیہ نہ ہوا۔ تو طرزِ استدلال ہی باطل ہو گیا۔

اقول ۔ ۱۔ مزعوم مخاطب کا بہ لحاظ خصوص مقام گو کہ شخصیہ ہے۔ مگر چونکہ منافات مزعومہ بین الموت والرسالة کسی خصوصیت کی جہت سے نہیں۔ بلکہ از رُوئے وصفِ رسالت کے ہے۔ دیکھو اسی حاشیہ میں (جنھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بہ لحاظ رسالت کے موت سے بری خیال کیا تھا) لہٰذا مزعوم مخاطب کو باختلافِ اعتبار شخصیہ بھی اور سالبہ کلیہ بھی کہنا صحیح ہوا۔

۲۔ جب مزعوم مخاطب کا سالبہ کلیہ بھی ہوا تو طرزِ استدلال بھی صحیح رہا۔ بیت ؎

فہم سخن گر نکند مستمع   قوتِ طبع از متکلم مجوئے

قولہٗ ۔صفحہ ۲۵۶۔ اور صفحہ ۲۵۷ کے غیر مکرر مضمون کا حاصل :۔ منافات بین الموت والرسالت کو صحابہ کا مزعوم ٹھہرانا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات تک صحابہ کو یہ مسئلہ بدیہیہ کہ مَاتَ النَّاسُ حَتَّى الْأَنْبِيَاءُ بھی معلوم نہ ہوا ہو۔ بلکہ صحابہ کا مزعوم یہ تھا کہ ابھی تک بہت سی پیشین گوئیوں کا پورا ہونا آپ کی حیات میں باقی ہے۔

اقول ۔ جاں نثاروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ اپنے محبوب کی فرقت کے صدمہ سے بدیہیات کو بھی بھول جاتے ہیں اور یہی ہے مقتضائے (لن یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین) کا۔ کیا صحابہ کرامؓ نے

بعد استماع خطبہ صدیقیہ کے آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (زمر-۳۰) اور ایسا ہی آیت (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) کے بھول جانے کا اقرار نہیں کیا تھا۔ اور آپ نے جو مزعوم صحابہ کی پیشین گوئیوں کا نہ پورا ہونا فرمایا ہے کیا آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ یا (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) اس کے لیے تردید ٹھہر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ان آیات کا یہ معنی نہیں کہ فلاں تاریخ میں وفات شریف واقع ہوگی تاکہ پیشین گوئیوں کے وقوع تک کے انتظار کو رفع کرے۔

قولہ صفحہ ۲۵۸ سے ۲۶۷ تک کے مضمون کی تردید ہو چکی ہے۔ پھر صفحہ ۲۰۶ سے ۲۸۲ تک فائدہ کے طور پر تفسیر رحمانی کا مطلب بیان فرماتے ہیں مصنف تفسیر رحمانی کو محققین مفسرین سے لکھتے ہیں۔ اور صفحہ ۲۸۰ سطر ۱۰ پر لکھتے ہیں۔ جو معنے ہم نے لکھے ہیں وُہی معنے محققین مفسرین نے بھی تحریر فرمائے ہیں۔ چنانچہ تفسیر رحمانی میں لکھا ہے (وَلَوْ تَقَوَّلَ ای افترى علينا بقوة فصاحته وبلاغته بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ مع ظهوران لا ياتى الاعجاز للفصحاء والبلغاء فى جميع اقاويلهم لَاَخَذْنَا مِنْهُ قوة الفصاحة والبلاغة بِالْيَمِيْنِ اى بقوتنا ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ اى نياط قلبه الذى به يتحرك لسانه فنجعل كلامه ضحكة للناظرين وهزأة للساخرين كترهات مسيلمة وابى العلاء المعرى وغيرهما فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ عن سلب بلاغته و فصاحته حَاجِزِيْنَ اى مانعين فانكم وان اعنتموه حينئذ لو يتأت منه كلام بليغ فضلا عن المعجز و ذلك لانه يُفضى الى تلبيس لايمكن دفعه وهو مناف للحكمة وكيف يكون افتراء وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ فانهم بتصفيتهم للبواطن يتذكرون بها علوما تفيد هم فى الدين من غير انتهاء لها ولا شيئ من المفترى كذلك۔ اور اسی تفسیر رحمانی میں ہے ثم اشار الى ان قتل محمد صلى الله عليه وسلم و موته ليس من اسباب الضعف بل هو كالقرح فقال وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ والرسل منهم من مات ومنهم من قتل فلا منافاة بين الرسالة والقتل والموت اذ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ بل الضعف عن الجهاد حينئذ مشعرٌ بالردة اتؤمنون به فى حال حيوته فَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ اى ارتددتم كانكم انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا بابطال دينه فانه سيظهره على يدى من يشكره وسيجزى الله بالنصر والغلبة فى الدنيا والثواب والرضوان فى الاخرة والشاكرين نعمة الاسلام بالجهاد فيه۔

اقول۔ بجائے (اور جو معنے ہم نے لکھے ہیں وُہی معنے محققین مفسرین نے لکھے ہیں) کے یوں فرمانا چاہیئے تھا۔ (اور جو معنے محققین مفسرین نے لکھے ہیں وُہی معنے ہم نے اُن کی کلام کو دیکھ کر لکھے ہیں) اَيُّهَا النَّاظِرُوْن! غور فرماویں تفسیر رحمانی کی عبارت ذیل (فلا منافاة بين الرسالة والقتل والموت اذ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) کہ اس نے تصریح کر دی ہے کہ مزعوم صحابہؓ کا وفات شریف کے دن منافات بین الموت والرسالۃ تھی۔ جس کا امروہی صاحب اُوپر انکار فرما چکے ہیں۔ چونکہ تفسیر رحمانی کے مصنف کو محققین مفسرین سے شمار کیا ہے۔ لہٰذا آپ کو ان کے قول کی تسلیم ضروری ہے۔ اور موجب مفاد آیت وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ الخ (الحاقہ-۴۴) کے قادیانی صاحب کی تفسیر فاتحہ بھی (جس کو اُس نے اعجاز ٹھہرایا ہے) ضحکۃ للناظرین وہزأۃ للساخرین ہو رہی ہے اور اس کے حواری گو کہ اس کی امداد اور اعانت بھی کریں تو بھی بحسب قولہ تعالیٰ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ۝ (الحاقہ-۴۷) کے اس کو کلام بلیغ پر قدرت نہیں ہو سکتی۔ فضلا عن المعجز کیونکہ بر تقدیر معجز ہونے تفسیر فاتحہ للقادیانی کے تلبیس غیر مندفع پیدا ہوتی ہے جو منافی ہے حکمت الٰہیہ کو۔ ناظرین خوب غور فرماویں کیا آیت مذکورہ کے مضمون کا تحقق بموجب تفسیر رحمانی کے ہوا ہے یا نہیں یعنی کلام اس کی مضحکۂ ناظرین بنی ہے یا نہیں۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۲۸۳ کا حاصل ۔

۱۔ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ (سورۂ اعراف ۔ آیت ۲۵) میں جعل تکوینی کہاں موجود ہے ۔

۲۔ اگر حضرت عیسیٰؑ اس اختصاص سے مستثنیٰ ہیں تو ان کا استثناء دلیل نقلی قطعی سے بیان کیا جاوے ۔

۳۔ صعُود ابلیس بعد الہبوط کو جو مقیس علیہ تحریر کیا گیا ہے ۔ اوّل حضرت آدم علیہ السّلام کا آسمان پر پیدا ہونا ثابت کیا جاوے ۔ بعد اس کے شیطان کا صعُود آسمان پر وسوسہ ڈالنے کے لیے ثابت کیجئے ۔ تب اس کو مقیس علیہ گردانئے ۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (سورہ بقرہ ۔ آیت ۳۰) وغیر ذالک من الآیات ۔

۴۔ سلمنا کہ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (النبا ۔ ۱۱/۱۰) میں مجعول عارض غیر لازم ہے ۔ مگر فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ اور وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ ۔ (بقرہ ۔ ۳۶) میں تو اختصاص ہے ۔

اقول ۔ ۱۔ کیا مخاطبین کی حیات و ممات فی الارض بغیر جعل جاعل و خلق خالق ہوگئی ہے ۔ ہرگز نہیں ۔ ہاں لفظ جعل آیت میں مذکور نہیں ۔

۲۔ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ اور آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اور آیت مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یہ سب دال ہیں حیاتِ مسیح فی السّماء پر اور اس کی استثناء پر بعد ملاحظہ تطابق آیات کے ۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا تھا وہ سب ہباءً منثورا ہوگیا ۔ اور (لیؤمنن) کا استقبال بھی بہ نسبت زمان نزول آیت کے ہی ثابت کیا گیا ہے ۔

۳۔ ہمارا مدعا آدم علیہ السّلام کے آسمان میں پیدا ہونے پر موقوف نہیں ۔ بلکہ سکونت علی السّماء پر مبنی ہے ۔ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (بقرہ ۔ آیت ۳۵) دیکھو کل تفسیر معتبرہ ۔ ابلیس کا ہبوط و خروج جنّت یا آسمان سے بہ سبب انکار سجدہ کے پہلے ہوچکا تھا ۔ قال اللہ تعالےٰ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ (سورہ اعراف آیت ۱۳) اور جب کہ آدم علیہ السّلام کا ہبُوط جنّت سے زمین پر نہیں ہوا تھا تو بموجب قولہ تعالیٰ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا (اعراف ۔ ۲۰) کے ابلیس کا صعُود آسمان پر وسوسہ ڈالنے کے لیے ثابت ہوا ۔ پھر ابلیس کے قول پر تعمیل کرنے کی وجہ سے آدم و حوا علیہما السّلام کو جنّت سے نکال کر زمین پر چھوڑا گیا ۔ قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ (الیٰ اَنْ قَالَ) قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ (اعراف ۔ ۲۵،۲۴) اور قولہ تعالیٰ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً اور ایسا ہی وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ حکایت ہیں ما بعد سے مضمُون بالا کے ۔

۴۔ استثناء مسیح کی آیات نے اس اختصاص کو چُونکہ مختص بما سوائے مسیح کر دیا تو بہ نسبت ماسوا کے حیوٰۃ مقیدبہ فی الارض ہُوئی اور بہ نسبت مُطلق الانسان کے ۔ جو شامل ہے مسیح وغیر مسیح کو قید فی الارض کی من جُملہ قیود عارضیہ مجعُول الیہ کے ٹھہری فتامل ۔ اور نیز آپ کے اجتہاد کے مُطابق حصر مذکُور منقوض ہوگا اس شخص کے ساتھ ۔ جو ہوا پر کسی آلہ کے ذریعہ سے حیوٰۃ کو بسر کرتا ہے اور اہلِ جنّت کے ساتھ بھی پس جب تک آپ آیت مذکورہ میں تقدیم ظرف لافادۃ غیر الحصر نہ ٹھہرائیں ۔ یا حیات کو مقیّد بہ حیاتِ ناسُوتی اور مقیّد بہ اکثر الاحوال نہ ٹھہراویں تب تک نقوض مذکورہ آیت سے رفع نہ ہوں گے ۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۲۸۴ ۔ انبیاؤں کا مرتبہ اور رسالت اور نبوّت سے معزُول ہونا محض باطل ہے ۔

اقول ۔ شمس الہدایت میں جس رسالت کو محدود کہا ہے اُس سے مُراد تبلیغ شرائع و احکام ہے مُطابق اپنی اپنی شریعت کے ، نہ مرتبہ اَور مقام اَور قرب کمامر فی اول ہذا الکتاب ۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۲۸۴ ۔ اَور ہم نے نزُول بُروزی مسیح کا درصُورتِ حضرتِ اقدس کے دلائل قاطعہ سے ثابت کر دیا ۔

اقول ۔ خاک کر دیا کمامرّ ۔

قولہٗ ۔ بخلافِ صعُود عیسٰے علیہ السّلام کے جو الی السّماء بجسدہ العنصری ہو ۔ اَور نزُول کذائیہ وغیرہ کے جس کو نصُوص قطعیہ ردّ فرما رہے ہیں ۔

اقول صعُود نزُول مذکور کی تردید نصُوص قطعیہ مُوجب رائے آپ کے فرما رہے ہیں ۔ ورنہ وُہی نصُوص بحسب رائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم و صحابہ و تابعین وغیرہم الی یومنا ہذا منافی نہیں ۔ بلکہ بعض ان میں مع عدم تنافی مثبت بھی ہیں کمامرّ ۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۲۸۵ ، اگر ضرورت نہیں تو ممتنع بھی تو نہیں ۔

اقول ۔ یہاں پر مصنّف نے عود ایلیا کا علّت مثبت نہ ہونا جو شمس الہدایت کا مقصُود تھا قبول کر لیا ۔ اَور امتناع بُروز کو ہم ثابت کر چکے ہیں صفحہ ۲۸۵ سے صفحہ ۲۹۲ تک کی تردید کی ضرورت نہیں ۔ ہاں حضرت شیخ کی عبارت جو اثبات نبوت قادیانی صاحب کے لیے فتوحات سے نقل کی گئی ہے ۔ اس میں ناظرین پر اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ حضرت شیخ کا مطلب عبارت مذکورہ سے صرف بقاء مرتبہ و مقام نبوّت کا ہے الیٰ یوم القیمۃ مگر (نبی) و (رسُول) کہلانا بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے جائز نہیں رکھتے ۔ چُنانچہ اسی باب کے صفحہ (۴) پر لکھتے ہیں (فسد باب اطلاق النبوۃ علی ھٰذ المقام) اَور نیز فتوحات کے فصل تشہد میں فرماتے ہیں (وھو باب قد سدہ اللہ کما سد باب الرسالۃ عن کل مخلوق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اَور پھر امروہی صاحب کا دجل جو اُنھوں نے حضرت شیخ کی عبارت میں کیا ہے قابلِ غور ہے ۔ قال الشیخ وانہ لاخلاف انہ ینزل فی آخر الزمان حکما مقسطا عدلا الخ ۔ اِس عبارت میں (ینزل) پر امروہی صاحب صفحہ ۲۹۱ میں حاشیہ لگاتے ہیں (ای ینزل علی نھج البروز) اَب ناظرین مصنّف صاحب سے دریافت فرماویں کہ یہ (نزول بُروزی) حضرت کی مُراد کیوں کر ٹھہرا سکتے ہیں ۔ کیونکہ حضرت شیخ تو نزُول جسمی اَور حیاتِ مسیح کے قائل ہیں ۔ دیکھو فتوحات باب ۷۳ ۔ ابقی اللہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الرسل الاحیاء باجسادھم فی ھذہ الدار الدنیا ثلثۃ الی ان قال وابقی فی الارض ایضاً الیاس وعیسٰی وکلاھما من المرسلین ۔ اَور باب ۳۶۷ میں لکھتے ہیں ۔ فانہٗ لم یمت الی الآن بل رفعہ اللہ الیہ الی ھذہ السماء ۔ اَور اگر اپنی رائے کے مطابق نزُول بُروزی لیا ہے تو پھر حضرت شیخ کے قول (ینزل) کی تفسیر کیسی ہوتی ۔ بعد اظہار اِس دجل کے یہ بھی خیال کرنا چاہیئے کہ عبارت مذکور شیخ سے نزُول جسمی مسیح کا متفق علیہ ہونا معلوم ہوتا ہے برخلاف زعم قادیانی وامروہی صاحبان کے ۔ اَے مصنّف صاحب کہاں تک آپ اجماعی مسئلہ کو چھپاؤ گے ۔ صاف اس طرح پر کیوں نہیں کہہ دیتے کہ بے شک اُمّت مرحُومہ کا اجماع رفع و نزُول جسمی پر تو ہے مگر ہم دلائل قاطعہ زعمیہ کے رُو سے اس کو اجماع کو رانہ کہتے ہیں ۔ ناحق کیوں ہر ایک حدیث اَور قولِ صحابی و تابعی و ائمہ محدّثین و مفسّرین و فقہاء کے قول کو اُلٹا بیان کرتے ہو ۔ آپ کو عبارت مذکورہ کی نقل نے سوائے نقصان اُٹھانے کے کیا فائدہ بخشا ۔ مگر بیت ؎

عدُو شود سببِ خیر گر خدا خواہد ۔۔۔ خمیر مایۂ دُکانِ شیشہ گر سنگ است

لے وانہ لاخلاف انہٗ ینزل فی آخر الزمان الخ یعنی اس مسیح ابن مریم کے نزُول جسمی میں کسی کا خلاف نہیں ۔ ۱۲ ۔ منہ ۔

قولہٗ صفحہ ۲۹۳۔ اور صفحہ ۲۹۴ کا حاصل۔ جو تفسیر کہ مصنف شمس الہدایت نے تفاسیر سے بذریعہ احادیث لکھی ہے۔ اُس کو مرزا صاحب نے (سراسر) غلط نہیں کہا کیونکہ وُہ تو مخصوص بیوم الحشر ہے۔ بلکہ مرزا صاحب نے اُس تفسیر کو غلط کہا ہے جو عُلماء نے قبل قیام قیامت آخر زمانہ سے متعلق رکھی ہے۔

اقول ۔ یہ اَور دجل ہے کیونکہ مرزا صاحب تو خود اس سُورۃ زلزال کو قبل قیام قیامت آخر زمانہ سے متعلق کہتے ہیں۔ دیکھو ازالہ صفحہ ۱۱۴ سطر ۲ یعنی ان دنوں کا جب آخری زمانہ میں خُدائے تعالیٰ کی طرف سے کوئی عظیمُ الشّان مُصلح آئے گا۔ اَور فرشتے نازل ہوں گے یہ نشان ہے انتہیٰ موضع الحاجۃ۔ اگر تخطیہ عُلماء کا بوجہ تعلق بزمانہ آخری قبل قیامت کے ہے۔ تو اس کا قائل خود مؤلف ازالہ ہے معلوم ہُوا کہ وجہ تخطیہ کی یہ نہیں بلکہ تفسیر عُلماء کو جو ہم نے بذریعہ احادیث ثابت کر دی ہے سراسر غلط کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عُلماء (ارض) سے مُراد زمین لیتے ہیں۔ اَور چُونکہ زمین کے زلزلہ اَور تہ و بالا ہونے کے وقت کسی سے کلام کرنا ناممکن ہے۔ لہٰذا (ارض) سے مُراد اہلِ ارض ہیں۔ اَور زلزال سے مُراد تحریک خیالات ہے جو مُصلح عظیمُ الشان یعنی (قادیانی) کے زمانہ میں ہو رہی ہے الخ دیکھو صفحہ مذکورہ ازالہ میں (کہ زمین جہاں تک اس کا ہلانا ممکن ہے ہلائی جائے گی یعنی طبیعتوں اَور دِلوں اَور دماغوں کو غایت درجہ پر جُنبش دی جائے گی) اَور پھر صفحہ ۱۱۵ میں دیکھو (اَور زمین اپنے تمام بوجھوں کو باہر نکال دے گی یعنی اِنسان کے دل اپنے تمام اِستعدادات مخفیہ کو منصۂ ظہور رلائیں گے۔ الخ) اَور پھر ازالہ کے صفحہ ۱۲۸ کی عبارت ذیل کو ملاحظہ کرو۔ (ہمارے عُلماء نے جو ظاہری طور پر اس سُورۃ زلزال کی یہ تفسیر کی ہے کہ درحقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئے گا۔ اَور وُہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ تمام زمین اس سے زیر و زبر ہو جائے گی اَور جو زمین کے اندر چیزیں ہیں وُہ سب باہر آجائیں گی۔ اَور اِنسان یعنی کافر لوگ زمین کو پُوچھیں گے کہ تجھے کیا ہُوا۔ تب اُس روز زمین باتیں کرے گی اَور اپنا حال بتائے گی۔ یہ سراسر غلط تفسیر ہے) پھر دیکھو صفحہ ۱۳۳ ازالہ کا (کیا ممکن ہے کہ زمین تو ساری زیر و زبر ہو جائے۔ یہاں تک کہ اُوپر کا طبقہ اندر اَور اندر کا طبقہ باہر آجائے۔ اَور پھر لوگ زندہ بچ رہیں۔ بلکہ اس جگہ زمین سے مُراد زمین کے رہنے والے ہیں (انتہیٰ موضع الحاجۃ) ناظرین خیال فرماویں کہ عبارت منقولہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ قادیانی کا تخطیہ عُلماء کی طرف سے اسی وجہ سے ہے کہ علماء (ارض) سے ظاہری طور پر مُراد زمین لیتے ہیں۔ اَور یہ غلط ہے بلکہ مُراد زمین سے زمین کے لوگ ہیں۔ اَور شمس الہدایت میں چُونکہ (ارض) سے مُراد زمین کا ہونا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور صحابہؓ کی تفسیر سے ثابت کیا گیا ہے۔ دیکھو ابن کثیر، دُرِّ منثور۔ تو یہ تخطیہ صرف عُلماء کی طرف نہ ہُوا۔ بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف ہی ٹھہرا۔ اَب ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ امروہی صاحب نے ہر چند حیلہ سازی اَور دجل سے کام لیا مگر ناکامیاب ہی رہا۔ اَور یہ بھی معلوم ہُوا کہ اُس دن کے زلزلہ کا اثر صرف اِتنا ہی ہوگا کہ زمین کے بوجھ باہر نکالے جاویں گے۔ الغرض جو کچھ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا وُہی مُراد ہے سُورۃ زلزال سے۔ گویا کہ اس کو العیاذ باللہ سراسر غلط کہا جاوے۔

قولہٗ صفحہ ۲۹۵ سے صفحہ ۲۹۷ تک کا حاصل۔ ان صفحات میں امروہی صاحب نے ہمارے اقرارات سے ابن مریم اَور دجّال والی پیشین گوئی کو مکاشفہ اجمالی ثابت کرنا چاہا ہے۔

اقول ۔ جواباً اتنا ہی کافی سمجھا جاتا ہے کہ ہمارا کلام قدر مشترک اَور مکشوف آخری میں ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ مسیح ابن مریم لابشبیہ مکشوف ہو اور ابن صیاد مکشوف آخری نہ تھا۔ بلکہ وُہ اَور شخص ہوگا۔

قولہٗ صفحہ ۲۹۸ کی تردید کی حاجت نہیں۔ نُوح علیہ السّلام کی کشتی کا ستر ہزار فٹ کی بلندی سے زیادہ اُونچا ہونا اس کا ثبوت قرآن اور احادیث کے رُو سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

اقول ۔ تاریخ پر لحاظ ڈالو کہ مضمون من جملہ احکام سے نہیں تا کہ قرآن اور حدیث کے رُو سے ثابت کرنا اس کا ضروری ہو۔

قولہٗ صفحہ ۲۹۹ سے ۳۰۲ کا حاصل :-

۱۔ قرآن مجید کے معانی صرف ظاہری میں منحصر نہیں بلکہ تاویلی بھی ہوتے ہیں۔ اور حساب جمل کے رُو سے صدہا پیشین گوئیاں صُوفیا کرام نے بیان کی ہیں۔ اور حضرتِ اقدس نے کہاں فرمایا ہے کہ تمام آیات قرآن مجید کی دلالت باعدادِ جمل کرتی ہیں۔

۲۔ اگر خلافتِ نبوّت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منصوص نہیں تو خیر تمام سُنّت ہائے عُمریہ کو آپ نے خیرباد کہہ دیا۔ آپ نے حدیث علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی کو نہیں سُنا تو ہم پانچوں وقت ہر رکعت نماز میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کو پڑھا کرتے ہیں۔

اقول ۔ ۱۔ اِشاراتِ قرآنیہ اور صُوفیائے کرام کی پیشین گوئیاں اعدادِ جمل کے طور پر حجت علی الغیر نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کسی صُوفی نے وجُوبی طور پر اعدادِ جمل سے حجت پکڑ کر کسی مسلمان کو مجبور علی الایمان کیا ہے جیسا کہ آپ کا نبی کرتا ہے۔

۲۔ تاریخ ہجری کی نسبت جو لکھا ہے کہ منصُوص نہیں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ تاریخ ہجری، باوجود تقرر اس کے زمانہ نزُولِ قرآن میں کسی آیت سے صراحتاً یا اِشارۃً ثابت نہیں ہوتی۔ تو قادیانی صاحب کی تاریخ ظہُور میں اِتنا اہتمام کہ قرآن کریم بھی اس پر ناطق ہو تو یہ ترجیح مرجُوح ہے سُنّتِ عمریہ کے اِنکار کا الزام یہ آپ کا دجل ہے۔ آپ کو ایک وقت کی نماز کی ایک رکعت میں بھی اگر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے پڑھنے کا اثر ہوتا تو اجماعی صراط کو نہ چھوڑتے۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۳۰۲ کا حاصل :-

۱۔ تمیز اعداد کی بقرائن لفظیہ وحالیہ اکثر محذُوف ہوا کرتی ہے۔ دیکھو اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (بقرہ ۲۳۴)

۲۔ مصنف شمس الہدایت کا یہ کہنا کہ (لقادرون) سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بالفعل متحقق کرنے والے ہیں، یہ اس کی خُوش فہمی ہے۔ قرآن مجید میں جابجا ذکرِ صفات کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہم بالضرُور واقع کرنے والے ہیں۔

اقول ۔ ۱۔ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا میں بحسب محاورۂ عرب کے قرینہ موجُود ہے ما نحن فیہ ۱۸۵۷ء پر کوئی قرینہ نہیں بلکہ اس کے اِنتفاء پر دلیل موجُود ہے۔ کیونکہ یہ عقائدِ اجماعیہ جن کو مرزا صاحب ذہاب القرآن سمجھتے ہیں مرزا صاحب کے زمانہ سے پہلے چلے آتے ہیں بلکہ زمانہ نزُول القرآن میں بھی موجُود تھے۔ لہٰذا اعداد مذکورہ کی تمیز برس و سال نہیں ہو سکتی اور بر تقدیر تسلیم، بالخصُوص مرزا صاحب ہی قرآن کے ذہاب اور اُٹھائے جانے کا مُوجب ٹھہرے۔ کیونکہ یہ عقیدہ برخلاف اجماع آپ کے ہی طفیل نکلا ہے اور آپ ہی کے زمانہ سے مخصُوص ہے تو آیت وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ (مومنون۔ آیت ۱۸) کا اِلہامی معنی مرزا ہی کو مُضر پڑا۔

۲۔ قدرت و مشیت کا یہ مقتضیٰ نہیں کہ مقدور و مشی ضرُور متحقق ہو گا کہ بالفعل بھی دیکھو۔ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (سورۃ انعام۔ آیت ۱۴۹)

قولہٗ صفحہ ۳۰۳ اور ۳۰۴ کی تردید کی ضرُورت نہیں۔ صفحہ ۳۰۵ لسان العرب میں لکھا ہے وقیل لانه یطئ الارض بکثرة جموعه۔

اقول ۔ حضرت (لانه) کی ضمیر کا خیال فرمانا چاہیئے جس سے دجّال واحد شخصی مُراد ہے۔ اور اس کے ساتھ جماعات کے ہونے کا ہم کب اِنکار کرتے ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۳۰۵ دیکھو فان یخرج الخ کو۔

اقول حضرت عمرو والی حدیث سے فراری ہو کر اب فان یخرج کی طرف آتے۔ اُس کا جواب بھی تو کچھ دینا تھا۔ اُس سے تو دجال کا قتل ظاہری معلوم ہوتا ہے۔ اور فان یخرج والی حدیث کا معنےٰ پہلے لکھا گیا ہے۔

قولہٗ صفحہ ۳۰۶ پس اگر اسی طرح پر کسی صحابی یا تابعی کا قول دربارہ حیات عیسٰی ابن مریم وغیرہ کے کسی روایت وغیرہ میں آیا ہو تو وُہ روایت یا قول بمقابلہ نصُوصِ قطعیہ کتاب وسُنتِ صحیحہ کے کیوں کر قبول ہو سکتا ہے۔

اقول ۔ ما نحن فیہ تو ایک صحابی کا قول نہیں۔ یہاں پر تو اجماع ہے کما مر۔ اَیُّہَا النَّاظِرُوْن اس مقام پر امروہی صاحب اقرار کرتے ہیں کہ صحابہ و تابعین سے روایات حیاتِ مسیح کی پائی گئی ہیں۔ اور ہم بوجہ ان مخالفت کے نصُوصِ قطعیہ سے ان کو تسلیم نہیں کرتے حضرت ان کی مخالفت اہلِ لسان کے نزدیک نہیں۔ ہاں آپ کی رائے میں مخالفت ہے سو وُہ قابلِ اعتبار نہیں۔ دیکھو اپنے اصولِ عشرہ کو۔

قولہٗ صفحہ ۳۰۶۔ کون کہتا ہے کہ ابنِ صیاد اَب تک زندہ ہے۔

اقول ۔ کہاں تک ہم شمس الہدایت کا مطلب آپ کو سمجھاویں۔ ذرا اس کی عبارتِ ذیل کو غور فرماویں (اَور بحکم انما صاحبہ عیسٰی ابن مریم) کے مرے ہُوئے دجّال کو زندہ ماننا الخ

قولہٗ صفحہ ۳۰۷۔ آپ نے اقرار کر لیا کہ احادیث دجال محمُول علی الظاہر نہیں بلکہ ماوّل ہیں۔

اقول ۔ یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ حضرت اس کو تاویل نہیں کہتے۔ الفاظ سے مُراد تو وُہی معنی حقیقیہ ہیں شمس الہدایت کی عبارتِ ذیل (نہ یہ کہ فی الواقع دجّال موصُوف بصفاتِ مذکُور ہو) کا مطلب یہ ہے کہ اسناد وصف خلق وغیرہ کا دجال کی طرف محض لوگوں کی دید میں ہوگا۔ اور فی الواقع خالق سُبحانہٗ و تعالیٰ ہی ہوگا۔ یہاں پر مؤلّف صاحب نے بنا بر خوش فہمی اپنی کے نہایت طیش میں آ کر قریب دو صفحوں کے سیاہ کر دیئے۔ چُنانچہ اس سے پہلے بھی طیش میں آ کر لکھ دیا ہے کہ (یہاں پر مؤلف نے اقرار کر لیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور صحابہؓ دجّال کے بارہ میں متردّد رہے) ہاں صاحب مگر آخیر میں آپؐ نے بوقتِ حصُولِ کشفِ تفصیلی کے اس کا مفصّل حُلیہ بیان فرما دیا۔

قولہٗ صفحہ ۳۰۹ پر نعمت اللہ ولی کے بیت ؎

مہدیِ وقت و عیسیٰ دَوراں ہر دو را شہسوار مے بینم

کو جواباً اس محاورہ پر محمُول کیا ہے (حاتم دَوراں و نوشیروانِ زمان) کہ حاتم اَور نوشیروان سے بحسب محاورہ ایک ہی شخص ہوتا ہے۔

اقول ۔ آپ بھی اپنے مُرشد کی طرح گرے۔ کیا دُوسرے مصرع میں (ہر دو را شہسوار مے بینم) کو مُلاحظہ نہیں فرمایا۔ نعمت اللہ ولی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکاشفہ کا بیان فرماتے ہیں کہ مہدی موعُود اَور عیسٰی موعُود دونوں کو اس وقت کشف کی آنکھ سے دیکھ رہا ہُوں۔

ناظرین امروہی صاحب سے دریافت کریں کہ شیخ محمّد اکرم صابری مرحُوم کا حوالہ جو مرزا صاحب نے دیا تھا۔ اَور اس پر شمس الہدایت میں اعتراض کیا گیا ہے اُس کا آپ نے جواب کیوں نہیں دیا۔ کیا تسلیم کر گئے ہیں کہ مرزا صاحب ایسے دجل کیا کرتے ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۳۱۰۔ ورنہ جس طرح پر فرقہ معتزلہ وخوارج وجہمیہ نے ان احادیث کو الخ

اقول ۔ ع چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

حضرت! اَب ناظرین آپ کے دھوکہ میں نہیں آتے۔ کیونکہ ان کو پہلے نووی شرح صحیح مُسلم کی نقل سے معلوم ہو چکا ہے کہ بعض معتزلہ

اور جہمیہ کے ساتھ آپ ہی ہیں نہ اہل اجماع۔ اور پھر بالعکس دجل سے کام لیتے ہیں۔

قولہٗ صفحہ ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۳ کا حاصل:۔ مرزا صاحب پر جو الزام لگایا ہے کہ انھوں نے ازالہ میں وحی انبیاء میں بھی دخل شیطانی لکھا ہے۔ یہ بالکل ابلہ فریبی اور لوگوں کو بدگمان کرنا ہے۔ مرزا صاحب نے اس طرح پر لکھا ہے۔ یہ دخل کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہوجاتا ہے مگر وہ توبلا توقف نکالا جاتا ہے اور یہ مضمون ہے آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ الخ کا (سورۃ حج۔ آیت ۵۲)

اقول ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مضمون تو آیت مذکورہ کا ہے۔ مگر محل استشہاد ازالہ کے صفحہ ۶۲۹ کی عبارت ذیل ہے "ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اس کی فتح کے بارہ میں پیشین گوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست ہوئی بلکہ وہ اسی میدان میں مرگیا الخ" اب فرمایئے کہ اس سے شیطانی کلمہ کا دخل انبیاء کے وحی میں ثابت ہوا یا نہ۔ اور شمس الہدایت میں جو حوالہ ازالہ کے صفحہ ۶۲۸ کا دیا گیا ہے۔ اس صفحہ سے لے کر دوسرے صفحہ کے اخیر تک دیکھو کہ یہی ہے۔ آپ نے صرف آیت کا مضمون نقل کر دینے سے مرزا صاحب کو بری کر دینا چاہا۔ مگر اس صفحہ کو اخیر تک ملاحظہ نہیں فرمایا یا دانستہ دجل کیا

قولہٗ صفحہ ۳۱۴۔ مجدد اور محدث بھی تو مرسل ہوتا ہے۔

اقول ۔ اصطلاحی معنے کے رو سے ان کو رسول نہیں کہا جاتا۔

قولہٗ صفحہ ۳۱۵ سے ۳۱۸ تک کی تردید کی ضرورت نہیں صفحہ ۳۱۹ میں لکھا ہے کہ حدیث ذیل عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناولہ۔ رواہ مسلم کا مصداق امام ہمام نعمان بن ثابت کوئی نہیں۔ کیونکہ ان کے وقت میں علم زمین سے نہیں گیا تھا۔

اقول ۔ آپ کے مرزاجی تو نہ صرف سمرقندی الاصل ہونے کی وجہ سے بلکہ مزید برآں تحریف الکتاب والسنّت کے رو سے بھی حدیث مذکور کا مصداق نہیں ہوسکتے۔ رہا امام ہمام علیہ الرحمۃ والسّلام کا مصداق ہونا حدیث مذکور کے لیے، سو وہ اس کا مصداق ہوسکتے ہیں کیونکہ اجداد کے رو سے ان پر (رجل من ابناء فارس) صادق ہے۔ اور حدیث مذکور کا مفاد یہ نہیں کہ رجل من ابناء فارس کے وقت میں علم کا اٹھ جانا بھی ضرور متحقق ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس شخص میں لیاقت اور استعداد اس حد تک ہو کہ اگر علم زمین سے اٹھ گیا ہو تو بھی اس کو بوجہ کمال اپنے کے لوٹا لاوے۔ کلمہ لَوْ کا معنے خیال کرو۔

قولہٗ صفحہ ۳۲۱ کا حاصل:۔

۱۔ مؤلف شمس الہدایت کو اس حدیث کا اقرار ہے کہ الدنیا سبعۃ الاف وانا فی اٰخرھا الفاً۔ اندریں صورت جو کچھ آپ نے لکھا غتر بود ہوگیا کیونکہ علامات قیامت کبریٰ جو حدیث میں بیان کیے گئے ہیں جب تک وہ پوری نہ ہولیں تب تک قیامت کیوں کر آسکتی ہے۔

۲ آدم علیہ السّلام سے آج تک سات ہزار تین سو اٹھارہ برس تو گذر چکے۔ اندریں صورت کیا مؤلف کو اتنا عقل وفہم بھی نہیں ہے کہ سات ہزار برس سے پہلے قیامت کیوں کر آسکتی ہے۔ اس سے مؤلف صاحب کا علم حساب میں بھی طاق ہونا ثابت ہوا۔ شعر

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

شعر

حملہ بر خود مے کنی اے سادہ مرد ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

۳۔ حضرتِ اقدس نے مدّت قیامت کی تحدید بعد گذرنے سات ہزار برس کے آدم علیہ السّلام سے کس جگہ فرمائی ہے جو مخالف ہو قال انما العلم عند اللہ یاما المسئول عنھا باعلم من السائل کے۔

اقول ۔نمبر ا شمس الہدایت کو اِس حدیث کی صحت کا فرضی طور پر اقرار ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۱۶ سطر اوّل شمس الہدایت۔ اَور فرضی کیوں نہ کہا جاوے۔ چُونکہ ثقات نے مثل مناوی و شیخ سیُوطی و صاحب سراج مُنیر نے اس کو موضُوع و ضعیف کہا ہے اَور اِس حدیث کے مضمون کو مستقل طور پر چُونکہ مرزا صاحب نے وقوعِ قیامت سے روکنے والا ٹھہرایا ہے۔ دیکھو ازالہ صفحہ ۱۵۵ (یہ مقرر ہو چکا ہے کہ قیامت سات ہزار برس گذرنے سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی) لہٰذا اُن پر وار دکیا گیا کہ آج تک حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر سات ہزار تین سو اٹھارہ برس تو گذر چکے۔ اندریں صُورت کیا مرزا صاحب کو پھر بھی یہ حدیث وقوعِ قیامت سے روکنے والی معلوم ہوتی ہے؟ مع آنکہ طلوع الشمس من مغربھا اَور یاجُوج ماجُوج اَور دابۃ الارض وغیرہ اشراط کا تحقق آپ کے نزدیک ہو چکا ہے۔ الغرض مرزا صاحب نے حدیث مذکُور کو مانع مستقل ٹھہرایا ہے وقوعِ قیامت کے لیے۔ دیکھو ازالہ لہٰذا یہ اعتراض ان پر وارد غیر مندفع ہی رہا۔ اَور امروہی صاحب نے بھی حسبِ عادت ٹال مٹول کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ مرزا صاحب اَور امروہی صاحب دونوں نے علمِ حساب خُوب پاس کیا ہوا ہے۔ بَیت ؎

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہُنرش نُہفتہ باشد

اِس سے امروہی صاحب کی خُوش فہمی بھی ثابت ہو گئی۔ اَور تینوں نمبروں کا جواب بھی ہو گیا۔

قولہٗ ۔صفحہ ۳۲۲ کی تردید ہو چکی ہے۔ صفحہ ۳۲۴ سطر ۲ تمت الکتاب والیہ المرجع والمآب۔

اقول ۔"تم الکتاب" چاہیئے۔ کیا نحو میر نہیں پڑھا۔ اَور نیز (الیہ) کا مرجع کتاب ہو گی جو پہلے فقرہ متناسبہ میں مذکُور ہے کیونکہ اللہ کا ذکر گو کہ فقرہ (وَاٰخِرُ دَعْوٰىنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) میں ہوا ہے۔ مگر تمت الکتاب والیہ المرجع والمآب یہ دونوں فقرے کہیں متناسب اَور کہیں پہلوں سے الگ الگ ہیں پس معنے یہ ہوا کہ کتاب شمس بازغہ ہی کی طرف مرجع اَور بازگشت ہے جو بالکل منافی ہے دیانت و درایت کے لیے۔

قولہٗ ۔صفحہ ۳۲۴ کا حاصل :۔

۱۔ میری نسبت لوگوں کا یہ مشہُور کرنا کہ سیّد محمّد احسن امروہی مرزا صاحب سے منحرف ہو گیا ہے بالکل جھُوٹ اَور لغو ہے۔ کیونکہ میں نے عرصہ ۱۹ یا ۲۰ سال میں اپنی تالیفات میں مرزا صاحب کے دعوے کو براہینِ ساطعہ سے ثابت کر دیا ہے۔ پس ایسے محقّق کا برگشتہ ہونا (راہ راست پر آنا) کیا معنے رکھتا ہے۔

۲۔ ہمارے رسائل کا آج تک کسی نے جواب نہیں دیا۔ حتیٰ کہ مولوی محمّد حسین بٹالوی نے بھی باوجُود وعدہ جواب سکُوت کیا۔ اَور مولوی محمّد بشیر صاحب باوجُود ہمارے شدید تقاضا کے عدمِ فرصت کا عُذر پیش کرتے رہے۔

اقول ۔نمبر ا آپ خواہ کچھ بھی کہیں مگر سُورج کو اُنگلی سے ہرگز چھپا نہیں سکتے۔ قادیان سے آپ کا جانا بھی دراہمِ معدُودہ میں کسر واقع ہونے کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ آنا جبر نقصان کے سبب سے ہوا۔ (محقّق) کا لفظ جو آپ نے اپنے لیے لقب دیا ہے۔ گویا اپنے منہ سے میاں مٹھو بننا چاہا ہے۔

۲۔ ہاں صاحب مگر اس وجہ سے کہ

ع جواب جاہلاں باشد خموشی

قولہٗ ۔ صفحہ ۳۲۵ سطر ۱۴۔ کتبہ السید محمد احسن امروہوی۔

اقول ۔ امروہی چاہیئے۔ واؤ کے لانے کا کوئی قاعدہ نہیں۔ دیکھو شافیہ فصول اکبری۔ اور نیز بوجہ تعریف محمد احسن اور نکارت امروہوی کے موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت بھی نہیں۔ لہٰذا امروہی چاہیئے تھا۔

قولہٗ ۔ صفحہ مذکور سطر ۱۵۔ فی تاریخ ۲۳۔ اگست ۱۹۰۰ء یوم الخمیس۔

اقول ۔ (فی تاریخ) اور (یوم الخمیس) متعلق (کتبہ) سے۔ معنے یہ ہوا۔ کہ لکھا ہے اس کتاب کو سید صاحب نے ۲۲۔ اگست ۱۹۰۰ء خمیس کے دن۔ ایُّہا النّاظرون! کیا سید صاحب نے کتاب کو ایک دن میں لکھا ہے۔ ہرگز نہیں۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ سید صاحب نے حسب عادت اپنی کتاب کا خاتمہ بھی کلام کاذب پر کیا۔ خدا کے بندے خاتمہ کا فقرہ تو سچا بولا ہوتا۔

قولہٗ ۔ صفحہ ۳۲۶۔ اور ۳۲۷ کا حاصل:۔ ہم ایسے ہیں اور ہمارے رسائل ویسے۔ فلاں صاحب سے منگالو۔

اقول ۔ یہ ایسے ویسے صرف اپنے ہی منہ کی شکرخائی ہے۔ ورنہ مردم شناسوں کے ہاں جیسے ہیں ویسے ہی ہیں کسی اہل اسلام میں سے کسی کے منگانے کی اُمید مت رکھیں۔

بعض مقامات میں ہمارے ترکی بہ ترکی جوابوں پر اُمید ہے کہ آپ خفا نہ ہوں گے۔ کیونکہ بسم اللہ آپ ہی سے ہوئی ہے۔ آئندہ "یار زندہ صحبت باقی"۔ مطمئن رہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَاَدِمْ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهٖ وَعِتْرَتِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منتخب مضامین کتاب
(سیف چشتیائی)

غلام عبدالحق محمد

(جی اے حق)

(معارف و ادراکات) کا بیان مقصود ہے جو موجب تصدیق بصدق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ۴۹

۵۰۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت و حیات سے کلام ربانی کا مطلب حقیقی موت و حیات ہے مگر قادیانی نے اس کی غلط تاویل کی اور تحریف قرآن کا مرتکب ہوا۔ ۵۲

۵۱۔ مرزا جی نے سورہ فاتحہ کی جو تفسیر لکھی اس میں کہیں تو سرقہ و چوری سے کام لیا گیا ہے کہیں لفظی غلطی کی گئی ہے اور کہیں تحریف معنی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ ۵۵

۵۲۔ قادیانی صاحب نے "اعجاز المسیح" نامی کتاب میں لکھا ہے (فی سبعین یوما" من شھرالصیام) جبکہ رمضان کا مہینہ ستر دن کا نہیں ہوتا۔ اس طرح کئی غلطیاں ہیں جو بتلاتی ہیں کہ اس کو عربی زبان پر کوئی مہارت حاصل نہیں۔ ۵۵'۵۶

۵۳۔ اگر قادیانی مامور من اللہ تھا تو ضرور میدان میں آتا مگر وہ تو گھر سے باہر نہ نکلا۔ ۵۹'۶۰

۵۴۔ صفحہ نمبر ۶۵ تک قادیانی کی چوریاں' جھوٹ' تحریفات کے نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ ۶۵

۵۵۔ مرزا کی گالیوں کا جواب دیتے ہوئے حضرت پیر صاحب نے لکھا کہ مجھے منہ بھر کر گالیاں دیں مگر کتاب اللہ' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت میں بے جا دخل اندازی نہ کریں۔ ۶۶

۵۶۔ وحی کا غلط ہونا شرعاً" و عقلاً" محال ہے۔ ۶۸

۵۷۔ نبیؑ کا کشف اجمالی بھی بیان لاحق کے بعد کشف تفصیلی کی طرح واجب الایمان ہوتا ہے۔

۵۸۔ جو پیش گوئی تاکید بالقسم و نون ثقیلہ اور لام تاکید سے موکد کر کے بیان کی گئی ہو اس پر قبل از وقوع ایمان لانا ضروری ہوتا ہے مگر قادیانی اس کا منکر ہے تو کیا وہ قیامت کا بھی قبل از وقوع منکر ہے؟ ۶۹

۵۹۔ قادیانی انبیاء کے بارے میں لکھتا ہے کہ ان کو شیطانی وحی ہوئی اور وہ

۷۱۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا جسمانی طور پر آسمان پر اٹھایا جانا ہر صورت اور ہر تقدیر میں آیت بل رفعہ اللہ الیہ سے بطور نص ثابت ہے۔ ۱۰۰

۷۲۔ قادیانی صاحب تو شمس الہدایت میں مرقوم "الابعض اہل تحقیق" کا لفظ بھی نہیں سمجھ سکے وہ اس کو مرکب توصیفی سمجھے جبکہ یہ اضافت کے ساتھ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل تحقیق میں سے بعض (اکا دکا) جسم عنصری برزخی کے اٹھائے جانے کے قائل ہیں یعنی جسم عنصری سلب اشتہا طعام و شراب کے بعد اٹھایا گیا۔ یعنی آسمان پر انہیں بشری ضرورتیں لاحق نہیں۔ ۱۰۱

۷۳۔ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کا موقف بھی یہی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو جسمانی طور پر زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا اور وہ اب تک زندہ ہیں۔ ۱۰۲

۷۴۔ حضرت عیسیٰ کے زندہ آسمان سے نازل ہونے پر سب ہی اتفاق رکھتے ہیں۔ ۱۰۳

۷۵۔ عامر بن فہیرہؓ اور دیگر کئی اہل اللہ کا فوتگی کے بعد آسمان پر اٹھایا جانا ثابت ہے۔

۷۶۔ احادیث مقدسہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدینہ منورہ میں روضہ اقدس پر حاضر ہو کر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کریں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب دیں گے اور حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے پیشین گوئی فرمائی کہ مرزا قادیانی کو مدینہ منورہ کی حاضری بھی نصیب نہ ہو گی اور ایسا ہی ہوا۔ ۱۰۸

۷۷۔ موت نبوت کے منافی نہیں ہے۔ ۱۰۹

۷۸۔ آیت "قد خلت من قبلہ الرسل" میں خلت بمعنی مضت ہے اور الرسل میں لام جنس کا ہے استغراق کا نہیں ہے مگر قادیانی سمجھنے سے قاصر ہے۔ ۱۱۰

۷۹۔ مرزا نے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعبیر کشف میں غلطی ہوئی جبکہ نبی کا تعبیر کشف میں غلطی پر قائم رہنا بالکل غلط ہے۔ اگر حضور کی غلطی تسلیم کی جائے تو تمام صحابہ اور صدیوں تک تمام علما و صلحا اور مسلمانوں کا غلطی پر

قائم رہنا تسلیم کرنا پڑے گا جبکہ یہ بھی غلط ہے۔ ۱۱۱

۸۰۔ معتزلہ نے بھی عیسٰی علیہ السلام کے لئے موت کا معنی نہیں لیا دیکھیں زمخشری کی تفسیر کشاف۔ ۱۱۱

۸۱۔ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ نے قرآنی لفظ متو فیک کو بمعنی ممیتک کہا ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام بخاری موت مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کتاب الانبیاء میں نزول عیسٰی بن مریم علیہ السلام کا عنوان قائم کر کے حدیث درج فرمائی ہے یعنی وہ بھی نزول عیسی بن مریم کے قائل ہیں۔ ۱۱۲

۸۲۔ متو فیک میں وعدہ وفات کا ہے اس لئے یہاں ممیتک کا قول کرنے سے بھی وفات مسیح علیہ السلام ثابت نہیں ہوتی اگر تو فیتنی کے متعلق کسی صحابی یا مفسر نے موت کا معنی لیا ہوتا تو وفات مسیح مراد لیا جا سکتا خود حضرت ابن عباسؓ بھی تو فیتی کو رفعنی کہتے ہیں۔ یعنی وفات سے آسمان پر اٹھایا جانا مراد لیتے ہیں۔ ۱۱۴

۸۳۔ قادیانی کا اصرار ہے کہ "توفی" کا معنی موت کے علاوہ ہو ہی نہیں سکتا حالانکہ لسان العرب میں اس کا معنی پورے طور پر لے لینا ہے۔ اور پوری گنتی کرنا ہے اور سوال کرنا ہے سورت اعراف میں یہی معنی لیا گیا ہے اور اس کا معنی عذاب دینا ہے اور اس کا معنی نیند بھی ہے جیسا قرآن مجید میں ہے **ھوالذی یتوفکم باللیل** یہ لفظ مجازاً" موت کے بعد میت پر بولا جاتا ہے۔

۸۴۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن میں جسم مع الروح کس جگہ آیا ہے ہاں البتہ مسیح عیسٰی بن مریم ضرور آیا ہے۔ تو یہی مسیح عیسٰی بن مریم ہی ہے جس سے جسم مع الروح مراد ہے۔ جسے قادیانی تسلیم بھی کرتے ہیں اور منکر بھی ہوتے ہیں۔ ۱۱۵

۸۵۔ شمس الہدایت میں جو محاورات لکھے ہیں ان میں رفع سے مراد رفع جسمی ہے مثلاً" حدیث بیان ہوئی کہ آنحضرت نے صحابہ کو افطار کا وقت بتلانے کے لئے ہاتھ مبارک میں پانی اوپر اٹھایا یعنی پانی کا جسم اوپر اٹھایا یہ نہیں کہ پانی کا جسم تو نیچے رہا اور اس کی روح اوپر اٹھائی گئی۔ ۱۱۶

۸۶۔ قادیانی کے نزدیک بل رفعہ اللہ الیہ میں درجات کی بلندی مراد ہے مگر یہ

غلط ہے اس لئے کہ آخر میں فرمایا گیا ہے و کان اللہ عزیزا" حکیما تاکہ ثابت ہو کہ پیچھے کوئی انہونی اور عام واقع نہ ہونے والی بات بیان کی گئی ہے۔ اور وہ حضرت عیسیٰ کا رفع جسمانی ہے چونکہ عام طور پر لوگوں کو زندہ آسمانوں پر نہیں اٹھایا جاتا اور حضرت عیسی کو اٹھایا گیا اسی لئے و کان اللہ عزیزا" حکیما ساتھ فرمایا گیا۔ ۱۰۸/۱

۸۷۔ آیت یا عیسی انی متوفیک و رافعک الی میں جو وعدہ کیا گیا تھا کہ اللہ تم کو زندہ آسمان پر اٹھائے گا آیت بل رفعہ اللہ الیہ میں اس وعدہ کے پورے ہونے کا بیان ہے۔

۸۸۔ مرزا کہتا ہے کہ جسم مسیح کے اٹھائے جانے کی روایات اسرائیلیات میں سے ہیں۔ حالانکہ یہود و نصاری دونوں رفع جسم مسیح کے قائل نہیں لہٰذا لازم ہے کہ صحابہ نے یہ بات حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی بیان کی ہے۔

۸۹۔ حضرت کے درجات کی بلندی بھی ثابت ہے اور ان کا رفع جسمانی ان کی بلندی درجات کی دلیل ہے۔ ۱۱۹

۹۰۔ اس نرالے نبی اور نئے مفسر قادیانی کا کوئی فقرہ بہ سبب جہالت یا افتراء کے قابل قبول نہیں۔

۹۱۔ واؤ کا حرف ترتیب کے لئے نہیں ہوتا یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو پہلے ذکر کیا جائے واقعہ میں وہ پہلے ہی موجود ہو۔ ۱۱۳/۷

۹۲۔ امروہی قادیانی حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھایا جانا بھی مانتے ہیں اور صلیب دیئے جانے سے بچایا جانا بھی مانتے ہیں یہ ان کی لیاقت علمی ہے؟ ۲۸/۷

۹۳۔ قادیانی کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے کی نفی اصل میں صرف ان کے ملعون ہونے کی نفی ہے اور یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اگر حضرت عیسیٰ مصلوب بھی ہوتے تو مجرم نہ ہونے کی وجہ سے ملعون نہ ٹھہرائے جاتے تو ان کے ملعون ہونے کی نفی قطعا" اصل مقصود نہیں ہے۔

۹۴۔ چونکہ یہود کا دعوی تھا کہ انہوں نے عیسی مسیح ابن مریم کو پھانسی دے کر

قتل کر دیا اور قرآن نے اس کی تردید کر دی لہٰذا قرآنی آیات کا مطلب یہی ہے کہ نہ تو حضرت مسیح بن مریم کو صلیب دی گئی اور نہ ہی قتل کیا گیا۔ ۱۳۱

۹۵۔ اسماء الٰہیہ کا توقیفی یا غیر توقیفی ہونا مسلمانوں کے مابین مختلف فیہ مسئلہ ہے یعنی دونوں فریق اسلام سے خارج نہیں۔ ۱۳۲

۹۶۔ قادیانی کا یہ کہنا کہ حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانے کا اکثر اہل اسلام بھی انکار نہ کر سکے بالکل غلط ہے بلکہ سارے اہل اسلام ہمیشہ اس کا انکار ہی کرتے رہے۔

۹۷۔ لکن کے استعمال میں چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔
(۱) کلام سابق (۲) اس کلام سے پیدا ہونے والا وہم (۳) دفع وہم جو لکن کا مدلول ہے (۴) وہ مضمون جس سے وہم سابق دفع کیا جائے۔

۹۸۔ جس شخص پر اللہ تعالی نے حضرت مسیح کی شبیہ ڈال دی اور اس کو یہود نے پھانسی دیدی اس کا نام کیا تھا اور اس کی ساری تفصیل مقصود نہیں لہٰذا قرآن نے کچھ نہیں کہا۔ ۱۳۲، ۴۴۲

۹۹۔ حضرت عیسیٰ مسیح خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے جس کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا اور پھر دوبارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق دنیا میں اتر کر فوت ہوگا۔ ۱۴۴

۱۰۰۔ امروہی مرزائی نے آیت **"لیومنن بہ قبل موتہ"** کو جملہ انشائیہ قرار دیا ہے جو نہ صرف جہالت ہے بلکہ گناہ کبیرہ ہے کیونکہ بارگاہ خداوندی میں اس سے نقص لازم آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے جواب قسم کا جملہ خبریہ ہوتا ہے۔ ۱۴۵

۱۰۱۔ اگر دوسرے شخص پر شبہ ڈالے بغیر حضرت عیسٰی کو آسمان کی طرف اٹھا لیا جاتا تو کھلا کھلا نشان دیکھ لینے کی وجہ سے ایمان بالغیب جاتا رہتا ایک شکل کا مختلف شکلوں میں نظر آنا اور ایک ہی شخص کا ایک وقت میں کئی مکانوں میں موجود ہونا ممکن ہے بلکہ دیکھا جا چکا ہے۔ اور حکمت الٰہیہ کے منافی نہیں۔ ۱۴۸

۱۰۲۔ حضرت عیسٰی کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اور قرآن میں ان کی والدہ محترمہ کو

صدیقہ کہنا کسی طرح بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان افضلیت کے خلاف نہیں۔ ۱۵۰

۱۰۳۔ مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے صحابہؓ سے صحیح اسناد کے ساتھ لکھا ہے اور کوئی مضمون آیات کریمہ کے خلاف نہیں۔ ۱۵۲

۱۰۴۔ امروہی مرزائی نے بڑے زور و شور سے لیؤمنن کو انشائیہ کہتے کہتے جب ترجمہ کیا تو خبریہ بنا دیا اسی لئے کہتے ہیں دروغ گو را حافظ نہ باشد۔ ۱۵۳

۱۰۵۔ اگر حضرت عیسٰی صرف روحانی طور پہ زندہ ہیں تو یہ کوئی انہونی اور تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس کو قسم کھا کر بیان کیا جاتا بلکہ قسم کھا کر بیان کرنا ثابت کرتا ہے کہ وہ جسمانی طور پر زندہ ہیں۔ ۱۵۴

۱۰۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان موجود ہے کہ اے یہودیو! حضرت عیسٰی کو موت نہیں آئی اور وہ بے شک تمہاری طرف لوٹ کر آنے والے ہیں قیامت سے پہلے اور یہ حدیث حیات جسمانی پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔۔ ۱۵۵

۱۰۷۔ لکھا گیا ہے کہ بیضاوی اور کشاف وغیرہ نے **"لیومنن بہ قبل موتہ"** کو جملہ انشائیہ قرار دیا ہے جبکہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور جہالت ہے کیونکہ بیضاوی اور کشاف وغیرہ نے اس کو جملہ خبریہ موکدہ بالانشائیہ ٹھہرایا ہے۔ ۱۵۶

۱۰۸۔ قادیان کے مشن جیسا کوئی اور مشن غیر مہذب دیکھنے میں نہیں آیا منقول و معقول دونوں ہی ان کی لغزش آمودہ اور کجی اور جہالت مرکبہ سے بھری ہوئی ہیں۔ ۱۵۷

۱۰۹۔ حضرت مسیح ساری ملتوں کو ایک ملت اسلام کر دیں گے صلیب کو توڑیں گے مگر مرزا جی نے نہ تو کوئی صلیب توڑی نہ کوئی عیسائی پادری ان کے ہاتھ پر تائب ہوا پھر مرزا جی کس طرح مسیح موعود ہو سکتا ہے۔ ۱۵۸

۱۱۰۔ دجال خدائی کا دعویدار ہو کر عارضی غلبہ حاصل کرے گا اس کو حضرت مسیح علیہ السلام قتل کریں گے جس سے دجال کے تابعین کو بڑی ذلت ہو گی مرزا قادیانی نے تو ایسا کچھ نہ کیا۔ ۱۵۸

۱۱۱۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جزیہ کا حکم نزول عیسیٰ سے قبل تک محدود ہے حضرت عیسی علیہ السلام جزیہ موقوف کر دیں گے کیونکہ اس وقت یہود و نصاری کی حالت بت پرستوں کی طرح ہو جائے گی اور بجز اسلام ان سے کوئی شئی قبول نہ کی جائے گی۔ ۱۵۹

۱۱۲۔ امروہی مرزائی کا حال یہ ہے کہ ایک ٹکڑا حدیث کا من گھڑت شرح کر دیتے ہیں مگر جب آنکھ کھلتی ہے تو اسی حدیث کا دوسرا ٹکڑا اس شرح کو مردود کر دیتا ہے۔ ۱۶۰

۱۱۳۔ ہر کافر پہلے حضرت مسیح کے دم سے نیم مردہ ہو جائے گا اور پھر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

۱۱۴۔ نزول عیسیٰ بھی علامات قرب قیامت میں سے ایک علامت ہے۔ ۱۶۲

۱۱۵۔ جس طرح آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام وغیرہم سے بعینہ وہی مراد ہیں اسی طرح حدیث نزول میں بھی وہی مسیح بن مریم بعینہ مراد ہیں ان کا مثل مراد نہیں ہے۔۔ ۱۶۳

۱۱۶۔ حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے جو حضرت فاروق اعظمؓ کے حکم پر جناب بنلہ بن معاویہ انصاریؓ کے ساتھ جہاد کے سفر میں تھے ان کے ساتھ تین سو شہ سوار تھے ایک مقام پر عصر کی نماز کے لئے اذان کہی جب کہا **اشھد ان محمد ا رسول اللہ** تو پہاڑوں میں سے کسی نے پکار کر کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسٰی بن مریم نے ہم کو دی ہے یہ شخص زریت بن بر تملا تھا جس نے مزید بتلایا کہ وہ خدا کے عبد صالح عیسی بن مریم کا وصی ہے انہوں نے اس کو پہاڑ میں ٹھہرایا اور آسمان سے نزول کے وقت تک اس کے زندہ رہنے کی دعا کی۔ ۱۶۴

۱۱۷۔ اگر یہ وصی عیسی بن مریم اس قدر طویل زمانے تک کچھ کھائے پیئے بغیر پہاڑوں میں زندہ ہے تو حضرت عیسی بھی یقیناً" آسمان پر زندہ ہیں۔ ۱۶۵

۱۱۸۔ آیت قرآنی "**و ان من اھل الکتاب الالیومنن بہ قبل موتہ**" میں اہل کتاب سے وہی اہل کتاب مراد ہیں جو نزول مسیح کے وقت موجود ہوں گے اور

وہ موت مسیح سے قبل ایمان لائیں گے۔ ۱۶۶

۱۱۹۔ حضرت مسیح پر اہل کتاب کا ایمان لانا درحقیقت افضل الاولین والاخرین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہو گا یعنی اب یہودی اور عیسائی حضرت مسیح سے متعلق جو غلط اعتقاد رکھتے ہیں وہ اپنی غلطی کو تسلیم کریں گے اور خود حضرت مسیح علیہ اسلام کے ذریعے اسلام کو قبول کریں گے۔ ۱۶۷

۱۲۰۔ امروہی صاحب نے آیت مندرجہ بالا کا جو معنی لیا ہے وہ جاہلوں کی تحریف ہے کیونکہ اس کی بنا واقعہ صلیبی پر ہے ہر ایک یقین کو ایمان نہیں کہا جاتا بلکہ ایک مخصوص یقین کو شرعاً" ایمان کہا جاتا ہے۔ ۱۶۸

۱۲۱۔ بروز کا معنی یہی ہے کہ ایک کامل کی روح دوسرے ناقص کے بدن میں ظہور کرے اگر مانا جائے کہ نزول عیسیٰؑ سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے مرزا قادیانی میں نزول بروزی کیا ہے تو بہت سارے مفاسد کا باعث ہے۔ ۱۶۹

۱۲۲۔ امروہی مرزائی نے جو آیات بروز ثابت کرنے کے لئے پیش کی ہیں ان کا بروز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ۱۷۳

۱۲۳۔ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہؒ نے خواب میں دجال سے مقابلہ کیا جبکہ ابھی عدم بلوغت کی عمر تھی اور دجال کو شکست ہوئی۔ ۱۸۰

۱۲۴۔ قبر میں منکر نکیر عربی زبان میں سوال کریں گے مگر اہل ایمان کو اللہ تعالی غیب سے سمجھ عطا فرمائے گا اور وہ جواب دیں گے اسی طرح دنیا کی زندگی میں دیکھے بغیر مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیں گے۔ ۱۸۰

۱۲۵۔ دجال جبراً" شرک پھیلائے گا لہٰذا حکم ہے کہ ایسی صورت میں مسلمان فواتح سورہ کہف پڑھیں۔ ۱۸۳

۱۲۶۔ حدیث شریف میں علامات قیامت میں سے بتلایا گیا ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہو گا اور امروہی مرزائی کہتا ہے کہ یہ قرآنی آیت کے خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سورج اپنے مستقر کی طرف چلتا ہے ور وہ تاویل باطل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو گا بلکہ توحید.اسلام کا سورج مغرب یعنی امریکہ اور یورپ سے طلوع ہو گا مرزائی کو سورج کے مستقر کا پتہ ہی نہیں

سورج کا مستقر عرش کے نیچے ہے لہٰذا آفتاب مغرب سے بھی طلوع ہو سکتا ہے اور یہ بات سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ ۱۸۴

۱۲۷۔ مسیح موعود کے لئے قرآن، حدیث اور الہامات و افعال میں ایسی مہارت اور صداقت اور راست بازی کا ہونا ضروری ہے جو انہیں سب سے ممتاز اور سب پر فائق کر دے۔ ۱۷۴

۱۲۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے مسیح موعود کی ذاتی اور زبانی خصوصیات بیان فرما دیں تاکہ امت کسی جھوٹے مسیح کے دام میں نہ پھنس جائے۔

۱۲۹۔ حضرت مسیح کی دنیوی حیات چالیس سال ہے رفع آسمانی سے قبل تینتیس (۳۳) سال اور نزول کے بعد سات سال مگر مرزا قادیانی کہتا ہے کہ اس کی اپنی الہامی عمر (اسی) ۸۰ سال ہے یعنی وہ خود اپنے قول کے مطابق مسیح موعود نہیں ہو سکتا۔ ۱۷۶

۱۳۰۔ حضرت عیسیٰ نزول کے بعد چونکہ امت محمدیہ کے فرد ہوں گے اور دین نصرانیت وغیرہ کو مٹا دیں گے اس لئے صرف مسلمان باقی ہوں گے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ ان کی نماز جنازہ مسلمان پڑھیں گے۔ ۱۷۷

۱۳۱۔ نزول عیسیٰ کے وقت امام مہدی امامت کریں گے اور بعد میں حضرت عیسیٰ امامت کریں گے۔ ۱۷۸

۱۳۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ جہاد کو موقوف کر دیں گے یعنی پہلے جہاد کریں گے جب کوئی غیر مسلم باقی نہ رہ جائے گا تو جہاد موقوف کر دیں گے یعنی جب سارے مسلمان ہوں گے تو جہاد کس کے خلاف ہو گا؟ ۱۷۸

۱۳۳۔ اگر ۲۳ جگہ توفی کا معنی موت لیا گیا ہے تو ضروری نہیں کہ باقی ہر جگہ بھی توفی سے موت ہی مراد ہو۔ ۱۸۶

۱۳۴۔ لغت میں تصریح کی گئی ہے کہ موت واقع ہو جانے کے بعد میت پر توفی کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے حقیقتہ نہیں ہوتا۔ ۱۸۸

۱۳۵۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم بالا میں نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیین کا درجہ پا چکے تھے حالانکہ ابھی آدم علیہ السلام کا مجسمہ

بھی تیار نہ ہوا تھا۔ ۱۹۵

۱۳۶۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روح رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ہے مگر قادیانی روح کو رحم کا کیڑا قرار دیتا ہے۔ ۱۹۶

۱۳۷۔ انی متوفیک و رافعک الی کا یہ معنی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے فرمایا کہ میں تیری عمر کی مدت پوری کروں گا یہودی تجھے قتل نہ کر سکیں گے اس لئے میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور جب تیری عمر کی میعاد پوری ہو گی تو میں خود تجھے موت دوں گا۔ ۲۰۵

۱۳۸۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو فوقیت اور غلبہ عطا فرمایا کہ عرب میں جن کافروں نے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوئے اور باقی مسلمان ہوئے سارے عرب پر اسلام کا غلبہ ہو گیا۔ ۲۰۶

۱۳۹۔ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا آیت سبحان الذی اسری بعبدہ اور بل رفعہ اللہ الیہ سے ثابت ہے مرزا قادیانی نے پرانے فلسفہ کی بنا پر آسمان پر جسم عنصری کے ساتھ جانے کو ممتنعات میں سے لکھا ہے یعنی وہ قرآن کے مقابلے میں فلسفیوں پر ایمان رکھتا ہے یہ کہنا کہ آسمانوں پر کرہ زمہریر اور کرہ ناریہ کی وجہ سے جسم عنصری ٹھنڈک اور گرمی کو برداشت نہیں کر سکتا غلط ہے جو خدائے عز و جل قلنا یا نار کونی بردا" کی شہادت کے مطابق حضرت ابراہیم پر آگ کو گلزار بنا سکتا ہے وہ اپنے حبیب مطلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ کے لئے بھی بندوبست فرما سکتا ہے۔ ۲۱۳

۱۴۰۔ امروہی مرزائی کی ساری کتاب کا حاصل سوائے آویز یعنی الجھنے گریز یعنی حق سے دور بھاگنے، بہتان اور کج فہمی کے اور کچھ نہیں۔ ۲۱۶

۱۴۱۔ امروہی مرزائی کتاب شمس الہدایت کے مضامین کو سمجھ ہی نہیں سکا اگر کسی سے پڑھ لیتا تو اچھا تھا اس کتاب میں مرزا قادیانی پر جو اعتراض وارد کئے گئے تھے ان میں سے کسی کا بھی جواب نہیں دے سکا۔ ۲۱۷

۱۴۲۔ امروہی مرزائی قرآن کریم کے حقیقی اور مجازی معنی سے بے خبر ہے مگر حضرت ختم المرسلین افضل الاولین والا خیرین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسیہ

صفات سے ایسی عداوت کا اظہار کرتا ہے۔ ایسی عداوت تو پادریوں، آریوں وغیرہ نے بھی نہیں کی۔ ۲۱۸

۱۴۳۔ مرزائی قادیانی نے حضرت مسیح کے معجزات کو مسمریزم اور کھلونے قرار دیا ہے (دیکھیں ازالہ صفحہ ۳۰۸)

۱۴۴۔ آیت قرآنی قد خلت من قبله الرسل میں لفظ خلت حضرت مسیح کے دوبارہ آنے سے مانع نہیں ہے یہ آیت حضرت مسیح کے دوبارہ نہ آنے کو ثابت نہیں کرتی نہ اس کے لئے دلیل بن سکتی ہے اور امروہی مرزائی کا اپنا استدلال خود ہی اسی کے اور مرزا قادیانی کے دعوے کو باطل کرتا ہے۔ ۲۱۹

۱۴۵۔ ابلیس نے حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا تو آسمانوں سے نیچے اتار دیا گیا اور حضرت آدم و حوا علیہما السلام جنت میں رہے پھر ابلیس نے ان کو وسوسے میں ڈالا یعنی ابلیس آسمانوں پر گیا تو وسوسے میں ڈالا اگر ابلیس خدا تعالی کی دی ہوئی قوت سے آسمانوں پر جا سکتا تھا تو وہی خدا حضرت مسیح کو بھی اپنی قدرت مطلقہ سے آسمانوں پر لے گیا۔ ۲۲۳

۱۴۶۔ حضرت الشیخ محی الدین ابن عربیؒ نے فرمایا کہ حضرت مسیح کا آخری زمانے میں حاکم عادل کی صفت کے ساتھ زمین پر اترنا متفق علیہ بات ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں مگر امروہی مرزائی نے خود ہی اس عبارت میں نزول کو نزول بروزی بنا دیا حالانکہ حضرت الشیخ تو نزول جسمی اور حیات مسیح کے قائل ہیں۔

۱۴۷۔ سورہ زلزال میں "ارض" سے مراد زمین ہی ہے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے مگر مرزا اس کو غلط کہنے اور "ارض" کی باطل تاویل کرنے کی وجہ سے قرآن و حدیث کا منکر ہوا ہے۔ ۲۲۵

۱۴۸۔ امروہی مرزائی اقرار کرتا ہے کہ حیات مسیح کی روایات صحابہ و تابعین سے ثابت ہیں مگر ساتھ ہی کھلے طور پہ ان کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔ ۲۲۷

۱۴۹۔ کسی مجدد اور محدث کو لغوی معنی کے اعتبار سے مرسل کہا جا سکتا ہے مگر اصطلاحی معنی میں ان میں سے کسی کو "رسول" نہیں کہا جا سکتا نہ کہا گیا ہے۔

۱۵۰۔ حدیث پاک میں بشارت دی گئی ہے کہ ابناء فارس میں سے ایک شخص

غلام عبدالحق محمد
(جی اے حق)
ادنیٰ ترین خادم آستانہ عالیہ غوثیہ مہریہ
گولڑہ شریف ۔ ۱۹۹۸ ۔ ۳ ۔ ۶

تصنیفات

علامۂ دوراں، قطبِ زماں حضرت قبلۂ عالم سیّدنا خواجہ پیر **مہر علی شاہ صاحب** گولڑوی قدس سرہٗ

تحقیق الحق فی کلمۃ الحق } یہ کتاب کلمۂ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت الوجود کے بیان میں ہے۔ جو کہ حضرات صوفیائے کرام کے مکشوفات میں سے ہے۔ اور ساتھ ہی لکھنو کے مشہور صوفی مولانا سیّد عبدالرحمٰن صاحب مرحوم کی کتاب کلمۃ الحق کا جواب بھی ہے جس میں شاہ صاحب موصوف نے مسئلہ وحدت الوجود کو کلمۂ طیبہ کا مدلول ثابت فرما کر تمام اُمت کو اس کشفی مسئلہ کے ساتھ مکلف ہونے پر کافی دلائل پیش فرمائے تھے۔ آں جنابؒ نے اپنے خُداداد علمی و عرفانی کمالات سے ایک طرف شاہ صاحب مرحوم کے اس خطرناک نظریہ کی تردید فرمائی جس سے اُمتِ مُسلمہ کے اکثر افراد کا کلمۂ طیبہ پر ایمان سے محروم ہونا لازم آتا ہے۔ اور دُوسری طرف صُوفیائے کرام کے مسلک کے مُطابق مسئلہ مذکورہ کی ایسی تشریح فرمائی جو اربابِ علم و ذوق کے لیے خضرِ راہ ہے۔ آخر میں صُوفیائے وجودیہ کے سلوک اور توجہ کے طریقہ کو نہایت ہی عمدہ انداز میں بیان فرما کر بطور تبرک حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختصر سیرتِ طیبہ اور نہایت ہی مُفید اور کار آمد وصیتوں پر کتاب کو ختم فرمایا ہے۔ پہلا ایڈیشن جو ۱۳۱۵ھ میں طبع ہوا تھا، کافی عرصہ سے ختم ہو چکا تھا۔ اب دُوسرا ایڈیشن بمعہ اُردو ترجمہ اور مختصر حالاتِ مصنف رحمۃ اللہ علیہ طبع ہو چکا ہے جو اُردو خوان حضرات کے لیے بھی کافی مفید ہے۔ ضخامت ۲۸۸ صفحات

شمس الھدایہ } یہ کتاب حضرت مسیح ابنِ مریم علیہ السلام کے زندہ آسمان پر تشریف لے جانے اور قیامت کے قریب واپس زمین پر نزول فرمانے کے موضوع پر کتاب و سُنت کی روشنی میں ایک لاجواب تحفہ ہے جس کے پڑھنے سے موجودہ دور کے بعض غلط خیالات کی پوری تردید سامنے آجاتی ہے جن کی وجہ سے ختمِ نبوت جیسے متفقہ اور اجماعی عقیدہ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کافی کوشش کی گئی تھی۔ کتاب اُردو میں ہے جس سے اکثر طبقہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ پانچواں ایڈیشن ختم ہو چکا ہے۔ چھٹا زیرِ طبع ہے صفحات ۱۰۴

سیفِ چشتیائی } یہ کتاب حیاتِ مسیح علیہ السلام اور ختمِ نبوت کے منکرین کے رد میں لکھی گئی ہے۔ اور بلاشبہ اس موضوع پر قوتِ استدلال اور طرزِ بیان کے لحاظ سے بے نظیر ہے اور ہر طبقہ کے علماء میں مقبول ہے۔ سابق ایڈیشن ختم ہے اور نیا ایڈیشن سفید کاغذ پر عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ منظرِ عام پر آچکا ہے۔ ضخامت ۲۵۸ صفحات

فتاوی مہریہ (حصہ اوّل) } یہ کتاب آنجناب کے قلمی فتاوی کا مجموعہ ہے جس میں بغرض سہولت آپ کے دیگر تصنیفات میں مختلف مقامات پر بیان کردہ بعض دیگر مسائل بھی ساتھ شامل کر دیے گئے ہیں جو کہ اہلِ علم و عقیدت حضرات کے لیے نہایت ہی مُفید ہے۔ ضخامت ۱۵۴ صفحات

اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ } یہ کتاب وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی تفسیر ہے جس میں مسائل نذر و نیاز، سماعِ موتیٰ، استمدادِ اولیاء کرام کو نہایت ہی شستہ انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اور ان مسائل میں مدت سے اہلِ اسلام میں جو اختلاف چلا آرہا تھا اُسے نہایت ہی اعتدال و انصاف کے ساتھ ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تین ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں۔ اب چوتھا ایڈیشن زیرِ طبع ہے۔

مکتوباتِ طیبات } یہ کتاب آنجناب کے خطوط اور تحریرات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً آپ نے احباب اور متعلقین کو لکھے ہیں اور اکثر اُردو میں ہیں جن کے مطالعہ سے شریعت و طریقت کے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں تیسرا ایڈیشن طبع ہو چکا ہے۔ ۲۰۰ صفحات

پنج گنج عرفان } نعتیہ کلام حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ معہ قصیدہ مقریہ مع اسناد پنجابی۔ دُعائے حزب البحر و چہل کاف و قصیدہ مدحیہ در شان حضور قبلۂ عالم قدس سرہٗ

مجموعۂ وظائف (مترجم) **چشتیہ** از حضور قبلۂ عالم قدس سرہٗ نفیس ٹائیٹل۔ عمدہ کتابت و طباعت کاغذ سفید صفحات ۳۲۰ قیمت صرف ۵ روپے

ملفوظاتِ طیبات ترجمہ اُردو طبع ہو کر قارئین کی خدمت میں پیش ہو چکا ہے۔ بار سوم۔ نیا ایڈیشن

الفتوحات الصمدیہ

عجالہ بردو سالہ

ملنے کا پتہ:- **آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف۔ ضلع اسلام آباد**